ظاہری وباطنی اصلاح کا بہترین ذریعہ
مجموعہ
تالیفاتِ مصلح الامۃ
عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ
ناشر
مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ ممبئی ۳
محمد علی روڈ، ممبئی ۳ فون: ۲۳۴۲۳۱۰۹

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

لوگو! سنو اللہ تعالیٰ نے تم کو اس بات کا تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تمہاری عقل درست ہو

الحمد للہ کہ روح تعلیمات حدیث و قرآن

یعنی رسالہ

وصیۃ الاحسان

از

ملفوظات حضرت فخر الاماثل والاقران متبع سنن نبویہ

وخازن امانت علویہ، ماہر علوم حنفیہ، وارث برکات چشتیہ، مولانا و مقتدانا الحاج العارف باللہ مولانا وصی اللہ الاعظمی ادام اللہ فیوضہ و برکاتہ علینا و علی جمیع الامۃ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیہ

بہ تصحیح محمد سراج الحق غفر لہ

مکتبہ اشرفیہ

36 محمد علی روڈ، مقابل منارہ مسجد قریب تاج آفس بمبئی 3

پہلی بار ———— یکم ربیع الاوّل ۱۴۱۲ھ

باہتمام ———— قاری ولی اللہ صاحب

ناشر ———— مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ بمبئی ۳

نام کتب ———— وصیۃ الاحسان

قیمت ————

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

اما بعد پیش نظر کتاب حضرت مرشدی و مولائی مولانا و مقتدانا الشاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری دامت برکاتہم واطال اللہ فیوضہم علینا کے بعض ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جنھیں مجلس عام یا خصوصی خطابات کے موقع پر خدام میں سے کسی نے قلمبند کرلیا ہے اور اس وقت نیت اس سے صرف یہ ہوتی تھی کہ سب باتوں کا ویسے زبانی تو یاد رکھنا مشکل ہوگا قید تحریر میں کرلیا جائے تاکہ دوسرے وقت خود کو اس سے استفادہ ممکن اور آسان ہو کہ العلم صید والکتابۃ قید مشہور مقولہ ہے۔

لیکن آنے جانے والے حضرات میں سے جس نے بھی ضبط کردہ ملفوظات کا مطالعہ کیا وہ اس امر کا مشتاق ہوا کہ کاش اس کی ایک نقل میرے پاس بھی ہوتی مگر یہ چیز نہ میرے لئے آسان تھی اور نہ انکے لئے۔ اسی سلسلے میں بعض خدام نے ہمت کرکے حضرت والا مدظلہ العالی سے ان کی طباعت و اشاعت کی اجازت چاہی حضرت والا نے نہایت ہی شد و مد سے انکار فرمایا اور یہ فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات دیکھنے کے لئے کیا کچھ کم ہیں۔ پھر اُن کے ہوتے ہوئے اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہم لوگوں کی سمجھ میں اس کا کوئی جواب نہ آیا اس لئے بات ختم ہوگئی۔

حسن اتفاق کہ جن دنوں یہ تذکرہ ہوا اس کے چندہی دن بعد حضرت مولانا سید ظہور الحسن صاحب مدظلہٗ سہارنپور سے تشریف لے آئے ان سے بھی ملفوظات کی طباعت کا ذکر آیا حضرت موصوف نے بھی پوری تائید فرمائی ہم لوگوں نے اجازت حاصل کرنے کے لئے انھیں سے درخواست کی مولوی صاحب موصوف نے جو بات جواب میں عرض کی وہ بھی چونکہ معقول تھی اس لئے حضرت والا نے سکوت فرمایا۔

حضرت مولوی صاحب نے عرض کیا تھا کہ "بلاشبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات نہایت ہی نافع اور مفید ثابت ہوئے اور بہت سے لوگوں کی ان کے ذریعہ اصلاح بھی ہوئی مگر ہم لوگوں کیلئے تو حضرت کے ارشادات بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کی طرح سند ہیں نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں اور حضرت والا کے ارشادات میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اس موجودہ زمانہ کی ضروریات

.... اس قدر تفصیل سے یہاں ملتی ہیں اس طرح پر حضرت کے ارشادات گویا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کی ایک عمدہ شرح ہے نہ کہ اس کے بالمقابل کوئی مستقل شے، پس حضرت کی باتوں کا شائع ہونا گویا حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ملفوظات کی شرح کا شائع ہونا ہے۔

مثلاً مرض نفاق ہے، اس کے متعلق جس قدر سیر حاصل بحث (مثلاً یہ کہ مسلمانوں کا اس زمانہ میں اس میں عام ابتلاء — نیز کس کس گوشہ سے یہ مرض انسان میں راہ پاتا ہے — اس کی علامات اس کی شناعت وقباحت اور اس کے دینی و دنیوی نقصانات — اور اس کا علاج وغیرہ وغیرہ) حضرت والا کے ارشادات میں ملتی ہے .... کسی کے یہاں یکجا طور پر اس اہمیت کے ساتھ اس کا بیان نہیں دیکھا گیا ہے۔"

بہر حال اب یہ حضرت والا کی اجازت سے شائع ہو رہے ہیں اگرچہ ان ملفوظات پر حضرت والا نے نظر ثانی بھی فرمالی ہے تاہم اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت والا کے مخصوص انداز بیان اور اصل تقریر کا زور اس تحریر میں نہیں آسکا ہے۔ ؂

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
لیک من درحیرتم نازش چساں خواہد کشید

آپ کے سامنے اس وقت ملفوظات کا یہ حصۂ اول ہے، اس میں زیادہ تر وہ ارشادات جمع کئے گئے ہیں جن کا تعلق مرض نفاق سے ہے اس لئے کہ قرآن و حدیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اعضاء انسانی میں سے جملہ جوارح کا سردار قلب ہے کہ اسی کی صلاح وفساد پر سارے بدن کا فساد اور صلاح موقوف ہے الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (ترجمہ آگاہ ہو جاؤ کہ انسان کے بدن میں ایک لوتھڑا ہے کہ جب وہ درست رہتا ہے تو سارا بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن میں فساد واقع ہو جاتا ہے سن لو کہ وہ لوتھڑا قلب ہے)۔

اسی طرح قلب کے امراض میں سے نفاق کا مرض بھی اُمّ الامراض ہے اور الحمد للہ کہ حضرت والا

دامت برکاتہم کو اس کی تشخیص اور شناخت اور اس کے علاج میں ید طولیٰ حاصل ہے جس طرح سے علماء ظاہر میں سے کوئی تو علم تفسیر پر عبور رکھتا ہے تو کوئی حدیث میں ماہر ہوتا ہے ۔ کوئی فقہ میں مہارت تامہ رکھتا ہے تو کوئی علم ادب میں یکتائے زمانہ ہوتا ہے ۔ کوئی علم معانی و بیان میں کامل ہوتا ہے تو کوئی منطق و فلسفہ میں فاضل ہوتا ہے ـــــ یا اطباء و ڈاکٹر میں سے کوئی تو دق کے علاج میں یکتا ہوتا ہے تو کوئی آنکھ کے علاج کا ماہر ہوتا ہے اور کوئی آپریشن کرنے میں ہوشیار ہوتا ہے تو کوئی بخار کا علاج عمدہ کرتا ہے ــ اسی طرح اطباء باطن میں سے کسی کے یہاں آپ کو کوئی چیز نمایاں دکھیں گے اور کسی کے یہاں آپ کو کوئی اور شئے ملے گی ۔ ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است ــ اور

ع گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن

الحمدللہ ہمارے حضرت کے یہاں اُس مرض کا علاج ہوتا ہے جو ام الامراض ہونے کے علاوہ عام اتنا ہے کہ آج پوری قوم کی قوم کے رگ و ریشہ میں دق کے بخار کی مانند سرایت کر چکا ہے الا ماشاءاللہ اس کی اسی ہمہ گیری اور شدت کو دیکھ کر اطباء بھی سراسیمہ ہو رہے ہیں اور ان کی تشخیصات بھی مختلف ہیں

حضرت والا مدظلہ العالی کی زبانی بارہا سنا کہ "یہی اخلاص و نفاق کی بحث میری ساری عمر کی کمائی ہے نہ تو میں آنے والوں سے زیادہ اوراد و وظائف کا مطالبہ کرتا ہوں اور نہ ان کی ظاہری ٹیپ ٹاپ ہی سے کچھ خوش ہوتا ہوں میں دیکھتا صرف یہ ہوں کہ ان میں اخلاص کا کتنا حصہ پیدا ہو چکا ہے اور ان سے کہتا یہ ہوں کہ مجھ سے صرف اپنی خوبیاں ظاہر کرنے سے کیا فائدہ جو باتیں آپ میں اچھی موجود ہیں سبحان اللہ وہ تو اچھی ہیں ہی ۔ میرے یہاں تو قلب کے امراض پیش کیا کرو ــ یہ کیا طریقہ ہے کہ ع

وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے"

اگر آپ نے ملفوظات کے اس حصّہ کا بغور مطالعہ کیا تو خود آپ محسوس کریں گے کہ جیسے تاریکی سے ایک روشنی میں آگئے ہوں خود اپنے نفس کی بابت بھی اور دوسروں کے متعلق بھی ۔ اور اس کا فائدہ صرف یہی نہ ہوگا کہ آپ اپنی آخرت سنوار سکیں گے بلکہ آخرت کے ساتھ ساتھ آپ کو دنیوی امور میں بھی انشاءاللہ تعالیٰ یہ معلومات مشعل راہ کا کام دیں گی دین وہی کامل ہے جس کا نفع انسان کو اس دنیا میں بھی پہنچے ۔ اس مضمون سے آپ کی سمجھ میں یہ بات بھی اچھی طرح آجائے گی کہ آج مسلمانوں کی اصل خرابی ترک دین ہے اور ان کی جملہ بدحالیوں کا علاج دین ہے اور دین ہی کی تحصیل میں ان کی فلاح دنیا بھی مضمر ہے ۔

ملفوظات متعلقہ نفاق میں سے بھی پہلے ان ملفوظات کو پیش کیا جاتا ہے جو کتاب و سنت سے اور بزرگوں کے اقوال سے نفاق کی حقیقت سمجھانے کے لئے حضرت والا نے وقتاً فوقتاً بیان فرمائے کہ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ جس چیز کا مفصل بیان آپ آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے اس کی حقیقت قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ کو معلوم ہو جائے گی دوسرا یہ کہ ابتداءً اس کے بیان کر دینے کی وجہ سے بہت سے اشکالات جو اس مضمون کے جدید ہونے کی وجہ سے عام ذہنوں میں ہو سکتے ہیں زائل ہو جائیں گے اور بہت سے ان خلجانات کا یہاں سے حل بھی نکل آئے گا جو ممکن ہے کہ بعض دلوں میں پیدا ہوں۔

راقم جامع ملفوظات نے تتمیماً للفائدہ حضرت مدظلہ العالی کے ان ارشادات کو جو حقیقت نفاق کے کے متعلق مختلف مجالس میں بیان ہوئے تھے اپنی دی ہوئی ترتیب کے ساتھ یکجا ہی لکھ دیا ہے جس کی وجہ سے اب ان متعدد ملفوظات نے ایک مرتب مضمون کی شکل اختیار کر لی ہے گو حضرت والا کے نظر فرمانے کی وجہ سے اس ترتیب کی صحت پر اطمینان ہو گیا ہے تاہم اگر کہیں الفاظ مضمون و مفہوم کی ادائیگی سے قاصر ہوں تو اس کا سبب اس ناکارہ کی بے استعدادی اور قلت ضبط ہوگا۔ ناظرین کرام سے اپنی اس کوتاہی کی معافی کا خواستگار ہوں اور اپنے لئے حصول اخلاص اور قلب کے نفاق سے طاہر ہونے کی دعا کا طلبگار ہوں۔ اللھم طھر قلبی من النفاق۔

نفاق کے معنی اور اس کے اقسام فرمایا نفاق جس کو میں سکۂ رائج الوقت[۱] - پالیسی - ہوشیاری اور ظاہر و باطن یا قول و فعل کے تخالف سے تعبیر کرتا ہوں ایک قلبی مرض ہے آیت فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ میں مرض کی تفسیر علماء نے شک اور نفاق ہی سے کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا قلب بھی مریض ہوتا ہے اور اس کی بیماریوں میں سے ایک شدید بیماری نفاق ہے۔ نفاق کی ضد اور مقابل اخلاص ہے۔ اس نفاق کی دو قسمیں ہیں اعتقادی (یا اصلی) اور عملی[۲] اول کفر بلکہ کفر سے بڑھکر ہے اور

---

[۱] اس لفظ میں ایک لطیفہ بھی ہے وہ یہ کہ یہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کی تشبیہ اور طنز و تعریض ہی نہیں بلکہ ایک لغوی حقیقت بھی ہے۔ کیونکہ "نفق" کے معنی چلن اور رواج کے بھی آتے ہیں اور اس کا استعمال پونجی اور مال کے ساتھ ہوتا ہے پس اس کو سکہ کہنا نہایت نادر اور لطیف ہے کیونکہ تشبیہ کے لحاظ سے اس کے معنے یہ ہوئے کہ روپیہ اور سکہ کی طرح کام چلانے والی چیز اور بلحاظ لغت یہ معنے ہوئے کہ یہ چیز خود بہت چالو اور حاجت روا ہے اور ذرا غائر نظر سے دیکھئے تو یہ لفظ ایک تاریخی حقیقت بھی ہے سکہ بادشاہوں کا جاری کیا ہوا ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ پہلے لکھنوی بادشاہوں کا تصنع اور ظاہر داری کا سکہ چلتا تھا پھر انگریز نے پالیسی چلائی اور ڈپلومیسی پڑھائی (جامع)

ثانی اسلام کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ان کان تفویتاً للتصدیق وانما یکون الانقیاد بغلبة السیف فهو النفاق الاصلی والمنافق بهذا المعنی لا فرق بینه وبین الکافر فی الآخرة بل المنافقون فی الدرک الاسفل من النار ۔ وان کان مصدقاً مفوتاً لوظیفة الجوارح سمی فاسقاً او مفوتاً لوظیفة الجنان فهو المنافق بنفاق آخر وقد سماه بعض السلف نفاق العمل۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۶۳)

اگر سرے سے قلبی تصدیق ہی نہیں ہے اور اطاعت صرف تلوار کے ڈر سے کر لی گئی ہے تب تو یہ نفاق اصلی ہے اور ان معنوں کے لحاظ سے جو منافق ہے اس میں اور کافر میں آخرت میں کوئی فرق نہیں کیا جائیگا بلکہ منافقین تو کافروں سے بڑھ کر سزا دئے جائیں گے کیونکہ وہ جہنم کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے۔ اور اگر دل سے تو اس نے تصدیق کر لی ہے صرف اعضا و جوارح کے اعمال پورے نہیں ادا کرتا تو اس کا نام فاسق ہے اور اگر دل کا عمل فوت ہو رہا ہے (مگر تصدیق کرتا ہے) تو یہ ایک دوسری قسم کے نفاق کے لحاظ سے منافق ہے بعض سلف نے اس کا نام نفاق عمل رکھا ہے۔

اس کے بعد خود حضرت شاہ صاحب اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ آخر ایک مسلمان اس عملی نفاق میں کیونکر مبتلا ہو جاتا ہے فرماتے ہیں کہ:۔

وذالك ان یغلب علیه حجاب الطبع والرسم او سوء المعرفة فیکون ممعنا فی محبة الدنیا والعشائر والاولاد فیدب فی قلبه استبعاد المجازاة والاجتراء علی المعاصی من حیث لا یدری وان کان معترفا بالنظر البرهانی بما ینبغی الاعتراف به او رأی الشدائد فی الاسلام فکرهه او احب الکفار باعیانهم فصد ذلك من اعلاء کلمة الله ۔

(حوالۂ بالا)

اس کی یہ صورت ہے کہ انسان پر طبیعت کا حجاب[۱] (عوارض طبعیہ بشریہ) یا رسومات[۲] (رسم و رواج کی پابندی) یا حق تعالیٰ کی سوء[۳] معرفت (شیطانی وساوس جو خلاف توحید و رسالت آئیں اور نفس ان کو برا نہ سمجھے) غالب آجاتی ہیں تو وہ شخص دنیا۔ خاندان اور اولاد کی محبت میں اس طرح منہمک ہو جاتا ہے کہ آخرت کی جزا و سزا کے عقیدے کا استبعاد اور گناہوں پر جری ہو جانے کا خیال چیونٹی کی چال کی طرح (آہستہ آہستہ) اس کے قلب پر چلتا ہے اور اسے اس کی خبر تک نہیں ہوتی اگرچہ وہ عقلی طور پر ان میں سے ضروری امور کا معترف بھی ہوتا ہے یا کبھی اسلام کے احکام کو سخت جان کر اسے[۴] برا سمجھنے لگتا ہے یا کبھی کفار[۵] سے محبت اور تعلق پیدا کر لیتا ہے جو اسکو اعلاء کلمۃ اللہ سے روک دیتا ہے

شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں تصریح ہے کہ منافق دو طرح کے ہوتے ہیں منافق اعتقادی اور ہوتا ہے اور منافق عملی اور۔ لیکن اس زمانہ میں یہ مرض جس قدر عام اور مہلک ہے اسی قدر لوگ اس سے ناواقف ہیں اور نہ صرف ناواقف بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک طبقہ تو اس کے وجود ہی کا منکر ہے یہ ایک دوسرا غم بالائے غم ہے کہ جس مرض کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہو اور مصلحین امت نے اپنے اپنے زمانہ میں جس پر کافی زور دیا ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اس کے منکر بھی ہوسکتے ہیں بہرحال حقیقت جو بھی ہو خواہ لوگ اصل حقیقت ہی سے ناآشنا ہوں خواہ کسی مصلحت سے تجاہل عارفانہ اور بالقصد چشم پوشی اختیار کی گئی ہو یہ واقعہ ہے کہ آج یہ مرض ہماری تمامتر خرابیوں کی جڑ اور ہماری ساری بداعمالیوں کا سرچشمہ ہے ؎

وان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

وجودِ منافقین بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن شریف میں منافقین کے بارے میں ارشاد ہے:۔

واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون ۝ الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون ۝ (بقرہ)	اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین میں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں یاد رکھو بیشک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (بیان القرآن)

اس آیت کے تحت علامہ قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ :۔

وما روی عن سلمانؓ ان اھل ھذہ الآیۃ لم یاتوا بعد فلعلہ اراد بہ ان اھلہا لیس الذین کانوا فقط بل وسیکون من بعد من حالہ حالھم (بیضاوی کامل مصری صـ۱)	اور وہ جو حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ اس آیۃ کے مصداق ابھی نہیں آئے تو عجب نہیں کہ ان کا مطلب یہ ہو کہ اس کے مصداق صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو (زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہوچکے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی اس کے مصداق ہیں جو آئندہ زمانہ میں ہونگے اور ان کی حالت انھیں جیسی ہوگی۔

حاصل اس توجیہ کا یہ ہے کہ اس کثرت سے لوگ بعد میں اس کے مصداق ہوں گے کہ ان کے مقابلہ میں اُن لوگوں کی بابت جو ہوچکے ہیں کہا جاسکتا ہے کہ گویا آئے ہی نہیں۔ حضرت سلمانؓ کے قول کی یہی توجیہ مشہور بھی ہے لیکن تفسیر ابن کثیر میں ان کا یہ قول مع سند نقل کیا ہے اور اس کی ایک اور توجیہ بھی لکھی ہے وہذا نصہٗ۔

قال وکیع وعیسٰی بن یونس وھشام بن علی عن الاعمش عن المنہال بن عمرو عن عباد بن عبد اللہ الاسدی عن سلمان الفارسیؓ واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون ہ

قال سلمان لم یجئ اھل ھٰذہ الآیۃ بعدُ وفی رِوایۃٍ عنہ۔ ماجاء ھؤلاء۔

حضرت وکیع (اپنی مذکورہ سندوں سے) بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ سے اس آیت " واذا قیل لھم لا تفسدوا ...... مصلحون " کے معنی پوچھے گئے تو آپ نے فرمایا ابھی ابھی اس آیت (یا نشانی) والے (اور انھیں کی دوسری روایت میں ہے کہ وہ جماعت) دنیا ہی میں نہیں آئی۔

قال ابن جریر یحتمل ان سلمانؓ اراد بھذا ان الذین یاتون بھذہ الصفۃ اعظم فسادا من الذین کانوا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا انہ عنی انہ لم یمض ممن تلک صفتہٗ احدٌ (ابن کثیر ص ۵۱ ج ۱)

ابن جریر رحؒ کہتے ہیں۔ احتمال یہ بھی ہے کہ حضرت سلمان کا یہ مطلب ہو کہ ان صفات کے رکھنے والے لوگ جو آئندہ آئیں گے وہ فساد میں بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں ان لوگوں سے جو ان صفات والے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو گزرے ہیں ان کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ ان صفات والا اب تک کوئی گزرا ہی نہیں۔

حاصل اس توجیہ کا بھی قریب قریب وہی ہے جو بیضاویؒ نے بیان کیا ہے یعنی یہ کہ بمقابلہ گذشتہ، منافقین کی کثرت آئندہ بہت ہوگی فرق صرف یہ ہے کہ انھوں نے کمیت کے اعتبار سے کثرت کو بیان کیا ہے اور ابن جریر نے کیفیت کے اعتبار سے کمی بیشی مراد لی ہے۔

علماء کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ منافقین کا وجود اسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ آئندہ بھی اسی صفت کے لوگ ہوتے رہیں گے۔ حضرت حسن بصریؒ سے منافقین کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ

یقولون ان لا نفاق الیوم فقال یا اخی لو ھلک المنافقون لاستوحشتم فی الطریق

احیاء للغزالی ج ۱ ص ۱۳۴

لوگ کہتے ہیں کہ اب اس زمانہ میں نفاق کا وجود نہیں ہے تو فرمایا کہ میرے بھائی اگر منافقین کا خاتمہ ہو جائے تو تم راستہ چلتے ہوئے ڈرو۔ (مطلب یہ کہ ان کی تو اتنی کثرت ہے کہ اگر سب کے سب ہلاک ہو جائیں تو بستی ہی ویران ہو جائے ہر طرف سناٹا چھا جائے۔ راستے وحشت ناک ہو جائیں۔

اکابر کی ان تصریحات کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس خیال کی اشاعت کہاں سے ہوئی کہ

اب اس زمانہ میں نفاق اور منافق کا وجود ہی نہیں ہے۔ غور کرنے کے بعد اس کا ایک منشار سمجھ میں آتا ہے اور وہ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے جسے مشکواۃ شریف باب الکبائر و علامات النفاق میں بھی ذکر کیا ہے۔ شاید منکرین نے اس کے ظاہر الفاظ سے نفاق کے عدم وجود پر استدلال کر لیا ہو حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں :۔

عن حذیفة قال انما النفاق کان علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فاما الیوم انما هو الکفر او الایمان۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ نفاق تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک تھا اب اس زمانہ میں یا تو کفر ہے اور یا ایمان ہے۔

واقعۃً اگر یہی حدیث منکرین کے شبہہ کا منشار ہے تو جاننا چاہئے کہ حدیث میں نفاق سے مراد حکم نفاق ہے اسی مقام پر حاشیہ مشکواۃ میں لمعات سے نقل کیا ہے کہ :۔

قوله انما النفاق ای حکم بعدم التعرض لاهله والستر علیهم۔ قوله کان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ای المصالح کانت مقتصرة علی ذلك الزمان اما الیوم فلم تبق تلك المصالح فنحن اذا علمنا انه کافر سرًا قتلناه حتی یومن

یہ جو کہا کہ نفاق اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا حکم یعنی نفاق والے سے کوئی تعرض (چھیڑ چھاڑ) نہ کرنا بلکہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دینا اور ان لوگوں کی پردہ پوشی کرنا۔ اور یہ جو کہا کہ حضور ہی کے زمانہ میں تھا یعنی بعض ان مصالح کی بنار پر جو اسی زمانہ کے ساتھ مخصوص تھیں بہرحال اب چونکہ وہ باقی نہیں رہیں لہٰذا ہم جس شخص کے متعلق یہ جان لیں گے کہ یہ در پردہ کافر ہے اسکو قتل کر دیں گے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آوے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہؓ مابعد عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفاق کی نفی نہیں فرما رہے ہیں بلکہ مقصد آپ کا اس کہنے سے یہ ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مومن اور کافر مجاہر کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منافقین کا تھا اور اُن کے لئے علٰحدہ مستقل احکام تھے کہ نہ اُن کا شمار مومنین مخلصین میں ہوتا تھا اور نہ مثل کافر کے ان کے جان و مال سے تعرض ہی کیا جاتا تھا بلکہ سِرًّا (در پردہ) کافر ہونے کے باوجود ایک منافق اسلام ظاہر کر کے اپنے آپ کو مسلمانوں سے مامون و محفوظ کر لیتا تھا اب یہ حکم باقی نہیں رہ گیا کیونکہ یہ حکم اس وقت بعض وقتی مصالح کی بنار پر تھا اور اب مصالح باقی نہیں رہے لہٰذا یہ حکم بھی نہیں رہا اب تو صرف دو چیزیں ہیں یا اسلام یا پھر کفر۔

پس آج ہم کسی شخص کو محض اس کے باطنی کفر کے احتمال کی وجہ سے اگرچہ ظاہر میں اس کی کوئی

بات بھی خلاف ایمان نہ ہو کافر یا منافق نہ کہیں گے کیونکہ اطلاع باطن پر سوا وحی یا اس کے افعال و اقوال ظاہری کے اور کوئی شے دلیل نہیں ہو سکتی پس اگر اس کے گفتار و کردار سے ہمیں اس کے کفر خفی کا علم ہوجائے گا اور اس کی کوئی تاویل بھی نہ ہو سکے گی تو صاف طور پر اس کو کافر کہدیا جائے گا۔
یہی مضمون بخاری شریف کی ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ:۔

سمعتُ عمرؓ یقول ان ناسا یاخذون بالوحی فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم فان الوحی قد انقطع فمن اظهر لنا خیراً اٰمناه و قربناه ولیس الینا من سریرة شیئ ومن اظهر لنا سوء لم نامنه ولم نصدقه و ان قال ان سریرة حسنةٌ۔

(جمع الفوائد ص۲۶ ج۲ بحوالہ بخاری)

میں نے حضرت عمر رضہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں تو وحی کو لیتے تھے (کیونکہ کسی کا منافق ہونا اسی سے معلوم ہوتا تھا) اور اب چونکہ وحی آنی بند ہوگئی ہے لہٰذا (مدار حکم اعمال ظاہری ہیں) جو شخص ہمارے سامنے اچھائیاں ظاہر کرے گا ہم اس نے اپنے کو مامون سمجھیں گے اسکی تصدیق کریں گے اور اس کو قریب کریں گے اور ہمارے ذمہ اس کے باطن کی تفتیش نہیں ہے۔ اور جو شخص ہمارے سامنے برائیاں ظاہر کرے گا ہم اس کے باطن کی تصدیق نہ کریں گے اور اس کی جانب سے مطمئن بھی نہ ہوں گے اگرچہ وہ کتنا ہی کہے کہ اس کا باطن نہایت اچھا ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت عمر رضہ کے اس قول کو کہ ایک طرف تو اس میں حضرت حذیفہ رضہ کے ارشاد کی شرح موجود ہے اس طور پر کہ اگر کسی شخص کے افعال ظاہری خراب نہ ہوں تو اس کو منافق کہنا بجز اس کے کہ بذریعہ وحی الٰہی اس کے باطن پر اطلاع ہو ممکن نہیں اور سلسلۂ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانۂ مبارک تک تھا اس لئے ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو منافق اور اس کے باطنی خبث کو نفاق کیسے کہا جاسکتا ہے جبکہ کوئی ذریعہ علم ہی موجود نہیں ہے یہی مطلب ہے اس قول کا کہ نفاقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک تھا لیکن اگر کسی شخص کے افعال ظاہری خراب ہوں تو کبھی تو وہ اس درجہ قبیح ہوں گے کہ ان کا جوڑ قلبی ایمان کے ساتھ لگانا ہی ناممکن ہوگا ظاہر ہے کہ ایسا شخص کھلا ہوا کافر ہے خواہ وہ اس کو کتنے ہی خوشنما اقوال کے پردہ میں چھپادے اور اگر کسی کے افعال ایسے ہیں جو کمال ایمان کے منافی ہیں تو اس کو منافق عمل کہنے میں کیا اشکال ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ پہلے زمانہ میں افعال حسن کرنے کے باوجود ایک شخص منافق کہلاتا تھا اس کے قلبی نفاق کے علم کی وجہ سے۔ اور اب کسی کو نہیں کہہ سکتے باقی کسی کے افعال و اقوال کفریہ سے اس کے قلبی کفر پر استدلال تو یہ آج بھی کیا جاسکتا ہے اور ایمان کے ساتھ ساتھ صرف معصیت کے ارتکاب کرنے والے کو منافق عمل کہنے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔

دوسری جانب حضرت عمر رضؓ کے اس قول فیصل سے منکرین کا ایک دوسرا مغالطہ بھی زائل ہوگیا کہ اب جبکہ وحی الٰہی منقطع ہوچکی ہے ہم کسی کے باطن کا حال کیا جان سکتے ہیں اور کسی کو منافق کہنا ظاہر ہے کہ اس کے باطن کے علم ہی پر موقوف ہے حضرت عمر رضؓ نے اس کے لئے ایک معیار بتا دیا اور ایک کسوٹی مقرر فرمادی جس سے معلوم ہوگیا کہ کس کی تصدیق کی جائے گی اور اس کے باطن پر اطمینان کرلیا جائے گا اور کس شخص سے مطمئن نہ ہوا جائیگا اور اس سے اجتناب کیا جائے گا۔ اور وہ کسوٹی یہی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہے یا نہیں اور اس کے قول اور فعل میں تخالف تو نہیں ہے افعال ظاہری کے ٹھیک ہونے کی صورت میں باطن سے تعرض نہ کریں اور جب کسی کے ظاہری اعمال ہی درست نہ ہوں تو اس کے باطن سے بھی مطمئن نہ ہوں کیونکہ ایسا شخص دو حال سے خالی نہیں یا تو ظاہر کے ساتھ ساتھ اس کا باطن بھی حد درجہ خراب ہوگا اور ظاہری بدعملی کے ساتھ ساتھ وہ باطن سے منکر ہوگا یہ شخص تو کافر ہے اور یا اس کے باطن میں ایمان ہوگا صرف وہ ظاہری بے عملی میں مبتلا ہوگا اس شخص کی یہ بدعملی نفاق عملی ہے اور یہ شخص عملی منافق ہے

آج مسلمانوں کی بے عملی اور بدعملی سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا مگر ان لوگوں پر لفظ منافق کا اطلاق اور ان کا یہ عمل نفاق سے تعبیر کیا جانا البتہ لوگوں پر شاق گذرتا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں اس کی بحث کی بساط ہی کوتہ کردیا گیا ہے اس لئے عوام کے ساتھ ساتھ خواص کو بھی یہ تعبیر ذرا سخت معلوم ہوتی ہے حالانکہ اکابر نے اس قسم کی بدعملی پر اس لفظ کا اطلاق کیا ہے۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے الابواب والتراجم میں باب علامات المنافق کے تحت لکھا ہے کہ:

"ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامات نفاق متعدد ہیں جن کو بیان کرنا منظور ہے اس کے بعد اول حدیث میں تین اور دوسری میں چار علامتیں صریح مذکور ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل کفر، نفاق میں بھی فرق مراتب اور کمی زیادتی ضرور ہے۔ اور حدیث ثانی میں جو اربع من کن

فيه كان منافقا خالصًا ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها مذکور ہیں اس کو دیکھ کر تو نفاق میں کمی زیادتی اظہر من الشمس نظر آتی ہے تو اب علاوہ مطلب ظاہر کے دو باتیں خیال میں آتی ہیں ایک یہ کہ اس باب میں ابواب سابقہ "ظلم دون ظلم" کی تائید کی طرف بھی اشارہ ہے دوسرے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جیسے معاصی امور کفریہ ہیں ایسے ہی جن افعال کو علامات نفاق فرمایا ہے وہ افعال نفاق میں داخل ہیں اور جس طرح کفران عشیر پر کفر کا اطلاق صحیح ہے اسی طرح کذب و خیانت وغیرہ کو نفاق کہنا بھی درست ہے" انتہی کلامہ (الابواب والتراجم ص۳۷) حضرت مولانا کی عبارت میں تصریح ہے کہ یہ سب معاصی مثلاً کذب و خیانت وغیرہ نفاق میں داخل ہیں پھر اگر کوئی ان سے متصف کو منافق کہدے تو اس نے کیا حد سے تجاوز کیا؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر اُن دونوں احادیث کو بعینہ درج کردیا جائے جن کا ذکر حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں آیا ہے اُن میں سے پہلی حدیث یہ ہے :-

عن ابي هريرة رض عن النبي صلى الله عليه وسلم قال آية المنافق ثلاث اذا حدث كذب واذا وعد خلف واذا اؤتمن خان۔	حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کہے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے اس میں خیانت کرے ۔

اور دوسری یہ ہے :-

عن عبد الله بن عمرو ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اربع من كن فيه كان منافقا خالصًا ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها۔ اذا اؤتمن خان واذا حدث كذب واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر۔ (بخاری)	حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں ہیں کہ جس شخص میں وہ سب کی سب موجود ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس کسی میں ان میں سے کوئی ایک خصلۃ ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہانتک کہ اس کو چھوڑ دے (وہ چار چیزیں یہ ہیں) جب اس کے پاس کوئی شے امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بات کہے جھوٹ بولے۔ اور جب عہد کرے اس کو توڑ دے اور غدر کرے اور جب جھگڑا کرے تو فحش کلامی پر اتر آئے ۔

ایک اشکال اور اس کا جواب۔ ان روایات کے دیکھنے کے بعد یہاں ایک بڑا اشکال یہ ہوتا ہے کہ جن امور کو احادیث میں علاماتِ منافق فرمایا جارہا ہے وہ سب باتیں تو کُلًّا یا بعضًا آج ایک مسلمان میں بھی پائی جاتی ہیں تو کیا یہ سب لوگ بھی انھیں جیسے منافق ہیں؟ بلاشبہ یہ اشکال ہوتا ہے اور اس میں بھی کلام نہیں کہ شدید اشکال ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کے جوابات میں متقدمین ہی کے الفاظ پیش کئے جائیں۔

صاحب فتح الباری، حدیث مذکورہ کی شرح کر چکنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وقال النووی هذا الحدیث عده جماعة من العلماء مشكلا من حیث ان هذه الخصال قد توجد فی المسلم المجمع علیٰ عدم الحكم بكفره۔ قال و لیس فیه اشكال بل معناه صحیح والذی قاله المحققون۔ ان معناه ان هذه خصال نفاق و صاحبها شبیه بالمنافقین فی هذه الخصال و متخلق باخلاقهم۔

علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو علماء کی ایک جماعت نے مشکل شمار کیا ہے اس لئے کہ جن خصائل کا ان میں بیان ہے وہ تو کبھی ایک ایسے مسلم میں بھی پائی جاتی ہیں کہ اس کے کافر نہ ہونے پر سب کا اتفاق ہوتا ہے۔ پھر کہا کہ مگر اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں ہے اس کے معنی بالکل صحیح و درست ہیں چنانچہ محققین نے اس کے معنے یہ بیان کئے ہیں کہ یہ خصلتیں نفاق کی خصلتیں ہیں اور جو شخص ان سے متصف ہو وہ اپنے اندر ان خصائل کے موجود ہونے میں منافقین کے مشابہ ہے اور ان کی صفات سے متصف ہے۔

قلتُ و محصل هذا الجواب الحمل فی التسمیة علی المجاز ای صاحب هذه الخصال كالمنافق و هو بناء علی ان المراد بالنفاق نفاق الكفر۔ وقد قیل فی الجواب عنه ان المراد بالنفاق نفاق العمل كما قدمناه و هذا ارتضاه القرطبی و استدل له بقول عمرؓ لحذیفةؓ هل تعلم

صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ حاصل اس جواب کا یہ ہوا کہ اس شخص کو جو منافق کہا جارہا ہے یہ تسمیہ علی المجاز کے قبیل سے ہے یعنی ان خصلتوں والا شخص مثل منافق ہے (نہ کہ عین منافق) اور یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ مراد نفاق سے حدیث میں نفاق کفر لیا جائے۔ لیکن اس اشکال کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ مراد نفاق سے نفاق عمل ہے اور اس جواب کو قرطبیؒ نے بھی پسند کیا ہے اور اس پر استدلال حضرت عمرؓ کے اس قول سے کیا ہے جو آپ نے حضرت حذیفہؓ (صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے فرمایا تھا

فی شیئاً من النفاق فانه لم یرد بذلک نفاق الکفر وانما اراد نفاق العمل و یؤیدہ وصفه بالخالص فی الحدیث الثانی بقوله کان منافقا خالصا۔ (فتح الباری ص ۶۸ ج ۱)	کہ "آپ میرے اندر تو نفاق کا کوئی شعبہ نہیں موجود پاتے" اس لئے کہ حضرت عمرؓ کی مراد اس سے نفاق عمل ہی تھی نفاق کفر نہیں۔ نیز حدیث دوم میں منافق کی صفت خالصًا سے بیان کرنا بھی اس کا مؤید ہے کہ مراد نفاق عمل ہی ہے۔

دیکھا آپ نے پہلے بھی علماء کو یہ اشکال ہوچکا ہے اور اسی بناء پر اس حدیث کو ان حضرات نے مشکل شمار کیا لیکن بالآخر متقدمین اور متاخرین سب کو یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مسلم ہونے کے باوجود عملاً منافق ہو۔ میں بھی یہی کہتا تھا کہ اس زمانہ کے لوگوں کا مرض یہی نفاق ہے لیکن ابتداءً کہتے ہوئے ڈرتا بھی تھا مگر جب علماء کی تصریحات دیکھیں تو اب شرح صدر کے ساتھ اپنی اس رائے پر قائم ہوں اور لوگ چاہے مانیں یا نہ مانیں اور اقرار کریں یا انکار۔ مجھے ان اکابر سے تائید ملنے کے بعد اب کوئی خلجان نہیں ہے کیونکہ جب یہ امر متحقق ہوگیا کہ امام غزالی صاحب فتح الباری، صاحب ابن کثیر اور حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شیخ الہند جیسے جلیل القدر محققین رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں پھر اس کے بعد اشکال کے کیا معنی وکفی بہم قدوۃً۔

منافقین کے وجود کا عقلی ثبوت۔ فرمایا۔ آپ اگر ذرا تامل سے کام لیں گے تو آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ یہ مسئلہ جس طرح نقل سے ثابت ہوا اسی طرح عقلی بھی ہے یعنی یہ کہ انسانوں میں تین طرح کے لوگ ہر زمانہ میں ہونا ناگزیر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی ابتداء میں انسان کی تین قسمیں کی ہیں یعنی مومن۔ کافر اور منافق ان میں یہ حصر عقلی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو جب ھدیً للناس فرمایا تو اس کے بعد ہی یہ بھی بتا دیا کہ انسان کے طرح ہوں گے یا ہیں لہٰذا جب قرآن کا ہدایت ہونا قیامت تک کے لئے ہے تو ایک قسم انسانوں کی کیوں کسی زمانہ کے لئے خاص ہوجائے گی۔ آپ خود بھی اپنے ماحول میں غور کر لیجئے کہ آپ کا تعلق جن لوگوں سے ہوگا ان میں سے بعض تو آپ کے مخلص دوست ہوں گے اور بعضے آپ کے کھلم کھلا مخالف اور بعض ایسے بھی ہوں گے کہ ظاہر میں تو آپ کے دوست ہوں گے مگر باطناً آپ کے پکے دشمن یہی حال آج دنیا کی ہر جماعت اور ہر پارٹی کا ہے حتیٰ کہ آج دنیا کی کوئی حکومت بھی ایسی نہیں جس میں یہ تین قسم کے لوگ نہ ہوں آج انھیں منافقین کے ہر جگہ موجود ہونے کی وجہ سے دنیا میں خرابی ہے اور اس کی اصلاح کی

صرف یہی صورت ہے کہ ہر مجمع میں مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز کیا جائے۔

شاہ صاحبؒ تو منافقین کی ان دونوں قسموں کو موجودہ زمانہ میں بھی موجود اور ان کی مذمت کو منصوص بتاتے ہیں، فرماتے ہیں:- ا۔ "خدائے تعالیٰ اعمال و اخلاق ایشاں را در قرآن عظیم آشکارا ساخت و از احوال ایں دو گروہ چیزے بسیار بیان فرمود تا ہمہ امت ازاں احتراز نمایند" (فوز الکبیر صہ ۱۲) **مطلب** یہ کہ قرآن میں ان دونوں کا تفصیلی ذکر اس لئے ہے کہ مسلمان اُن کے جیسے اخلاق بد سے بچتے رہیں۔ ۲۔ اگر خواہی از منافقان نمونہ بہ بینی رو در مجلسِ امرا۔ و مصاحبان ایشاں را بہ بیں کہ مرضی ایشاں را بر مرضی شارع ترجیح می دہند" (ایضاً صہ ۱۲) **مطلب**۔ یہ کہ امرا کے مصاحبین جو ان کی خوشنودی کو (نعوذ باللہ) شارعؑ کی خوشنودی سے بڑھکر جانتے ہیں بالکل منافقین عہد نبوی کا نمونہ ہیں۔ ۳۔ "در انصاف ہیچ فرقے نیست درمیان آنانکہ کلام آنحضرت بواسطہ شنیدہ نفاق ورزیدند و درمیان آنانکہ الحال پیدا شدہ اند و بطریق یقین حکم محکم شارع معلوم کردہ اند بعد ازاں بر ایثار خلاف آں اقدام می نمایند" (ایضاً صہ ۱۲) **مطلب** یہ کہ عہد نبوی کے منافقین میں اور آجکل کے ان منافقین میں کچھ بھی فرق نہیں ہے ۴۔ بالجملہ چوں قرآن بخوانی گمان مکن کہ مخاصمہ با قومے بود کہ بودند و در گذشتند بلکہ بحکم حدیث "لتتبعن سنن من قبلکم" ہیچ بلائے نبود مگر امروز نمونۂ آں موجود است" (ایضاً صہ ۱۲) **مطلب** یہ کہ یہ نہ سمجھنا کہ قرآن کا خطاب صرف انھیں سے تھا جو پہلے تھے اور گزر چکے۔ نہیں بلکہ ہر پچھلی گمراہی آج بھی موجود ہے کیونکہ ارشاد نبوی ہے کہ تم بھی پچھلی امتوں کے طریقوں پر چل کر رہو گے ۵۔ شاہ صاحب نے الفوز الکبیر صفحہ ۳ پر لکھا ہے کہ قرآن عظیم میں ایک علم مخاصمہ (بحث و مناظرہ) بھی ہے جسے چار گمراہ فرقوں یعنی یہود۔ نصاریٰ مشرکین اور منافقین کے مقابلہ میں بطور نص صریح بیان فرمایا ہے۔

ایک ہی قلب میں ایمان اور نفاق دونوں ہو سکتا ہے:- فرمایا۔ آخر میں مسند امام احمد کی ایک حدیث نقل کی جاتی ہے اس کے آگے تو کسی منکر کو مجال انکار رہ ہی نہیں سکتی میں نے اس کو جس عالم کے سامنے بھی پیش کیا وہ تھوڑی دیر کے لئے تو ضرور ہی سناٹے میں آگیا آپ بھی سنئے اور لوگوں کے حالات کو اس پر منطبق کیجئے اور اس کے بعد خود کسی نتیجہ پر پہنچئے کہ آیا نفاق کا وجود ہے یا یوں ہی سا یہ ایک لفظ ہے اور حقیقۃً اس کے کوئی معنی نہیں۔

حضرت ابو سعید رضؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم	عن ابی سعیدؓ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم القلوب اربعة قلب اجرد فیہ مثل السراج یزھر وقلب اغلف مربوط علی غلافہ وقلب منکوس وقلب مصفح و اما القلب الاجرد فقلب المؤمن سراجہ فیہ نورہ و اما القلب الاغلف فقلب الکافر و اما القلب المنکوس فقلب المنافق عرف ثم انکر و اما القلب المصفح فقلب فیہ ایمان و نفاق فمثل الایمان فیہ کمثل البقلة یمدھا الماء الطیب ومثل النفاق فیہ کمثل القرحة یمدھا القیح والدم فای المادتین غلبت علی الاخری غلبت علیہ

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۷)

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (انسانوں کے) دل چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک قلب اجرد (جیسے چٹیل میدان جس میں جھاڑ جھنکاڑ نہیں) اور اس میں ایک چراغ ہے جو چمک رہا ہے دوسرا قلب اغلف جو ایک غلاف میں لپٹا ہے تیسرا قلب منکوس اور چوتھا قلب مصفح۔ اب سنو قلب اجرد تو ہے مسلمان کا دل اور اس کا چراغ اس کا نور ایمان ہے۔ قلب اغلف کافر کا قلب ہے (کفر کے غلاف میں لپٹا پڑا ہے) رہا قلب منکوس تو یہ منافق کا دل ہے کہ اس نے حق کو دیکھ لیا پہچان لیا اور اختیار بھی کر لیا مگر پھر اس سے انکار کر بیٹھا۔ اور قلب مصفح وہ قلب ہے جس میں ایمان بھی ہو اور نفاق بھی ہو تو اس کے اندر کے ایمان کی مثال تو سبزی کی سی ہے جسے اچھے پانی (عمدہ علم وعمل) سے برابر مدد اور قوت پہنچ رہی ہے اور اس کے اندر کے نفاق کی مثال ایک پھوڑے کی سی ہے جو خون اور پیپ کے پیدا ہونے سے اور بھی بڑھ رہا ہو اب دونوں مادوں میں سے جو مادہ دوسرے مادہ سے بڑھ جائیگا وہی رنگ اس شخص پر غالب آجائے گا۔

حدیث میں قلوب کی قسمیں چار بیان کی گئی ہیں تین تو بالکل ظاہر ہیں قلب مومن، قلب کافر اور قلب منافق لیکن اس کے علاوہ ایک چوتھا قلب وہ ہے جس میں ایمان بھی موجود ہے اور نفاق بھی اور ان دونوں صفات میں (بوجہ ضد ہونے کے باہم) کشاکش رہتی ہے کبھی ایمان اپنے تقاضے پر اس سے عمل کراتا ہے اور کبھی نفاق اپنی جانب کھینچ کر ادھر سے ہٹا دیتا ہے انجام کار یہ ہوتا ہے کہ جس صفت کا غلبہ ہوتا ہے انسان میں وہی راسخ ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کو دیکھنے اور مسلمانوں کے حالات کو اس پر منطبق کرنے سے اس امر میں ذرا بھی خفا نہیں رہتا کہ آج اکثر وبیشتر بلکہ قریب قریب کل ہی مسلمان اسی چوتھی قسم کا مصداق ہیں حدیث میں یہ تصریح دیکھ کر میں اپنے خیال میں اور بھی پختہ ہو گیا ہوں اور اب علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ

آج قوم کا مرض یہی نفاق ہے یہی مسلمان کو پنپنے نہیں دیتا مگر حالت یہ ہے کہ ہمارے اطباء صوفیاء کی مجالس سے آج نفاق واخلاص کی بحث اٹھ چکی ہے پھر جب اطباء ہی اس ہمہ گیر وبائی مرض کی مضرتیں نہ بیان کریں گے اور اس کی اہمیت سے لوگوں کو نہ واقف کرائیں گے تو ظاہر ہے کہ عوام الناس اس سے کس طرح اجتناب کرسکیں گے

عوام کی اس ناواقفیت اور خواص کی اس بے اعتنائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج مسلمان نہ صرف یہ کہ نفاق عمل میں مبتلا ہیں بلکہ بہت سے لوگ نفاق اعتقادی کے بھی شکار ہوگئے ہیں نام دیکھئے تو مسلمان جیسا۔ وہ خود بھی اپنے کو اور عوام بھی ان کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں لیکن حال یہ ہے کہ لباس اور وضع شرعی۔ ڈاڑھی جنت ودوزخ حتیٰ کہ اللہ ورسول اور قرآن کے ساتھ بھی تمسخر کرنے میں انھیں باک نہیں عملی اعراض کے ساتھ ساتھ انکار بھی ہے ایسوں پر کیا صرف عملی منافق کا اطلاق درست ہے یا ان کی حرکات شنیعہ کا تقاضا ہے کہ اس سے بڑھ کر کہا جائے۔

یہ طبقہ تو خیر بالکل ہی گیا گذرا ہے آج جو لوگ نیک کہلاتے ہیں ان کے افعال کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو کہ کتنے ہیں جو عملی طور پر منافق ہیں مگر عجیب بات ہے کہ اگر کوئی طبیب ظاہری کسی شخص کے مرض جسمانی کی تشخیص کردے تو وہ لائق صد تشکر و امتنان ہو اور مخلوق اس کو اپنا محسن سمجھے لیکن اگر کوئی طبیب باطن کسی کے روحانی مرض پر جو مہلک بھی ہے اس کو مطلع کرے تو اس کو بد اخلاق اور نہ جانے کیا کیا کہا جاتا ہے۔ آخر کیا ہے کیا یہ صریح ظلم نہیں ہے ؎

لالہ ساغر گیر و نرگس مست و برما نام فسق   داوری خواہیم یارب۔ ما کرا داور کنیم

جس مریض کا اس درجہ حال ابتر ہو چکا ہو کہ وہ محسن کو بھی اپنا دشمن سمجھتا ہو اور زبان حال سے یہ کہتا ہو کہ ؎ ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبراوے ہے   میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھاوے ہے

ظاہر ہے کہ اس کے شفایاب ہونے کی کوئی صورت نہیں اس کی صحت کا خدا ہی مالک ہے۔ کسی مرض سے نجات پانے کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً خود مریض اپنے کو مریض محسوس کرے اور ثانیاً کسی ماہر طبیب سے رجوع کرکے دوا کا استعمال کرے لیکن یہاں حال یہ ہے کہ طبیب ماہر کی تلاش اور تشخیص و تجویز تو بعد کی چیز ہے جو چیز سب سے مقدم تھی یعنی اپنی علالت کا علم وہی نہیں ہے تو آگے کیا نفع کی امید کی جائے۔

صحابہ کرام نفاق سے ڈرتے تھے۔ فرمایا آج ہم کو اپنے نفاق سے اتنا خوف نہیں جتنا کہ حضرات صحابہ کرام کو اپنے متعلق اس کا خطرہ لگا رہتا تھا حالانکہ وہ حضرات بری تھے مگر خائف رہتے تھے اور ہم ملوث ہیں مگر اپنے کو بری سمجھے ہوئے ہیں بالکل اسی طرح جیسے مومن جنتی ہے مگر دوزخ سے ڈرتا رہتا ہے

اور کافر دوزخ میں جائے گا مگر اس کا اس کو خطرہ بھی نہیں گذرتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی الخیر الکثیر میں ایک مقام پر نفاق کی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے اسے بھی لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

المنافق فی عرف الشرع یطلق علی معنیین الاول ھو المصدق بقلبه ولسانه باللہ و برسوله وقد احاطت به خطیئته من قبل اللسان والفرج والقلب وغیرھا فکل من احاطت به خطیئته ای فنی فیھا نوع فناء فھو المنافق بالمعنی الاول۔ وایاہ کانت الصحابة یخافون۔ (خیر کثیر ص ۲۶)

منافق کا شرعی اطلاق دو معنوں پر آتا ہے ایک یہ ہے کہ قلب و زبان سے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے اور زبان۔ شرم گاہ قلب کی جانب سے (صادر ہونے والے) معاصی نے اس کا احاطہ کر رکھا ہو پس جس شخص کے معاصی نے اس کا احاطہ کر لیا ہو یعنی جو شخص ان گناہوں میں ایک طرح پر بالکل فنا ہو گیا ہو وہ بھی ایک معنیٰ کر منافق ہے اور اسی قسم کے نفاق سے صحابہ کرام خوف فرماتے تھے۔

اس بات کو امام غزالی بھی لکھتے ہیں احیاء میں ہے قال ابن ابی ملیکة ادرکت ثلاثین و مأته وفی روایة خمسین ومائة من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم کلھم یخافون النفاق۔ (ترجمہ) ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں ایک سو تیس اور بروایتے ایک سو پچاس صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں کہ وہ سب نفاق سے ڈرتے تھے۔ اور یہ کہ:۔

وقال رجل لحذیفة رضا انی اخاف اللہ ان اکون منافقا فقال لو کنت منافقا ماخفت النفاق۔ (احیاء)

کسی نے حضرت حذیفہ رضا سے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس سے کہ میں منافق نہ ہوں تو انھوں نے فرمایا کہ میاں اگر تم منافق ہوتے تو نفاق سے یوں نہ ڈرتے

حدیث ما امنه الا المنافق الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاق سے بیخوف ہونا منافقین کا طریقہ ہے اور اس سے ڈرتے رہنا علامت ایمان ہے۔ شرح فقہ اکبر میں صفہ ۱۹ پر ہے "لذا کان السلف خائفین من قوله تعالیٰ (ومن الناس من یقول ...... بمؤمنین) ای حالاً ومآلاً والعبرة بعموم اللفظ لا بخصوص المورد۔ فلا یرد انه نزل فی حق المنافقین انتھی یعنی آیۃ ومن الناس الخ سے سلف ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں حال میں یا مآل میں ہم بھی مومنین سے نہ خارج ہو جائیں۔ کیونکہ قرآن کے خاص شان نزول کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عام معنے معتبر ہوتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رح صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں نفاق کی حقیقت جیسی واضح کر کے لکھی ہے ویسی میں نے کہیں نہیں دیکھی۔

والکلمة الجامعة فی النفاق انه فنی فی ملکة رذیلة اعنی بذالك ان تکون الملکة راسخة فی قلبه قلّما صدر عنه قول او فعل الاوهی البطانة فیه والباعثة علیه فقد تکون هذه الملکة بُخلا وقد تکون شغلا بلذائذ الاطعمة ونفائس الالبسة و المنکح الشهی والمسکن الرّضی وغیرها وقد یکون حسداً وحقداً و بالجملة فله شعب کثیرة واشدها ما اجتمع فیه عدة من الرذائل فخلص منها هیئة وجدانیة فنی فیها النفس و ذکر فی الاحادیث والاٰیات ما فیه غناء للمتبصر کالافساد فی الارض وصلة ما امر الله به ان یقطع والشح المطاع والھوی المتبع واعجاب کل ذی رای برایه واذا خاصم فجر واذا عاھد غدر واذا حدث کذب وَالَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ والذین یوذون المومنین بالمناجاة فیما بینهم والبذاء والفحش وغیرها واکثر وجوه النفاق وجوداً الفة الطبع بالمحسوسات ولا یتفطن ان وراءها امر لیس شاکلته کمشاکلتها

اور نفاق کی جامع تعریف یہ ہے کہ انسان کسی ملکۂ رذیلہ میں فنا ہو جائے۔ مطلب اس فنا ہو جانے کا یہ ہے کہ وہ ملکہ اس کے قلب میں اس طرح راسخ ہو جائے کہ اس سے کسی قول یا فعل کا صدور نہ ہوتا ہو مگر یہ کہ یہی ملکہ اس کا سبب اصلی اور باطنی اور باعث ہو (اور وہ قول و فعل اس کی فرع ہو) پس کبھی تو وہ ملکہ بخل ہوتا ہے اور کبھی لذیذ کھانوں کی خواہش میں انہماک اور کبھی عمدہ عمدہ لباس اور دل پسند عورتیں اور پسندیدہ قیام گاہ وغیرہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور کبھی حسد و حقد بن کر سامنے آتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اس (نفاق) کی مختلف صورتیں ہیں ان میں سے بدترین صورت یہ ہے کہ کسی انسان میں متعدد رذائل جمع ہوں اور ان کے مجموعہ سے ایک ہیئت وجدانی حاصل ہو جائے جس میں نفس فنا ہو جائے اور (نفاق کی شعب کثیرہ کی تفصیل کا بیان) حدیث و قرآن میں اس حد تک آچکا ہے کہ ایک صاحب بصیرت کے لئے وہ بہت کافی ہے مثلاً زمین میں فساد مچانا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قطع کرنے کو فرمایا ہے اسے جوڑنا۔ بخل کی پیروی کرنا۔ خواہشات نفسانی کا اتباع کرنا۔ ہر رائے والے کا اپنی ہی رائے کو پسند کرنا اور مثلاً یہ کہ جب جھگڑا کرے فحش کلامی پر اتر آئے اور جب عہد کرے توڑ دے اور جب بات کرے جھوٹ بولے (قرآن شریف میں ہے کہ) اور وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم کرتے ہیں اور وہ لوگ جو مسلمانوں کو ایذا دیتے ہیں یعنی آپس میں ان کے متعلق سرگوشی کرتے ہیں اور مثلاً گالی گلوچ کرنا اور فحش بکنا وغیرہ۔ اور نفاق

من الالٰهيات فيزيغ من التشبيه ويتخذ من دون الله اربابا ومن المعاديات فلا يجد لها بالاًوانَ اقربها في مجاري العادات كما قص الله تعالىٰ علينا في حديث الرجلين حيث قال احدهما ما اظن ان تبيد هذه ابدا وما اظن الساعة قائمة ولئن رددت الى ربي لاجدن خيراً منها منقلبا فليس معناه الانكار الجازم ولكن رسوخ الالف واستبعاد هذه الامور وان اقربها في مجاري العادات وبالجملة فصلوٰته ودعاؤه وصدقته وذكره انّما يقع كسائر العادات لايجد لها بالاًونشاطا وانما لانها مما يعظم بها الرجل في اعين الناس وهي اقبح من الاولىٰ۔

(تفہیمات الٰہیہ ص۳۰۶)

کی قسموں میں سے کثیر الوقوع طبیعت کا محسوسات کے ساتھ مالوف ہونا ہے اس کے ہوتے ہوئے نفس باور نہیں کرتا کہ ان محسوسات کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہوسکتی ہے جو اس جیسی نہ ہو (مثلاً) الٰہیات میں کی کوئی چیز لہٰذا ایسی طبیعت رکھنے والا انسان تشبیہ کی طرف مائل ہوجاتا ہے (یعنی الٰہیات کو محسوسات کے ذریعہ سمجھنا چاہتا ہے) اور اللہ کے علاوہ دوسرے ارباب تجویز کرلیتا ہے یا مثلاً معاد کا کوئی مسئلہ کہ اس کے بھی محسوس نہ کرسکنے کی وجہ سے ماننے میں کوئی رغبت نہیں پاتا اگرچہ رسم و رواج کے طور پر وہ اس کا اقرار کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میرا تو خیال نہیں ہے کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہو اور میں قیامت کو نہیں خیال کرتا کہ آوے گی اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا گیا تو ضرور اس باغ سے بہت زیادہ اچھی جگہ ملے گی۔ پس اس کے معنی یقینی انکار کے نہیں ہیں لیکن ہاں محسوسات کا رسوخ اور ان امور کا مستبعد سمجھنا (انکار کا باعث بنا) اگرچہ اپنے رسم و رواج میں اس کا اقرار بھی کیا حاصل کلام یہ کہ ایسے شخص کی نماز اور دعا صدقہ اور ذکر وغیرہ یا تو واقع ہوتا ہے مثل دیگر امور عادیہ کے کہ وہ ان میں کوئی رغبت اور نشاط نہیں پاتا اور یا اس سے ان امور کا وقوع اس لئے ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان لوگوں کی نگاہوں میں بڑا سمجھا جاتا ہے اور یہ شق پہلی سے زیادہ قبیح ہے۔

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نفاق کی ایک ایسی جامع تعریف بیان فرمادی ہے جو اس کے جملہ شعبوں پر صادق آتی ہے شاہ صاحب کے فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ نفاق دراصل قلب کی ایک خاص حالت کا نام ہے اور اس ملکۂ رذیلہ اور کیفیت راسخہ کو کہتے ہیں جس میں انسان بالکل فنا ہوجاتا ہے اور پھر اس کے بعد انسان سے جن نوع بنوع رذائل اور معاصی کا صدور ہوتا ہے وہ سب اسی ملکہ سے ناشی ہوتے ہیں اور وہی ملکۂ رذیلہ ان سب معاصی کا سرچشمہ اور ان کا منشا ہوتا ہے۔ اسی لئے منافق پر کسی

پند و وعظ کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ معصیت اس کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہوتی ہے اور اس میں اس کو برا سمجھنا تو بجائے خود رہا اس گناہ کی تحسین اس کی نگاہوں میں ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ نفاق کی حد تک پہنچنے کے بعد پھر اگر وہ خود بھی چاہے کہ کسی معصیت کو ترک کر دے تو اس پر قادر نہیں ہو پاتا۔ الا ماشاء اللہ!

معصیت کے درجات:۔ یہاں سے منافق اور مومن عاصی کا فرق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ منافق تو ملکۂ رذیلہ میں فنا ہوتا ہے اور مومن سے معصیت صرف صادر تو ہو جاتی ہے لیکن اس معصیت کا کوئی داعیہ بصورت ملکہ اس کے قلب میں نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ مومن معصیت کا ارتکاب کرکے اس پر نادم ہو کر اس کی تلافی کی فکر میں لگ جاتا ہے بخلاف منافق کے کہ وہ اپنے نفاق پر فخر کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ مومن کو گناہ کرتے وقت بھی تکلیف ہوتی ہے مگر بر بنائے بشریت یا بہ تقاضائے شہوت وہ کر بیٹھتا ہے مگر منافق کو اس فعل میں مزا آتا ہے اور وہ خوشی خوشی اپنی طبعی رغبت کے ساتھ اس کو کرتا ہے چوتھے یہ کہ مومن سے صدور معصیت ایک ہی دو دفعہ ہوتا ہے لیکن منافق تو اس کو بار بار اصرار کے ساتھ کرتا رہتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ان ہر دو کے فرق کو مثال سے یوں سمجھئے کہ

(۱) زید سے مثلاً بخل۔ حسد یا شرب خمر ایک بار یا دو بار سرزد ہوا تو یہ فعل نفاق نہیں ہے یہ تو صرف ایک معصیت ہے جو بر بنائے بشریت ہر مومن سے ہو سکتا ہے بلکہ بعض صحابہ کرامؓ سے بھی اس نوع کی معصیت کا صدور ہوا ہے لیکن چونکہ معصیت کے صدور کے بعد مومن کو اس پر سخت ندامت ہوتی ہے وہ توبہ کرتا ہے۔ وہ اپنے باطن کو اس کے خلاف ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ دل سے اس کو برا سمجھتا رہتا ہے۔ لہٰذا زید پر بھی صدور معصیت کے بعد اگر اس قسم کے اثرات طاری ہوئے ہوں تو وہ عاصی اور گنہگار کہلائے گا اس کو منافق نہیں کہا جائے گا اسی طرح اگر زید نے اس معصیت کو مکرر سہ کرر کیا لیکن ہنوز دل میں اس کی برائی قائم ہے اور وہ رذیلہ ملکہ بن کر قلب میں راسخ بھی نہیں ہوا ہے تو یہ درجہ فسق ہے زید فاسق کہلائے گا مگر اس کو منافق اب بھی نہیں کہا جائے گا یہ درجہ عاصی سے بڑھ کر ضرور ہے لیکن منافق کے درجہ سے بہرحال کم ہے۔ اور اگر کسی شخص سے ان میں سے کسی معصیت کا صدور نہ یہ کہ ایک دو بار ہی ہوا بلکہ بار بار ہوتا رہتا ہے اور وہ اس کو اچھا بھی سمجھتا ہے نیز وہ معصیت اس کے اندر خوب جڑ پکڑ چکی ہے اور اسے اس کا ایسا چسکا لگ گیا ہے کہ اب اس پر نادم ہونا کیسا اس کو کرکے لذت اور راحت حاصل کرتا ہے اور اپنے باطن کو اسکے خلاف ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ اب وہ اس کے ترک پر بھی قادر نہیں ہے تو اب اس کا یہ فعل درجۂ معصیت و فسق سے نکل کر حد نفاق میں داخل ہو جائے گا اور ایسے شخص کو منافق کہا جائے گا۔ اس فرق کے جاننے کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا

کہ ایک مومن، عاصی یا فاسق تو ہوسکتا ہے لیکن کوئی مومن منافق نہیں ہوسکتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:- ابھی چند صفحات پہلے ہم نے کہیں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کی تھی جس میں تصریح تھی کہ الگ الگ ایک ایک رذیلہ مثلاً کذب اور خیانت وغیرہ کو بھی نفاق کہنا درست ہے اور ابھی معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب نفاق نام رکھتے ہیں ایک ملکۂ رذیلہ راسخہ کا جس میں نفس مٹ چکا ہو حالانکہ نفس رذیلہ اور چیز ہے اور ملکۂ رذیلہ اور شے ہے پس اگر دونوں باتیں صحیح ہیں تو ان پر دو اقوال میں تطبیق کیونکر دی جائے۔ اور اگر ان میں سے ایک ہی صحیح اور ایک غلط ہے تو اپنے ان ہر دو اکابر میں سے تغلیط کس کی کی جائے اور پھر کس کی مجال جو تغلیط کرسکے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ دراصل باتیں دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہیں اور ان میں بظاہر جو اختلاف سا نظر آتا ہے وہ حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے نفاق کے جو معنی لکھے ہیں وہ اس کے حقیقی معنی ہیں اور حضرت شیخ الہندؒ نے کذب وخیانت کو جو نفاق فرمایا ہے وہ بطور ایک اطلاق مجازی کے ہیں یعنی مجازاً اس کو بھی نفاق کہا جاسکتا ہے حضرتؒ کا مطلب یہ نہیں کہ نفاق اسی کذب وغیرہ کو کہتے ہی ہیں اور یہی نفاق کی تعریف ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب دونوں کلام میں کوئی تعارض نہیں باقی رہ جاتا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے جس حدیث کے تحت یہ تقریر فرمائی ہے اس میں بھی ان امور کو (یہ کذب و خیانت وغیرہ کو) علامت نفاق فرمایا گیا ہے نہ کہ عین نفاق۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ امور از قبیل افعال منافقین ہیں لہٰذا جو شخص ان سے جس قدر بھی متصف ہوگا وہ منافقین سے اسی قدر مشابہ ہوگا یہ مطلب نہیں کہ وہ حقیقی منافق ہی ہوگیا باقی اُس کی شباہت بالمنافقین اور اُس کے افعال مثل افعالِ منافقین ہونے کی بنا پر مجازاً ایسے شخص کو اگر منافق اور اُس کے افعال کو نفاق کہدیا جائے تو بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر، تو اس کے معنی علماء یہی تو بیان کرتے ہیں کہ اس نے کافروں جیسا کام کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ فی الواقع "تارک الصلوٰۃ کافر ہی ہوگیا صرف مجازاً اس کو فقد کفر فرمایا گیا ہے۔

شناعتِ نفاق:- نفاق کا واضح مفہوم تو آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان سے

سمجھ لیا اب اس کی شناعت اور قباحت کے متعلق صرف علامہ شعرانی کا قول اور نقل کرتا ہوں اور اس کو اس باب میں کافی سمجھتا ہوں کیونکہ میں نے ایسے مؤثر اور بلیغ عنوان سے اس کا بیان کسی اور کے کلام میں نہیں پایا۔ اپنی مشہور کتاب المیزان میں فرماتے ہیں کہ

وقد ذم اللہ سبحانہ وتعالیٰ منافقی الکفار بنفاقھم زیادۃً علی حصول ذمھم بصفۃ کفرھم فی نحو قولہ تعالیٰ۔ یا ایھا الرسول لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر من الذین قالوا اٰمنا بافواھھم ولم تؤمن قلوبھم الآیۃ ومعلوم ان کل ما عابہ اللہ تعالیٰ علی الکفار فالمسلمون اولیٰ بالتنزہ عما یقرب بہ من شبہ صورتہ (المیزان)

(دیکھیئے) اللہ تعالیٰ نے اس آیۃ میں ان کفار کی جو منافق بھی تھے مزید مذمت ان کے وصف نفاق کے بیان کے ساتھ کی ہے باوجودیکہ ان کا وصفِ کفر ہی ان کی مذمت کے لئے کافی تھا چنانچہ فرماتے ہیں اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لوگ دوڑ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں آپ کو وہ مغموم نہ کریں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے (جھوٹ موٹ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین (ایمان) نہیں لائے۔ (اس آیۃ میں اولاً یسارعون فی الکفر سے ان کی کافی مذمت بیان کر دی گئی تھی پھر بھی الذین قالوا اٰمنا بافواھھم کا اضافہ فرمایا گیا تاکہ وصف نفاق سے ان کی مذمت اور بھی مزید و شدید ہو جائے) اور یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ جس وصف کو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے بھی قبیح جانا ہو تو بھلا پھر مسلمانوں کو اس چیز سے کیسا کچھ اجتناب کرنا چاہیئے اور نہ صرف اس سے بلکہ اس کے مشابہ چیز سے بھی جو قریب قریب ہو ان کو بچنا اور پرہیز کرنا چاہیئے۔ (کیونکہ جو صفت اس درجہ قبیح ہو کہ کسی برے کے لئے بھی مزید قباحت کا ذریعہ بنے وہ کسی اچھے کے لئے جس درجہ قبیح ہو گی ظاہر ہے۔)

یہی ایک بات (یعنی نفاق کی یہ مذمت یہ قباحت اور اس کی یہ شناعت) اگر آج مسلمانوں کی سمجھ میں آجائے تو ان کی دینی غیرت اور فطری شرافت میں تحریک پیدا کر دینے اور نفاق سے ان کو نفرت دلا کر اس کا قلع قمع کر دینے کے لئے بہت کافی ہے۔ واقعی نفاق تو ایک کافر کے لئے بھی عیب ہے تا بہ مسلماں چہ رسد۔ اللھم طھر قلبی من النفاق۔ اللھم طھر قلبی من النفاق۔

احقر جامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متعلقہ نفاق

(۱ یمضمون) نفاق جس کی مذمت قرآن و حدیث میں منصوص ہے آجکل ایک فن محمود قابل تحصیل ہوگیا ہے جس کو باقاعدہ سیکھا جاتا ہے اور اس میں کمال پیدا کرنا ایک انسانی کمال سمجھا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ ہوشیار اور چالاک وہ آدمی ہے جو اس فن نفاق کا زیادہ ماہر ہو جو بہروپئے کی طرح نقل کو اصل باور کرانے میں خوب مشاق ہو۔ نفاق ایک ایسا امر قبیح ہے کہ اس خصلت پر قرآن کریم نے کفر سے بھی زیادہ نکیر کی ہے مگر آجکل اس کو معیوب سمجھنا تو درکنار بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے اور یہ سکہ ایسا رائج اور مقبول عام ہوگیا ہے کہ سوقیوں اور اوباشوں سے نکل کر عام طور پر گھروں میں دوستوں میں اس کا رواج ہوگیا ہے اور اب تو نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ لڑکا باپ کے ساتھ۔ شاگرد اُستاد کے ساتھ۔ بیوی شوہر کے ساتھ۔ حتیٰ کہ مرید شیخ کے ساتھ اس کو بے جھجک استعمال کرنے لگا ہے (فواویلاہ) منافق اپنی تقریر سے تحریر سے طرز و انداز سے غرضیکہ ہر طرح سے یہ یقین دلاتا ہے کہ میرا باطن ویسا ہی ہے جیسا ظاہر ہے وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ کسی قرینے سے بھی دوسرے کو میرے باطن کی خبر نہ ہونے پاوے۔

اجتناب تو آدمی ایسی چیز سے کرتا ہے جس کی برائی پہلے اس کے نزدیک مسلم ہو جائے اور یہ سکہ رائج الوقت جب ہنر ہوگیا ہے اور بجائے نقص کے کمال سمجھا جاتا ہے تو کوئی شخص اس کو کیسے چھوڑے۔ ہنر اور کمال تو مطلوب ہوتا ہے۔

آجکل نفاق کو خوش اخلاقی اور منافق کو خوش اخلاق کہا جاتا ہے اور اخلاص اور صحیح اخلاق کو بدخلقی اور مخلصین کو بدخلق کہا جاتا ہے یہ قلب موضوع نہیں تو کیا ہے۔

(۲ یمضمون) میں پہلے بالکل سیدھا تھا اور اب بھی ہوں لیکن یہ آنے جانے والوں نے مجھے سبق پڑھادیا

ہے یہ سب میرے اُستاد ہیں کس چیز میں، اس میں کہ دیکھو جو شخص تمھارے یہاں آوے اور تعریف کرے یا لکھے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ دل میں بھی تمھیں ایسا ہی جانتا ہو۔ اس سے ہوشیار رہو۔ بس اس میں میرے اُستاد ہیں یعنی ان کے اس طرز عمل سے نفاق ظاہر و باطن کے تخالف کا علم ہوا۔ میں نے کبھی بعض لوگوں سے پوچھا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب ایک شخص دل سے میرا معتقد نہیں تو آخر زبان وقلم سے میری تعریف کیوں کرتا ہے تو کہا کہ اس لئے تعریف کرتا ہے کہ جس کے سامنے تعریف کی ہے جب اس کے ذریعہ تمھیں اطلاع ملے گی تو تم اس تعریف کرنے والے سے خوش ہو گے۔ یہ دیکھئے لوگ چاہتے ہیں کہ مجھے دھوکا دے کر مجھ سے سند لے جاویں۔ میں بھی اب اچھی طرح لوگوں سے واقف ہو گیا ہوں دیکھوں بھلا کوئی کیسے دھوکہ دے کر نکل سکتا ہے۔

(۳ مضمون) آجکل لوگوں نے دین کو صرف ظاہر میں منحصر کرلیا ہے لباس وصورت ظاہری دینداروں کی طرح بنالیا کچھ ظاہری عبادات نماز روزہ وغیرہ کرلیا اور سمجھے کہ ہم کامل دیندار ہو گئے حالانکہ ان کا باطن بالکل فساق فجار جیسا ہے فاسقوں جیسے اخلاق فاسقوں جیسے معاملات۔ انھیں جیسی گندی معاشرت اور پھر دیندار کے دیندار۔ باطن کی اصلاح کی طرف آجکل لوگوں کو متوجہ کرنا مشکل ہے پہلے تو آدمی یہ کوشش کرتا ہے کہ مصلح پر ہمارا باطن ظاہر ہی نہ ہو اور اگر اس نے اپنی فراست سے ان کے باطن کو سمجھ لیا تو اول وہلہ میں آدمی اس کا اقرار نہیں کرتا بلکہ نفس اس سے گریز کرتا ہے جب دلائل اور واقعات سے اور ایسے اقوال وافعال سے جو وقتاً فوقتاً اس شخص سے صادر ہوئے ہیں کوئی ثابت کرتا ہے کہ تمھارا باطن ایسا ہی ہے جیسا تشخیص کیا گیا ہے اس وقت جاکر کہیں وہ اصلاح کی طرف توجہ کرتا ہے۔

(۴ مضمون) لوگوں میں خلوص نہیں ہے اور نہ اس کا ارادہ ہی کرتے ہیں ان لوگوں کی مثال تو اس بڑھیا کی سی ہے جو طواف کرتے کرتے تھک گئی (اور ابھی کچھ شوط باقی تھے) تو معلم سے کہتی ہے کہ معلم صاحب اب معاف کر دیجئے بھلا معلم کون ہوتا ہے معاف کرنے والا کوئی اس کے باوا کا کام ہے اسی طرح یہ آنیوالے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم میں نہ تو خلوص ہے اور نہ ہم اس کے حصول کی کوشش کریں گے بس تم ہی اس کو معاف کر دو اب لوگ یہاں آکر بس یہ چاہتے ہیں کہ مجلس میں بیٹھے رہیں میں کہتا رہوں اور وہ سنتے رہیں آگے کچھ نہیں اخلاق ان کے بدستور رہیں اعمال ان کے وہی رہیں قول صرف ہمارا رہے اب ان کی مرضی کے مطابق میں بھی عمل کروں تو وہ خوش رہتے ہیں (حالانکہ میرے نزدیک یہ تضییع اوقات ہے) اور ان کے

امراض بیان کروں اور بداخلاقیوں پر روک ٹوک کروں عمل میں اخلاص کا مطالبہ کروں تو میں بڑا سخت ہوں بڑا بداخلاق ہوں یہ حال ہوگیا ہے۔

(۵ مضمون) میں بارہا کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ آج مسلمانوں میں جو نزاع موجود ہے ایک دوسرے پر نظر ہے دوسروں سے توقعات قائم کی جاتی ہیں اور جب وہ پوری نہیں ہوتیں تو اسکی مخالفت کی جاتی ہے جس کا انجام نزاع ہوتا ہے جب غیر اللہ پر نظر رکھی جائے گی تو اس کا یہی انجام ہوگا آج ہر گھر میں یہ مرض گھسا ہوا ہے باپ کی نظر بیٹے کی کمائی پر ہے بھائی کی نظر بھائی کی آمدنی پر ہے اسی کی وجہ سے آپس میں جھگڑے ہیں اور گھر گھر فساد ہے اور تماشا یہ ہے کہ دل میں تو دوسرے کی اور اس کے مال کی پروا اور خیال موجود ہے اور اچھی طرح موجود ہے مگر جب ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہوتے ہیں تو زور زور سے ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ ہمیں تمھاری کچھ پروا نہیں اور ہم تم کو کچھ نہیں سمجھتے میں کہتا ہوں ارے ظالم اسی سمجھنے اور پرواہی نے تو یہ سارا قصہ مچا رکھا ہے اور تو اسی کی نفی کر رہا ہے اسی کو نفاق کہتے ہیں نفاق اور کیا ہے یہی کہ باطن میں کچھ ہو اور ظاہر میں کچھ اور۔ یہ ہے جڑ موجودہ سارے خانگی فتنوں اور خانہ جنگیوں کی۔

(۶ مضمون) منافق چونکہ گھر کا بھیدی ہوتا ہے اس لئے اس سے نقصان بہت ہوتا ہے اسی لئے قرآن شریف میں اس کی بحث کافی ہے آج اگر مسلمانوں سے یہ خصلت نکل جائے تو ان کی حالت بہت جلد درست ہو جائے اور اسی کی وجہ سے ان میں سے سب بری خصلتیں دور ہو جائیں میری ساری عمر کی کمائی یہی ہے کہ آجکل کے علماء اور عوام میں کلاً یا بعضاً جو علامات نفاق پائی جا رہی ہیں مجھے ان کا حکم معلوم ہوگیا اور وہ یہ کہ وہ شبیہ بالمنافقین بلکہ شدید الشبہ بالمنافقین ہیں۔

(۷ مضمون) لوگ یہاں آتے ہیں اور بعضوں کو جو فائدہ نہیں ہوتا جانتے ہو کیا بات ہے وجہ یہ ہے کہ یہ طریق ہے ادب اور عقیدت کا، لیکن لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح اسکول میں معلّم پڑھاتا ہے اب طالب علم خواہ اس کا معتقد ہو یا نہ ہو اس سے علم سیکھتا ہے یہاں تک کہ اس کا ادب بھی نہ کرتا ہو پھر بھی اس سے پڑھتا ہے اسی طرح یہ علم باطن بھی ہے کہ اس میں شیخ سے اعتقاد یا اس کے ادب کی حاجت نہیں ہے بس اس کی باتوں کا معتقد ہونا کافی ہے جس طرح لوگ فلسفہ پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس کی باتوں کو یاد رکھتے ہیں حالانکہ فلاسفہ کے معتقد نہیں ہوتے اسی طرح شیخ کی باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں مفید

جان کر اسے یاد بھی کر لیتے ہیں مگر دل میں اس کی عقیدت نہیں ہوتی اسی لئے فائدہ نہیں ہوتا گویا اب تصوف کو بھی منجملہ دیگر علوم و فنون کے صرف ایک علم سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہ ایک عملی اور حالی چیز ہے دیکھئے حضرت (حکیم الامت قدس سرہٗ) کی ایک ایسی شخصیت تھی کہ اگر لوگ صحیح طور پر استفادہ کرتے تو ہزاروں ہزار آدمی درست ہو جاتے مگر بیشتر لوگوں نے حضرت رحؒ سے بھی اس چیز کو صرف علمی طور پر حاصل کیا مضامین اور مسائل تصوف یاد کر لئے اور بس۔ حضرتؒ سے بارہا سُنا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے اگر کوئی شخص تصوف کا کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو ڈانٹ دیتے اور فرماتے کہ یہ کوئی مدرسہ ہے جب کبھی طبیعت حاضر رہے گی۔ بیان ہو جاوے گا۔

(۸ مضمون) آجکل لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کی عبادات اور وظائف کو دیکھئے تو جنید و شبلی معلوم ہوتے ہیں اور اخلاق و معاملات پر نظر کیجئے تو فرعون سے کم نہیں ہیں۔ یہاں بھی لوگ آتے ہیں اور بات بات پر مجھ سے تعظیم چاہتے ہیں۔ کس قدر افسوس اور غیرت کی بات ہے کہ آئیں یہاں اصلاح کے لئے اور چاہیں تعظیم! گویا ظاہر تو کریں دین اور مقصود ہو دُنیا! اسی کا نام نفاق ہے اس کا علم تک نہیں اور مطالبہ ہے نفع کا۔ حالانکہ یہ اتنا بڑا کھوٹ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے فائدہ یا تکمیل ناممکن ہے کیونکہ تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ انسان کو اپنے نقص کا علم ہو جس کو اپنے نقصان کا علم ہو گیا سمجھو کہ تکمیل کی جانب بڑھنے میں اب کوئی مانع نہیں رہا بقول مولانا رومؒ ؎

ہر کہ نقصِ خویش را دید و شناخت	سوئے استکمال خود دو اسپہ تاخت
زاں نمی پرد بسوئے ذوالجلال	کو گمانے می برد خود را کمال

ترجمہ:۔ جس نے اپنی خامی سمجھ لی پھر وہ اپنی تکمیل اور اصلاح کے لئے زیادہ سے زیادہ تیز دوڑے گا بس وہی شخص خدائے ذوالجلال کی طرف جانے سے رُکے گا جو اپنے کامل ہونے کا مدعی ہو گا۔

لہٰذا شیخ محقق کا یہی کام ہے کہ وہ مرید کو اس کے نقائص پر مطلع کرے اس لئے میں یہی کرتا ہوں کہ عیوب پر مطلع کر دیتا ہوں اور اسی کو دیکھتا ہوں کہ اس نے کتنی برائی چھوڑ دی ہے میں یہ نہیں پوچھتا کہ وظیفہ کتنا پڑھا ہے بھائی اگر تم وِرد پڑھو گے تو وارد تو ہو ہی گا یہ معاملہ آپ کا اور اللہ تعالیٰ کا ہے جتنا پیسو گے اتنا اُٹھاؤ گے۔

(۹ مضمون) لوگ اپنی زبان سے تو اپنے متعلق اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہماری حالت نہایت

خراب ہے ہم میں آپس میں سخت اختلافات ہیں جھگڑے ہیں لیکن یہی باتیں اگر کوئی عالم دین کہے تو بُرا مانتے ہیں اور اس کو بُرا بھلا کہتے ہیں کیا یہ عالم دین کے ساتھ تکبر نہیں ہے میں نے بھی شروع شروع میں دیکھا کہ لوگوں کو انھیں کے امراض بتاتا ہوں اصلاح کی باتیں کرتا ہوں تو اس پر مجھے بداخلاق کہتے ہیں۔ میں نے پہلے تو خیال کیا کہ بھائی ہم سے تو عوام الناس ہی اچھے کہ اخلاق پر ان کی کافی نظر ہے کسی کی بداخلاقی گوارا نہیں اخلاق پر اگر عمل نہیں ہے تو کم از کم اس کا علم تو ہے اور تم نے پڑھا پڑھایا اتنے دنوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رہے حضرت رح کی کتابیں دیکھیں مگر اخلاق و بداخلاقی کی تمیز بھی نہ ہوئی گویا اسکے کوچے ہی سے کبھی نہیں گذرے دیکھو لوگ کیسا سمجھتے ہیں کہ یہ اخلاق ہے اور یہ بات بداخلاقی ہے۔ اپنے متعلق کچھ اسی قسم کا خیال قائم کرکے خاموش ہوگیا لیکن پھر جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ سب لوگوں میں اندر اندر خوب گتھم گتھا ہے کسی کا دل کسی کی طرف سے صاف نہیں ہے تو منھ پر تو تعریف ہے اور پیٹھ پیچھے ہر ایک دوسرے کی برائی کرتا پھرتا ہے اچھا خاصا نفاق موجود ہے اسی کا نام اخلاص اور اخلاق رکھا ہے اور حقیقی اخلاص اور اخلاق کو بداخلاقی کہتے ہیں پھر سمجھ میں آیا کہ جس کو یہ لوگ اخلاق سمجھتے ہیں (یعنی نفاق) اسے یہاں پاتے نہیں اس لئے ظاہر ہے کہ بداخلاقی نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔

(۱۰ ملفوظ) آج اصلاح نہ ہونے کے سلسلے میں لوگ یہ عذر بھی بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ماحول بہت خراب ہے اسی کی وجہ سے اصلاح پر قدرت نہیں ہوتی میں کہتا ہوں کہ ماحول کا عذر نہایت لغو ہے ماحول ہے کس چیز کا نام؟ یہی نا کہ چند افراد ایک کام کرنا طے کرلیں اور اپنے لئے کوئی غلط یا صحیح اصول مقرر کرلیں جس پر کاربند ہوں اسی کا نام ماحول ہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اسی ماحول میں رہنے والا ایک شخص ہوتا ہے جو اس سے بالکل متاثر نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ ماحول کا عذر غلط ہے خود اپنی کمزوری ہوتی ہے جس کسی کی طبیعت کو اس غلط ماحول سے مناسبت ہوتی ہے وہ ادھر جذب ہوجاتا ہے اور جو قوی القلب ہوتا ہے وہ اس ماحول پر لاحول بھیج کر اس سے الگ اپنا ایک دوسرا ماحول بنالیتا ہے آخر یہاں جو لوگ آتے ہیں تو یہاں کا ماحول کیا خراب ہے پھر لوگ یہاں رہ کر کیوں بداخلاقی کرتے ہیں اگر ماحول کو دخل کلی ہوتا تو انھیں تو ٹھیک ہو ہی جانا چاہئے تھا لیکن یہاں آنے والوں میں سے کسی کو تو دیکھتا ہوں کہ ایک ہی دو دفعہ کے آنے میں ساری برائیاں ترک کردیتا ہے اور رستے پر لگ جاتا ہے اور بعض بعض یہاں آکر بھی اپنا سکہ چلانا چاہتے ہیں وہ اس طرح کہ ابتداءً مجھے خوب ہنس ہنس کر

دیکھتے ہیں تاکہ میں سمجھوں کہ یہ میرا بہت معتقد ہے حالانکہ دل سے میرے معتقد تو کیا موافق تک نہیں ہوتے میں اس چیز کو خوب سمجھ چکا ہوں اس لئے اب اس سے دھوکے میں آنے والا نہیں کیونکہ جو چیز لوگوں کو ایسا کرنے پر آمادہ کرتی ہے کچھ کچھ اس کو پہچان گیا ہوں آپ لوگ مجھے معاف کیجئے گا برا نہ مانیۓ گا کہ آنے والوں کی توہین کرتا ہے مجھے اس قسم کے تجربات بہت ہو چکے ہیں۔

(۱۱ مضمون) منافق کا ایمان اس کی زبان پر ہوتا ہے اور مومن کا اس کے قلب میں مطلب یہ ہے کہ منافق بس زبان سے پھر پھر خوب باتیں ظاہر کرتا ہے اور زبان آور اور لسان ہو جاتا ہے کیونکہ زبان سے بولنے میں کچھ دیر نہیں لگتی اور مومن بہت سوچ سوچ کر بولتا ہے کیونکہ ایمان اس کے قلب میں ہوتا ہے وہاں سے زبان تک بات آنے میں دیر لگتی ہے اس لئے کہ قلب اور زبان کے مابین کافی فاصلہ ہے اور دل میں جو بات ہوتی ہے وہ راز ہوتی ہے شاید ہی زبان پر آوے حدیث شریف میں ہے اَخْوَفُ ما اخاف علیم اللسان یعنی سب سے زیادہ خوف اپنی اُمت میں مجھے علیم اللسان منافق کا ہے اور مراد اس سے وہ شخص ہے جو علوم ظاہری میں تو ماہر ہو اور اس میں اس کی زبان خوب چلتی ہو لیکن قلب اور عمل کے اعتبار سے وہ بالکل جاہل ہو اور عقیدہ بھی اس کا فاسد ہو۔

(۱۲ مضمون) خدا و رسول کے نزدیک مخلص اور منافق برابر نہیں مخلصین کی تو قدر ہے اور منافقین ذلیل ہیں لیکن اس زمانہ میں نفاق کی گرم بازاری ہے اور دنیا میں اس کا رواج ہے اور اخلاص کی بے قدری ہے اسی کی ساری خرابی ہے اگر آج لوگ مخلص کی قدر کرنا شروع کر دیں اور منافق کی بے قدری تو سارے منافقین کو اپنا انجام نظر آجائے یہی کرنا چاہئے کہ مخلص کو تو اپنے پاس بٹھائے اس سے باتیں کرے اور منافق کو دور کرے کیونکہ اول تو اس کی وجہ سے کام خراب ہوتا ہے دوسرے اس میں اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں باقی حدیث شریف میں جو یہ آیا ہے کہ لا یشقی جلیسھم تو اس میں وہ شخص مراد نہیں ہے جو عقیدے میں صلحاء کے خلاف ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو ان کا ہم عقیدہ ہو ان کو اچھا سمجھتا ہو صرف عمل میں کوتاہ ہو وہ ان کی برکت سے محروم نہ رہے گا دیکھئے ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حوض کوثر پر ایک جماعت کے بارے میں حضورؐ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ ہمارے ہیں اور فرشتے کہیں گے نہیں انك لا تدری ما احدثوا بعدك (آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد انھوں نے کیا کیا) یہ سن کر حضورؐ فرمائیں گے سُحقًا سُحقًا (دور ہو دور ہو)

اس سے معلوم ہوا کہ جلیس منافق کا یہ حکم نہیں ورنہ حضورؐ کی صحبت اُس دن اُن کے کام آتی۔

(۳مضمون) بہت دنوں کے بعد یہ بات سمجھا ہوں کہ ان دین طلب کرنے والوں کو جو فائدہ نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ پیر و مرید دونوں سچے نہیں ہوتے لیکن نقل سچوں کی کئے ہوتے ہیں شیخ اپنے کو محققین کے رنگ میں ظاہر کرتا ہے حالانکہ کچھ بھی نہیں ہوتا مدعی محض ہوتا ہے اور طالبین اپنے کو مخلصین ظاہر کرتے ہیں حالانکہ مخلص ہوتے نہیں پس مرید کو سچا شیخ اور شیخ کو سچا مرید پہچاننا دشوار ہوجاتا ہے اسی لئے مغالطہ ہوتا ہے اور فائدہ نہیں ہوتا۔ لوگوں نے میرے ساتھ پالیسی برت برت کر مجھ کو ہوشیار کر دیا ہے اس لئے اب میں ان لوگوں کے دھوکے میں نہیں آتا یوں تو لوگوں کو سمجھتا پہلے بھی تھا لیکن کھل کر نہیں کہتا تھا اور اب ایسے لوگوں سے کہدیتا ہوں کہ آؤ یہیں آؤ اور جتنے ایسے لوگ ہیں ان کو یہیں آنا چاہئے اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ اس چیز کی (یعنی پالیسی کی) عام جگہ تو قدر ہے جب پیش کریں گے اس کی تنخواہ پائیں گے اور یہاں اس کو قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اصلاح کی جاتی ہے اس لئے ایسی ہی جگہ مناسب ہے کہ اس کو پیش کیا جائے۔

(۴مضمون) آپ لوگوں کو ایک نہایت ضروری بات بتاتا ہوں اگر اس کے مطابق کوئی کام کریں گے تو زندگی بھی آرام سے گذار سکیں گے اور ممکن ہے کہ دو چار مخلص دوست بھی میسر ہوجائیں ورنہ بظاہر تو لوگ زیادہ جمع ہوجائیں گے اور انھیں میں منافق بھی آجائیں گے اور سب کام خراب ہوجائے گا طریقہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی کا اعتبار جلدی نہ کیجئے اور نہ کسی کو جلدی دوست اور راز داں بنائیے جب آپ اس طرح سے رہیں گے تو جو آپ ہی کے مسلک کا ہوگا وہی آپ سے ملے گا اور ایسے لوگ چند ہی ہوں گے باقی دوسرے لوگ علیٰحدہ ہوجائیں گے اس زمانے میں کام اسی لئے تو نہیں ہو رہا ہے کہ لوگ شروع ہی سے زیادہ مجمع چاہتے ہیں جس میں غیر مخلصین بھی بھر جاتے ہیں وہی کام خراب کر دیتے ہیں ورنہ اگر دو چار ہی ساتھی پر قناعت کر کے لوگ کسی کام کو شروع کر دیں تو کچھ نہ کچھ کام ہوجائے کیونکہ مقصود کام ہے نہ کہ مجمع اور زیادہ مجمع لے کر ہوگا کیا لوگ مخلص ہوں چاہے تھوڑے ہوں یہی اچھا ہے اور کام کے لوگ تو تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں الا الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت وقلیل ما ھم۔ لیکن لوگوں کا یہ حال ہے کہتے ہیں کہ جب تک مجمع کثیر نہ ہو وعظ کہتے نہیں بنتا مضامین کی آمد ہی نہیں ہوتی یہ سب غلط ہے اخلاص کے منافی ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کے بارے میں ایک صاحب کہتے تھے کہ دیکھئے عورتوں کے مجمع میں بھی دو دو گھنٹے اور تین تین گھنٹے وعظ فرماتے ہیں حالانکہ یہ نہیں معلوم کہ وہ سن بھی رہی ہیں یا سوگئی ہیں۔ پردے کے اندر موجود بھی ہیں یا چلی گئیں ایسی حالت میں وعظ کہنا واقعی بڑا مشکل کام ہے اور یہ بدون اخلاص کے ناممکن ہے اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے مخلص کا تو یہ حال ہوتا ہے۔ ع

کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم

(۱۵ ۔ مضمون) ایک ہوتا ہے گناہ اور ایک ہوتا ہے نفاق۔ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں مسلمان گنہگار تو ہوتا ہے منافق نہیں ہوتا اور اس زمانہ میں نفاق ہی زیادہ ہوگیا ہے بزرگان دین نے گنہگاروں کو تو اپنے یہاں رکھا ہے اور ان کی صحبت کی برکت سے ان کا گناہ چھوٹ بھی گیا ہے لیکن منافق کو تو ہمیشہ نکالا ہی گیا ہے آجکل بھی ایسی جگہ جھوٹے گھس آتے ہیں جن کا مقصد اصلاح وغیرہ کچھ نہیں ہوتا بس ایک جگہ کا بھید دوسری جگہ لے جا کر فساد پھیلاتے ہیں۔

(۱۶ ۔ مضمون) بہت سے لوگ یہاں آتے ہیں اور مجھ سے تعلق بھی رکھنا چاہتے ہیں مگر رسمًا صرف اوپر اوپر سے اور جو حقیقت میں بیان کرتا ہوں اس کو سنتے تک نہیں ظالم اور نہ سمجھتے ہیں، رسم کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور حقیقت کی طرف آنا نہیں چاہتے بس مدتوں اسی طرح بین الرسم والحقیقہ رہتے ہیں پھر بھلا جب کوئی شخص سُننے سمجھنے اور عمل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرے گا تو اس کو خاک فائدہ ہوگا۔ لوگ اگر یہاں کے آنے جانے میں اور جتنا کچھ بھی عمل کرتے ہیں اس میں ذرا سا خلوص کا حصہ بھی شامل کر دیں تو بہت کام ہو جائے لیکن ایک عرصہ کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ لوگ اس زمانہ میں اس کا ارادہ بھی نہیں کرتے اسی لئے محروم رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح علم بدون عمل کے بیکار ہے کہ ؎ علم چندانکہ بیشتر خوانی — چوں عمل در تو نیست نادانی

نہ محقق بود نہ دانشمند — چار پائے بروکتابے چند

اسی طرح عمل بغیر خلوص کے غیر مفید ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح یہ ممکن ہے کہ علم ہو اور عمل نہ ہو اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمل ہو مگر اخلاص نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے کسی عمل میں خلوص رہا ہو لیکن بعد میں نہ رہ گیا ہو۔ شیخ محی الدین ابن عربی رح کا مقولہ ہے کہ ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا کہ وہ اپنے مرتبہ سے گر گئے ۔ وقد رأینا شیوخًا سقطوا۔

جب شیخ بھی اپنے مرتبہ سے گر سکتا ہے تو مرید تو بدرجۂ اولیٰ گر سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگ شیخ کے پاس آتے جاتے ہوں یا وہاں رہتے ہوں اور اُن میں خلوص نہ ہو اس لئے مقربین کو ڈرنا چاہیئے کہ کبھی کوئی حرکت خلاف خلوص صادر ہو جائے اور اس دن سے شیخ کی نظروں سے گر جائے۔ ایک صاحب ایک بزرگ کے یہاں رہتے تھے ان کے بعد اب وہ نماز نہیں پڑھتے ان کے لڑکے وغیرہ پڑھتے تھے۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر روتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اُن بزرگ کے یہاں ایک دن بھی خلوص سے نہیں رہا۔ اس پر ایک واقعہ یاد آیا حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانۂ خلافت میں کچھ مرتدین پکڑ کر پیش کئے گئے۔ ارتداد کی سزا اسلام میں چونکہ قتل ہے آپ نے قتل کئے جانے کا حکم دے دیا اس پر اُن لوگوں نے کہا کہ ہم تو ایک دن کے لئے بھی دل سے اسلام نہیں لائے پھر ارتداد کیسا؟ حضرت نے فرمایا سچ کہتے ہو اور انھیں چھوڑ دیا یہ لوگ منافق تھے صرف زبان سے اسلام ظاہر کرتے تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ کتنی نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی ہوں گی کتنے زمانہ تک آپ کی صحبت میں بیٹھے ہوں گے مگر قلب کی حالت کیسی ناپاک تھی۔

(۷ امضمون) "اپنا باطن کسی پر ظاہر کرنا ضروری نہیں اور نہ یہ کوئی عیب ہے۔ عیب یہ ہے کہ باطن میں کچھ ہو اور ظاہر دوسروں پر اس کے خلاف کرے۔ کیونکہ یہ کذب بھی ہے زور بھی۔ نفاق بھی ہے اور خداع بھی۔"

(۸ امضمون) تصدیق و تسلیم قلب کا وظیفہ ہے اور عمل جوارح کا۔ مومن کا قلب پہلے اپنے وظیفہ میں مشغول ہوتا ہے اور پھر جوارح بھی لیکن اگر جوارح (عمل) مشغول نہ ہوں اور قلب اپنے وظیفہ تصدیق میں مشغول ہو تو یہ شخص فاسق ہے اور اگر زبان سے تصدیق ہے لیکن قلب کا وظیفہ فوت ہے تو یہ نفاق عمل ہے اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ قلب میں چیونٹی کی چال کی طرح مجازاۃ کے استبعاد (آخرت کے ناممکن ہونے) کا خیال گذرتا ہے جس کی اس شخص کو اطلاع تک نہیں ہوتی یعنی یہ خیال دل میں گذرتا ہے کہ آخرت کا حساب وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ آج اس مضمون کو لوگ سمجھ لیں تو ہوش اُڑ جائیں اگر ذرا بھی خدا کا خوف دل میں ہو تو غور کرنے لگ جائیں کہ کہیں ہم میں یہ مرض تو نہیں اگر ہے تو یہ دُنیا کی زندگی تابہ کے مرنے کے بعد کیا حشر ہوگا۔ اس مضمون کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بیان فرمایا ہے۔ کیا اس وقت اس کی ضرورت تھی اب نہیں رہی اگر ہے اور اس وقت سے زیادہ ہے تو لوگ اس کو کیوں نہیں بیان کرتے۔ (ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ صـ۱۶۳ جـ۱ جامی)۔

(۱۹ ایمضمون) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ منافقین کی تنقیص کرنے کے باوجود آپ ان کی باتیں سُنتے تھے اس سے وہ ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہماری چال چل گئی اور ہماری باتوں کا آپ نے اعتبار کرلیا اور حقیقت حال کا آپ کو علم نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ بات نہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض تھے لیکن اپنی فطری رفق و نرمی کی بنا پر ان کو رسوا نہ کرتے تھے اور ان کی پردہ دری نہ فرماتے تھے یہی حال مشائخ کا بھی ہے کہ بہت سے آنے جانے والے لوگوں کے حالات سے واقف ہوجاتے ہیں مگر رسوائی کی وجہ سے اس کو ظاہر نہیں فرماتے لیکن وہاں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر خاموش بھی رہ جاتے تو حق تعالیٰ اسے ظاہر فرما دیتے تھے اور آیات قرآنی نازل ہوجاتی تھیں اب مشائخ کیا اتنا بھی نہ کریں کہ کسی مضمون کی آیات کو دُہرا دیا کریں تاکہ لوگوں کو اپنے حالات سے انطباق کا موقع ملے اور ان کی اصلاح ہو بہت سی باتیں مشائخ کو معلوم ہوجاتی ہیں مگر بات یہ ہے کہ ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز   ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

(۲۰ ایمضمون) نفاق کی خصلت لوگوں میں اس درجہ راسخ ہوچکی ہے اور ظاہرداری اس قدر غالب آگئی ہے کہ ظاہری نماز و روزہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کامل ہوگئے ہیں پھر اگر شیخ اپنی خوش اخلاقی سے ہنس کر بول دے تو اس کو اپنی بزرگی کی سند قرار دیتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر ہم کامل نہ ہوتے تو شیخ ہم سے خوش کیوں ہوتے۔ لوگوں کی نظر ظاہری ٹیپ ٹاپ پر ہے اور باطن کو تو لوگ چھونا ہی نہیں چاہتے حتّٰی کہ جب میں مواخذہ کرتا ہوں اس وقت بھی نہیں سمجھتے کہ یہ ہم کو سمجھ گئے ہیں بلکہ اول اول یہی خیال کرتے ہیں کہ ان کا ڈانٹنا انھیں کی بداخلاقی کی وجہ سے ہے پھر جب اور پھٹکارے جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اب نکالے جارہے ہیں اس وقت توبہ کرنے لگتے ہیں اور اب کچھ کچھ اصلاح کا خیال ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگ یہاں بہت آتے ہیں اس لئے میں نے اصول مقرر کردیا ہے کہ آنے والوں کی دو جماعتیں ہونی چاہئیں اور ہر ایک کے لئے علیٰحدہ مجلس ہونی چاہئے جو لوگ دین حاصل کرنا چاہتے ہوں اور اپنے اندر اصلاح کا داعیہ اور اس کی ہمت پاتے ہوں وہ تو اس مجلس میں بیٹھیں اور بقیہ لوگوں کے لئے دوسرا وقت دوں گا ان کو آنے سے منع نہیں کرتا شوق سے آویں ملاقات کریں اور دنیوی کوئی حاجت ہو مجھ سے کہیں دعا تعویذ کرائیں پانی دم کرائیں سب کردوں گا پھر اس طرح سے

آنے والوں میں سے جب کسی کو اصلاح کا خیال اور اس کی ہمت پیدا ہو جائے اس وقت وہ بھی اسی مجلس میں بیٹھ سکتا ہے باقی یہ کہ کرنا ورنا خاک نہیں اور محض خوش کرنے کے لئے مجلس میں شریک ہونا تو اس کو میں پسند نہیں کرتا اور جب تک کہ باطن کو ظاہر کے موافق کرنے کا عزم نہ کرے اس مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا اب اس اصول میں کیا خرابی ہے؟ آپ ہی لوگوں سے پوچھتا ہوں دیانۃً بتائیے کہ اس میں کون سی بداخلاقی ہے؟ لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اس قاعدہ میں اپنے لئے ہیٹی اور ذلّت سمجھتے ہیں۔ خیال یہ کرتے ہیں کہ ہم کو مجلس میں شرکت کے قابل بھی نہیں سمجھا گیا۔ یہی بات اگر میں کسی مدرسہ یا مسجد میں بیٹھ کر کہتا تو لوگ مجھ سے لڑ پڑتے لیکن یہ میرا گھر ہے اس لئے کچھ دم نہیں مار سکتے مگر چونکہ گھسنا چاہتے ہیں اسی مجلس میں اس لئے آنے کا حیلہ دین کو بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم دین سیکھنے اور اصلاح کرانے آئے ہیں حالانکہ اندر دین وغیرہ کا خیال بالکل نہیں ہوتا۔ اس طرح سے نفاق کو مقصد برآری کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

(اہم مضمون) منافقین ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کسی نے اُن سے کہا کہ ایسا مت کہو اگر نبی اللہ کو اس کی اطلاع ہوگئی تو پھر خیر نہیں اُن لوگوں نے کہا کہ هُوَ اُذُنٌ یعنی آپ تو سراپا کان ہیں اگر ہماری شکایت سُنیں گے تو ہماری معذرت بھی مان لیں گے کیونکہ وہ ہر ایک کی بات سُن لیتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ یعنی آپ فرما دیجئے کہ وہ تمہاری اچھائیوں کے سُننے والے ہیں ہر بات نہیں سُنتے اس دھوکہ میں نہ رہنا۔ رہا یہ کہ وہ تو ظاہراً مومن اور منافق ہر ایک کی بات سُنتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ مومن کی بات سُن کر اس کی تصدیق بھی فرماتے ہیں اور منافقین کی باتیں صرف سُن لیتے ہیں تصدیق نہیں فرماتے۔ باقی یہ کہ مومنین کی تصدیق کا ان کے حق میں خیر ہونا تو بالکل ظاہر ہے لیکن منافقین کی باتوں کا سُن لینا اور تصدیق نہ فرمانا یہ ان کے حق میں کیونکر خیر ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بھی خیر ہے اس طرح پر کہ جب وہ دیکھیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سُن تو لی لیکن تصدیق نہیں کی تو سمجھیں گے کہ ہم لوگ مخلصین کے مرتبہ سے کم ہیں جن کی بات سُنی بھی گئی ہے اور ان کی تصدیق بھی کی گئی، یہ خیال کر کے دل دل میں نادم اور شرمندہ ہوں گے اس سے بہت ممکن ہے کسی کو مخلصین کا درجہ حاصل کرنے کا

خیال پیدا ہو جائے جس کا غیر ہونا ظاہر ہے۔

(۲۲ ملفوظ) آجکل مسلمانوں کا مقصود دین نہیں ہے، مقصود شیخ ہے ہمارا سارا وقت لے لیتے ہیں اور ٹھیک ایک شخص بھی نہیں ہوتا بس کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا مصداق ہے۔ بات یہ ہے کہ اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہر شخص کے تفصیلی حالات وہاں کے جہاں رہتا ہو مجھے معلوم نہ ہوں کیونکہ لوگ اپنی خوبیاں ظاہر کرتے ہیں اور برائیاں چھپاتے ہیں ایسے لوگ اصلاح چاہتے ہی کب ہیں صرف شیخ کی نظروں میں اپنا اعتبار قائم کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں اچھے بن کر دوسروں سے فائدہ حاصل کریں حالانکہ یہاں اعتبار مل نہیں سکتا۔ پکڑے جائیں گے رسوائی ہوگی اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہونا پڑیگا

(۲۳ ملفوظ) ایک شخص یہاں رہتا تھا اس کو میں وظیفہ اور کھانا بھی دیتا تھا اور مجلس میں جب آکر بیٹھتا تھا تو بالکل قریب لیکن اس کے بیٹھنے سے مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی ایک دفعہ پکڑا گیا تو (مواخذہ ہوا) دل کی بات کہی، کہتا تھا کہ میں سوچتا تھا کہ مجھے یہاں سے ہٹانا چاہتے ہیں مجھ میں ہی کوئی بات نکال کر کے میں نے کہا دیکھو تو اس کو، میرا اس کے ساتھ کیا برتاؤ اور اُس کا میرے متعلق ایسا خیال۔ اس چیز کو آپ لوگ خوب سمجھ لیجئے کہ آجکل ایسے لوگ بہت ہوگئے ہیں۔ کسی سے ظاہر و باطن کی یکسانی کے ساتھ ملنا اس زمانہ میں بڑا مشکل ہوگیا ہے ایسے لوگوں کو پہچاننا بھی آسان نہیں ہے جو لوگ اس قسم کے لوگوں کو نہیں پہچانتے سمجھ لیجئے کہ وہ بھی کچھ اسی قسم کے ہیں۔

(۲۴ ملفوظ) مجھے واقعات پیش آنے سے اس امر کا تجربہ ہوا کہ جب میں کسی شخص کو مخلص سمجھ کر اس سے کسی امر دینی یا دنیوی میں مشورہ لیتا ہوں تو یہ دیکھا کہ وہ اپنی ذاتی رائے تو چھپاتا ہے (حالانکہ مشورہ سے اس کا استظہار مقصود ہوتا ہے) اور میری مصلحت دیکھتے اور مجھ کو خوش کرنے کے لئے میرے مزاج کے مطابق بات کہدیتا ہے اب میں اگر اس میں بھی چوکنا نہ رہوں تو مجھ سے یہ پاس رہنے اور آنے جانے والے بہت سا خلاف کام کرادیں کیونکہ مقصود ان کا صرف پیر کو خوش کرنا ہے لہٰذا وہی ہمیشہ ان کے پیش نظر ہوتا ہے باقی خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کام کرنا تو شاید ہی کوئی خوش نصیب ہوگا کہ اس کا یہ مقصد ہو اور میں اس چیز کو اچھی طرح سمجھ چکا ہوں اس لئے چلنے نہیں دیتا۔

(۲۵ ملفوظ) میں کچھ تعلّی سے نہیں کہتا بلکہ سچ کہتا ہوں کہ یہاں بناوٹ نہیں ہے، شریعت معیار ہے، لوگوں کو شریعت ہی کی باتیں بتاتا ہوں اب اس کے بعد جو شخص خلاف کرتا ہے اور یہاں آکر دھوکا اور

فریب، نفاق اور پالیسی سے کام لیتا ہے تو پھر اس کو یہاں سے یہی چیزیں مل جاتی ہیں اور وہ اپنے اس مرض میں اور بھی بڑھتا چلا جاتا ہے پھر دُنیا اور آخرت دونوں جگہوں کے خسارہ میں پڑجاتا ہے اور یہ ضرف اس لئے ہوتا ہے کہ وہ میری نہیں بلکہ شریعت کی مخالفت کرتا ہے لہذا دنیا بھی اس کو قبول نہیں کرتی اور لات مار کر ادھر پھینکتی ہے تو پھر یہاں آتا ہے لیکن دین چونکہ مطلوب ہوتا نہیں اُس کی طرف تو محض دنیا کے دھکے دینے کی وجہ سے آیا تھا اس لئے دین بھی اپنی طرف سے دھکے دیتا ہے تو پھر دنیا کی طرف چلا جاتا ہے بس یہی کشمکش برابر جاری رہتی ہے۔ نہ یکسو ہوکر دنیا ہی کما پاتا ہے اور نہ یکسو ہوکر دین ہی کا کام کرتا ہے۔

(۲۶ مضمون) میں سچ کہتا ہوں کہ جس طرح لوگوں کی اصلاح کرتا ہوں بغیر اس طرز کے اس زمانہ میں اصلاح ناممکن ہے کیونکہ لوگوں کا ظاہر بہت اچھا ہوتا ہے اور باطن نہایت خراب۔ اب آپ لوگ کیا جان سکتے ہیں کہ اس ظاہر کا باطن کیسا ہے؟ اور اصلاح بدون باطن کا حال جانے ہوئے کیسے ہوسکتی ہے اسی لئے کہتا ہوں کہ اصلاح اسی طریقے میں منحصر ہے لہذا جو لوگ مجلس میں آتے ہیں ان کو بہ نظرِ غور دیکھتا رہتا ہوں ان کے حالات پوچھتا رہتا ہوں اور ان سے کہدیتا ہوں کہ آؤ ایسے لوگوں کو یہیں آنا چاہئے (مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس اچھے ظاہر میں خراب باطن لے کر آپ جو یہاں آئے ہیں تو اچھی جگہ آئے ہیں یہاں چند دنوں میں قلعی کھل جائے گی کہ کون کیسا ہے) اور میں اس قسم کی بات کوئی بڑائی سے نہیں کہتا استغفراللہ صرف آپ لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ لوگ اس قسم کے ہوگئے ہیں نفوس کیسے کچھ خراب ہوچکے ہیں۔ ابھی چند دنوں سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ لوگ یہاں دین دین کہتے ہیں اور مقصود ان کا دین ہوتا نہیں یہ محض ریاکار لوگ ہیں اور ایسے ریاکار ہیں کہ ظالموں کو اس کی خبر نہیں کہ ہم یہ ریاکاری کررہے ہیں۔

(۲۷ مضمون) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بیان کیا گیا ہے کہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یتفقد اصحابہ ویسئل الناس عما فی الناس ویحسّن الحسنۃ ویصوّبہ ویقبح القبیح ویوھنہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے حالات کا تفقد اور تفتیش فرماتے تھے اور ان کے مابین واقع ہونے والے واقعات کی تحقیق فرماتے تھے تاکہ مظلوم کی نصرت کی جائے اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکا جائے۔ پھر ان حالات میں جو اچھے ہوتے ان کی تحسین فرماتے اور جو قبیح ہوتے ان کی تحقیر فرماتے تھے) لہذا آج بھی مصلح کے لئے اس طریقہ کا استعمال ناگزیر ہے اور جو شخص اس پر عامل ہے وہ متبع سنت ہے۔

(۲۸-مضمون) ایک صاحب نے کہا کہ میں نے تو بیان القرآن بالکل چاٹ لیا ہے میں نے کہا تم نے اسکا ایک لفظ بھی نہیں سمجھا اچھا بتاؤ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے منافقین کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ کیا ہے ؟ نہیں بتاسکے میں نے کہا اگر سمجھے ہوتے تو بتاتے اور بتانا تو درکنار آج بہت سے مولوی خود اس میں مبتلا ہیں۔ حضرت نے ایک جگہ فائدہ کے تحت میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی منافقین کی سخن سازی مخفی نہیں رہی۔ ایک اور موقع پر حضرت رح نے ان کے بارے میں سخن تراش کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ بس یہی دو لفظ سخن ساز اور سخن تراش ان کے جملہ افعال کا آئینہ ہیں ان کی کسی بات کو لیجئے انھیں دو میں سے کسی میں داخل ہوگی۔

(۲۹-مضمون) لوگ یہاں مجلس میں بیٹھ کر مجھے گھور گھور کر دیکھتے ہیں جیسے کوئی جلاد کو دیکھے یا گائے قصاب کو دیکھے سمجھتے ہیں کہ میں بہت سخت آدمی ہوں حالانکہ یہ بات نہیں ہے میں تو بہت ہی نرم ہوں مجھے آپ ہی لوگوں نے سختی پر مجبور کر دیا ہے۔ تجربہ ہوا کہ دس دس برس تک میں ایک شخص کا معتقد رہتا ہوں اس کے متعلق مجھے وسوسہ تک نہیں آتا لیکن بعد میں کھلتا ہے کہ وہ بالکل میرے مسلک پر ہے ہی نہیں۔ اب بتائیے ایسی باتوں پر غصہ آئے یا نہ آئے اس قسم کے واقعات بے شمار تجربے میں آئے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ لوگ یہاں آزمائش کے لئے آتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جیسے (یعنی جھوٹے مرید) لوگ تو پیر کا جھوٹا سچا ہونا معلوم کر لیں گے لیکن کسی (سچے) پیر کو ہمارا سچا جھوٹا ہونا معلوم ہی نہیں ہوسکتا۔ بس اب اس قسم کے لوگوں کے ساتھ جب اخلاق اور نرمی کا معاملہ کرتے کرتے تھک جاتا ہوں تب جا کر سختی کرتا ہوں اور نکالتا ہوں اور کہتا ہوں کہ جاؤ تم جیسے کتنے آویں گے اور کتنے جائیں گے۔ بس یہ سنتے ہی درست ہو جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کیوں ایسا ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ طبیعتوں میں آجکل دنائت آگئی ہے اس لئے بہت سے طبائع ایسی ہیں کہ اخلاق اور نرمی ان کو موافق ہی نہیں آتی ان کی اصلاح سختی ہی سے ہوسکتی ہے یہ وجہ ہے میرے سختی کرنے کی۔

(۳۰-مضمون) آجکل اصلاح جو نہیں ہورہی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں بے فکری کا مرض پیدا ہوگیا ہے حضرت رح فرماتے تھے کہ میں جو سختی کرتا ہوں اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں میں فکر پیدا ہو جائے اور فکر و احساس ہی وہ شے ہے کہ اس کے بعد اصلاح ہو ہی جاتی ہے۔ یہاں بھی لوگ آتے ہیں اور مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں میں اخلاق سے ملتا ہوں اس سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مجھ سے خوش

معلوم ہوتے ہیں اور ہم سے راضی ہیں اب چونکہ اپنی اصلاح کی فکر تو ہوتی نہیں صرف مجھے راضی کرنا ان کا مقصد ہوتا ہے اس لئے سمجھتے ہیں کہ اب کیا ہے غرض تو حاصل ہے بس اسی قدر پر قانع اور مطمئن رہتے ہیں حالانکہ ظاہری خوش اخلاقی اور دلی خوشی دونوں میں بڑا فرق ہے اس فرق کو لوگ سمجھ لیں تو کام میں لگ جائیں اور آجکل اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ مرید کو مطمئن نہ ہونے دیا جائے جہاں وہ مطمئن ہوا اور کام بگڑا۔

(۳۱ یمضمون) اطراف کے لوگوں کا مجھ سے یہاں آکر اعتقاد ظاہر کرنے کا ایک خاص موسم ہوتا ہے اُس وقت یہ بھی دیکھتا ہوں کہ عام مسلمانوں میں ایک بیداری پیدا ہوجاتی ہے جوان، بوڑھا، عورتیں بچے سب میں عمل کا جوش ہوتا ہے اور وہ زمانہ ہوتا ہے الکشن کا یا اسی قسم کی کسی سیاسی ضرورت کا اس وقت ہر جانب سے خطوط آتے ہیں وفود آتے ہیں فرداً فرداً لوگ آکر ملاقات کرتے ہیں اور اپنے آنے کی غرض صرف دعا ظاہر کرتے ہیں لیکن میرے لئے وہ وقت بہت نازک اور بڑا ہی سخت ہوتا ہے اس لئے کہ اگر اُن سے نہ ملوں تو کہیں گے کہ کس قدر بداخلاق ہیں کہ ایک مسلمان دعا کے لئے آتا ہے اور اس سے ملاقات تک کے روادار نہیں ہوئے نیز اس کو تو خود میرا ضمیر بھی گوارا نہیں کرتا اور اگر ملتا ہوں تو یہاں سے جانے کے بعد ہر شخص یہی کہتا ہے کہ میرے موافق ہیں اور غلط غلط باتیں میری جانب منسوب کر کے ایک فتنہ برپا کر دیتے ہیں۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ یا اللہ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کروں سختی نرمی سب کچھ کر کے دیکھ لیا بس یہ لوگ غرض میں باولے ہوتے ہیں نہ کچھ احساس ہی باقی رہا نہ عزت۔

(۳۲ یمضمون) میں نے تو صرف ایک چیز کو لے لیا ہے وہ یہ کہ دیکھتا ہوں کہ ان آنے والوں میں اخلاص کا کتنا حصہ پیدا ہوچکا ہے کیونکہ مخلص اگر ایک بھی ہوگا تو جہاں کہیں رہے گا ایک جماعت پر بھاری ہوگا اور نہ معلوم کتنوں کو اپنا جیسا بنالے گا یہاں بھی لوگ آویں اور مہمل رہیں یہ مجھے پسند نہیں کیا یہی مہملوں کی جگہ ہے؟ میں جب یہ پوچھتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ ہاں مہمل ہی تو یہاں آکر درست ہوتے ہیں اور جو کامل ہوگا وہ کیوں آنے ہی لگا کیونکہ تحصیل حاصل تو محال ہے۔ ایک اعتبار سے ٹھیک کہتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ مہملوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہیں کہ ہیں تو مہمل مگر اپنا اہمال ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کی فکر میں رہتے ہیں ایسے مہمل آویں ان کی تو یہ جگہ ہوسکتی

ہے لیکن دوسری قسم وہ کہ مہمل ہیں اور اسی پر رہنا چاہتے ہیں تو اُن کی یہ جگہ نہیں۔

(۳۳۔مضمون) قرآن شریف میں منافقین کے بارے میں ارشاد ہے یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ یعنی وہ لوگ اللہ کی جھوٹی قسم کھاتے ہیں تاکہ اے مسلمانو تم کو خوش کریں حالانکہ تمہاری رضامندی سے ان کا کیا کام چلے گا وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ مستحق ہیں راضی کئے جانے کے۔ قسم کی علت میں یہ جو فرمایا کہ مسلمانوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نہیں فرمایا کہ آپ کو راضی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ آپ ہی کی رضامندی ان کے حق میں نافع تھی بات یہ ہے کہ سمجھتے تھے کہ ہماری جھوٹی قسم سے مسلمان اگر دھوکہ میں آجائیں تو آجائیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ کے ذریعہ خوش کرنا آسان کام نہیں ہے رہا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ان کی تکذیب کیوں نہ فرمادی تو یہ آپ کا ذاتی کرم اور آپ کا اخلاق تھا اور ان کے افعال کی (عیوب) جو ستاری فرمائی تو یہ کچھ ان کے افعال سے رضامندی یا ان کے اعذار کو دل سے قبول کرنے کی وجہ سے نہ تھا اسی سے منافقین کو دھوکا ہوتا تھا اور وہ آپ کے ظاہری اخلاق کو دیکھ کر یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے آپ کو دل سے خوش اور راضی کرلیا ہے حالانکہ قلبی رضا اور ظاہری خوش اخلاقی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہاں بھی لوگ میری ظاہری خوشی کو دلی رضا سمجھتے ہیں اسی لئے اسی قدر پر قانع رہتے ہیں سمجھتے ہیں کہ مقصود حاصل ہوگیا ہے۔

(۳۴۔مضمون) اصلاح کے سلسلہ میں میں نے ضرورت محسوس کرکے اپنے یہاں اخلاص و نفاق کی بحث چھیڑی ہے اور یہ کچھ آج ہی سے نہیں بلکہ ایک عرصہ سے اس اصول پر کام کر رہا ہوں لیکن لوگوں کے لئے چونکہ یہ ایک نیا مسئلہ تھا کیونکہ عام طور پر تو اس کی بساط ہی کو تہ کر دیا گیا ہے اور اخلاق کے مفہوم میں وسعت دے کر آنے والوں سے اخلاص کو بالکل معاف ہی کر دیا گیا ہے لہٰذا شروع شروع میں تو لوگوں کو اس کی بحث شاق گذری، لوگ بہت کچھ بگڑے بھنائے اور یہاں نہ آنے والوں کو دوسروں کو بہکانے کا ایک ذریعہ ہاتھ آیا مجھے بداخلاق کہا غصیلا بتایا سخت مزاج کہا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بحث پسند تھی اس لئے لوگ برابر آتے ہی رہے۔ میں نکالتا رہا اور لوگ آتے رہے حتیٰ کہ جب سے میں نے ایسوں کو نکالنے کی ٹھان لی ہے دیکھتا ہوں کہ نفع بھی زیادہ ہے اور اعتراض کم ہوگیا ہے۔ چنانچہ اسی تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں اصلاح کا یہی ایک طریقہ متعین ہے

اور اب تو واقعات نے بھی بتایا کہ اپنے تجربہ سے جو سمجھا تھا وہ صحیح تھا کیونکہ یہاں تو پھر بھی دین کا معاملہ ہے آج دُنیا کا کوئی نظام بھی بدون اس طریقہ کے اصلاح پذیر نہیں ہو رہا ہے۔ آج ہی اخبار میں دیکھا کہ وزیر اعظم ایران نے ملک کی تعمیر کے لئے محکمہ عدلیہ میں جو اصلاحات کی ہیں اس کے ماتحت دو سو ملازمین کو برطرف کر دیا ہے اور سُنئے اسی اخبار میں تھا کہ عراق میں طلبہ نے مظاہرہ کیا اور امریکی سفارت خانہ میں آگ لگا دی اور برطانوی سفارت خانہ پر خشت باری کر کے اس کو تباہ و برباد کر دیا کسی نے اس پر کہا کہ جب تک عراق میں عام اصلاح اور انفرادی آزادی کا اعلان نہ ہوگا یہ سرگرمیاں جاری رہیں گی۔ دیکھا آپ نے اصلاح کی خاطر کیا کچھ ہو رہا ہے کہیں خشت باری ہو رہی ہے اور کہیں مضر عناصر کو چھانٹا جا رہا ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں یہ مضر عناصر کون لوگ ہیں غالباً گمان یہی ہے کہ خود وزیر اعظم ہی کی قوم کے لوگ ہوں گے جن کو علیٰحدہ کرنے میں بہت ممکن ہے کہ اسے قلق بھی ہوا ہو مگر قومی مفاد اور ملکی ترقی میں روڑا سمجھتے ہوئے وہ نکالنے پر مجبور ہوا۔ وقتی حالات اور اصلاحی جذبات کا تقاضا یہی تھا کہ ایسے غیر مخلصین سے محکمہ کو یکسر پاک کر دیا جائے پھر جب دنیا اس طرف مجبور ہو کر آ رہی ہے تو دینی اصلاح کرنے والے ہی اس چیز سے کیوں غفلت برت رہے ہیں اور عوام الناس میں سے بھی کوئی شخص حکومت کی اس قسم کی اصلاحات کو سختی یا بد اخلاقی سے تعبیر نہیں کرتا پھر آخر کیا بات ہے کہ کوئی عالم یا کوئی شیخ اگر یہی طرز اصلاح باطن میں استعمال کر لے تو وہ موردِ طعن کیوں ہے؟ جن افراد کو دنیا مضر یا غیر مفید عناصر سے تعبیر کرتی ہے اہل دین اسی کو تو منافق کہتے ہیں۔ لہٰذا جب تک آج محافل اور مجالس کو ان سے خالی نہیں کیا جائے گا کام بجائے ترقی کرنے کے کچھ تنزلی ہی کی جانب بڑھیگا مگر اس قسم کے لوگوں کا پہچاننا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے بڑا ہی مشکل کام ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو اصلاح کے لئے یہ ناگزیر ہے۔ یہی عقلاء زمانہ کا بھی فیصلہ ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں بلکہ میں تو لوگوں سے کہا کرتا ہوں کہ آج دنیا میں جو اہل سلطنت کی زبانوں پر کبھی کبھی اخلاص اور نفاق کے الفاظ آجاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاحبِ خدمت ایسا ہے جس کو اس کی بحث سے دلچسپی ہے اسی کا یہ اثر ہے کہ لوگ چاہے اس کو سمجھیں یا نہ سمجھیں کم از کم زبان پر تو اہل دنیا کے بھی اس کا ذکر آ گیا ہے لوگ بیٹھ بھر کر بداخلاقی میں مبتلا ہیں اور چلے ہیں اخلاص تلاش کرنے۔ دھرا ہے اخلاص۔

(۳۵ مضمون) قرآن شریف میں آیا ہے کہ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ یعنی

کچھ لوگ مدینہ میں ایسے ہیں کہ نفاق پر اچھی طرح سے جمے ہوئے ہیں۔ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ اے رسول آپ انہیں نہیں پہچان سکتے ہم ان کو جانتے ہیں اور وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ لوگ ابطان کفر (کفر چھپانا ۱۲) اور اظہار ایمان (ایمان ظاہر کرنا ۱۲) کا اس قدر شدت کے ساتھ اہتمام کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود کامل البصیرت ہونے کے ان کو نہ جان سکتے تھے، صرف اللہ تعالیٰ ہی جو عالم سرائر ہیں ان سے واقف تھے آگے ارشاد فرماتے ہیں وَلَوْ نَشَاءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ یعنی اگر ہم ہی چاہیں تو آپ کو پہچنوا بھی سکتے ہیں وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ ایک پہچان یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ ان کو انداز گفتگو سے پہچان لیں گے مولانا روم ؒ فرماتے ہیں کہ کچی ہانڈی اور پکی ہانڈی کی آواز میں فرق ہوتا ہے اسی طرح مخلص اور منافق کی آواز اور لہجۂ کلام میں بھی فرق ہوتا ہے عارفین، لوگوں کو نظر سے پہچان لیتے ہیں کیونکہ آنکھ قلب کی بات بھی تاڑ لیتی ہے۔

(۱۶۱ سا یضمون) حضرت رح کے مضامین میں بکثرت مذکور ہے کہ ہم میں اب صرف ظاہری ٹیپ ٹاپ رہ گئی ہے اور قوت عملیہ کم ہوگئی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر جو بات اب لوگوں میں پیدا ہوگئی ہے وہ یہ کہ کرنا ورنا خاک نہیں اور زبان سے دین دین کہے جائیں گے یہاں بھی جب لوگ شروع شروع میں آتے ہیں تو بڑا زور لگاتے ہیں اور زبان سے بہت ہی زور زور سے دین دین پکارتے ہیں اس پر کہتا ہوں کہ اتنی قوت سے مت کہو تھک جاؤ گے نہیں مانتے لیکن چند ہی دن کے بعد دیکھتا ہوں کہ سارا زور شور ختم ہوگیا ہے۔ پہلے کے لوگوں میں یہ بات نہ تھی وہ لوگ دنیا میں بھی مشغول رہتے تھے اور بزرگوں سے بھی نہایت عقیدت سے ملتے تھے اور اپنی غرض دنیوی صاف صاف کہدیتے تھے، جتنا کرتے تھے اتنا ہی ان پر ظاہر کرتے تھے دل سے ان کے بہت معتقد ہوتے تھے۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رح گنج مرادآبادی کے یہاں حیدرآباد کے ایک وزیر آئے حضرت نے صورت دیکھتے ہی بڑی زور سے ڈانٹا کہ چلے جاؤ پھر فرمایا اچھا کہدو کہ ۱۲ بجے تک قیام کی اجازت ہے اس کے بعد چلے جائیں۔ جب بارہ بجے اور حضرت سو گئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ مولانا تو سو گئے ہیں اب اس وقت کہاں جائیے گا ٹھہر جائیے صبح سویرے چلے جائیے گا۔ نہیں مانے کہا حضرت نے صرف ۱۲ بجے تک قیام کی اجازت دی ہے اس لئے عدول حکمی نہیں کروں گا چلے گئے۔ دیکھئے دنیوی اعتبار سے بڑا شخص تھا مگر ناراض نہیں ہوا اگر اثر ناراضگی کا کچھ لیتے تو اسی وقت چلے جاتے۔ اخلاص سے آئے تھے۔ یہ نفاق وغیرہ اور وہ بھی اپنے شیخ سے یہ سب تو اب پیدا ہوگیا ہے پہلے کے لوگوں میں نہیں تھا۔

(۳۷۔مضمون) آج کل بزرگوں کے یہاں آنا جانا بھی بس رسمی رہ گیا ہے اسی لئے فائدہ نہیں ہوتا اور پہلے کے لوگ جب کسی کے پاس جاتے تھے تو دل سے جاتے تھے اس لئے فائدہ ہوتا تھا اور یہ کچھ اس لئے نہ تھا کہ اُن لوگوں کے پاس وقت اور فرصت زیادہ تھی یا ان کو دنیوی حوائج نہ پیش آتی تھیں اس لئے انھیں فائدہ ہوا یہ بات نہیں ان کو بھی اتنا ہی تھوڑا سا وقت ملتا تھا لیکن وہ جہاں جاتے تھے تو اخلاص سے جاتے تھے اور سننے سمجھنے اور عمل کرنے کی نیت اور قصد سے بزرگوں کی مجالس میں شریک ہوتے تھے اس لئے فائدہ ہوتا تھا اور آج ہم لوگوں کا کہیں آنا جانا قصد و ارادہ سے نہیں ہوتا اسی لئے لوگوں کو فائدہ نہیں ورنہ اگر آج بھی لوگ دل سے کہیں جائیں اور وہاں کی باتیں توجہ سے سُنیں تو اب بھی فائدہ ہو چنانچہ دیکھتا ہوں کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں انھیں فائدہ ہوتا ہے اور جو نہیں کرتے وہ برسوں تک آتے رہتے ہیں مگر جہاں تھے وہیں رہتے ہیں کچھ بھی ترقی نہیں کرتے۔

(۳۸۔مضمون) ایک مولوی صاحب چند اہل علم حضرات کے ہمراہ مجھ سے ملنے آئے جب مکان واپس گئے تو وہاں ان کے احباب میں سے کچھ علماء جمع ہوئے ان میں سے ایک صاحب نے اِن سے دریافت کیا کہ سُنا ہے آپ فتحپور گئے تھے وہاں کیا دیکھا۔ اور کیا کیا باتیں سُنیں! مجھ سے خود کہتے تھے کہ میں نے ان حضرات سے تفصیلی باتیں تو کیں نہیں البتہ اپنے تاثرات کا خلاصہ کر کے کہا کہ یہ سُنا اور یہ دیکھا کہ دبے ہوئے جذبات کو اُبھار دیتے ہیں اور ایک مومن کے قلب میں ایمان کی جو چنگاری دبی چھپی موجود ہے اس کو اجاگر کر دیتے ہیں یہ سُن کر وہ عالم صاحب جنھوں نے سوال کیا تھا کہنے لگے کہ بھائی بات ٹھیک کہتے ہو اور سچ کہتے ہو وہاں ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسے لوگ اس زمانہ میں بہت کم اور نایاب ہیں جو جذبات کو اُبھار دیں اور اس زمانہ میں اسی چیز کی ضرورت ہے میں نے جب یہ سُنا تو مجھے اپنے اُن مولوی صاحب کا جواب اور اس پر اُن عالم صاحب کی تائید و تحسین دونوں پسند آئیں کہ صحیح بات کہی نیز یہ کہ مولوی صاحب نے اپنے تاثر کو جس عنوان سے بیان کیا گیا ہے میں نے نہیں سُنا کہ اس انداز اور ان الفاظ کے ساتھ کسی نے بیان کیا ہو۔

(۳۹۔مضمون) ایک شخص سے میں کچھ سوالات کر رہا تھا اسی سلسلے میں یہ سوال کیا کہ تم دنیا دار کیوں ہو انھوں نے جواب دیا کہ میں طالب دنیا نہیں ہوں نہ مجھ کو مال کی ہوس ہے نہ مکان کی نہ کسی اور شئے کی۔ کچھ طویل وقفہ کے بعد میں نے پھر وہی سوالات شروع کئے اور ذرا ڈانٹ کر کہلایا کہ سچ سچ کہو تو

کہنے لگے کہ مجھ میں ریاء موجود ہے۔ میں نے کہا کہ یہ دنیا نہیں ہے یہ تو اعلیٰ درجہ کی دنیا ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ریاء سے تین باتیں مقصود ہوتی ہیں۔ مال یا مدح یا دفع ذم یہ سب دنیا نہیں تو اور کیا ہیں۔ ریاء کی تعریف ہے طلب الجاہ بواسطۃ العبادات (عبادات کے ذریعہ جاہ کی طلب) اب صوفی لوگ خانقاہ میں موجود عبادت کر رہے ہیں اور مقصود اس سے مال وجاہ ہے کس قدر وبال کی بات ہے حضرت سرمدؒ فرماتے ہیں شعر

یاران ہمہ دین دو رنگی دارند　　　مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند

اگر آپ کو مال چاہئے تو تجارت کیوں نہیں کرتے جو اسی کے لئے موضوع ہے عبادت کو ذریعہ مال کیوں بناتے ہیں۔ اخلاص حاصل کرو اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے زید عمر بکر پر نگاہ کیوں لگائے بیٹھے ہو۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش ملے گی (بیان القرآن)۔

(۴۰۔ مضمون) ایک رسالہ میں لکھا دیکھا کہ صوفیائے کرام نے جو خدمات اسلام اور مسلمانوں کی کی ہیں افسوس کہ زمانہ نے اسے محفوظ نہ رکھا تاہم اس زمانہ میں حضرت حکیم الامتہ قدس سرہٗ نے جو خدمت کی ہے ہماری پیاس بجھانے کے لئے وہ بھی کسی قدر کافی ہے میں کہتا ہوں کہ اول تو یہ صحیح نہیں کہ زمانہ نے اسے محفوظ نہیں رکھا اب بھی بزرگوں کے حالات ان کی تعلیم اور ان کے اصلاح و تربیت کے طریقے کتب میں موجود ہیں مگر لوگوں کو ان کی پیاس ہی نہیں ہے پیاس ہوتی تو ذخیرہ مل جاتا نیز یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ یہ پیاس کسی طرح بھی بجھائے نہیں بجھا کرتی اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں　　ع

آب کم جو تشنگی آور بدست　　　تا بجوشد آبت از بالا و پست

آب جیحوں را اگر نتواں کشید

ہم بقدر تشنگی باید چشید

جن دنوں میرا قیام بمبئی میں تھا ایک صاحب جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے میرے پاس برابر پابندی سے آتے تھے ایک دن نہیں آئے دوسرے دن میں نے دریافت کیا کہ خیریت تو ہے کل آپ تشریف نہیں لائے کہنے لگے کہ ہاں۔ بات یہ ہے کہ مجھے خیال یہ آیا کہ

ہمارے حضرت تو سمندر ہیں اور آپ کی مثال نہر کی سی ہے میں نے کہا کہ اس کا مطلب کہنے لگے کہ سمندر کو چھوڑ کر نہر کے پاس جانا سمندر کی ناقدری ہے میں اس وقت تو خاموش رہا اور ان سے کچھ نہ کہا لیکن دوسرے وقت انھیں پہلے تو دلیل نقلی سے قائل کیا وہ اس طرح کہ انھوں نے مجھے اپنا ایک خط دکھایا تھا جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے میری بابتہ پوچھا تھا کہ وہ یہاں آیا ہوا ہے میں ان کے پاس جایا کروں حضرت نے جواب تحریر فرمایا تھا ہاں ہاں ضرور ضرور۔ میں نے انھیں یہ مکاتیب یاد دلائی تو کہنے لگے کہ ارے ہاں یاد آیا میں تو بات بھول جاتا ہوں اس کے بعد میں نے سوچا کہ انھیں اب دلیل عقلی سے بھی قائل کرنا چاہیئے چنانچہ میں نے کہا کہ سنئے آپ نے مجھے نہر کہکر اور ہمارے شیخ کو سمندر کہہ کر باہم جو مقابلہ کیا ہے یہ تقابل صحیح نہیں ہے کیونکہ شیخ اور مرید کا مقابلہ ہی کیا؟ مرید تو شیخ میں فنا ہوتا ہے ہاں کسی شیخ کا فضل دوسرے مشائخ کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے مگر چونکہ آپ کی نیت اس کہنے سے میری تحقیر تھی اس لئے نفس نے ایک مثال آپ کے سامنے مزین کر دی کیونکہ ہم میں اور ان میں کوئی نسبت ہی نہ ہونا جس طرح آپ کو مسلم ہے مجھے بھی مسلّم ہے پھر اس کے باوجود ایک مسلّمہ امر کو آپ میرے منھ پر بیان کر رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد سوا اس کے کہ میرے منھ پر میری تنقیص کریں اور کچھ نہیں ہے جب ایسا ہے تو سنئے۔ گو مجھے کچھ نہ کہنا چاہیئے مگر آپ سے کہتا ہوں کہ یہ مثال صحیح نہیں ہے اس کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص پیاسا ہے اس کو پانی کی فی الفور حاجت ہے اور سمندر اس سے ہزار کوس کے فاصلے پر ہے لیکن ایک گلاس پانی پاس ہی موجود ہے جو مقدار میں تو ہے کم کہ سمندر میں اور اس میں کوئی نسبت ہی نہیں لیکن اس کی پیاس بجھانے کے لئے کافی و وافی ہے اب آپ سے پوچھتا ہوں بتائیے کہ آپ کی عقل کا کیا فیصلہ ہے اس شخص کو اسی گلاس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے یا اسے حقیر سمجھ کر چھوڑ کے سمندر کی طرف چل دینا چاہیئے چاہے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی پہلے مر جائے۔ تب ان کی آنکھ کھلی میں نے کہا کہ مجھے بھی تو اسی سمندر کی سکھائی ہوئی باتیں یاد ہیں۔

(اہم مضمون) یہاں ایسے بھی ہوشیار لوگ آتے ہیں کہ اپنی باتیں اور امراض سننے پر بھی متنبہ نہیں ہوتے جب پکڑے جاتے ہیں اس وقت خبث کو ظاہر کرتے ہیں دیکھنے میں تہجد گذار اور باطن انتہائی گندہ اور خراب ہیں اسی لئے لوگوں سے کہتا ہوں کہ یہاں مت آؤ کیونکہ میں یہاں جو باتیں بیان

کرتا ہوں کبھی وہ ان پر منطبق ہو جاتی ہیں پھر انکار کرتے ہیں یہ نہایت ہی بُرا ہے میں آپ سے کیا عرض کروں ایک صاحب مجھے لکھ کر دیتے ہیں کہ مجھ میں حسد کا مرض ہے اس سے ان کی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ میں سمجھوں کہ یہ ترقی کر رہے ہیں اور اب انھیں اپنے امراض کا علم ہو رہا ہے اور اب یہ ظاہر سے ترقی کر کے باطن کی جانب بھی متوجہ ہو گئے ہیں کہ انھیں حسد وغیرہ کا علم ہو چلا ہے ظاہر تو ان کا یہ ہوتا ہے لیکن مجھ پر اُس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ یہ شخص بات کو چھپاتا ہے دراصل اس کو مجھ ہی سے حسد ہے۔

(۴۲ ملفوظ) بعض دفعہ ایسا ہوا ہے کہ میں نے کسی شخص کو کسی غلطی پر ڈانٹا اور اس سے دوسرے شخص کو بڑا فائدہ پہنچ گیا چنانچہ ایک مرتبہ بہت دور سے میرے پاس ایک آدمی آئے جو حضرت رح سے متعلق تھے اور عالم بھی تھے اتفاق سے میں نے ایک آدمی کو دوڑایا کیونکہ وہ چوروں سے مل کر لوگوں کا نقصان کرانے کا ارادہ رکھتا تھا اس پر ان مولوی صاحب نے کہا کہ میں آپ کی نرمی اور خوش اخلاقی سُن کر یہ خیال کرتا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک سے ہٹ گئے ہیں کہ نرمی برتنے لگے ہیں آج میرا اعتقاد پختہ ہو گیا اور وہ شبہ جاتا رہا اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نرمی اور ظاہری خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا چاہیئے کہ اسی سے فائدہ ہوتا ہے اور سختی وغیرہ سے نقصان ہوتا ہے لوگ بداعتقاد ہو جاتے ہیں یہ بھی کوئی کلیہ نہیں کیونکہ بعضوں کو سختی سے نفع ہوتے دیکھا ان کے اعتبار سے نرمی کرنا گویا ان کو بداعتقاد بنانا ہے جب ایسا ہے تو لوگ دارو گیر کی کیوں مذمت کرتے ہیں اور اس قسم کے واقعات یہی نہیں بلکہ متعدد لوگوں کے پیش آئے۔

(۴۳ ملفوظ) انھیں لوگوں کو فائدہ نہیں ہوتا جو مشائخ کے پاس جا کر بس جی حضور جی حضور کرتے ہیں یہی ان کا مقصود ہوتا ہے خلوص نہیں ہوتا تو فائدہ بھی نہیں ہوتا ایک صاحب بہت دنوں سے آتے ہیں اس مرتبہ کچھ متاثر ہو کر گئے ہیں تو وہاں کے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچا اس سے پہلے اس کا اندازہ نہ ہوتا تھا بات یہ ہے کہ جب انسان خود معتقد ہوتا ہے تو دوسروں کو معتقد بنا سکتا ہے جب خود اثر قبول کرے گا تو دوسروں کو بھی متاثر کر سکے گا اور جو خود ہی اثر نہ لے وہ کسی دوسرے پر کیا اثر ڈالے گا۔

(خفتہ را خفتہ کے کند بیدار (اور) او خویشتن گم است کرا رہبری کند)

(۴۴ ملفوظ) نیک صحبت سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ خود انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس راستے پر چلنا چاہیئے اور اس راستے پر نہیں کدھر جانا چاہیئے اور ہم کدھر جا رہے ہیں یہ فائدہ کچھ کم

نہیں ہے اسی پر ہدایت موقوف ہے جب انسان کو اپنی غلطی کا علم ہو جاوے گا تو اس سے بچنا بھی آسان ہوگا ایک صاحب مدرس ہیں دیگر مدرسین کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا درس و تدریس کا مشغلہ تھا گویا صورت سب دین کی تھی لیکن یہاں آنے کے بعد خود ہی کہتے تھے کہ محسوس کر رہا ہوں کہ ان لوگوں کی صحبت سے نقصان ہوا ظاہراً دینی ماحول تھا ذکر و اذکار بھی تھے لیکن حقیقتِ دین مفقود تھی یہاں آنے کے بعد انھیں اس کا اندازہ ہوا کہ میں کہاں چلا جا رہا تھا اپنے وقت کو ضائع کر رہا تھا کہتے تھے کہ اب مجھ کو خود اس کا افسوس ہے۔

(۴۵ مضمون) میں اپنے یہاں مجلس میں ہر شخص کو نہیں آنے دیتا بلکہ مجلس میں وہی شخص شرکت کر سکتا ہے جس کا مقصد دین ہو اور اپنی اصلاح پر تیار ہو اگر روک ٹوک نہ کی جاوے اور دین کا مطالبہ نہ کیا جاوے مخلص وغیر مخلص میں فرق نہ کیا جاوے تو آنے والوں کی بڑی کثرت ہو جاوے مگر یہ کثرت کس کام کی جب کام کا آدمی اس میں ایک بھی نہ ہو۔ میں آنے والوں کی زیادہ چھان بین ان کے حالات کا تفقد اس لئے بھی زیادہ رکھتا ہوں کہ کبھی کبھی صوفیوں کے رنگ میں یہاں چور بھی آجاتے ہیں چنانچہ قریب ہی کے دو لڑکے میرے یہاں آئے کہ ہم دین سیکھیں گے اور بُرے اخلاق کو چھوڑ دیں گے جب یہ سمجھے کہ اب لوگوں کو ہم پر اعتماد و اطمینان ہوا تو ایک روز خانقاہ سے کچھ روپئے کی چوری کی اور روپیہ بجائے اپنے پاس رکھنے کے غسلخانہ کی چھت پر پھینک دیا لیکن دونوں ایسے شاطر تھے کہ اقرار نہ کرتے تھے اتفاق سے ایک ڈاکٹر صاحب یہاں موجود تھے انھوں نے سب لوگوں کی نبض دیکھی ان دونوں کی نبض میں بڑی سرعت تھی اور عجیب گھبراہٹ لئے ہوئے چلتی تھی اس کے باوجود بھی دونوں نے جرم کا اقرار نہ کیا میں نے لوگوں سے کہا کہ میرے پاس ان دونوں کو لاؤ چونکہ ان دنوں میری طبیعت کچھ ناساز تھی لوگ میری تکلیف کے خیال سے چاہتے تھے کہ معاملہ میرے پاس نہ آوے اور حل ہو جاوے۔ خیر لوگ دونوں کو میرے پاس لائے میں نے ایک سے ڈانٹ کر پوچھا کہ سچ بتا چوری کی کہ نہیں اس نے دوسرے کو بتایا کہ اس نے چوری کی میں نے نہیں ہاں میرے علم میں ہے بس عقدہ حل ہو گیا مال بھی مل گیا اور ان دونوں کو یہاں سے نکال دیا لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ ایسے شاطر چور تھے کہ لوگوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا اور یہ کہہ کر یہاں آئے تھے کہ جب گھر رہیں گے تو گھر چوری کریں گے اور جب خانقاہ میں رہیں گے یہاں چوری کریں گے۔ اس کے بعد ان چوروں نے مجھسے

معافی مانگنی چاہی میں نے کہا یہ جب ہو سکے گا کہ تم یہ بتاؤ کہ کہاں کہاں چوری کی ہے۔ سب ایک ایک کر کے بتایا میں نے کہا کہ اب جا کر جہاں جہاں چوری کی ہے سب سے معافی چاہو چنانچہ گئے اور لوگوں سے معافی چاہی بعضوں نے معاف کر دیا اور بعضوں نے نہ معاف کیا اور کہا کہ ہمارا بہت مال گیا ہے ہم نہ معاف کریں گے ایسے ایسے واقعات تجربہ میں آئے اب اگر چوکنا نہ رہوں تو ہر قسم کے لوگ یہاں بھر جائیں۔

(۶۴ مضمون) ایک صاحب نے اپنے اندر نفاق اور پالیسی کا مرض ہونا ظاہر کیا اس پر ان سے سخت مواخذہ کیا گیا۔ کہ تم کو مجھ سے اعتقاد نہیں ہے چلے جاؤ اس لئے کہ نفاق اور اعتقاد دونوں جمع نہیں ہو سکتے ان ہر دو کا تعلق قلب سے ہے اور دونوں باہم متضاد ہیں جہاں نفاق موجود ہے وہاں اعتقاد نہ ہوگا اس پر ان صاحب نے اقرار کیا کہ بیشک مجھ میں اعتقاد کی کمی ہے دریافت کیا گیا کہ اعتقاد کے کمی کی کیا وجہ ہے عرض کیا کہ ماحول کی خرابی کی وجہ سے قلب بالکل گندہ ہو چکا ہے اس لئے حضرت کی باتیں پوری طرح سمجھ میں نہیں آتیں جس کی وجہ سے حضرت کی کامل معرفت حاصل نہیں ہوتی اور صحیح معرفت نہ ہونے کی وجہ سے اعتقاد میں کمی ہے فرمایا کہ آخر باتیں سمجھ میں کیوں نہیں آتیں عرض کیا کہ فہم نہ کھلنے کی وجہ سے۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ کسی کی بات سمجھ میں آتی ہے اس سے مناسبت کی وجہ سے جس سے جس قدر مناسبت ہوگی اسی قدر اس کی باتیں سمجھ میں آئیں گی دیکھئے بزرگان دین علمار ظاہر سے زیادہ احادیث کو سمجھتے ہیں کیونکہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے بہ نسبت علمار ظاہر کے۔

(۶۷ مضمون) الہ آباد کے ایک صاحب ہیں ایک دوسرے بزرگ سے ان کا تعلق ہے انھوں نے میرے ایک شخص کے سامنے میرے متعلق کچھ نامناسب کلمات کہہ دئے تھے میں نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھے اطلاع ہو گئی ہے اور تکلیف پہنچی آپ نے ایسا کیوں کہا وہ صاحب دیہات گئے ہوئے تھے جب شہر آئے تو لوگوں نے میرا پیام پہنچایا تو بہت گھبرائے جب اپنے شیخ کے پاس گئے جنھیں پہلے ہی اس واقعہ کا علم ہو چکا تھا انھوں نے بھی یہی کہا کہ جب تک (مجھے کہا کہ) اُن سے اپنا معاملہ صاف کر کے معافی نہ مانگ لوگے میں ملوں گا نہیں فوراً بھاگے ہوئے یہاں فتحپور آئے یہاں کے رہنے والوں میں سے ایک صاحب نے جو ان کو پہچانتے تھے آکر مجھے اطلاع دی کہ فلاں صاحب آئے ہوئے ہیں چہرہ فق ہے اور منھ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں تھوڑی دیر کے بعد میں نے انھیں اوپر بلایا تو دیکھا کہ یہ تو وہ صاحب ہیں جن کو میں صورت سے پہچانتا ہوں حالانکہ اس سے قبل میں سمجھتا تھا کہ کوئی اور صاحب ہوں گے ان کی طرف ذہن

بھی نہیں گیا تھا انھوں نے اپنی غلطی کی معافی چاہی میں نے بھی کچھ نہیں کہا دل سے معاف کر دیا۔ بلکہ ایک حد تک خود بھی شرمندہ ہوا کیونکہ خواجہ صاحب رح کے زمانۂ قیام الٰہ آباد میں جب میں وہاں گیا تھا تو یہی صاحب مجھے اسٹیشن لینے آئے تھے اس کے بعد لوگوں نے بیان کیا کہ اب خوب خوش ہیں اور چہرہ ہشاش بشاش ہے میں نے کہا کہ بڑوں کی شان میں بھی زبان کو قابو میں نہ رکھنے سے معلوم ہوا کہ ان کو زیادہ بولنے کا مرض ہے اور انھوں نے اس کا اقرار بھی کیا اب اگر صدق دل سے معافی مانگی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیش کے لئے اس مرض سے نکل جاویں گے اور اگر نہیں تو ساری عمر اسی میں مبتلا رہیں گے دوسرے دن صبح کو میرے سامنے مدحیہ اشعار پڑھنے لگے حالانکہ جس سلسلے میں آئے تھے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ کچھ ندامت ظاہر کرتے خاموش ہی رہتے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ لوگ طریق اور اہل طریق کے آداب سے ہی واقف نہیں میں نے کچھ نہیں کہا اگر کچھ وقت دیتے تو ان کو خاموش بھی کر دیتا مگر ایک دو دن میں کیا ہو سکتا ہے۔

(۴۸ مضمون) یہاں مجلس کی شرکت میں جو سختی کرتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چور تک آجاتے ہیں اور ایسے لوگوں کی غرض یہاں آنے سے یہ ہوتی ہے کہ اپنے عیوب پر پردہ ڈالیں کیونکہ اگر باہر رہیں تو عیب جلد کھل جائے، ایسی جگہ آمد و رفت شروع کر دیتے ہیں تاکہ کسی کو ان پر شبہہ نہ ہو لوگ بھی ان کی جانب سے مطمئن رہیں اور وہ بھی اپنا کام اطمینان کے ساتھ کر سکیں۔ ایک دن ایک صاحب کے ہمراہ ایک شخص آیا اور میرے پاس اوپر آنے کی اجازت چاہی میں نے ان صاحب کو تو اجازت دیدی اور اس شخص سے کہا کہ چلے جاؤ یہاں سے پہلے چوروں کا ساتھ چھوڑ لو تب یہاں آؤ۔ میں نے اُن کو رونگٹے کو تو روک دیا مگر اُن کا کوئی جُرم ظاہری نہ تھا اب سُنئے واپسی میں راستے میں لوگوں سے کہتے تھے کہ حضرت کو معلوم نہیں کس طرح علم ہو گیا واقعہ یہ ہے کہ میں نے کوئی چوری وغیرہ تو کی نہیں ہے البتہ میرا ایک صاحب نے دھان کاٹ لیا تھا اس لئے میں نے سوچا تھا کہ کچھ لوگوں کو ہمراہ لے کر اس کا دھان میں بھی کاٹ لوں گا لیکن ابھی کرنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ آج پکڑ گیا اور حضرت والا نے واپس فرما دیا لہٰذا اس ارادہ سے باز آتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ دیکھا آپ نے ایسے ایسے بزرگ بھی یہاں تشریف لاتے ہیں اور مجلس میں بیٹھنے کے لئے تیار رہیں۔

(۴۹ مضمون) میں باہر ایک جگہ گیا ہوا تھا احباب سے منع کر دیا تھا کہ میرے آنے کا اعلان نہ کیا جائے

مگر مجلس کے وقت دیکھتا تھا کہ لوگ بہت آجاتے تھے ایک دن وہاں کے ایک بڑے عالم جو واقعۃً عالم معلوم ہوتے تھے تشریف لائے لوگوں نے مجھ سے ان کا تعارف کرایا اور یہ بتایا کہ آپ یہاں کے مسلّم عالم ہیں میں بھی ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا وہ دیر تک خاموش بیٹھے رہے میں نے جب دیکھا کہ یہ صاحب کچھ کہتے ہی نہیں تو سوچا کہ لاؤ میں ہی کچھ کہوں میں نے اپنے احباب میں سے ایک صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ بہت دنوں کے بعد ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے اگر اجازت ہو تو کہوں انھوں نے کہا کہئے میں نے کہا کہ ایک مدت کے بعد میری سمجھ میں یہ آیا ہے کہ عقل کے معنٰی ہیں مال کے یعنی جس کے پاس زیادہ مال ہو سمجھو کہ وہ زیادہ عقلمند ہے۔ یہ سن کر وہ عالم صاحب ذرا چونکتے ہوئے میں نے ان کو متوجہ پا کر اپنے ان صاحب سے پھر کہا کہ ایک بات اور سمجھ میں آئی ہے وہ یہ کہ علم نام ہے زبان کا یعنی جو شخص جتنا زیادہ بولنے والا ہو اور عمدہ مقرر ہو وہ سب سے بڑا عالم ہے اس طرح سے مختلف باتیں کر رہا تھا تفسیر روح المعانی لے کر آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے متعلق اس سے تفسیر بیان کر رہا تھا اور احیاء العلوم میں بھی وہ جگہ نکال کر سنا رہا تھا جہاں امام نے لکھا ہے کہ وہ علماء جو علم دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بناتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص نہایت ہی قیمتی دوشالہ سے پیر کا گرد آلود تلوا صاف کرے اور امام غزالی نے یہ بھی لکھا تھا کہ عجب نہیں کہ اس طرح کے لوگوں کا حشر بھی انھیں لوگوں کے ساتھ ہو جنکے بارے میں ارشاد ہے وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ الآیۃ کیونکہ انھوں نے بھی دنیا میں اپنے علم سے اُلٹا کام لیا تھا لہٰذا سزا بھی اسی کے مطابق ملے گی۔ میرے سامنے تو کچھ کہا نہیں مگر لوگ بیان کرتے تھے کہ مجلس سے اُٹھنے کے بعد باہر کہتے تھے جیسی عمدہ عمدہ اور کام کی باتیں ان کی مجلس میں سُننے میں آئی ہیں میں نے ساری عمر نہیں سُنیں حالانکہ خود وہ مولوی صاحب تفسیر اچھی جانتے تھے اس سے ذوق بھی تھا۔

(۵۰ مضمون) اسی سفر میں ایک گاؤں بھی جانا ہوا تھا جاتے وقت اسٹیشن پر ایک صاحب ملے جوان صاحب کے داماد تھے جن کے یہاں جا رہا تھا انھوں نے کہا کہ ان صاحب نے (اپنے خسر کو کہا) آپ کے آنے کی پہلے سے مجھے اطلاع نہیں کی ورنہ میں اشتہار دے دیتا چاروں طرف باقاعدہ اعلان کرا دیتا حسن اتفاق کہ واپسی میں اسٹیشن ہی پر پھر ان سے ملاقات ہوئی اس بار کہنے لگے انھوں نے آپکے جانے

کی پہلے سے مجھے اطلاع نہیں کی اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو آپ کے لئے دوسو روپیہ چندہ کرلیتا میں نے خیال کیا لو بھائی اس نے تو مجھے بھی دنیادار پیروں کی فہرست میں شمار کردیا اس لئے اب یہ موقع خاموشی کا نہیں ہے پہلی بار تو خاموش رہ گیا مگر اب اس کے خیال کی اصلاح کرنی چاہیے چنانچہ میں نے اپنے ساتھ کے لوگوں میں سے ایک صاحب سے کہا کہ جو کچھ میں کہتا جاؤں تم اُس کو ان کی زبان میں سمجھادو لیکن جب دیکھا کہ سلسلۂ کلام کا ربط ہی ختم ہو جاتا ہے اور میرے مافی الضمیر میں بھی خلط واقع ہو رہا ہے تو میں نے ان صاحب کا واسطہ ختم کردیا اور خود اُردو ہی میں بیان کرنے لگا بشرے سے اندازہ کرتا تھا کہ خوب سمجھ رہے ہیں میں نے کہا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ذرا ہوش کی دوا کیجئے کچھ جانتے بھی ہیں پہلے زمانہ میں پیر ہی لوگ دین کے ساتھ ساتھ دُنیا بانٹتے تھے نہ معلوم کتنے وزراء اور سلاطین ان کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے ان سے مانگتے تھے اور کامیاب جاتے تھے آج یہ حالت ہوگئی ہے کہ مُرید اُلٹا پیر کو دیتا ہے تف ہے ایسے پیر پر جو اپنے کو مریدین کا محتاج سمجھتا ہو۔ اگر پیر میں غیرت ہو تو اس کو یہ خیال کر کے کہ مرید اسے حاجتمند سمجھ رہا ہے ڈوب مرنا چاہیے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ عجب بات ہے کہ مرید سے اگر پوچھا جائے کہ تمھیں روزی کون دیتا ہے تو آسمان کی جانب اشارہ کر کے کہے گا کہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور پیروں کے بارے میں یہ چاہتے ہیں کہ کہا جائے کہ ہم دیتے ہیں یہ کیوں؟ تم کو خُدا دے اور پیر کو تم دو کیا یہ ناانصافی نہیں ہے؟ بس جب یہ بات ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم کو بھی اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ جب میں کہہ چکا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ جانتے ہو یہ خفا کیوں ہو رہے ہیں وہ جو روپیہ کے لئے ان سے کہا گیا تھا وہی بات ان کو ناگوار ہوئی۔ سچا ہے نا

- -

(۵۱۔مضمون) ایک حکیم صاحب جو ابھی کچھ دنوں سے میرے پاس آتے ہیں وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے تھے کہ مجھ سے ایک میرے دوست کہنے لگے کہ فلاں جگہ چلو وہاں اب خانقاہ وغیرہ بن گئی ہے وہیں چل کر بعیت ہو جاؤ میں نے کہا کہ میں تو اپنے آپ کو اب ایک جگہ حوالہ کرچکا ہوں یوں آپ کی خاطر سے وہاں بھی چل سکتا ہوں لیکن اپنے حضرت سے اجازت لینے کے بعد۔ اس پر کہنے لگے کہ اچھا وہاں اب تک کیا سیکھا؟ میں نے کہا ہاں یہ آپ نے خوب پوچھا سیکھا یہ کہ انسان کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ نسبۃ مع اللہ پیدا کرے۔ کہنے لگے میرا مطلب یہ ہے کہ مراقبہ وغیرہ کچھ بتایا کہ نہیں میں نے کہا نہیں ان سب سے بہت آگے بڑھا دیا ہے یہ سُن کر خاموش ہوگئے حاضرین مجلس میں سے ایک اور

صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو بالکل ایسا ہوا جیسا ہمارے یہاں قصاب کرتے ہیں کہ ان کے سامنے سے جو شخص بھی گذر جائے خواہ کسی کام سے جارہا ہو دور ہی سے آواز دیں گے یہاں ادھر آیئے سینہ بڑا نفیس ہے دوسرا پکارے گا صاحب یہاں آیئے پنجہ بہت بڑھیا ہے فرمایا جی ہاں یہی حال اب طریق کا ہوگیا ہے لوگوں کو اس کی حقیقت سے واقفیت تک نہیں اور کھینچ کھانچ مچا رکھی ہے۔

(۵۲ مضمون) ایک مولوی صاحب یہاں آتے تھے میرے سامنے ہی بیٹھتے تھے ایک دن میں نے کہا کہ آپ کے متعلق اب تک میں ایک غلط فہمی میں مبتلا تھا مگر اب چونکہ خود اس سے نکل چکا ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ آپ کو بھی اس سے نکالوں وہ یہ کہ آپ جو یہاں گردن جھکائے بیٹھے رہتے ہیں پہلے اسکو میں یہ سمجھتا تھا کہ آپ کو فنا فی الشیخ کا مرتبہ حاصل ہے اس لئے ایسا ہوتا ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ آپ جو بالکل خاموش بیٹھے رہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ میری باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آتیں چونکہ آپ کچھ بھی نہیں سمجھتے اس لئے مبہوت و متحیر بنے بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ حضرت نے بالکل بجا فرمایا میں باتیں واقعۃً بہت کم سمجھتا ہوں میں نے کہا ایک بات اور ہے وہ یہ کہ آپ کا یہ گردن جھکا کر بیٹھنا محض تکلف اور تصنع کی بنا پر ہوتا ہے اس پر بہت سٹ پٹائے اس کے بعد سے جب آتے تھے میں انسے برابر مزاج پوچھتا تھا کہ کہئے اب کیا حال ہے کہتے تھے کہ الحمدللہ اب وہ امراض نہیں ہیں کبھی پوچھ لیتا تھا کہ اس کی دلیل کیا ہے کہ اب نہیں ہیں اور یہ اس لئے دریافت کرتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ابھی ان میں وہ مرض موجود ہو اور مجھ سے کہدیں کہ نہیں ہے اس لئے نہ ہونے کی دلیل بھی انھیں سے پوچھتا تھا۔ پھر بعد میں سمجھ میں آیا کہ اب سمجھنے لگے ہیں۔

(۵۳ مضمون) ایک صاحب یہاں پہلی بار تشریف لائے اب اتنے مجمع میں کسی کو کیسے پہچان سکتا ہوں میں نے ان کی جانب کوئی خاص التفات نہیں کیا اور نہ ان کی کچھ خاطر کی بلکہ اس دن (ان کا بیان ہے کہ) گفتگو دوسری جانب رخ کر کے کرتا رہا وہ دل دل میں بہت کڑھتے رہے اور پیچ و تاب کھاتے رہے یہاں سے جانے کے بعد راستہ میں شیطان نے میرے خلاف وساوس ڈالے کہ دیکھو تم کس عقیدت سے گئے تھے اور تمھاری جانب رخ تک نہ کیا مگر آدمی تھے سمجھدار کہتے تھے کہ میں نے نفس سے کہا کہ تمھاری غرض حاضری سے محض زیارت ہی تو تھی وہ تو حاصل ہوگئی پھر کیوں بھناتے ہو اور کیوں چراغ پا ہوتے ہو۔ جتنا تم چاہتے تھے وہ تو مل گیا اب اور کیا چاہتے ہو دیکھو تم کو کل پھر آنا ہوگا

میں ان کے خلاف کوئی بات نہیں سُننا چاہتا اُس دن تو نفس کو یہ کہہ کر ٹھنڈا کیا پھر اس کے بعد آئے تو حسن اتفاق کہ ساری مجلس انھیں سے مخاطب رہا بہت خوش ہوئے اب برابر آتے ہیں۔ اس واقعہ کو بہت دنوں کے بعد مجھ سے بیان کیا مگر کہتے تھے کہ آپ کی توجہ اس کے بعد سے یوماً فیوماً بڑھتی ہی دیکھی میں نے کہا اس میں میرا کوئی کمال تھوڑا ہی ہے یہ تو آپ ہی کا خلوص اور آپ کی خوش اخلاقی تھی جس کا پرتو مجھ پر پڑا۔

(۵۴ مضمون) صحابہ کرام رض کا تو یہ حال تھا کہ اپنا سارا مال بلکہ جان تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کر چکے تھے اور پھر بھی خوش تھے اس کے برعکس منافقین کا حال یہ تھا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مال سے اعانت فرماتے تھے لیکن وہ اپنے خبث باطن کی بناء پر اندر اندر حضورؐ سے ناراض ہی رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کے قتل کی سازش تک میں شریک ہوتے تھے جُلاس نامی ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار درہم عطا فرمائے اور اس پر مزید دو ہزار کا اضافہ فرمایا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اُن پر قرض تھا حضورؐ نے اسے ادا فرما دیا تھا مگر ان کا حال یہ تھا کہ حضورؐ کے قتل کی سازش میں شریک ہوتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ خود غرضی اور احسان فراموشی بھی منافق کا شیوہ ہے

(۵۵) ایک مولوی صاحب پر جنکا تعلق حضرت والا سے بہت دنوں سے ہے مواخذہ فرمایا تو انھوں نے اقرار کیا کہ میں نے ایک دفعہ اپنے خط میں ایک شعر کا تذکرہ کیا تھا اس وقت سے میری حالت بدل گئی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نور ہی سلب ہو گیا ہے معمولات ادا کرتا ہوں مگر پہلے جیسا حال نہیں ہے۔ فرمایا کہ وہ تو ایسا ہو ہی جائے گا نور وغیرہ سب اخلاص سے حاصل ہوتا ہے لوگ چاہتے ہیں کہ مخلص بھی نہ بنیں اور نور حاصل بھی ہو جائے ان کا ابتدائی واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ انھوں نے یہاں سے جانے کے بعد مجھے خط لکھا کہ اس دفعہ حضرت مجھ سے انشراح کے ساتھ نہیں پیش آئے میں نے جواب میں لکھا کہ میں ہوں بھی ایسا۔ اس پر انھوں نے لکھا کہ نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت والا میں نقص کی کیا بات ہو سکتی ہے خود مجھ ہی میں نقص موجود ہے اور بہت سی برائیاں ہیں میں نے جواب دیا آپ جانئے اس کے بعد دوبارہ جب آئے تو مجھ سے ملنے کی اجازت چاہی اس پر میں نے کہلایا کہ کیا کریں گے آ کر۔ کہا اصلاح کے لئے آیا ہوں۔ میں نے کہا کیا اصلاح کے لئے آنا آسان ہے کہا میں کچھ کہوں گا۔ میں نے کہا کہئے تو کہا کہ آپ نے میرے لئے فلاں جگہ قیام تجویز کیا تھا مگر میں

دو وجہ سے دوسری جگہ بدون آپ کی اجازت کے چلا گیا ایک تو حضرت کے تجویز کردہ مقام پر تنخواہ
کم تھی دوسرے کام زیادہ تھا اس لئے نفس کے کہنے سے میں یہاں چلا آیا کہ یہاں تنخواہ وہاں سے
زائد اور کام کم ہے اس وقت سے دل کی حالت ٹھیک نہیں ہے پھر اس کے بعد تیسری مرتبہ آئے تو اسوقت
شعر والے واقعہ کا اقرار کیا جس کا واقعہ یہ تھا کہ ایک دفعہ انھوں نے مجھے خط میں لکھا کہ میرے احباب
نے مجھ سے کہا کہ ہمارے ساتھ حج کرنے چلو ہم سب تم کو اپنے خرچہ سے لے چلیں گے لیکن میں نے جانے
سے انکار کر دیا اور ان دوستوں سے کہا کہ ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید　　　معشوق دریں جاست بیائید بیائید

(یہ صاحب حج فرض ادا کر چکے ہیں گویا ان پر ظاہر یہ کیا کہ نفل حج سے بڑھ کر شیخ کی صحبت
ہے اور ان کے سامنے حضرت والا کے ساتھ اپنی عقیدت کا بھی اس شعر کے ذریعہ سے اظہار کرنا چاہا)
اور یہ بھی لکھا کہ میں نے ان لوگوں کے سامنے وہ شعر پڑھنے کو تو پڑھ دیا لیکن دل میں وہ بات نہ
تھی بس یوں ہی پڑھ دیا تھا (اسی واقعہ کی جانب انھوں نے اشارہ کیا کہ اس شعر کے بعد سے حالت
تبدیل ہوگئی (حضرت نے فرمایا کیوں معمولات اب پہلے جیسے نہیں ہیں کہا کہ اب تک یہی سمجھتا تھا کہ
بس ظاہری اعمال کافی ہیں اور باطن کی جانب کوئی خاص توجہ اب تک نہ کی اب انشاء اللہ تعالیٰ
اس کا خیال رکھوں گا اور معالجہ اخلاق کروں گا فرمایا کہ ہاں اب آئے راستہ پر ظاہری وظیفہ وظائف
کو کافی سمجھنا اور باطن میں ہاتھ نہ لگانا یہ کیسا ہے کہا یہ تو ریاکاری ہے فرمایا کہ اس ریاکاری کے
ذریعہ سے کتنے لوگ کامل ہو گئے ہیں اور یہ بھی بتائیے کہ لوگوں کو پھنسانے کا خیال کب ترک کیجئے گا
عرض کیا کہ حضرت پہلے تو لوگوں سے تعلقات تھے بھی مگر اب تو سب سے یکسو ہو کر اپنے کام سے کام
رکھتا ہوں فرمایا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے ایک شخص کسی برائی میں مبتلا ہو لیکن بعد کو توبہ کرلے بہتر
ہے تشریف رکھئے۔

(۵۶ مضمون) منافق کی سزا رسوائی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی مجلس
سے انھیں نکالا ہے۔ چنانچہ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دن
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ فرمانے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ قم یا فلان فاخرج فانک
منافق اخرج یا فلان فانک منافق (فلانے تم اٹھو نکلو تم منافق ہو فلانے تم بھی اٹھو اور

اور نکلو تم منافق ہو) اس طرح چھتیس ۳۶ آدمیوں کو نام لے لیکر نکال باہر کیا اور ان کو رسوا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی ضرورت کی بنا پر کچھ دیر ہوگئی تھی اب تک نماز کے لئے نہیں آئے تھے اب مسجد جارہے تھے تو راستہ میں ان منافقین کو آتے دیکھا دیکھ کر چھپ گئے یہ خیال کرکے کہ معلوم ہوتا ہے نماز ختم ہوگئی ہے اور میں پچھڑ گیا ادھر ان لوگوں کی نظر حضرت عمرؓ پر جب پڑی تو وہ سب بھی چھپ گئے یہ سمجھ کر کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے واقعہ کی ان کو اطلاع ہوگئی ہے (اور اب ہماری خیر نہیں ہے) جب حضرت عمرؓ مسجد پہنچے تو دیکھا کہ لوگ ابھی نماز سے فارغ نہیں ہوئے ہیں آپ کو دیکھ کر ایک شخص نے کہا کہ اے عمر خوش ہوجاؤ آج اللہ تعالیٰ نے منافقین کی پردہ دری فرمادی ہے۔ (روح المعانی صنا ج ۱۱۔ اکفار الملحدین)

دیکھا آپ نے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ سے بڑھ کر کس کے اخلاق ہوسکتے ہیں اس کے باوجود آپ نے منافقین کو سزا کس قدر سخت دی۔ بات یہ ہے کہ یہی ان کا علاج ہی تھا۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ مرض جتنا شدید ہو اس کا علاج بھی اسی قدر سخت ہونا چاہیئے۔ آج بھی لوگوں میں چونکہ بداخلاقیاں اور ان کی قلبی برائیاں راسخ ہوچکی ہیں اور تجربہ نے بتلایا کہ بدون زجر شدید اور توبیخ بلیغ کے ان کا ترک کرنا تو درکنار ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا اس لئے علماء و مشائخ بھی اصلاح کے باب میں ذرا سختی اختیار کرتے ہیں پھر ان کی اس اصلاح کو تشدد اور ان کو بداخلاق کیوں کہا جاتا ہے اور ان کا یہ طرز عمل کیوں خلاف سنت قرار دیا جاتا ہے۔

(۵۷ مضمون) اُردو میں نفاق کے مفہوم کا حاصل کھوٹ ہے یہ چیز پہلے لوگوں میں کم تھی اب بہت زیادہ ہوگئی ہے آج اصلاح نہ ہونے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اس زمانہ میں کوئی بزرگ موجود نہیں ہے بلکہ لوگوں ہی میں کچھ کھوٹ پیدا ہوگیا ہے۔ ایمانیات کا لوگوں کو اعتقاد نہیں رہ گیا ہے جنت دوزخ کا اعتقاد باقی نہیں رہا حشر نشر کا اعتقاد نہیں رہ گیا ہے پھر آج اگر شیخ ہی سے اعتقاد نہیں رہ گیا ہے تو تعجب کیا ہے۔ آج کل کے مرید تو بس یہ چاہتے ہیں کہ اگر موقع مل سکے تو رات و دن شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہیں اور یہ کچھ اعتقاد کی وجہ سے نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ عمل وغیرہ تو ان سے سپڑتا نہیں لہٰذا اس ظاہری اظہار عقیدت کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے

کہ بدعملی کو رسمی اعتقاد کے پردہ میں چھپا لیتے ہیں دوسرے اس میں اگر غور کیجئے تو بداعتقادی معلوم ہوتی ہے وہ اس طرح کہ ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بیٹھنے سے شیخ خوش ہوتے ہیں اور ان حضرات کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہر وقت کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے رہیں لہٰذا ہماری حاضر باشی سے یہ لوگ خوش ہوں گے یہ تو اچھی خاصی بداعتقادی ہے۔

(۵۸ مضمون) آج اسلام کو جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ غیروں کی وجہ سے نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی وجہ سے پہنچ رہا ہے اب دیکھئے یہ چھوٹی سی بستی ہے اگر یہاں سب کے سب لوگ دینداری اختیار کرلیں اور شریعت کی پابندی کرنے لگیں تو کیا انگریز منع کردے گا یا حکومت روک دے گی کسی کی طرف سے کوئی بھی رکاوٹ نہیں ہے مگر اس کے باوجود دین جو شاق ہو رہا ہے وہ نفوس کی خرابی کی وجہ سے ہے میں اسی کو کہتا ہوں کہ پہلے اپنی حالت درست کرو اسی سے فلاح حاصل ہوگی اور کفار کی دشمنی کا بھی اسی سے خاتمہ ہوجائے گا۔ تو کہتے ہیں کہ اپنی اصلاح کی تو ہمیں ابھی فرصت ہی نہیں ہے پہلے کافروں ہی سے نمٹنا چاہئے خواہ فساق و فجار سے تعلقات میں اضافہ ہی کیوں نہ ہوتا رہے۔ میں کہتا ہوں کہ لوگ صرف اپنی اپنی بستی کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوجاویں تو اسی سے کتنا کام ہوجائے۔ اس پر کہتے ہیں کہ نہیں ہم کو پہلے دوسرے مقامات کی اصلاح کرلینے دو پھر دیکھا جائے گا، اپنی بستی تو پھر بھی اپنی ہی ہے۔ یہ حال ہے۔

(۵۹ مضمون) ایک صحابی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مستجاب الدعوات ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور پورا فرمادیں۔ حضرت عمرؓ ان کو امیر لشکر نہیں بناتے تھے اور آپ نے جگہ جگہ فرمان بھیج دئے تھے ان کو کبھی امیر لشکر نہ بنایا جائے اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ آخر یہ کیا بات ہے ایسے تو بزرگ شخص اور حضرت عمرؓ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے حضرت عمرؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا ان کو سرداری کا عہدہ نہ دینا کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ میں ان کے مرتبے سے واقف نہیں ہوں بلکہ سمجھتا ہوں کہ وہ ایسے قوی الایمان ہیں کہ مہالک اور خوف کی جگہ میں گھس جائیں گے اور ساری فوج کو پھنسا دیں گے حالانکہ سب ان جیسے قوی الایمان نہ ہوں گے اس کی وجہ سے ممکن ہے کہ لوگوں کو نقصان پہنچ جائے۔

(۶۰ مضمون) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اتنی کرامات اور خرق عادات کا ظہور نہیں ہوا

جتنا کہ بعد کے بزرگوں سے ہوا اس کی وجہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ بیان فرمائی کہ حضرات صحابہ رض کا یقین آخرت پر اس درجہ قوی تھا کہ ان کو کسی اور چیز کی حاجت ہی نہ تھی اور بعد کے لوگوں میں یہ عقیدہ ضعیف اور کمزور ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اولیاء کے ہاتھوں کرامتیں صادر فرماکر خود ان کے یقین کو بھی پختہ کردیا اور دوسرے لوگوں کے ایمان کو بھی قوی کردیا لیکن اس پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ اب تو آخرت کا عقیدہ اور بھی زیادہ کمزور ہوگیا ہے تو چاہئے کہ کرامات کا صدور اور زیادہ ہو حالانکہ پہلے کے مقابلہ میں اب اس میں بہت کمی ہوگئی ہے۔ اس کا ایک جواب تو مولانا مونگیری رح نے دیا ہے کہ یہ دَور دورِ ہدایت نہیں ہے دور ضلالت ہے اور کرامت وغیرہ کا صدور از قبیلِ ہدایت ہے لیکن ہمارے حضرت رح نے دوسرا جواب دیا ہے وہ یہ کہ آج کل لوگوں کے نفوس اس درجہ خراب ہو گئے ہیں کہ کھلی آنکھوں خرق عادات دیکھنے کے بعد بھی اس شخص کا انکار کریں گے اور اس کی وجہ سے خدا کی گرفت میں آجائیں گے۔ جس طرح کہ کفار ابتداءً نہیں ہلاک کئے گئے مگر جب انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا انکار کیا گیا جس سے ان کا عناد ثابت ہوا اور حق تعالیٰ کی جانب سے ان پر حجت تمام ہوچکی تب گرفت میں آگئے یہ وجہ ہے اس زمانہ میں بزرگوں سے کرامات و خوارق کی کمی کی۔

(۶۱ مضمون) یہ جو میں کہا کرتا ہوں کہ تعلق کسی ایک ہی سے ہونا چاہئے یہ اس لئے کہ ہم کسی ایک ہی کا ادب کرلیں اس کا حق ادا کرلیں یہی بڑی بات ہے۔ کئی سے تعلق ہو تو ممکن ہے کسی کی بے ادبی اور حق تلفی ہوجائے اور ایک کا ادب تو آسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی بزرگ کو ستانے اور ان کی ایذاء کا باعث بننے سے بچائے۔ جس شخص کو مشائخ میں سے کسی شیخ کے قلب نے رد کردیا تو وہ شخص بڑے خسارہ میں پڑا اس کو اس کا خمیازہ کبھی نہ کبھی بھگتنا پڑے گا اور جس کو کسی شیخ نے قبول کرلیا اس کو خوش ہونا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ وہ سعید ہے۔

(۶۲ مضمون) لوگوں نے اس زمانہ میں بس یہ سمجھ رکھا ہے کہ نفس کا مارنا فرض کفایہ ہے پیر اپنے نفس کو مارے بس سب کی طرف سے کافی ہے ہم صرف ڈینگ مارا کریں کہ ہمارے شیخ ایسے ہیں ہمارے شیخ ویسے ہیں باقی یہ کہ نفس کے مارنے میں ہاتھ لگائیں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی جاتی (جامع عرض کرتا ہے کہ لوگوں کا یہ خیال تو عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کے مشابہ ہے کہ وہ بھی یہ سمجھتے

ہیں کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنی ساری امت کی طرف سے سولی دے دئے گئے ہیں جو سب کے گناہوں کا کفارہ ہے اب اس کے بعد کسی عیسائی کو نیکی کرنے کی ضرورت نہیں رہی اور نہ اس سے کسی معصیت پر باز پرس ہوگی - ۱۲ جامی غفرلہٗ)

(۳۴ یہ مضمون) امام غزالی رح نے لکھا ہے کہ جو شخص تہجد کو اُٹھنا چاہے اس کو چار باتوں کا لحاظ چاہئے اوّل یہ کہ دن کو کام کم کرے تاکہ تکان نہ ہوجائے اور رات کو آنکھ کھلنے میں آسانی ہو۔ دوسری بات یہ کہ دن میں کچھ تھوڑا سا سولیا کرے اس کی وجہ سے بھی شب کو اُٹھنے میں آسانی ہوگی۔ تیسرے یہ کہ دن میں کوئی گناہ نہ کرے کیونکہ تہجد انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے بہت بڑی چیز ہے۔ ہر کس و ناکس کو میسر نہیں۔ چوتھے یہ کہ تہجد کے جو فضائل حدیث شریف میں مذکور ہیں ان کا استحضار کیا کرے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں ایک اور چیز کا بھی اضافہ کر لیجئے وہ یہ کہ جس دن ناغہ ہوجائے تو دوسرے دن صبح کو اس کی قضا پڑھ لے کیونکہ جب نفس یہ دیکھے گا کہ شب کو نہ پڑھنے سے معافی نہیں بلکہ دن میں اس سے زیادہ دیر تک پڑھنا پڑتا ہے تو کہے گا کہ لاؤ ان سے صلح کرلو اور اُسی وقت پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ پڑھنے سے بچت نہیں ہے۔

(۴۴ یہ مضمون) آج لوگوں کو اس طریق میں جو فائدہ نہیں ہو رہا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شیخ سے ان کا تعلق استوار نہیں ہے اپنے عمل اور اپنے وظیفہ پر ان کو ناز ہے۔ یہ لوگ وظیفچی ہیں ان کو جاننا چاہئے کہ جس کا تعلق اپنے شیخ سے صحیح ہے اس کی حالت کہیں زیادہ بہتر ہے یہ وظیفچی اس کے پاسنگ بھی نہیں۔ پھر جس کا دین درست ہو جاتا ہے اس کی دنیا بھی درست ہو جاتی ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو مال دے دیں تو کسی کا اجارہ ہے ہمارے امام صاحب رح بہت زیادہ مال دار تھے اسی طرح امام محمد رح بھی بہت مالدار تھے امام ابی یوسف تو زیادہ مالدار نہ تھے گو وہ بھی آخر میں قاضی ہوگئے تھے۔ (از جامع)

ما احسنَ الدین والدنیا اذا اجتمعا واقبحَ الکفرَ والافلاسَ بالرجل

(ترجمہ۔ دین اور دنیا جب جمع ہوجائیں تو پھر اسکا کہنا ہی کیا ہے۔ اور کس قدر قبیح یہ بات ہے انسان کا فر ہو اور اس سے پر مفلس بھی)

(۵۴ یہ مضمون) بعضے اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ نرم نرم بستر پر لیٹتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق صحیح ہے اور بعضے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ پاؤں میں جوتیاں نہیں ہیں لیکن فرعون بے سامان بنے پھرتے

ہیں بزرگوں نے گاہے گاہے قیمتی لباس بھی پہنا ہے محض اس لئے کہ جنت کی نعمت یاد آوے اور فی الجملہ اس کی قدر ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک ہزار درہم کی قیمتی چادر استعمال فرمائی ایک کپڑا فروخت ہونے کو آیا بادشاہ نہیں خرید سکا لیکن بڑے پیر صاحبؒ نے خرید لیا۔

(۶۶ یمضمون) ایک بات حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نفس کے متعلق یہ فرمائی کہ آجکل لوگ خود اپنے معتقد ہوتے ہیں اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ پہلے تو لوگوں کو اپنی تدبیروں اور چالبازیوں سے پھانستے ہیں یہ اس لئے کہ علم و معرفت تو کچھ ہوتی نہیں لہٰذا انھیں امور سے کام لیتے ہیں پھر کچھ لوگ جب فریب میں آکر ان کے معتقد ہو جاتے ہیں تو اب اپنے متعلق یہ خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں کیونکہ واقعتہً اگر ہم کچھ بھی نہ ہوتے تو یہ لوگ ہمارے معتقد کیوں ہوتے پس اپنے اعتقاد کو عوام کے اعتقاد پر مبنی کرتے ہیں جو مبنی تھا خود ان کی تزویر پر۔ یہی بنار فاسد علی الفاسد ہے۔ کیونکہ اُن کے اعتقاد کی بنار خود انھیں کی تلبیس پر ہوتی ہے۔

(۶۷ یمضمون) گنہگاروں کو تو حق تعالیٰ کے فضل کی کچھ معرفت بھی ہوتی ہے لیکن یہ نیک لوگ جو عبادت پرست ہوتے ہیں ان کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خطور تک نہیں ہوتا سمجھتے یہ ہیں کہ ہم جنت کو اپنی قوتِ بازو سے حاصل کرلیں گے بس اسی پر ان کی نظر ہوتی ہے اور ایک گنہگار بیچارہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس کیا دھرا ہے سوا اللہ تعالیٰ کے فضل و بخشش کے ہمارا کوئی دوسرا سہارا نہیں بس اس سے اُس کا کام بن جاتا ہے اور اِن کا معاملہ مشکل ہو جاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں ؎

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے — اور عصائے آہ مجھ بیدست و پا کے واسطے

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ — رند از رہِ نیاز بدار السلام رفت

(۶۸ یمضمون) تحصیل نسبت امر اختیاری ہے اس کے لئے دونوں قسموں کی استطاعت حق تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہیں یعنی استطاعت ممکنہ اور وہ یہ ہے کہ انسان کے لئے اس کا حصول ممکن ہے (یعنی اپنے اختیار سے عمل کرے) لیکن باوجود ممکن ہونے کے چونکہ دشوار ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے استطاعت میسرہ بھی مرحمت فرمائی ہے اور وہ ہے صحبت بزرگان دین اور ان کے بتائے ہوئے اوراد و مشاغل کہ ان کی وجہ سے نسبت کے حصول میں آسانی ہوتی ہے۔

(۶۹ یمضمون) ایک دفعہ مولانا شبیر احمد صاحب رحؒ بھی مجلس میں موجود تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ایک قریبی طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ والوں کے دل میں بیٹھ جاؤ ان کا قلب چونکہ حق تعالیٰ سے متعلق ہو چکا ہوتا ہے جب ان کے دل میں تم جگہ پیدا کرلو گے تو تمھارا تعلق بھی خدا تعالیٰ سے ہو جائے گا۔ یہ سن کر مولانا شبیر احمد صاحب نے فرمایا واہ حضرت واہ واہ سبحان اللہ کیسی عمدہ بات بیان فرمائی۔ ہمارے حضرت نے یہ سن کر مثنوی کا یہ شعر پڑھا۔

درد دل مومن بگنجم اے عجب گر مرا خواہی دراں دلہا طلب

اسی مضمون کا حضرت حاجی صاحب کا یہ شعر ہے۔

عرشی و فرشی جس کو پا نہ سکیں میرے دل میں سما دیا کس نے

(۷۰ یمضمون) محبت کے بعد کوئی مردود نہیں ہوتا اس لئے کہ محب صرف محب ہی نہیں ہوتا بلکہ محبوب بھی ہو جاتا ہے بس جب نسبت طرفین سے حاصل ہو گئی تو یہ جا کیسے سکتا ہے اور اگر جانا بھی چاہے تو جانے کب دیا جائے گا۔

بھلاتا ہوں اُن کو وہ یاد آرہے ہیں وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

(۷۱ یمضمون) مسلمانوں کا کام اس لئے خراب ہو گیا ہے کہ ایسی جگہوں پر دنیا دار بھر گئے ہیں جن سے یہ توقع ہوتی ہے کہ کچھ کام کریں گے وہ بالکل مخالف نکلتے ہیں یہی حال (دینی) مدرسہ کا ہے اور یہی حال خانقاہ کا ہے۔ حالانکہ پہلے علماء جو سند دیتے تھے یا مشائخ جو نصائح کرتے تھے شاگرد و مرید اُسے حرز جان بنا لیتے تھے اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہتے تھے۔ جبھی کام ہوا۔

(۷۲ یمضمون) حضرت گنگوہی رحؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت قبر سے فیض ہوتا ہے؟ حضرت نے پوچھا فیض لینے والا کون ہے انھوں نے کہا کہ مثلاً میں فرمایا نہیں ہوتا ہمارے حضرت مدظلہ العالی نے فرمایا کہ اگر وہ یہ کہدیتے کہ مثلاً آپ۔ تو حضرت جواب دیتے کہ ہاں ہوتا ہے۔ اسی طرح مجھ سے بھی لوگ پوچھتے ہیں کہ تبلیغ کی جائے تو لوگوں کو فائدہ ہوگا یا نہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ تبلیغ کرنے والا کون ہے تو اگر کوئی عامی شخص ہوا اور کہا کہ مثلاً میں۔ تو کہتا ہوں کہ فائدہ نہ ہوگا اور اگر کسی محقق کا نام لیا تو کہتا ہوں کہ ہاں اس کی تبلیغ سے فائدہ ہوگا۔

(۷۳ یمضمون) امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جس طرح غصہ کی زیادتی مرض شمار ہوتی ہے

اسی طرح اس کی کمی بھی مرض ہے لیکن غصّہ کی زیادتی کو تو مرض بتایا جاتا ہے اور اس کے علاج کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ غصّہ کی کمی کو کوئی عیب نہیں کہتا اور نہ اس کا علاج کراتا ہے حالانکہ جس طرح زیادتی قابل علاج ہے اسی طرح غصّہ کی کمی کا علاج بھی ضروری ہے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص (امام غزالی) مجدد ہے دین کے جس گوشہ سے لوگوں نے اعراض کرلیا ہے یہ اُسے نمایاں کرتا ہے) رہا یہ کہ لوگ غصہ کی زیادتی کو مرض اس لئے کہتے ہیں کہ ایک شخص کا غصہ دوسروں کے نفس کے خلاف ہوتا ہے اور ان کو برا معلوم ہوتا ہے چاہے وہ اس غصہ کرنے میں حق بجانب ہی کیوں نہ ہو اس لئے اس کو تو سب بُرا کہتے ہیں اور جو شخص غصہ نہ کرے ظاہر ہے کہ اس سے کسی کو تکلیف کیا ہوگی سب کو اس کی نرمی اچھی معلوم ہوتی ہے لہٰذا سب اس کی تعریف کرتے ہیں کہ یہ شخص غصیارا نہیں ہے چاہے موقع غصہ ہی کا ہو پس جس کسی میں غصہ نہیں ہے تو چونکہ ہمارا اس میں کوئی ضرر نہیں اور نہ اس کا اثر ہم سے متعلق ہے اس لئے ہم اس کو مرض ہی نہیں سمجھتے اور دوسرے کا غصہ کرنا چونکہ ہمارے نفس پر شاق گذرتا ہے اس لئے وہ عیب و مرض سمجھا جاتا ہے لوگ اہل نفس ہوگئے ہیں یہ وجہ ہے ایک کو مرض سمجھنے کی اور دوسرے کو نہ سمجھنے کی حالانکہ امام کی تصریح سے معلوم ہوا کہ دونوں قابل علاج مرض ہیں۔

(۴، مضمون) صاحب فتح الباری نے حدیث الا ان فی الجسد مضغۃً الخ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ان چند احادیث میں سے ہے جن پر دین کا مدار ہے (حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ سن لو انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ جب وہ صالح ہوتا ہے تو تمام بدن صالح رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہوجاتا ہے تو سارا بدن فاسد ہوجاتا ہے جان لو کہ وہ گوشت کا ٹکڑا قلب ہے) فساد بدن جو اس زمانہ میں عام ہے دلالت کرتا ہے کہ قلب خراب ہوچکا ہے اب جو شخص اس کی اصلاح کرے گا اس کے مجدد ہونے میں کیا شبہ ہے (قلب کی اصلاح سے مراد عقائد صحیحہ و اخلاق حمیدہ سے متصف ہونا ہے اور فساد سے مراد اس کا اعتقاد باطل و اخلاق رذیلہ سے متصف ہونا ہے)۔

(۵، مضمون) دنیا کی آب و ہوا مومن کو نہیں بھاتی ہاں کافر کو بھاتی ہے اس لئے کہ یہ مومن کا گھر ہی نہیں چنانچہ مومن کو کسی طرح یہاں کی آب و ہوا موافق ہی نہیں آتی اور قاعدہ ہے کہ جب کسی کو کہیں کی آب و ہوا موافق نہ ہوگی تو وہ طرح طرح کی بیماری میں مبتلا ہوگا اس کو کبھی

زکام ہوگا کبھی بخار ہوگا یہاں کا نہ کھانا ہی اس کے مزاج کے موافق ہے نہ پانی ہی اس کے مزاج کے موافق تو جنت کا طعام و شراب ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں مومن کوئی کیسی ہی غذا کھائے اس کے موافق نہیں آتی لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زاہد نہیں ہے دیکھو کیسے اچھے اچھے کھانا کھا رہا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ میرے لئے ان کھانوں میں کوئی لطف ہی نہیں۔ اس لئے کہ میری اصلی غذا تو غذائے جنت ہے اپنی حیثیت سے بہت نیچے اُترنے کے بعد ان اشیار کو استعمال کرتا ہے یہ حال تو عام مومنین کا ہے اسی پر خواص کو قیاس کرلینا چاہئے۔ صاحب روح المعانیؒ نے لکھا ہے کہ عارفین کے پاس اگر کوئی ہدیہ لے جاؤ تو نہایت لطیف لے جاؤ کیونکہ ان کی طبیعت نہایت ہی لطیف ہوتی ہے (اور جس کو تم بہت ہی لطیف و پاکیزہ سمجھتے ہو وہ بھی ان کے درجہ سے بہت گھٹ کر ہوگی) البتہ عابدین جو مجاہدین ہیں ان کو جیسا چاہے ویسا دو۔ (اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں کہ

نکتہ ولقمہ است کامل را حلال ‏‏ تو نۂ کامل مخور می باش لال)

(۷۶ مضمون) بزرگوں کے مراتب بلحاظ یقین آخرت ہوتے ہیں پہلے لوگوں میں یہی چیز تھی اور اب یقینِ آخرت ختم ہے وظیفے وظائف تو بہت ہیں مگر یقین غائب۔

(۷۷ مضمون) ایک شخص حضرت جنید رح کے پاس بہت بڑی رقم ہدیہ کی لایا حضرت نے فرمایا اسے فقرار پر تقسیم کردو اس نے کہا نہیں محض آپ کے لئے لایا ہوں فرمایا یہ تو بہت زیادہ ہے کہا زیادہ تو جب ہو جب آپ اس سے ساگ پات کھائیں میں چاہتا ہوں کہ آپ حلوا نوش فرماویں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ بغداد کے حق میں امنُ الناس ہیں سب لوگوں سے زیادہ آپکا احسان ہے۔ حضرت نے لے لیا اور فرمایا ہدیہ ایسے ہی شخص سے لینا چاہئے۔ ایک اور صاحب حضرت کے خدمت میں ہدیہ لائے ان سے دریافت فرمایا کہ تمھیں اس بات کی خواہش ہے کہ تمھارا مال بڑھ جائے اور زیادہ ہوجائے کہا ہاں فرمایا اچھا تو یہ مال تمھیں لے جاؤ وہ سوال کا منشا سمجھا ہی نہیں اور حضرت نے واپس اس لئے فرمادیا کہ پورا اخلاص نہ دیکھا ہوگا۔

(۷۸ مضمون) عارف جس طرح دنیوی نعمتوں کو اس نیت سے استعمال کرتا ہے کہ یہ جنت کو یاد دلانے والی ہے اسی طرح جنت ہی کی خاطر کبھی ان چیزوں کو ترک بھی کردیتا ہے خیال کرتا ہے کہ اب دنیا میں کیا کھائیں انشاراللہ تعالیٰ جنت ہی میں کھائیں گے یہ دونوں زہد ہے

ثانی کا زہد ہونا تو ظاہر ہے اور اول اس لئے کہ اسباب دنیا اختیار کئے ہوئے ہے اور جنت بھی اس کو یاد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غریب بھی زاہد ہو سکتا ہے اور امیر بھی لیکن امیر کا زہد غریب کے زہد سے بڑھ جائے گا۔ کیونکہ وہاں نہ اسباب ہیں نہ نظر بر اسباب۔ اور یہاں اسباب ہونے کے باوجود نظر اسباب پر نہیں۔ اس کا اول سے بڑھا ہوا ہونا ظاہر ہے۔ یہ کہنا بھی ایک اعتبار سے ہے باقی مجموعی حیثیت سے دنیا میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امیر بڑھا ہوا ہے کہ غریب (کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور اس کی خبر نہیں) ایک بزرگ ایک راستہ سے گزرا کرتے تھے ایک عورت انھیں دیکھ کر کہتی تھی کہ تمھاری داڑھی اچھی ہے یا ہمارے بکرے کی وہ بزرگ خاموش گزر جاتے جب ان کا انتقال ہونے لگا تو وصیت کی کہ میرا جنازہ فلاں راستہ سے لیجایا جائے جب اس عورت کا گھر آیا تو اُٹھ کر بیٹھ گئے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کہ آج کہتا ہوں کہ الحمدللہ میری داڑھی تیرے بکرے کی داڑھی سے اچھی ہے۔ یہ کہہ کر پھر اسی طرح لیٹ گئے یہ ان کی کرامت تھی کہ اس کے اعتراض کا اسوقت اس طرح جواب دیا جبکہ خاتمہ بالخیر ہو چکا تھا اور نجات کی امید ہو گئی اسی کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کو زندگی میں کچھ جواب نہ دیتے تھے۔

(۹ مضمون) آجکل لوگوں میں کسل و سستی کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ کوئی بات اگر نرمی سے کہی جائے تو اس کا مطلقاً اثر نہیں ہوتا اسی لئے اُس سے بات سختی سے کہی جاتی ہے شیخ کی یہ سختی مصلحتاً ہوتی ہے یہ ایک عارضی شے ہے اس کے اعلی اخلاق میں سے نہیں ہے لوگ اسی فرق کو نہیں سمجھتے اور انھیں سختی کرتے دیکھ کر اُن پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ ایسی حالت میں جو وساوس پیدا ہوں اس کو دلیل عقلی سے دور کرنا چاہئے۔ امیر شاہ خاں صاحب نے فرمایا کہ جو شیخ بُرا ہوگا اس کے مریدین کی اصلاح ہوگی۔

(۱۰ مضمون) پنجاب کے ایک پیر کا واقعہ ہے کہ رات کو ۳ بجے مریدین کو اُٹھا دیتے تھے اور کہتے تھے یہاں سونے آئے ہو اور صبح کو ہل بیل دے کر کہتے تھے کہ کھاؤ گے تم اور جوتے گا کوئی دوسرا۔ جاؤ ہل جوتو مشائخ نے ایسا برا بر کیا ہے اگر میں آپ لوگوں کو ایسے ایسے قصّے سُناؤں تو آپ مشائخ سے (بمجست) صلح کرلیں۔ حرم شریف میں حضرت حاجی صاحب اپنے مریدوں کے ساتھ تشریف رکھتے تھے سامنے ایک دوسرے شیخ بیٹھے تھے ان کے پاس ایک شخص کان پکڑ کر اُٹھ بیٹھ رہا تھا

حضرت نے اپنے لوگوں سے کہا کہ وہ دیکھو کیا ہو رہا ہے یہ دونوں شیخ و مرید ہیں شیخ کو اتنا حق ہے لیکن میں نے آپ لوگوں کو کبھی ایسی سزا نہیں دی حضرت حاجی صاحب رہ کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ میرے اخلاق کی قدر کرو۔

(۸۱ یمضمون) عقل دو قسم کی ہوتی ہے عقل معاش اور عقل معاد۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو عقل معاش ہو اور عقل معاد نہ ہو اسی کے نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے معجزات کا انکار کیا اولیاء کی کرامات کا انکار کیا اب جو لوگ کفار ہیں سے حکومت چلا رہے ہیں کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کو عقل نہیں نہیں ہے تو پھر حکومت کا کام کیونکر انجام پا رہا ہے یہ بات نہیں اُن میں معاش کی عقل خوب ہے لیکن معاد کی عقل سے بالکل کورے ہیں۔ دین کی ایک بات بھی نہیں سمجھ سکتے اور اس عقل نہ ہونے کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں عرب کے ایک بڑے عقلمند سے مسلمان ہونے کے بعد کسی نے پوچھا کہ تم اتنے بڑے عاقل تھے تم کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے میں شبہہ تھا انھوں نے کہا نہیں مجھے شبہہ کبھی بھی نہیں تھا میں یقینی طور پر جانتا تھا کہ آپ خدا کے رسول ہیں لیکن قبیلہ کے چودھری اور سردار لوگ مانع ہوئے کیونکہ ان کے سامنے ہماری کچھ چلتی نہیں تھی جب وہ مر مرا گئے اور ہمارا وقت آیا تو میں مسلمان ہوگیا۔

(۸۲ یمضمون) حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ حضرت میں نے اپنی تجارت میں آپ کا حصّہ مقرر کر دیا ہے اس قدر آپ کو برابر بھیجتا رہوں گا تو یہ سن کر بیحد خفا ہوتے اور فرماتے کہ کبھی مت دینا لوگوں نے کہا حضرت محبت سے دے رہا ہے فرمایا یہ میرے ساتھ نادان کی سی دوستی ہے کیونکہ اس کے معنے تو یہ ہیں کہ میں خدا سے نظر ہٹا کر اس دینے والے پر نگاہ رکھوں کہ اتنا اس سے ملا کرے گا۔ اور جب کسی کی کوئی رقم واپس فرماتے تو ہم لوگوں سے فرماتے کہ واپس تو کر دیتا ہوں مگر اندر اندر ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ ناشکری تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں میں تو اس کو دے رہا ہوں اور یہ اس سے اعراض کر رہا ہے۔

(۸۳ یمضمون) طمع کے دور کرنے کا علاج یہ ہے کہ یہ دیکھے کہ طمع میں انسان یہی تو کرتا ہے کہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے میں جب خود کو قاصر پاتا ہے تو دوسروں سے احتیاج ظاہر کرتا ہے اور اسکی مدد سے اپنی حاجت پوری کرتا ہے۔ پس انسان سوچے کہ حاجتوں کے پورا کرنے میں جب

غیروں سے مدد مانگنا ناگزیر ہے تو پھر خدا ہی سے کیوں نہ مانگے ایرے غیرے نتھو خیرے سے کیوں مانگے کیونکہ وہ بھی تو اسی کی طرح کا ایک انسان ہے بس قلب میں یہ جما لے انشاء اللہ تعالیٰ مخلوق سے طمع ختم ہو جائے گی۔

(۸۴ مضمون) قلب کے تقلبات کی حفاظت مال وغیرہ کی حفاظت سے زیادہ مشکل ہوتی ہے اور اس کو سوا شیخ کے اور کوئی دوسرا سمجھ بھی نہیں سکتا ایک ڈاکٹر صاحب حضرت حاجی صاحب رح کے یہاں سے آئے اور بہت اچھی کیفیت لے کر آئے ایک مریض کو دیکھنے جانے لگے جوں ہی فٹن میں قدم رکھا قلب کی حالت بدل گئی ہمارے حضرت رح نے فرمایا وہ فٹن ان کے لئے فتن ثابت ہوا خدا معلوم کیا بات پیش آگئی اور دل میں کیا حال گذر گیا جو ایسی حالت ہوگئی۔

(۸۵ مضمون) صبر بدون شجاعت کے نہیں ہوسکتا جو صابر ہوگا وہ شجاع بھی ہوگا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید رح کو ایک پہلوان نے گالی دی حضرت کے ہمراہ بھی ایک پہلوان تھا اس نے تلوار سے اس کا خاتمہ کرنا چاہا حضرت نے منع فرمایا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ ہاں ہاں کیا کرتے ہو ایک مسلمان کو مارتے ہو یہ شخص یہی تو کہتا ہے کہ نئی نئی باتیں بتاتے ہیں تو ٹھیک تو کہتا ہے مولویوں نے دین کی باتیں ان لوگوں کو کب بتلائیں اس لئے میری سب باتیں اس کو نئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس پر وہ شخص نرم ہوگیا اور حضرت کا معتقد ہوگیا اور خدمت میں آنے جانے لگا۔

(۸۶ مضمون) پنجاب کے ایک مولوی صاحب معقولی تھے انھوں نے حضرت مولانا شہید رح سے منطق میں مناظرہ کیا تین دن تک سوالات کرتے رہے حضرت جواب دیتے رہے اس کے بعد حضرت مولانا شہید رح نے سوال کیا انھوں نے کچھ جواب دیا اس پر مولانا نے پھر دوسرا سوال قائم کر دیا ان معقولی مولوی صاحب کو غصہ آگیا جھنجھلا کر مولانا کی پگڑی اُتار لی۔ حضرت نے نہایت نرمی سے فرمایا مولانا آپ نے تین دن تک مجھ سے سوالات کئے میں نہایت خندہ پیشانی سے جوابات دیتا رہا آپ کو میرے دو سوال میں غصہ آگیا۔ ہمارے حضرت رح نے اس پر فرمایا کہ یہ چیز انھیں کہاں میسر ہوسکتی تھی وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ۔ اس کے بعد حضرت نے یہ شعر پڑھا۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا　　دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام | کہ با دوستانت خلافست وجنگ

(۸۷ مضمون) سن لو خدا تعالیٰ بداخلاقی پر سزا دنیا میں بھی دیتے ہیں جو شخص اس سے بچے گا سزا سے محفوظ رہے گا اور جو اس میں مبتلا ہوگا اس کو یہیں سزا بھگتنا ہوگا جو آخرت کی سزا سے بہت کم ہے اور وہاں کے عذاب کے لئے تیار رہے۔ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(۸۸ مضمون) صاحب روح المعانی نے آیت وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ کے تحت میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ہر صبح آسمان سے دو فرشتے اترتے ہیں ایک کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا فرما اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے اے اللہ بخیل کے مال کو تلف کردے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواجہ ابو اللیث سمرقندی رح جو فقہ میں امام وقت تھے تنبیہ میں لکھتے ہیں کہ ہر روز آسمان سے دو فرشتے اترتے ہیں ایک کعبہ کی چھت پر کھڑا ہو کر باواز بلند یہ ندا کرتا ہے کہ اے انسانو اور جنو سنو اور معلوم کرو کہ جو شخص خدائے عزوجل کا فرض نہیں ادا کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ وحمایت سے باہر نکل جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ حظیرہ قدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھت پر کھڑا ہو کر ندا کرتا ہے اے آدمیو سنو اور معلوم کرو کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں نہ ادا کرے اور ان سے تجاوز کرے وہ شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہیگا۔

(۸۹ مضمون) میں اس زمانہ میں وعظ وتقریر کو کچھ زیادہ مفید نہیں سمجھتا۔ ان کا مفید ہونا الگ رہا بلکہ تقریر کا اثر یہ دیکھتا ہوں کہ مقرر اور سامعین سب عمل میں اور زیادہ سست ہو جاتے ہیں بات یہ ہے کہ واعظ خیال کرتا ہے کہ میں نے تقریر کردی اپنے علم کا حق ادا کردیا اور کیا چاہئے اور سامعین یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے دین کی باتیں سن لیں بس کافی ہے اور کیا چاہئے اور وجہ اس سستی کی یہ ہوتی ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم پر عمل کا مطالبہ ہے لہٰذا جس قدر وعظ وتقریر کی زیادتی ہوتی جاتی ہے اسی قدر علم زیادہ ہوتا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا مطالبہ اس پر عمل کا بڑھتا جاتا ہے تا آنکہ جب علم کی اشاعت خوب ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور اب عمل نہ کرنے پر ادھر سے توفیق ہی سلب کرلی جاتی ہے پھر کتنا ہی کہا جائے سنا جائے اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس بات کو نہ واعظ سمجھتا ہے نہ سامع۔ یہ حقیقی وجہ ہے آج وعظ وتقریر کے نافع

نہ ہونے کی حدیث ہے۔ شرالناس فاسق الخ یعنی سب سے برا وہ آدمی ہے جس نے قرآن پڑھا دین کی سمجھ حاصل کر لی پھر اپنی جان کسی بدکار کی خوشنودی میں گنوانے لگا کہ جب وہ خوش ہو تو یہ اس کے لئے قرآن پڑھتا ہے اور اس سے بات چیت کرتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ ایسے قرآن پڑھنے والے اور سننے والے کے دل پر مہر لگا دیتا ہے (نعوذ باللہ) (ملفوظات علی الدرج ہے)

(۹۰ ـ مضمون) میں کانپور میں تھا ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ کسی بدعتی نے ان سے کہا کہ فلاں صاحب حضرت مولانا تھانوی صاحب سے بیعت ہیں اور پھر ایسا کرتے ہیں تو میں نے جواب دیا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور ایسا کرتے ہیں اس پر وہ خاموش ہوگئے میں نے کہا بھائی تم نے تو بہت عمدہ جواب دیا یہ تو مجھکو بھی نہ سوجھتا اگر مجھ سے کوئی یہ کہتا تو میں تو گھبرا جاتا واقعی بات ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی معصیت سے نہیں روک سکتی تو کسی شیخ کی نسبت مانع نہ ہو تو تعجب کی کونسی بات ہے۔ دیکھئے سب خدا کے بندے ہیں مگر یہ نسبت گناہ سے نہیں باز رکھتی۔ اور میں کہتا ہوں کہ نسبتِ مقبول کسی سے ہو تو وہ گناہ سے ضرور روکتی ہے کیونکہ شیخ کی نسبت بعینہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت بعینہٖ حق تعالیٰ سے نسبت ہے لیکن نسبت دو قسم کی ہوتی ہے صحیحہ اور غیر صحیحہ۔ معاصی سے نسبتِ صحیحہ مانع ہوتی ہے غیر صحیحہ نہیں جس طرح کہ حقیقی نماز برائیوں سے روک دیتی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ اور حج مقبول گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مسجد میں بھی جاتا ہو اور چوری بھی کرتا ہو یا حج بھی کر آیا ہو اور بے نمازی بھی ہو صاحب نسبتِ صحیحہ کے لئے بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ معصوم ہو بجز حضرات انبیا و ملائکہ علیہم السلام کے کوئی معصوم نہیں۔ حضرات صحابہ تک سے باوجود نسبت صحیحہ کے گناہ ہو گئے ہیں (قشیریہ صفحہ ۲۱ میں ہے "ولا ینبغی للمرید ان یعتقد الخ یعنی مرید کو پیروں بزرگوں کے بارہ میں معصوم ہونے کا اعتقاد نہ رکھنا چاہئے اگرچہ وہ (حق تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے) بچا بچا لئے جاتے ہوں کیونکہ یہ (عصمت) واقعہ[۱] کے خلاف ہے اور نیز[۲] یہ کہ اگر کبھی ان سے کوئی گناہ (بمقتضائے بشریت) سرزد ہو جائے تو پھر مرید ان سے نفرت کریگا اور پھر بہ نفرت ان سے نفع نہ ہونے دیگی

(۹۱ ـ مضمون) آپ لوگوں سے ایک بات کہتا ہوں ذرا سنئے اور اس کو مجھ ہی سے سنئے گا وہ یہ کہ منافق کی ایک نشانی اس زمانہ میں ملاقات ہونے پر خوب ہنس ہنس کر دیکھنا اور خوب چکنی چپڑی باتیں کرنا بھی ہے۔ ایک صاحب میرے ایک عزیز سے اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ کہیں کے سفر کا ارادہ تھا اسٹیشن پر ٹہل رہے تھے کہ ایک صاحب سفید پوش تشریف لائے اور ان سے نہایت

خندہ پیشانی اور بہت ہی تپاک سے ملے ہنس کر پوچھا آپ کہاں تشریف لے جائیں گے انھوں نے مقام کا نام لیا کہ فلاں جگہ، کہا بہت خوب میرا بھی ارادہ وہیں جانے کا ہے۔ اچھا ہے ساتھ رہے گا اور آپ نے ٹکٹ تو خرید لیے ہوں گے؟ انھوں نے کہا ابھی نہیں، کہا میں اپنا ٹکٹ لینے جارہا ہوں لائیے آپ کا بھی لیتا آؤں گا انھوں نے سَو روپیہ کا نوٹ نکال کر کے ان کے حوالہ کیا اور واپسی کے انتظار میں دیر تک بیٹھے رہے مگر وہ صاحب نہ اب آتے ہیں نہ تب آتے ہیں روپئے لے کر غائب ہوگئے انھوں نے ٹکٹ گھر جاکر کے بابو سے پوچھا اُس نے کہا ارے وہ تو ڈاکو تھا آپ نے بھی غضب ہی کیا اس قدر سادہ لوحی سے کام لیا کرتے ہیں اب روپئے کی فکر چھوڑیئے۔ جائیے صبر کیجئے، اب جاکر انھیں معلوم ہوا کہ میں نے غلطی کی، آپ سمجھے یہ غلطی ان کو کہاں سے ہوئی اور اس کا منشار کیا ہوا یہی کہ اس کے ہنسنے میں پھنس گئے اس نے خود کو بہی خواہ ظاہر کرکے ان کو دھوکا دیا اور دوستی کی شکل میں دشمنی کی، نہیں معلوم کتنوں کا یہی حال ہے کہ یہاں آتے ہیں اور مجھے ہنس ہنس کر دیکھتے ہیں لیکن دل انکا نہیں ہنستا ظاہر سے باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم معتقد ہیں مگر دل میں مجھ پر اعتراض تک کرتے ہیں اور یہاں آتے بھی ہیں بلکہ زبان سے بھی اعتراض کر دیتے ہیں مگر نفس ان کو دھوکا دئے رہتا ہے کہ تم معتقد ہو اور یہ اعتراض جو کر رہے ہو اس کا منشار بھی دراصل اعتقاد ہی ہے کیونکہ اگر بداعتقادی کی وجہ سے ایسا ہوتا تو شیخ ہی کے ساتھ کیوں ہوتا کسی اور کے ساتھ کیوں نہ ہوتا (میں جو کہہ رہا ہوں اس کو غور سے سنئے اور جو کہنا چاہتا ہوں اس کو سمجھئے) ایک مولوی صاحب ہیں جو بہت دنوں سے یہاں آتے ہیں آج معلوم ہوا کہ ان کو مجھ پر اعتراض ہے کہ میں گدّے پر اور قالین کی جائے نماز پر کیوں بیٹھتا ہوں؟ ٹاٹ واٹ پر بیٹھتا اور اگر ان کی پوری رعایت کرتے ہوئے زمین ہی پر یوں ہی بغیر کچھ بچھائے ہوئے بیٹھتا تب تو کامل بزرگی کی بات ہوتی، سُنا آپ نے ایسے لوگ یہاں بہت آتے ہیں اب آپ ہی بتائیے کہ جو لوگ اپنے شیخ کے بارے میں اس قسم کا خیال رکھتے ہوں یہ کون لوگ ہیں؟ یہی تو پکے معتقد ہیں نا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایک تو وہ شخص ہے جس نے اس قالین کو لاکر بچھایا ہے اور ایک یہ لوگ ہیں کہ دینا دلانا تو الگ رہا شیخ کا اس پر بیٹھنا تک پسند نہیں ان دونوں میں سے مخلص کون ہے؟ یہ بحث جُدا ہے کہ شرعاً اس کا استعمال کیسا ہے؟ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ایک مرید کی عقیدت اور اس کے دعوائے محبت کا تقاضا کیا ہونا چاہئے تھا؟ باقی اگر شرعی نقطۂ نگاہ سے

اعتراض کیا ہے تو وہ بھی صحیح نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیش قیمت ہدایا آتے تھے اور آپ سے ان کا استعمال بھی ثابت ہے دلدل اور گھوڑے پر آپ برابر سوار ہوتے تھے۔ آپ نے یمنی چادر بھی زیب تن فرمائی ہے جس کی قیمت (تحجیر) چار ہزار درہم تھی۔ بزرگان دین میں سے بڑے پیر صاحب رح نے ایک بار اتنا بیش قیمت کپڑا خریدا جس کو کہ بادشاہِ وقت نے دام زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں لیا اور آپ نے خرید لیا۔ حضرت شیخ الہند رح قالین پر تشریف رکھتے تھے ایک مجذوب آئے اور آپ کے پاس اسی پر بیٹھ گئے اور کہا کہ اس پر کیوں بیٹھے ہو حضرت بھی غضب کے ذہین تھے فرمایا آپ کیوں بیٹھے ہیں کہا میں تو یوں ہی ضرورت کی وجہ سے بیٹھ گیا کہ تم سے کچھ کہنا تھا فرمایا ہم بھی ضرورتاً ہی بیٹھتے ہیں اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ نیز میں کتابوں میں دکھا سکتا ہوں کہ فقہا نے حدیث شریف سے مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ علماء کو ممتاز جگہ بیٹھنا جائز ہے جب یہ شرعاً بھی کوئی منع نہیں ہے بلکہ اس کی اجازت ہے تو پھر کسی عامی یا عالم اور مولوی کو اعتراض کرنیکا کیا حق ہے؟ جانتے ہیں آپ ایسا کیوں ہوتا ہے بات یہ ہے کہ بہت سے ایسے آنے والوں کو مجھ ہی سے حسد ہوتا ہے یہ لوگ علم دین پڑھنے پڑھانے کے باوجود اپنے نفس کے تابع اور اچھی طرح سے نفسانیت کا شکار ہوتے ہیں اور کسی عالم دین کا (خواہ وہ کیسا ہی مخلص ہو اور چاہے نفس سے بالکل چھوٹ ہی کیوں نہ چکا ہو) اتباع کرنا اور اس کے آگے جھکنا نہیں چاہتے یہ اس لئے کہ اندر اندر مجھ سے مساوات بلکہ اس سے بھی بڑھ کر افضلیت کا دعویٰ ہوتا ہے خیال کرتے ہیں کہ جس طرح سے یہ باتیں بیان کرتے ہیں ہم بھی بیان کر سکتے ہیں اور اگر اتنی استعداد اور قابلیت نہیں تو کتابیں تو موجود ہیں دیکھ کر باتیں معلوم کر سکتے ہیں مگر ان سب کے باوجود مجبور ہیں کیونکہ ان سب کی نکیل اور ان کی پیشانی کسی اور ہی کے قبضے میں ہے وہی بھیجتا ہے ورنہ اگر ان کے چاہنے پر معاملہ موقوف ہوتا تو یہاں آنا جانا تو درکنار مجھے ہی یہاں سے اُکھاڑ دئے ہوتے مگر کچھ نہیں کر سکے میں اب تک تو زندہ ہوں اب چونکہ لوگ یہاں آنے پر مجبور ہیں اس لئے آتے تو ہیں لیکن اتباع نہیں کرتے اس کی وجہ سُنئے کہ جب ایسی جگہ پہنچ کر بھی کوئی اخلاص کو نہ اختیار کرے گا بلکہ نفاق سے کام لے گا تو پھر اس کو وہاں سے یہی چیزیں اعتراض، انکار، حسد، وغیرہ مل بھی جائیں گی کیونکہ دو میں سے ایک نہ ایک تو مل کر رہے گی جی چاہے تو اخلاص اور سچائی اختیار کر کے اتباع کرے اور یا نہیں تو پھر پالیسی

اور نفاق برتے اور اعتراض وانکار وغیرہ حاصل کرے۔

ایسے ایسے منافق یہاں آتے ہیں اور کثرت سے پکڑے جاتے ہیں لیکن ظالموں پر ذرا اثر نہیں ہوتا اس قدر بے غیرت ہوجاتے ہیں چنانچہ جن صاحب کا واقعہ بیان کر رہا ہوں اگر ابھی کہلا بھیجوں کہ تم نے جو اعتراض کیا ہے وہ مجھے پہنچ گیا ہے تو آپ سے سچ کہتا ہوں ان کے پاؤں تلے کی زمین سرک جائے اور پھر یا تو صاف انکار ہی کر جائیں کہ ہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا بھلا ہم اور اعتراض کرسکتے ہیں کیونکہ ہم تو جب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اسی وقت سے تمہارے معتقد ہیں اور یا زبان سے توبہ کرنے لگ جائینگے کہ ہم توبہ کرتے ہیں ہم توبہ کرتے ہیں دل سے نہ سہی زبان ہی سے سہی۔ یہ حال ہے اور یہ سب بعینہٖ وہی طریقے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منافقین برتتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جُلاس نامی ایک شخص تھا جب منافقین کے بارے میں آیتیں نازل ہوئیں تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم اگر یہ شخص (یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہوں تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں اس کو عمیر ابن سعد نامی ایک صحابی ہیں انھوں نے سُن لیا اور جلاس سے کہا کہ دیکھو خدا جانتا ہے کہ تم سے مجھ کو بہت محبت تھی اور ہم دونوں میں اچھے تعلقات تھے لیکن اس وقت تم نے جو بات زبان سے نکالی ہے وہ بڑی سخت ہے اگر میں اس کو حضورؐ سے جاکر کہتا ہوں تو تم رسوا ہوتے ہو اور خاموش رہتا ہوں تو میری ہلاکت سامنے رکھی ہے اور یہ پہلی شق سے زیادہ ضرر رساں ہے یہ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کا مقولہ نقل کردیا جب اس سے پوچھا گیا تو صاف انکار کردیا اور قسم کھا گیا اور عمیر کی تکذیب کردی اس پر یہ آیت اتری يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ الآیۃ اسی طرح صاحب روح المعانی نے ایک اور واقعہ آیت کی شان نزول کا لکھا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صحابہ کے ہمراہ) ایک درخت کے سایہ میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ دیکھو تمہارے پاس ابھی ایک ایسا شخص آوے گا جو شیطان کی دونوں آنکھوں سے تمہاری طرف دیکھے گا (مطلب یہ تھا کہ وہ بھی شیطان من شیاطین الانس ہوگا) جب وہ آوے تو اس سے بات چیت مت کرنا اتنے میں ایک شخص نیلگوں آنکھوں والا آیا حضورؐ نے اسے اپنے پاس بلاکر پوچھا کہ تم اور تمہارے ساتھی مجھے

گالیاں کیوں دیتے ہو یہ سن کر گیا اور اپنے ساتھیوں کو بلا لایا سب نے آکر قسمیں کھانی شروع کردیں خیر حضورؐ نے انھیں معاف فرما دیا (حالانکہ حضورؐ کو علم صحیح سے معلوم ہو چکا تھا کہ ان لوگوں نے گالیاں دی ہیں مگر جب سامنے پوچھا گیا تو صاف انکار! یہی شیوہ منافقین کا ہوتا ہے انھوں نے بھی نفاقاً ایسا کیا)

بس میرا یہی جرم ہے کہ میں ان منافقین کی کوئی چال چلنے نہیں دیتا اور ان کی دال اپنے یہاں گلنے نہیں دیتا اسی لئے مجھ پر ہر جانب سے اعتراضات کی بوچھار ہے لوگ یہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں تو بہت سے عالم اور پیر ایسے ہیں جو عوام الناس سے صلح کئے ہوئے ہیں ہم تو اُن سے جو چاہتے ہیں کرا لیتے ہیں یوں گو ہم اُن کے مرید ہیں لیکن رائے وغیرہ میں وہی ہمارے تابع ہیں مگر یہ ایسے کیوں ہیں کہ ان کے یہاں ہماری بات بھی چلتی نہیں اور ہم ہی سے اتباع کا مطالبہ کیا جاتا ہے ہم مرید بھی ہیں اور اتباع بھی کریں ہدیہ بھی ہمیں دیں اور رائے بھی ہماری معتبر نہ ہو (ان جملوں سے حضرت والا کی ظرافت طبع کا اندازہ ہوتا ہے جامع) اب تو آپ لوگوں کی بھی سمجھ میں آگیا ہوگا میرا جرم بھی اور آنے جانے والوں کی مجھ سے ناراضی کا سبب بھی۔

اور اس میں شک نہیں کہ عوام کی اس قسم کی جسارت میں خود ہمارا قصور ہے کیونکہ ہم لوگوں نے عوام کو کچھ کہنا سننا بالکل ہی ترک کر دیا ہے اسی سے تو قوم کا مزاج بگڑا جب دس کو وہ ایک رنگ میں دیکھتے ہیں اور ایک کو اس سے مختلف اور اپنے نفس کے بھی خلاف تو ظاہر ہے کہ اس ایک کی بات وہ کیوں مانیں گے اور اس کو اجماع کے خلاف عمل کرنے پر کیوں نہ نشانۂ ملامت بنائیں گے۔

آج اگر سب کے سب علماء اور مشائخ اصلاح کا کام کرتے۔ لوگوں سے اخلاص کا مطالبہ کرتے اور ان کی منافقانہ حرکات پر روک ٹوک کرتے اور انھیں کی بداخلاقیوں کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیتے جس میں وہ اپنی حقیقت دیکھ لیتے تو مجال تھی کہ کوئی جاہل کسی عالم کے بارے میں لب کشائی کی جرأت کرتا مگر جب ہم نے اپنے کو اس قابل ہی نہیں رکھا کہ لوگوں کو ہم پر اعتماد ہو اور ان کے دل میں ہماری عظمت قائم ہو بلکہ ان کے محتاج ہی بنے رہے تو بھلا وہ کیوں ہماری اتباع کرنے لگے۔ اس مضمون کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے کہ یہاں بزرگی وزرگی تو تقسیم نہیں ہوتی بلکہ انسان بنایا جاتا ہے لہٰذا جس کو انسان بننا ہو وہ تو یہاں آوے اور جس کو بزرگ

بننا ہے تو وہ کہیں اور جاوے۔
علیٰ ہذا میں بھی یہی کہتا ہوں کہ میرے یہاں کا سب سے بڑا وظیفہ اخلاص ہے اسے پیدا کیجئے یہ حاصل ہو جائے تو سمجھئے کہ سب کچھ حاصل ہو گیا اور اگر یہی نہیں ہوا تو سب کچھ حاصل ہونے پر بھی کچھ حاصل نہیں۔

(۹۲ ملفوظ) لوگ کہتے ہیں کہ اپنے عیوب سمجھ میں نہیں آتے تو میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ اچھا یہ بتاؤ کہ ہم لوگوں کے عیوب بھی تمہاری سمجھ میں آتے ہیں یا نہیں اس پر خاموش ہو جاتے ہیں کیونکہ دوسروں کے عیوب تو سمجھ میں آویں اور اپنے نہ آویں یہ بات عقل کے خلاف ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کو اپنے عیوب سے محبت ہوتی ہے اس لئے وہ نہیں معلوم ہوتے ہیں اور دوسروں کے عیوب کو ہر شخص بُرا سمجھتا ہے اس لئے نظر آتے ہیں عورتوں کو اپنے بچے کے گوہ میں بدبو نہیں معلوم ہوتی اور دوسروں کے بچے کی گندگی بہت بری لگتی ہے اور اس سے بہت گھن آتی ہے۔

(۹۳ ملفوظ) بزرگوں نے لکھا ہے کہ جو شخص گناہ کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے چھوڑے وہ تائب ہے اور جو حیا رخداوندی کی وجہ سے چھوڑے وہ منیب ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت کی وجہ سے معصیت ترک کرے وہ اَوّاہ ہے

(۹۴ ملفوظ) شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفہیمات میں لکھا ہے کہ شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ جس طرح توحید میں وسوسہ ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہٹاتا جاتا ہے اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی وساوس ڈالتا ہے اور شیخ جو کہ نائب رسول ہے اس کے متعلق بھی وساوس ڈالتا ہے یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو مقصود ہیں ادھر سے تو ہٹانا ہی چاہتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخ بھی چونکہ مقصود کا ذریعہ ہیں اس لئے ان سے بھی ہٹانا چاہتا ہے لہٰذا جب شیخ کے خلاف کوئی وسوسہ آئے تو سمجھ لیا جائے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔

(۹۵) ایک عورت نے لکھا کہ پاس پڑوس کی عورتیں آجاتی ہیں تو غیبت سنتی ہوں اور کر بھی لیتی ہوں لیکن جب وہ چلی جاتی ہیں تو افسوس ہوتا ہے حضرت نے انکو لکھا کہ غیبت مت سنا کرو اور دوسروں کی باتیں مت کیا کرو اور فرمایا کہ یہ بعد کو جو غم ہوتا ہے یہی نفس لوامہ ہے بسا غنیمت ہے یہی بڑھتے بڑھتے مطمئنہ بن جاتا ہے جب معصیت کی برائی اچھی طرح راسخ ہو جاتی ہے تو وہ چھوٹ

بھی جاتی ہے۔کسی چیز کا غم اوّل پیدا ہوتا ہے اس کے بعد وہ شے حاصل ہوتی ہے اسی غم کو پیدا کرنے کیلئے مشائخ تنبیہ وغیرہ کرتے ہیں۔کیونکہ لوگوں میں بیفکری تو حد سے بڑھی ہوئی ہے اسی لئے وہ کامیاب نہیں ہوتے کم فہم لوگ اس کو نہیں سمجھتے۔

(۹۶)۔ حضرت مولٰنا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلفا میں سے بعض حضرات کو "مجاز صحبت" بنایا ہے۔بہت دنوں تک میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ حضرت رح کا تفقہ ہے اور حضرت رح اس میں متفرد ہیں۔لیکن بعد میں ایک معتبر ذریعہ سے مجھے علم ہوا کہ حضرت مولٰنا رائپوری رح نے بھی اپنے لوگوں میں سے بعض کو مجاز صحبت بنایا ہے جس سے حضرت کے فعل کی تائید دیکھ کر بڑی بصیرت ہوئی اور عقیدت میں اضافہ ہوا اس کے بعد متقدمین کے کلام میں بھی یہ پایا گیا پھر تو کمال مسرت اور عقیدت ہوئی اور سمجھ میں آیا کہ مشائخ کا یہ دستور قدیم سے ہے۔یہاں شاہ فقیر اللہ صاحب علوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات اور امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کی عبارات بعینہٖ درج کی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کو مزید بصیرت کا سبب بنے:۔ ا۔ شاہ فقیر اللہ رح صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

از حضرت خواجہ یحییٰ بن خواجہ عُبید اللہ احرار منقول است ''اہل تصرف بر انواع اند بعضے از آں قبیلہ اند کہ ماذون و مختار اند باذنِ حضرت حق تعالیٰ و باختیارِ خود ہر گاہ کہ خواہند در شخصے تصرف می کنند و اورا بفنا و بیخودی می رسانند۔بعضے آنانند کہ باوجودِ قوتِ تصرف، جز بامرِ غیبی تصرف نمی کنند تا از پیشگاہ حق مامور نشوند۔و بعضے دیگر کسانے اند کہ گاہ گاہ صفتے و حالتے بر ایشاں غالب شود در حینِ غلبۂ آں حال، در باطنِ مریداں تصرف می کنند۔و از حال، ایشاں را متاثر می سازند۔پس کسے کہ نہ مختار و نہ ماذون و نہ مغلوب، از وے چشم تصرف نباید داشت'' انتہیٰ

ایں اہل تصرف کہ حضرت خواجہ فرمودہ اند ہمہ ایشاں صاحب تکمیل نیستند۔چہ مجذوبِ سالک چوں در مقام قلب تمکین و رسوخ پیدا کند۔صحوے و معرفتے کہ مناسب آں مقام است اورا میسر شود طالبان را فوائد تواند رسانید در صحبتِ وے انجذاب

حضرت خواجہ یحییٰ بن خواجہ عبید اللہ احرار سے منقول ہے کہ اہل تصرف بزرگ کئی قسم کے ہوتے ہیں بعض ماذون و مختار ہوتے ہیں کہ خدا کی اجازت سے اور اپنے اختیار سے جب بھی چاہتے ہیں کسی میں تصرف کر کے اسے فنا و بیخودی کے درجہ کو پہنچا دیتے ہیں۔بعض وہ ہیں کہ تصرف کی قوت تو رکھتے ہیں پھر بھی جب تک دربار حق سے حکم نہیں پاتے بغیر حکم غیبی کے تصرف نہیں کرتے۔اور بعض وہ ہیں کہ کبھی کبھی ان کوئی صفت و حالت غالب آجاتی ہے۔اس حالت کے غلبہ کے وقت مریدوں کے باطن میں تصرف کرتے ہیں اور اپنے حال سے دوسروں پر اثر ڈالتے ہیں۔ لہٰذا ان تینوں کے علاوہ کسی سے تصرف کی اُمید نہ رکھنا چاہئے۔

یہ اہل تصرف جن کا ذکر حضرت خواجہ نے کیا ہے سب صاحب تکمیل نہیں ہیں بلکہ خود بھی کامل نہیں ہیں کیونکہ سالک جس کو جذب حاصل ہو جب مقام قلب میں تمکین اور رسوخ حاصل کر لیتا ہے تو اس مقام کے مناسب ایک خاص قسم کی معرفت اور بیداری اسے میسر ہو جاتی ہے

مر طالبان را حاصل می شود اما نیل کمال باآں مربوط نیست مگر درصحبتِ صاحب کمالے کہ مرجوع باشد۔ صحبتِ وے اثر قوی دارد و بفنا مشرف سازد کہ عقبِ وے بقا است چوں پارس وآہن کہ بہم نزدیک شوند آہن را صفتِ طلا می دہد۔ و مجذوب کامل مکمل کہ صحوے پیدا کردہ است ہرچند جذب قوی درصحبتِ وے حاصل می گردد موجبِ کمال نیست۔ ازینجا لائح میگردد کہ در سیرِ سلوک، مقتدا کسے باید کہ منتہی مرجوع باشد نہ مجذوب غیر منتہی۔ و مجذوب را مشائخ، جہتِ افادہ دریں باب نصب می کنند۔ چوں وے از رزائلِ اخلاقِ نفس، خلاصی حاصل نکردہ است لہٰذا چوں طالبان کہ استعدادِ تام وقابلیتِ تامِ فنا وبقا داشتہ باشند۔ درصحبتِ وے درآیند۔ اگر بعد از حصولِ جذبہ کہ از مجذوب، مترصّد است ایشاں را رخصت نکنند و او بخدمتِ شیخ دیگر کہ کامل ومکمل باشد درنیابد۔ احتمالِ فسادِ استعداد وے است۔ اگر باذنِ خود آں طالب را رخصت کند بہتر۔ و اِلّا غیر از رخصت، بخدمتِ مکمل، شدن وِزرے ندارد بلکہ بہتر است و اِلّا مثل وے ناقص خواہد شد۔ پس ہرکہ از شیخ ماذون بود و صاحبِ تصرف بودہ باشد زعمِ کمال و تکمیلِ خود نکند۔ چہ مشائخ کرام چوں در زمانہ فسادے می بینند و گمراہی وضلالت را در عالم بسیار غالب مشاہدہ می نمایند۔ بعضے مریداں را کہ صاحبِ جذبہ اند، اجازت می دہند تا مرداں را براہِ حق خوانند تا بحصولِ جذبہ از ناشائستہ باز مانند۔ فقط ایں جذبہ موجب فنا وبقا نیست اِلّا ماشاء اللہ۔ پس ماذون را باید کہ او را رخصت دہد تا مناسبِ استعدادِ خود از دیگرے کہ مکمل باشد استفادہ نماید" انتہی مکتوب ۵۲ صفحہ ۲۴۵۔

کہ طالبین کو فائدے پہنچا سکتا ہے اور اس کی صحبت میں طالبین کو ایک کشش سی حاصل ہوتی ہے لیکن کمال کا حاصل ہونا اس سے وابستہ نہیں۔ ہاں اُس صاحب کمال کی صحبت جو مرجوع ہو چکا ہو (یعنی جسے فنا کے بعد بقا مل چکی ہو) اثر قوی رکھتی ہے اور وہی (دوسروں کو) فنا سے مشرف کرتی ہے جس کے بعد بقا ہے اس کی مثال پارس پتھر اور لوہے کی سی ہے کہ دونوں جیسے ہی ملیں گے وہ پتھر لوہے کو سونے کا وصف دیدے گا۔ رہا صاحب جذبہ غیر کامل غیر مکمل جس نے کچھ بیداری بھی پیدا کرلی ہے۔ چاہے اس کی صحبت میں کتنا ہی جذب قوی حاصل ہو جائے وہ موجب کمال نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیر سلوک میں مقتدا اسکو بنانا چاہیئے جسے فنا وبقا حاصل ہو۔ غیر منتہی صاحب جذبہ کو ہرگز نہ بنانا چاہئے۔ حضرات مشائخ کبھی صاحب جذبہ کو بھی فائدہ پہنچانے کیلئے اس کام پر مقرر فرماتے (اور اجازت دیتے) ہیں چونکہ اُس نے ابھی نفس کے بُرے اخلاق سے رہائی نہیں پائی ہے لہٰذا جب ایسا طالب جو پوری استعداد اور فنا وبقا کی پوری صلاحیت رکھتا ہو اس کی صحبت میں آئے تو اگر اُس جذبہ کے پیدا ہونے کے بعد جسکی توقع صاحب جذبہ سے کی گئی تھی وہ اس طالب کو اپنے پاس سے رخصت نہ کردے اور وہ طالب کسی دوسرے کامل اور کامل گر شیخ کی خدمت میں نہ چلا جائے تو احتمال ہے کہ ایسے طالب کی استعداد ہی فاسد ہو جائے اگر وہ (صاحب جذبہ سالک) خود ہی ایسے طالب کو اپنے پاس سے کہیں روانہ کردے تو بہتر ہے ورنہ اس طالب کو چاہیئے کہ اجازت کے بغیر ہی کسی کامل شیخ کے پاس چلا جائے اس میں اس پر کوئی گناہ والزام نہیں بلکہ یہی بہتر ہے ورنہ یہ طالب بھی اس کی طرح ناقص ہی رہ جائے گا پس جو شخص کسی شیخ سے اجازت پائے اور صاحب تصرف بھی ہو اُسے "اپنے کامل ہونے کا یا دوسروں کو کامل بنا سکنے کا" زعم وپندار نہ کرنا چاہیئے کیونکہ مشائخ کرام جب زمانہ میں فساد پھیلا دیکھتے ہیں اور دنیا میں گمراہی کی زیادتی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اپنے

اپنے بعض مریدین کو جو کچھ جذبہ والے ہیں اجازت دیدیتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ کی طرف بلائیں تاکہ وہ لوگ بھی جذبہ حاصل کرکے نامناسب باتوں سے بچ سکیں۔ (مگر) صرف یہ جذبہ فنا و بقا کا موجب نہیں بن سکتا اِلّا ماشاء اللہ۔ پس اجازت یافتہ کو چاہئے کہ اس طالب کو (کہیں اور جانے کی) اجازت دیدے تاکہ وہ اپنی استعداد کے مناسب دوسرے کسی کامل گر شیخ سے استفادہ کرسکے

۲۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"اکابر طریقت قدس اللہ اسرارہم بعضے از مریدانِ خود را بملاحظۂ بعضے از مصالح، پیش ازانکہ بمقام شیخی برسند نوعے از اجازت می دہند و نوعے از تجویز می فرمایند کہ بطالبان تعلیم طریقت نمایند و بر احوال و واقعات مطلع گردند دریں نوع تجویز، بر شیخ مقتدا لازم است کہ آں مریدانِ مُجاز را امر بہ احتیاط دریں کار فرماید بتاکید موادِ غلط را وانماید و بتکرار بر نقصِ آنہا اطلاع بخشد و بہ مبالغہ ناتمامی آنہا را ظاہر سازد و دریں صورت اگر شیخ در اظہار حق مساہلہ نماید خائن باشد و اگر مرید را بد آید بے دولت بود نگر نمی داند کہ رضائے حق جل وعلا منوط بہ رضائے شیخ است و سخط او تعالیٰ مربوط بسخطِ او" انتہیٰ

مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۲۴ صفحہ ۱۳ ج ۲)

طریقت کے بہت سے بزرگ (اللہ ان کے اسرار کو پاک رکھے) بعض مصلحتوں کے پیش نظر اپنے بعض مریدوں کو قبل اس کے کہ وہ شیخ کے درجہ تک پہنچیں "ایک طرح کی اجازت" دیدیتے ہیں اور ایک طرح سے (اسے) جائز رکھتے ہیں کہ (وہ مرید بھی) طالبوں کو طریقت کی تعلیم کرنے لگیں اور (خود ان طالبوں کے) حالات و واقعات سے واقف ہوتے رہیں۔ اس طرح کی تجویز کے وقت میں شیخ مقتدا پر یہ بھی لازم ہے کہ ان مریدوں کو جنھیں اجازت دی ہے حکم دیں کہ اس کام (تعلیم طریقت) میں وہ ذرا احتیاط کرتے رہیں اور شیخ مقتدا نہایت تاکید سے (اسکی) غلطیوں کو صاف صاف بتاتا رہے اور بار بار ان کو ان کی خامیوں پر آگاہ و متنبہ کرتا رہے اور مبالغہ کر کرکے ان کے نقص اور ناتمامی کو ظاہر کرتا رہے۔ اس صورت میں اگر شیخ حق کے ظاہر کرنے میں سہل انکاری کریگا تو وہ خائن ہے اور اگر اس مرید (مجاز) کو یہ تنبیہ بُری لگے تو وہ محروم و بدنصیب ہے۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ حق جل وعلا کی خوشنودی، شیخ کی خوشنودی سے اور حق تعالیٰ کی ناخوشی شیخ کی ناخوشی سے بندھی ہے۔"

۳۔ یہی مجدد صاحب اگلے مکتوب ۲۲۵ میں اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں :۔

..... جمعے را کہ اجازت دادہ اند بملایمت معقول آنہا سازند کہ ایں نوع اجازت مبنی بر کمال نیست"

مکتوبات ص ۱۴

.... اور تم نے جن جن مریدوں کو اجازت (تعلیم طریق) کی دی ہے ذرا نرمی اور خوبی سے ان کے ذہن نشین کرادو کہ اس قسم کی اجازت کی بنا تمہارا کامل ہو جانا نہیں ہے۔

(۹۷۔ مضمون) ہمارا کام آج اس لئے خراب ہوا کہ ہم میں کوئی تنظیم نہیں۔ ہمارا کلمہ مجتمع نہیں ہر شخص اپنی رائے (متعلق تنظیم) میں آزاد ہے۔ کوئی کسی کی اتباع نہیں کرنا چاہتا۔ غیروں کو جانے دیجئے خود مریدین کو دیکھئے کہ اپنے مشائخ کی

کامل اتباع نہیں کرتے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ جب کوئی مرید ہی اپنے شیخ کی بات نہ مانے گا تو اس کی آوازیں کیا قوت اور اس کے فعل میں کیا اثر ہوگا۔ لوگ اس بات کو تو دیکھتے نہیں اور کام بھی چاہتے ہیں۔ کسی کام کے جو اصول و شرائط ہیں انھیں اختیار نہیں کیا جاتا تو پھر کام ہو تو کیسے ہو؟ حدیث شریف میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیعت کا تذکرہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات بیعت کے معنیٰ کامل جوانگی کے سمجھتے تھے اور اس کے بعد پھر اپنی رائے اور اپنے ارادہ کا نام تک نہ لیتے تھے۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ (آپ کی تمام باتیں) سُنیں گے اور آپ کی اطاعت کریں گے تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی۔ نشاط والے امور میں بھی اور ان امور میں بھی جو نفس پر شاق ہوں اور اس بات پر بھی کہ اگر کسی امر میں (مثلاً تقسیم غنائم یا تفویضِ مناصب میں) ہمارے غیر کو ہم پر ترجیح دی جائے گی تو ہم کو کوئی ناگواری نہ ہوگی (یعنی ہم دل سے اس پر راضی رہیں گے) اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم کسی معاملہ میں اس کے اہل سے منازعت نہ کریں گے اور جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں گے"۔

آج اپنا حال دیکھئے کہ شیخ اگر کوئی کام کسی کے حوالے کر دے تو دوسروں کو اس شخص پر تو حسد اور شیخ کے فعل پر دل دل میں انکار ہوتا ہے تنظیم کا جو پہلا زینہ ہے وہی درست نہیں ہے۔

(۹۹۔ مضمون) آج مسلمانوں کا کام اس لئے بھی خراب ہو رہا ہے کہ لوگ مل جُل کر کام نہیں کرتے اور اگر کوئی شخص کوئی کام اُٹھاتا ہے تو دوسرے لوگ اس کی پوری طرح اعانت نہیں کرتے اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں خلوص تو ہوتا نہیں۔ دیکھتے ہیں کہ کام ہم کرتے ہیں اور نام دوسرے کا ہوتا ہے اس لئے علیٰحدہ رہتے ہیں اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی ایسے مقام پر کسی ایسے شخص سے کام ہو رہا ہو جو وہاں کا باشندہ نہیں ہے تو وہاں کسی شخص میں حرکت ہوتی ہے کہ میرے یہاں یہ اپنا اثر پیدا کرلیں اور میں مُنہ دیکھتا رہ جاؤں اس لئے اس کا اثر زائل کرنے کے لئے خفیہ ریشہ دوانی شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے کبھی ان کو اس کی ہوس بھی دل میں نہیں گذرتی اگر اخلاص ہوتا تو سوچتے کہ مقصود کام ہے نہ کہ نام۔ اور یہ تو بہت اچھا ہے کہ کام میں ہماری شرکت ہو اور نام نہ ہو۔ ہم اس کی وجہ سے ریا و نمود سے بچ جائیں گے ہمارے اجر میں اضافہ ہوگا اور جس کا نام ہو رہا ہے وہ تو آزمائش میں پڑ گیا اگر اپنے کو نہ سنبھالا تو اجر سب برباد ہو جائے گا اور نام و نمود کا جو وبال ہوگا وہ الگ رہا۔

ایک وجہ لوگوں کے اعانت نہ کرنے کی یہ بھی ہوتی ہے کہ ان کو کام کرنے والوں سے حسد ہو جاتا ہے اور

وجہ اس کی اوپر گذر چکی ہے یہی ان کو حمایت سے باز رکھتا ہے۔

(۱۰۰ مضمون) مسلمانوں کی حالت جو آج درست نہیں ہو رہی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہر بستی، ہر گاؤں ہر قصبہ اور ہر شہر میں کچھ اہل علم حضرات یا چودھری صاحبان یا (وکیل اور طبیب صاحبان ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں کا ہر ایک طالب جاہ ہوتا ہے اور ان میں آپس میں اقتدار کی لڑائی ٹھنی رہتی ہے۔ رہے بیچارے عوام الناس تو ان میں سے جس کسی کو جس سے عقیدت اور مناسبت ہوتی ہے اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اس طور پر ساری قوم ٹولیوں ٹولیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور ان کے اتفاق و اتحاد کا شیرازہ بالکل منتشر ہو جاتا ہے پھر کوئی کام سکون و اطمینان کے ساتھ نہیں ہو پاتا۔ اس خرابی کی اصلاح کی یہی صورت ہے کہ پہلے ان مقتداؤں میں اتفاق ہو اور ایک دوسرے کی شکایت نہ کرے اور اپنے معتقدین سے نہ دوسروں کی شکایت کرے اور نہ ان سے دوسروں کے معتقد فیہ کی شکایت سنے اور اگر کوئی کسی کی شکایت کرے تو سختی سے زجر کرے بلکہ اسکو اپنے یہاں سے نکال دے۔

(۴) ایک خرابی آج مسلمانوں میں یہ ہوگئی ہے کہ لوگ ٹولی ٹولی میں تقسیم ہو گئے ہیں اور ہر شخص اپنی ٹولی کو بڑھانا چاہتا ہے یہ چیز نہ صرف یہ کہ عوام ہی میں پائی جاتی ہے بلکہ ان سے متجاوز ہو کر مدارس اور خانقاہ تک میں بھی موجود ہے۔ اب لوگ مشائخ کے یہاں بھی جاتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ ان کا اتباع کریں گے بلکہ اس لئے کہ شیخ کو بھی اپنی ٹولی میں شامل کرنا چاہتے ہیں الا ماشاء اللہ چاہتے یہ ہیں کہ مشائخ ہمارا اتباع کریں اور ہم ان کی اتباع نہ کریں۔

(۵) اس زمانہ میں عام طور پر دیکھا جا رہا ہے (اور اس میں ذرا بھی شک نہیں) کہ بعض لوگوں کو اپنے مقتداؤں پر اعتماد کم ہوتا ہے اور اعتماد کی کمی اعتقاد کی کمی سے ہوتی ہے رائے میں، دیانت میں اور مسلمانوں کی بہبودی پیش نظر رکھنے میں ان کو اپنے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ فواویلاہ و یاحسرتاہ

نیز اس زمانہ میں سب سے اہم مسئلہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کا ہے سب سے اہم چیز یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے اور اسکے باقی رکھنے کی کوشش کی جائے اور یہ صرف اسی طور پر ہو سکتا ہے کہ دوسروں کی نسبت حسن ظن رکھا جائے اور زبان بند رکھی جائے اور طعن و تشنیع اعتراض و انکار اور سب و شتم سے غایت درجہ اجتناب کیا جائے بالخصوص مجالس و محافل میں لیکن آج ہم ان دونوں امر کے شکار ہیں

(۶) آج مسلمانوں کی زندگی کا نہ کوئی اصول رہ گیا ہے نہ کوئی نظام اور نہ کوئی نصب العین ہی ہے اس لئے وہ اِدھر اُدھر دوسری جماعتوں میں داخل ہوتے پھرتے ہیں ان کو اپنے گھر کی بھی خبر نہیں ہے

یک سبد پُرنان ترا بر فرقِ سر   تو ہمی جوئی لبِ ناں در بدر

قاعدہ ہے کہ جس شخص کی اپنے گھر عزت ہوتی ہے تو وہ جہاں بھی جاتا ہے معزز بھی ہوتا ہے اور جس کی خود اپنے گھر ہی عزت نہ ہوئی وہ ہر جگہ ذلیل وخوار رہتا ہے ۔ دیکھئے جو شخص اپنے گھر کا رئیس ہوتا ہے جہاں جاتا ہے اس کی خاطر تواضع کی جاتی ہے اور فقیر در در گھومتا ہے مگر کوئی ایک ٹکڑے روٹی کو بھی نہیں پوچھتا ۔ اسی طرح آج مسلمانوں کا حال ہے کہ اپنے دین و مذہب سے بالکل غافل ہیں اس لئے کہیں بھی اُن کی قدر نہیں ہے ؎

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت   بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اگر دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوتے تو جہاں کہیں جاتے ان کی عزت ہوتی ۔

(۱۰۵ ۔ نوجوانوں کو معاملات اور اخلاق کی درستی کی طرف متوجہ کرنا چاہئے اور اس کی نگرانی رکھنا چاہئے آج سب سے اہم چیز معاملات کی اصلاح ہے ۔ کیونکہ سارے جھگڑے اسی فساد (بدمعاملگی) سے پیدا ہو رہے ہیں لیکن معاملات سے بھی اہم اخلاق کی اصلاح ہے اس لئے کہ اخلاق کی اصلاح کی صورت میں بدمعاملگی کی نوبت ہی نہ آئے گی کیونکہ بداخلاقی ہی کی فرع بدمعاملگی ہے (جب اصل ہی موجود نہ ہوگی تو فرع کا تحقق کیونکر ہوگا) ۔

(۱۰۶ ۔ اہل اسلام کو چاہئے کہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کریں اور ہر شخص کے ذمہ لازم کر دیں کہ وہ اپنے بچوں کو اتنی مقدار میں تعلیمِ دین ضرور دلائے جس سے وہ اپنی آئندہ زندگی میں اپنے دین و ایمان سے ناواقف نہ رہیں اور جو بچے دنیوی تعلیم مثلاً (انگریزی یا ہندی) حاصل کر رہے ہیں ان کے لئے بھی اُن کے اوقات تعلیم کے علاوہ کوئی وقت مقرر کیا جائے جس میں وہ دین سیکھیں ۔

(۱۰۷ ۔ میں عام لوگوں کو جو مجلس میں نہیں بیٹھنے دیتا تو اس لئے کہ یہ سمجھ چکا ہوں کہ یہ عمل کا وقت نہیں ہے اس وقت لوگوں کو صرف مجلس مقصود ہوگئی ہے جب سے یہ قاعدہ مقرر کیا تو دیکھا کہ لوگ اسی مجلس میں بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں اور سب یہی چاہتے ہیں کہ اس میں گھسیں اس کی وجہ اب تک تو اپنے ذہن میں یہ تجویز کئے ہوئے تھا کہ اتنی سختی اور ممانعت کے باوجود لوگوں کو جو اسی مجلس میں شرکت پر اصرار ہے تو اس لئے کہ ان کو عار آتی ہے اور نہ شریک

ہونے میں اپنی ہیٹی محسوس کرتے ہیں خیال کرتے ہیں کہ ہم کو کم سمجھا گیا اور دوسروں کو ہم سے اچھا جانا اسی لئے ان کو تو بلالیا اور ہم کو نہیں اجازت دی اور لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ سب لوگ جاتے ہیں اور یہ نہیں جانے پاتے تو اُن کے سامنے بڑی کرکری ہوگی اور سب کی نظروں سے گر جائیں گے یہ تو بڑی توہین کی بات ہے لہٰذا جس طرح بن پڑے اس ننگ و عار کو اپنے سے دفع کرنا چاہئے اور مجلس میں شریک ہونا چاہئے۔ اسی لئے شرکت کے لئے زور لگاتے ہیں" یہ وجہ میں اپنے طور پر سمجھے ہوئے تھا لیکن ایک دن ایک صاحب آئے جن میں ابھی طریق کی پوری طلب تو پیدا ہوئی نہیں ہے لیکن اچھے آدمی ہیں ان سے اسی کے متعلق گفتگو کر رہا تھا اور اپنی سوچی ہوئی وجہ ہی بیان کر رہا تھا جب مجھ سے سُن چکے تو خود بھی کھلے اور کہا کہ ہاں لوگوں کو تو یہ خیال ہوتا ہے کہ جن کو مجلس میں بلایا جاتا ہے شاید وہ آپ کی باتیں دوسروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ سمجھتے ہوں گے اور جن کو اجازت نہیں دی جاتی تو اس لئے کہ وہ لوگ یہاں کی باتیں نہیں سمجھ سکتے لیکن لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ مجلس میں شرکت کی اجازت ملنے یا نہ ملنے کا سبب باتوں کا سمجھنا یا نہ سمجھنا نہیں ہوسکتا بلکہ میں جو وجہ سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ آپ آنے والوں سے عمل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مجلس میں شرکت کی اجازت یا عدم اجازت کا مدار لوگوں میں عمل پر ہے جب یہ بات سمجھ میں آئی تو معلوم ہوا کہ واقعی یہ اصول تو نہایت ہی مناسب بلکہ ضروری ہے میں نے جب یہ سب سُنا تو کہا کہ لو بھائی مجھکو ان کے ذریعہ سے ایک علم حاصل ہوا وہ یہ کہ لوگوں کے مجلس میں آنے پر اصرار کرنے کی ایک اور بھی وجہ معلوم ہوگئی جو اپنی سمجھی ہوئی وجہ کے علاوہ ہے وہ یہ کہ یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ مجلس میں آنے کی اجازت نہ دینا گویا مرادف ہے اس کے کہ تم بدفہم ہو یہاں بیٹھنے کے اہل نہیں ہو اور یہ کسی کو گوارا نہیں کہ لوگ اس کو بدفہم سمجھیں اس لئے اپنے سے یہ الزام اُٹھانے کیلئے یہاں آنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ عمل کا مطالبہ ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ لوگ پوری طرح باتوں کو سمجھتے نہیں۔

(۱۰۸)۔ آج جتنے یہ شریف لوگ ہیں وہ سب تو ہوگئے ہیں دنی اور طبیعت میں اُن کے دنائت آگئی ہے۔ اُن کے اعمال و افعال (خاندانی) کو دیکھئے تو بالکل کمینے لوگوں جیسے ہوگئے ہیں لیکن اپنی برائیوں کو شرافت کے پردہ میں چھپانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی ان کے افعال پر اعتراض کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم فلاں ہیں اس طرح اپنے اعمال کی شناعت پر شرافت کا پردہ ڈالنا چاہتے ہیں یہ بالکل ایسا ہی

ہے جیسے کوئی شخص غلیظ کو چاندی کے ورق سے پوشیدہ کر دے لیکن ظالم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ جب ہمارے افعال و اخلاق ہی دنی اور کمینے ہیں تو ذاتی (نسبی) شرافت کس کام کی؟ یہ بات اگر سمجھ میں آجائے تب تو کام ہی بن جائے اپنی شرافت کی لاج رکھنے کے لئے اور اس کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے بہت سی برائیوں سے بچ جائیں لیکن بات یہ ہے کہ یہ ہیں ہشیار لوگ۔ دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اپنے افعال و خواہشات میں نفس کی پیروی کریں اور لوگوں سے اس کی بھی ہوس ہے کہ ہم کو شریف ہی سمجھے جائیں۔ میں نے اپنے کانوں سے حضرت رح سے سُنا ہے فرماتے تھے کہ جو لوگ شریف ہوتے ہیں ان کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں۔

(۱۰۹)۔ میں تو اپنے یہاں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں کے زمینداروں نے اپنے اسامیوں کے سارے اخلاق لے لئے ہیں اور بالکل انھیں کی طرح ہو گئے ہیں۔ اُن چُھٹ بھیّوں (رعایا) نے تو ان کا ذرا بھی اثر قبول نہیں کیا اور نہ ان کا کوئی خلق اپنے اندر پیدا کیا لیکن انھوں نے اُن کی بداخلاقیوں سے پورا پورا اثر قبول کیا اور بالکل انھیں کے رنگ میں رنگ گئے۔ جب کوئی طبقہ اپنے کو اس درجہ گرا دے گا تو ظاہر ہے کہ اس کا لازمی نتیجہ ذلت و بے قدری ہی ہے مگر حال یہ ہے کہ اینٹھ اب بھی وہی ہے گھر میں کھانے کو نہیں ہے دو پیسہ کو بھی کوئی پوچھنے والا نہیں، اعتبار کھو چکے ہیں دوکان سے دو پیسہ کا نمک قرض لینے جائیں تو ملنا مشکل ہے لیکن اپنی اس زبوں حالی کا احساس تک باقی نہیں ہے اور احساس تو کیا ہوتا اس ذلت کو عزت سمجھ رہے ہیں۔ علماء و مشائخ سے تکبر بدستور موجود ہے۔ دین اختیار کرنا اب بھی ان کے لئے موت ہے۔

(۱۱۰)۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ تارک الورد ملعون یعنی جو شخص اپنا ورد ترک کر دے وہ ملعون ہے کیونکہ ابتداء ہی سے زیادہ نوافل یا کسی اوراد کا نہ پڑھنا اتنا مضر نہیں ہوتا جتنا کہ پڑھتے پڑھتے چھوڑ دینا یہ تو بہت ہی برا ہے ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ کو بغض ہو جاتا ہے اور اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ یہ شخص بالکل نکما ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر اس سے نہ دین ہی سپڑتا ہے اور نہ دُنیا ہی کا کوئی کام ہوتا ہے۔ اسی لئے آدمی کو چاہئے کہ تہجد یا کوئی وظیفہ وغیرہ یا تو شروع نہ کرے اور اگر شروع کرتا ہے تو اس نیت سے کرے کہ آخر عمر تک اس پر قائم رہے گا ورنہ نحوست چھا جائے گی۔

طبقات کبریٰ (ص ۱۴۲) میں ہے کہ ما قطع مُریدٌ وِرداً یوماً الا قطع اللّٰہ عنہ الامداد ذالک الیوم یعنی کوئی مرید اپنے کسی دن کا وظیفہ نہیں ترک کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے اس دن کی امداد منقطع فرما لیتے ہیں۔

(۹۶)۔ ایک تو ہوتا ہے خدا پرست اور ایک ہوتا ہے عبادت پرست۔ خدا پرست کو عابد پارسا کہتے ہیں اور عبادت پرست کو عابد ناپارسا کہا جاتا ہے۔ عبادت پرستی یہ ہے کہ نظر اپنی طاعت پر ہوجائے اور انسان یہ سمجھے کہ ہم اپنی قوت بازو اور طاعت سے آخرت کی کامیابی حاصل کرلیں گے حق تعالیٰ کے فضل و کرم کی جانب کچھ التفات نہ ہو۔ ایسے شخص کو اپنی عبادت پر غرّہ اور اپنی طاعت پر ناز ہوجاتا ہے اور یہ نہایت ہی خطرناک شے ہے شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رح معدن المعانی میں فرماتے ہیں کہ بعضے عرفا، کامل کو انتہا سلوک میں جب اپنی عبادت و تقویٰ پر نظر پڑتی ہے (یعنی عجب پیدا ہوجاتا ہے تو) وہ عجب اصل (یعنی حق) کے مشاہدہ سے باعث حجاب ہوجاتا ہے اور اکثر تو اسی مرتبہ میں رہ جاتے ہیں (آگے ترقی نہیں کرتے) لیکن عاشقانِ صادق و شاہبازان جانباز اس کو بت سمجھ کر بے اختیار ایسے ملامت کے کاموں میں خود کو ڈال دیتے ہیں تاکہ نظر عبادت اور تقویٰ سے بالکل اُٹھ جائے اور وہ عجب جو کہ ان کے لئے حجاب راہ ہوگیا تھا معدوم ہوجاوے اور مطلوب ظاہر ہوجائے۔"

پھر کبھی خرابی کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان اس کی وجہ سے دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور عجب کے ساتھ ساتھ کبر کا بھی شکار ہوجاتا ہے یہ حالت پہلی سے زیادہ خطرناک بلکہ مہلک ہوتی ہے اور اس کا انجام بدجہنم ہوتا ہے۔

بوستاں میں شیخ سعدی رح نے عابد ناپارسا کی ایک حکایت لکھی ہے جو اپنی طاعت پر مغرور ہوکر ایک گنہگار کو حقیر سمجھتا تھا اور وہ گنہگار بیچارہ اپنے گناہوں کی وجہ سے شرمسار رہتا تھا اس کی ندامت نے اس کو بخشوادیا اور اُس کے عجب و تکبر کی وجہ سے اسے دوزخ میں ڈالا گیا۔ شیخ نے حکایت یہ بیان کی ہے۔

شنیدستم از راویانِ کلام ، کہ در عہد عیسیٰ علیہ السلام

یکے زندگانی تلف کردہ بود . بجہل و ضلالت سرآوردہ بود

دلیرے سیہ نامۂ سخت دل | ز ناپاکی ابلیس از وے خجل
بسر بردہ ایام بے حاصلے | نیا سودہ تا بودہ از وے دلے

(ترجمہ) اہل تاریخ سے میں نے سنا ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک شخص تھا جس نے اپنی زندگانی برباد کر رکھی تھی یعنی جہالت اور گمراہی میں تمام عمر گذار دی تھی نہایت ہی جری اور بیباک، اعمال نامہ اس کا بالکل ہی سیاہ، اور قاسی القلب تھا ایسا کہ اس کی ناپاکی کے آگے ابلیس بھی شرمندہ تھا۔ اپنا سارا زمانہ یوں ہی بیکار ضائع کر دیا تھا اور پیدائش کے وقت سے لے کر اب تک ایک شخص کو بھی اپنی ذات سے راحت و آرام نہ پہنچایا تھا۔ اسی طرح اس کے اوصاف بیان کرتے کرتے فرماتے ہیں کہ

سیہ نامہ چنداں تنعم براند | کہ در نامہ جائے نبشتن نماند
گنہگار و خود رائے و شہوت پرست | بغفلت شب و روز مخمور و مست

(ترجمہ) اس بدبخت نے اس قدر شہوت رانی اور تن پروری کی تھی کہ اب اس کے نامۂ اعمال میں کچھ لکھنے کی گنجائش باقی نہ تھی۔ ہر قسم کے گناہوں میں مبتلا تھا۔ شہوت پرست تھا۔ رات و دن غفلت میں مخمور اور مست تھا۔

شنیدم کہ عیسیٰ در آمد ز دشت | بمقصورۂ عابدے بر گذشت
بزیر آمد از غرفہ خلوت نشیں | بپائش در افتاد سر بر زمیں
گنہگارِ برگشتہ اختر ز دور | چو پروانہ حیراں در ایشاں نور
تامل بحسرت کناں شرمسار | چو درویش در دست سرمایہ دار

(ترجمہ) میں نے سنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنگل سے تشریف لا رہے تھے آپ کا گذر ایک عابد کے عبادت خانہ پر ہوا آپ کو دیکھ کر عابدِ خلوت نشیں اپنے بالاخانہ سے نیچے آیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا۔ اُدھر وہ بدنصیب گنہگار دُور سے ان دونوں کے معاملہ کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا جیسے پروانہ روشنی کو دیکھ کر حیران ہو۔ شرمندہ ہو رہا تھا اور حسرت کی نگاہ سے ان کو تکتا تھا جیسے کوئی غریب کسی امیر کے ہاتھ کو بنظر حسرت تک رہا ہو پھر کچھ دور چل کر فرماتے ہیں کہ

گناہم بخش اے جہاں آفریں ٭ کہ گر با من آید فبئس القریں
دریں گوشہ نالاں گنہگار پیر ٭ کہ فریاد حالم رس اے دستگیر
وزاں نیمہ عابد سر پر غرور ٭ ترش کردہ بر فاسق ابرو ز دور
کہ ایں مدبر اندر پئے ما چراست ٭ نگوں بخت ناداں چہ ہمجنس ماست

(ترجمہ) اور کہتا تھا کہ اے پروردگار میرے گناہ بخش دے کیونکہ قیامت میں بھی اگر وہ (گناہ) میرے ساتھ رہا تو نہایت ہی بُرا ساتھی ہوگا اِدھر تو اس گوشہ میں یہ بڈھا گنہگار رو رہا تھا اور کہتا تھا کہ اے خدائے دستگیر میری فریاد رسی فرما۔ اور اُس جانب وہ عابد جس کا سر غرور سے پُر تھا دور ہی سے اس غریب گنہگار کو دیکھ دیکھ کر چیں بجبیں ہو رہا تھا اور (دل میں) کہتا تھا کہ بدبخت ہمارے پیچھے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے جاہل ہے بدنصیب ہے ہم سے اور اس سے نسبت کیا۔ ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

ہمی رنجم از طلعتِ ناخوشش ٭ مبادا کہ در من فتد آتشش
بحشر کہ حاضر شود انجمن ٭ خدایا تو با او مکن حشر من

(ترجمہ) نیز کہتا تھا کہ میں اس کے بُرے دیدار سے اس لئے رنجیدہ ہوتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی آگ میں سے کچھ مجھ پر بھی پڑ جائے سوائے خدا محشر کے روز جبکہ ساری دنیا حساب و کتاب کے لئے جمع ہوگی تو میرا حشر اس کے ساتھ نہ کیجیو۔

دریں بُد کہ وحی از جلیل الصفات ٭ در آمد بعیسیٰ علیہ الصلوٰۃ
کہ گر عالمست آں وگر وے جہول ٭ مر دعوتِ ہر دو آمد قبول
عفو کردم از وے عملہائے زشت ٭ در آرم بفضلِ خودش در بہشت
وگر عار دارد عبادت پرست ٭ کہ در خلد با وے بود ہم نشست
بگو ننگ ازو در قیامت مدار ٭ کہ آنرا بجنت برند ایں بنار
کہ آں را جگر خوں شد از سوز و درد ٭ گر ایں تکیہ بر طاعتِ خویش کرد
ندانست در بارگاہِ غنی ٭ کہ بیچارگی بہ نہ کبر و منی

(ترجمہ) وہ اپنے غرور ہی میں مست، تھا کہ حق تعالیٰ کی جانب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

پر وحی آگئی کہ اگر یہ عالم ہے تو کیا اور وہ جاہل ہے تو کیا میں نے دونوں کی دعا قبول کرلی اور اُس گنہگار سے اس کے بُرے اعمال کو معاف کردیا اور اُس کو محض اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کردیا اور ان عابد صاحب کو اگر اُس سے عار ہے کہ اس کے ساتھ جنت میں رہیں تو اُن سے کہدو کہ قیامت میں اُس کی وجہ سے عار کا بالکل اندیشہ نہ کریں کیونکہ (تم دونوں کو الگ الگ رکھا جائیگا یعنی) اُس کو جنت میں لے جائیں گے اور تم کو جہنم میں اس لئے کہ اُس غریب کا تو دل پارہ پارہ اور جگر بالکل خون ہوگیا ہے اور انھوں نے تو اپنی طاعت پر تکیہ کیا تھا کیا اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ غنی کے دربار میں بیچارگی ہی بھلی ہے کبر اور انانیت سے۔

کرا جامہ پاک است و سیرت پلید | درِ دوزخش را نباید کلید
بریں آستاں عجز و مسکینیت | بہ از طاعت و خویشتن بینیت
چو خود را ز نیکاں شمردی بدی | نمی گنجد اندر خدائی خودی
اگر مردی از مردیٔ خود مگوے | نہ ہر شہسوارے بدر برد گوے
پیاز آمد آں بے ہنر جملہ پوست | کہ پنداشت چوں پستہ مغزی دروست
ازیں نوع طاعت نیاید بکار | برو عذر تقصیر طاعت بیار
نخورد از عبادت برآں بے خرد | کہ با حق نکو بود و با خلق بد

(ترجمہ) جس شخص کا ظاہر اچھا ہے اور باطن خراب ہے اس کے لئے (دوزخ کے دروازے پہلے سے کُھلے ہوئے ہیں دوزخ اُسکے انتظار میں ہے لہٰذا) دوزخ کا دروازہ کھولنے کے لئے کُنجی کی حاجت نہیں ہے۔ اس درگاہ میں تو عاجزی اور مسکنت ہی چاہئیے نہ کہ طاعت اور خود بینی کیونکہ اگر تو نے اپنے کو پارسا گمان کیا تو تو نہایت بُرا ہے اس لئے کہ خدائی کے اندر خودی کا گذر نہیں۔ اگر تم عقلمند ہو تو اپنی بڑائی مت ہانکو اس لئے کہ ہر شہسوار کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ جولان گاہ میں گیند آگے لے جائے (یعنی ہر عابد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کامیاب ہوجائے کامیابی کے بھی کچھ آئین و شرائط ہیں مثلاً ترک عجب اور توکل ؎

تکیہ بر تقوی و دانش در طریقت کافریست | راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش)

جو شخص اپنے متعلق یہ خیال کرے کہ وہ مانند پستہ کے مغز ہی مغز ہے تو جان لو کہ وہ کچھ بھی نہیں ایسا

شخص مہمل ہے اور مانند پیاز کے تہ بہ تہ چھلکا ہی چھلکا ہے ۔اس قسم کی عبادت (جس کے بعد عجب پیدا ہو جائے) کچھ کام نہیں آتی بلکہ درحقیقت طاعت کر کے تو اپنی تقصیر کی معذرت پیش کرنی چاہئے (تاکہ کچھ کام دے جائے) دیکھو وہ عابد اسی حقیقت سے بے خبر تھا اسی لئے اپنی عبادت کے ثمرات نہ پاسکا کیونکہ حق تعالیٰ کے ساتھ تو اس کا معاملہ درست تھا (کہ عابد تھا) مگر مخلوق کے ساتھ برا تھا (کہ کبر میں مبتلا تھا)

سخن ماند از عاقلاں یادگار   تو سعدی ہمیں یک سخن یاد دار

گنہگار اندیشہ ناک از خدائے   بہ از پارسائے عبادت نمائے

(ترجمہ) قاعدہ ہے کہ عاقلوں کی باتیں یاد رکھی جاتی ہیں لہٰذا تم بھی اے سعدی یہی ایک بات یاد رکھ لو کہ جس گنہگار کو خدا کا خوف ہو (اور وہ اپنے معاصی کی وجہ سے لرزاں و ترساں ہو اور مغفرت کے باب میں صرف خدا پر اس کی نظر ہو) وہ عاصی اس پارسا سے بہتر ہے جسکو اپنی عبادت پر ناز ہو۔

شیخؒ نے اس حکایت کے ذریعہ سالکین کو تعلیم دی ہے کہ جو شخص عجب کی گھاٹی میں بند ہو جائے تو اس سے نکلنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قابل ملامت امور کا ارتکاب بھی کرے تب ہی اس سے نجات مل سکتی ہے بلکہ اس خیال (عجب) کا دفعیہ ایک دوسرے خیال سے کرے اور وہ یہ کہ یہ سمجھے کہ عبادت کرنے کے بعد اگر عبادت پر نظر ہو اور خودپسندی پیدا ہو تو سمجھ لے کہ وہ عبادت پرست ہے خدا پرست نہیں، عابد پارسا نہیں ہے بلکہ عابد ناپارسا ہے اور کسی مخلص کے لئے یہ تصور کس قدر سوہان روح ہوگا کہ وہ خدا پرست نہیں اگر صدق ہوگا تو اسی تصور کے ذریعہ اس گھاٹی سے نکل جائے گا۔

اور میں نے اس حکایت سے ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے، علماء تو مسائل ہدایہ اور شامی سے نکالتے ہیں لیکن میں بوستاں سے بھی مسئلہ نکال لیتا ہوں وہ مسئلہ یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ طاعت اور معصیت کی دو قسمیں ہیں ایک طاعت تو وہ ہے جو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بنے اور ایک وہ ہے جو خدا سے دوری کا باعث ہو اور خودی میں انسان کو مبتلا کر دے جیسے اس عابد ناپارسا کی طاعت اسی طرح ایک معصیت تو وہ ہوتی ہے جو خدا سے غافل کر دیتی ہے اور ایک معصیت ایسی بھی ہوتی

ہے جس کے بعد انسان پر خوف وخشیت کا ترتب ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ بخش دیا جاتا ہے نیز معلوم ہوا کہ مطلقاً نہ ہر طاعت مفید ہے اور نہ ہر معصیت مضر ہیں۔ وہ معصیت جو واصل بحق کر دے اس طاعت سے لاکھ درجہ بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اور جو طاعت اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ بنے اس کے اچھے ہونے میں کیا کلام ہے [مطلب یہ ہے کہ طاعت کا خاصہ تو قرب حق ہی ہے مگر طاعت کو اس نے اپنی طرف منسوب کیا اور فضل حق پر سے نظر ہٹالی یہ تھی معصیت جو بُعد حق کا سبب بنی اور اس نے اُس کی طاعت کو مبدل بہ معصیت کر دیا۔ اور معصیت میں خاصہ بعد حق ہی کا ہے لیکن اس کے صدور کے بعد ندامت صحیحہ اور خشیت حق کا غلبہ ہوا جو طاعت تھی اس لئے قرب حق کا سبب ہوگئی اور اس کی وجہ سے اس کی معصیت بھی مبدل بہ طاعت ہوگئی۔ قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ۔ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ۔ خوب سمجھ لیجئے اور معصیت کے بعد توبہ وخشیت کا پیدا ہونا بھی محض فضل حق سے ہوتا ہے لہٰذا ممکن ہے کہ بعد صدور معصیت یہ بات کسی میں پیدا نہ ہو اور وہ سبب بعد حق کا ہو اس لئے نفس کے فریب سے بچنا چاہئے۔]

آج اگر لوگ اسی ایک حکایت کے مضمون کو سمجھ لیں تو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا ہو جائے شیخ رحمۃ کی اس ایک حکایت نے کتنوں کو خدا کا ولی بنا دیا ہے اور کتنے عارفوں کو جو عجب کی گھاٹی میں بند ہوگئے تھے نکال کر صحیح راستہ پر لگا دیا ہے۔ دیکھئے بزرگوں نے ان چھوٹی چھوٹی کتابوں میں کیسی کیسی باتیں لکھ دی ہیں مگر جب ان کو سمجھ کر پڑھا پڑھایا جائے تب اس کا فائدہ مرتب ہو

۹۷۔ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ ستر صدیقین کا یہ کہنا ہے کہ زیادہ کھانے سے زیادہ پیاس لگتی ہے اور زیادہ پانی پینا سبب بنتا ہے زیادتی نزلہ کا۔ اب لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اگر زیادہ نہ کھائیں گے یا کم سوئیں گے تو کمزور ہو جائیں گے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ہر زمانہ میں کم کھانے والوں نے ہی زیادہ مجاہدہ کیا ہے اور کچھ کام کر گذرے ہیں۔ نہ کہ زیادہ کھانے والے۔ اگر ایسا ہوتا تو امرا خوب کام کرتے۔ حالانکہ یہ زیادہ کھانے والے زیادہ سونے والے ہی رہے

(۹۸۔ احیاء العلوم میں ہے کہ آدمی اپنے حقیقی بھائی اور چچازاد بھائی سے زیادہ حسد کرتا ہے بمقابلے اس کے کہ کسی غیر سے کرے۔ نیز لکھا ہے کہ عالم عالم سے حسد کرتا ہے عابد

سے نہیں اور عابد عابد سے حسد کرے گا عالم سے نہیں۔ تاجر تاجر سے حسد کرے گا جوتے گانٹھنے والے سے نہیں۔ نیز فرمایا کہ احیاء العلوم میں ہے الحسد قد یکون من الصدیق المحسن والقریب الموافق۔ (کبھی دوست اور عزیز بھی حسد کرتے ہیں) (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۴۹) حسد توحید کی چار دیواری پر گولہ باری کرتا ہے اور عین ایمان کا ایک تنکا ہے کیونکہ قضا و قدر پر اعتراض ہے۔ نہایت ہی مہلک مرض ہے۔ جب جڑ پکڑ لیتا ہے (ایمان کی آنچ) تو ساری عمر پیچھا نہیں چھوڑتا۔

ﻉ کل العداوۃ قد ترجی اماطتہا — الا عداوۃ من کانت من الحسد

ترجمہ:- ہر قسم کی عداوت کبھی نہ کبھی ختم ہو جائیگی — مگر وہ عداوت کبھی نہیں جاتی جو ڈاہ اور حسد سے ہوئی ہو

ﻉ بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست — کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

(۹۹)۔ ایک صاحب نے کہا۔ کہ کیا بات ہے۔ کہ حضرت مولانا رح اتنے بڑے شخص گذرے مگر ان کے خلفاء میں سے کوئی کامل نہیں ہوا۔ میں نے سُنا تو کہا۔ کہ بجا ارشاد ہے اور آپ کہاں تشریف لے گئے تھے۔ دوسرے لوگ ناقص رہ گئے تھے تو آپ ہی کیوں نہ کامل ہو گئے اگر دوسرے لوگوں نے کسی نہ کسی طرح حضرت سے خلافت لے لی تھی اور تھے کچھ بھی نہیں تو آپ ہی کچھ ہو کر دکھا دیتے۔ جانتے ہیں آپ۔ لوگ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ حضرت رح کے یہاں تو ایسے لوگوں نے سیکھا نہیں۔ وجہ اس کی جو بھی رہی ہو اور اب حضرت کے بعد ان کے خلفاء کے سامنے جھکتے عار آتی ہے۔ اس لئے یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ اب کوئی کامل ہی نہیں اور جو سچ پوچھئے تو ایسے لوگ حضرت رح کے بھی معتقد نہیں۔ کیونکہ خلفاء کی نفی کرنے کے معنیٰ یہ ہوئے۔ کہ حضرت بھی کامل نہ تھے ورنہ کوئی بن ہوتا تو گلاس میں نہ آنے کے کیا معنی۔ حضرت نے خلافت جو دی تو سب کو ایک طرف سے یوں ہی دے دی۔ سوچئے تو سہی معاملہ کہاں تک پہنچتا ہے۔

(۱۰۰)۔ دوست محسن اور قریب موافق کے ساتھ جو حسد ہوتا ہے (حالانکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ان سے تو نہ ہونا چاہئے لیکن ان کے احسان کے بعد بھی جو ان سے حسد ہوتا ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ حاسد یہ خیال کرتا ہے۔ کہ اس وقت تو یہ محسن ہے اور ہم محسن الیہ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا۔ کہ ہم محسن ہوتے اور یہ محسن الیہ ہوتا بس اسی کد و کاوش میں رہتا ہے۔

(۱۰۱)۔ پہلے تو میں سمجھتا تھا کہ حسد چھوٹے اور غریب شخص کو امراء اور بڑے لوگوں پر

ہوتا ہے لیکن اب تجربہ ہوا۔ کہ جس طرح چھوٹے کو بڑے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح بڑے کو چھوٹے پر بھی ہوتا ہے۔

(۱۰۲۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ کہ مجھے بہت سے امراض کے لئے کچھ کبھی مجاہدہ نہیں کرنا پڑا۔ بلکہ دوسروں میں اسے دیکھ کر ان سے دلی نفرت ہوئی بس کہا۔ کہ یہ سب، باتیں واہیات ہیں۔ ان سے احتراز کرتا رہا۔ اس طور پر بہت سی باتوں سے بچ گیا۔

۱۰۳۔ کفار مکہ کا انکار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی حسد کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ کہتے تھے۔ کہ ہم ایک غلام یتیم کی اتباع کیسے کریں۔

(۱۰۴۔ بزرگوں کا مقولہ ہے۔ کہ بجائے بزرگاں نباید نشست، لیکن حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ "بجائے بزرگاں بباید نشست" کہ شاید بزرگی درآید بدست، اور اُس مقولے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ہمسری اور ان سے مساوات کا دعویٰ نہ کرنا چاہیئے۔

(۱۰۵۔ انسان آگے بیٹھنے کا اہل ہو اور پیچھے بیٹھے۔ اس کا نام تواضع نہیں ہے۔ بلکہ تواضع یہ ہے کہ آگے بیٹھا ہوا ہو۔ اور سمجھتا یہ ہو۔ کہ میں پیچھے بیٹھنے کے لائق ہوں۔

(۱۰۶۔ نانوتہ کے قریب ایک گاؤں ہے آبھا وہاں ایک محلہ ہے پٹھان پورہ۔ وہاں کے لوگ حضرت حاجی صاحبؒ کے بہت معتقد تھے۔ حاجی صاحب بھی کبھی کبھی اپنی لاٹھی اور کتابیں لے کر ان کے یہاں خود بخود بدون بلائے پہنچ جاتے۔ اور دس دن پندرہ دن وہاں ٹھہرتے۔ لوگ آتے اور حاجی صاحب سے مسائل پوچھتے کہ حاجی جی یہ مسئلہ بتائیو۔ حاجی جی یہ مسئلہ کس طرح ہے۔ حاجی صاحب ہر ایک کا جواب دیتے اور پھر مکان واپس تشریف لاتے۔ آخر میں جب حاجی صاحبؒ ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور آپ کی شہرت زیادہ ہوگئی اور لوگ آپ کو قطب الاقطاب اور غوث وغیرہ کہنے لگے۔ تو حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے آبھا کے لوگوں کے حاجی جی کہنے میں جو مزہ آتا تھا۔ وہ اب قطب الاقطاب اور غوث، وغیرہ کہنے میں نہیں آتا۔ [اس لئے کہ ان لوگوں کا حضرت حاجی جی کہنا خلوص سے ہوتا تھا اور بعد کے لوگوں کے متعلق سمجھتے ہوں گے۔ کہ دل سے نہیں کہتے۔ یوں ہی تصنع و تکلف سے کہتے ہیں اور سادگی میں جو لطف اور مزہ ہے۔ ظاہر ہے کہ بناوٹ میں وہ کہاں ہے]

حصہ اول تمام ہوا

ملفوظات

حصہ دوم

(۱۰۷۔ملفوظ) آیت شریفہ قل لن تخرجوا معی ابداً الخ کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے ایک تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے منافقو تم کبھی ہمارے ساتھ جہاد میں نہ نکلو گے بلکہ جس طرح اس موقع پر بیٹھ گئے اسی طرح جب (آئندہ) موقع ہوگا (تو یوں ہی) باتیں بنا کے حیلے کرکے بیٹھ جاؤ گے۔ (یہ بطور پیشین گوئی کے ہے۔) دوسری تفسیر علامہ بیضاوی نے کی ہے جس کا حاصل یہ ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کہ جب ان منافقین نے اُس غزوہ میں جسے (جیش العسرۃ اور قرآن میں) ساعۃ العسرۃ کہا گیا ہے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں دیا تو ہم نے اب ان کا نام ہی دفتر غُزاۃ (مجاہدین) سے کاٹ دیا اور ہمیشہ کے لئے ان کو اس سعادت سے محروم کر دیا اب وہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نہ نکلیں گے۔ (یہ بطور اخبار کے ہے۔)

(۱۰۸۔ملفوظ) تھانہ بھون میں ایک بنگالی طالبعلم تھے۔ ہم لوگ مدرسہ میں پڑھا رہے تھے ان کو دیکھا کہ حضرت مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس گئے اور کچھ کہکر واپس ہوئے چند ہی قدم آئے تھے کہ پھر لوٹ کر حضرت کی خدمت میں گئے۔ جب مدرسہ میں واپس آئے تو کہنے لگے کہ میں نے حضرت سے ایک بات کہی اور واپس ہوا تھوڑی دور چلا تھا کہ خیال ہوا کہ میں نے حضرت سے جھوٹ کہا ہے بڑا خوف معلوم ہوا فوراً لوٹ گیا اور حضرت سے جاکر عرض کیا کہ حضرت میں نے فلاں بات جھوٹ کہی ہے۔ اس پر حضرت ناخوش نہیں ہوئے بلکہ فرمایا جاؤ مدرسین سے کہو اور سب سے اس کا علاج لکھوا کے مجھے دکھلاؤ اس میں مدرسین کا بھی امتحان ہوگیا۔ حضرت نے سب کے جوابات کو پسند فرمایا۔ اب بجائے اس کے کہ ان طالب علم کی وقعت لوگوں کی نگاہوں میں کم ہوتی اور زیادہ ہوگئی۔

(۱۰۹۔ملفوظ) حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں پڑھتے تھے۔ ایک درویش ان کو چھیڑا کرتا تھا اور یہ شعر پڑھا کرتا تھا ؎

صوفی نشود صافی تا در نہ کشد جامے | بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

ایک روز وہ درویش ایک پیالہ لے کر ان کی طرف دوڑا۔ انھوں نے کہا کہ ہاں ہاں یہ کیا کرتے ہو۔ سمجھے کہ شراب وغیرہ ہوگی کیونکہ آپ اس درویش کو خلاف شرع سمجھتے تھے۔ یہ ہاں ہاں کرتے ہی رہے مگر اس نے پیالہ ان کے منہ کو لگا ہی دیا اور دو چار قطرے ایک آدھ گھونٹ حلق سے اتر ہی گیا اس کے بعد سے ان کو عجیب عجیب حالات و کیفیات ہونے لگیں۔ سبحان اللہ دو چار قطروں میں یہ اثر ہوگیا اور جو گھڑوں پیتا ہو اس کا کیا حال ہوگا۔

(۱۱۰۔ملفوظ) خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولٰنا (رحمۃ اللہ علیہ) کے یہاں ہر وقت مست ہی رہتے تھے بڑے بڑے خود دار علماء آتے مگر خواجہ صاحب اپنے اشعار سے ان پر کچھ چھینٹیں ڈال ہی دیتے اور حضرت کی طرف اُن کو جھکا ہی دیتے کہ کچھ لے لو۔ حضرت سے وہ لوگ کہتے کہ ہاں بھائی اسی لئے تو آئے ہیں۔ خواجہ صاحب فرمایا کرتے کہ بھائی میں عالم نہیں لیکن اسی طرح تبلیغ کرتا ہوں۔ خواجہ صاحب برجستہ اشعار کہتے تھے۔ حضرت مولٰنا کوئی مضمون بیان فرماتے اور خواجہ صاحب اس کو فوراً اشعار میں ادا کر دیتے۔ مومن خاں شاعر کہا کرتا تھا کہ "لوگ کہتے ہیں کہ شعر گوئی کے لئے تنہائی کی ضرورت ہے یہ غلط ہے دو شخصوں کو ایک ساتھ باندھ کر کنوئیں میں پھینکا جائے اور ایک مصرع ان کو دے دیا جائے دونوں میں سے جو شخص پانی میں پہنچنے تک دوسرا مصرع لگا دے بس وہ شاعر ہے۔ ایک بار خواجہ صاحب تھانہ بھون سے لکھنؤ آرہے تھے حضرت کی توجہ سے خوب مست تھے اشعار پڑھتے آتے تھے۔ گاڑی کے تمام مسافر اُن کی طرف متوجہ ہوگئے ایسا اثر ہوا کہ کچھ نیپالی فوجی تھے وہ سب تالیاں بجانے اور گانے لگے۔

(۱۱۱۔ملفوظ) یہ کبر وغیرہ انھیں لوگوں میں ہوتا ہے جن کو محبت کا ذائقہ نہیں ملا اور جنھوں نے محبت کا ایک آدھ قطرہ بھی چکھ لیا ہے ان میں خود ہی تکبر نہ رہے گا اس طریق کی یہی تو خصوصیت ہے کہ اس میں تکبر نہیں ہوتا ؎

جانے کیا ساقی کی آنکھوں نے اشارا کر دیا | نذرِ ساغر آج ہم نے زہد و تقویٰ کر دیا

اس طریق میں جس کو محبت نہ ملی وہ نہایت خائب و خاسر ہے۔ بعضے دعویٰ محبت کا کرنے لگتے ہیں اور جب امتحان ہونے لگتا ہے تو بھاگ نکلتے ہیں۔ کیا یسی محبت ہے ؟

(۱۱۲۔ ملفوظ) اولیاء اللہ سے اعتقاد رکھنا نہایت ضروری ہے۔ بلا اعتقاد کچھ نہیں مل سکتا۔ آج کل اعتقاد کی بہت کمی ہے (حالانکہ یہ حال ہونا چاہیئے جیسا مولٰنا روم فرماتے ہیں) ؎

گر خطا گوید وُرا خاطی مگو　　　　ور شود پُر خوں۔ شہیداں را مشو

خون شہیداں را ز آب اولیٰ تراست　　　　ایں خطا از صد صواب اولیٰ تراست

(۱۱۳۔ ملفوظ) مولٰنا عبدالحیؒ صاحب نے ایک بار وعظ میں فرمایا کہ بعضے بزرگ ایسے گزرے ہیں کہ عصر اور مغرب کے درمیان پورا قرآن ختم کر لیتے تھے اور حضرت شہید دہلوی (مولٰنا اسمٰعیل شہیدؒ) کا نام بھی ذکر کر دیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ مولٰنا خود بھی ایسے ہی ہیں مگر نام مولٰنا شہیدؒ ہی کا لیتے ہیں اس کے بعد لوگ مولٰنا شہیدؒ کے پیچھے پڑ گئے کہ حضرت (عصر و مغرب کے درمیان پورا قرآن ہمیں سنائیے چنانچہ ایک روز گومتی کے کنارے (مولٰنا شہیدؒ) تشریف لے گئے اور مابین عصر و مغرب پورا قرآن پڑھ کر سنا دیا۔ یہ سب دولت قلبی ہے۔

(۱۱۴۔ ملفوظ) غزوہ اُحد میں جو شکست (مسلمانوں کو) ہوگئی تھی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی تھی کہ بدر میں جب ستر کافر قید ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اگر تم نے ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو (یاد رکھنا) آئندہ سال تمہارے ستر آدمی شہید ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ (یہ شہادت) ہمیں منظور ہے (مگر فدیہ لے لینے سے) اس وقت مسلمانوں کی مالی اعانت تو ہو جائے گی اور بہت ممکن ہے کہ یہ کافر آئندہ مسلمان ہو جائیں" چنانچہ اُحد میں اُس کا ظہور ہوا۔

(۱۱۵۔ ملفوظ) ناقص اپنے نفس کے حکم سے (ہر کام) کیا کرتا ہے اور کامل اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہے۔ لہٰذا ناقص کو کامل کی ریس اور مقابلہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ اگر کچھ حاصل کرنا ہے تو لازم ہے کہ) کامل کی اتباع کرے۔ ؎ اے مری کردہ پیادہ با سوار　　　　سر نخواہی بُرد اکنوں پائیدار

(۱۱۶۔ ملفوظ) علامہ بیضاوی نے یہ حدیث نقل کی ہے "مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ عَلَّمَهُ اللهُ مَا لَمْ يَعْلَمْ" (جو اپنے علم پر عمل بھی کرے گا تو اللہ اُسے وہ علم بھی سکھا دے گا جو وہ نہیں جانتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل ہی سے علم و معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اب چونکہ باوجود علم کے عمل نہیں کیا جاتا اسلئے راستہ بالکل بند رہتا ہے۔

(۱۱۷۔ملفوظ) ایمان جبھی کامل ہوتا ہے جب سارا جہان اُس (مومن) کی نظر میں اونٹ کی مینگنی (یعنی بے وقعت) معلوم ہو۔[1]

(۱۱۸۔ملفوظ) حضرت ابراہیمؒ ابن ادہم حج کو تشریف لے جارہے تھے ایک نوجوان لڑکے کو دیکھا کہ وہ بھی حج کو جارہا ہے پوچھا کہ اے لڑکے! تیرے پاس زادِ راہ اور سواری بھی ہے (جو تو حج کو چل پڑا ہے) اس نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ بلا اسباب کے اپنے بندے کو حرم تک پہنچانے پر قادر نہیں ہیں (حضرت ابراہیم یہ سُن کر چُپ ہوگئے) جب حرم شریف میں پہنچے تو دیکھا کہ وہی لڑکا طواف کر رہا ہے۔ لڑکے کی نگاہ جب حضرت ابراہیمؒ پر پڑی تو اُس نے پوچھا کہ راستہ میں جو بات تم نے کہی تھی اُس سے توبہ بھی کرلی ہے یا نہیں؟

(۱۱۹۔ملفوظ) رزق کی چار قسمیں ہیں۔ رزقِ مضمون۔ رزقِ مقسوم۔ رزقِ مملوک۔ رزقِ موعود۔ توکُّل رزقِ مضمون میں ہوتا ہے۔

(۱۲۰۔ملفوظ) کتابوں میں لکھا ہے کہ مَنْ اَحَبَّ افخاذَ النِّسَاءِ لَا یُفْلِحُ اَبَدًا (جسے عورتوں کی طرف میلان ہوگا تو اسے فلاح نہ ہوگی) یعنی کمالات سے کورا رہ جائے گا۔

(۱۲۱۔ملفوظ) ایمان (گویا ایک جسم) برہنہ ہے اور اس کا لباس تقویٰ ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ میں اسی (معنی کی) طرف اشارہ ہے۔

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ

(۱۲۲۔ملفوظ) حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت وحدۃ الوجود پر تقریر فرما دیجئے تو فرمایا کہ اس وقت طبیعت حاضر نہیں۔ جب طبیعت حاضر رہے گی اُس وقت اس کا بیان بھی ہو جائے گا اور جب طبیعت حاضر ہوتی تو خوب بیان فرماتے۔ اگر کوئی مولوی صاحب ہوتے تو فرمائش پر بیان شروع کر دیتے گو یہ تکلف سہی۔ بزرگانِ دین تکلف نہیں کرتے بس ما انا من المتکلفین پر ان کا عمل ہے۔

---

[1] چنانچہ شیخ سہروردیؒ کہتے ہیں (لا یؤمن احدکم حتی یکون الناس عندہ کالاباعر یعنی کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک اس کے نزدیک سب آدمی اونٹ کی مینگنی کے مانند نہ ہوں عوارف المعارف) اور فوائد الفوائد جلد ۳ مجلس آٹھویں میں حضرت سلطانؒ نے فرمایا کہ کسی کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اسکو ساری مخلوق ایسی دکھائی دے جیسے اونٹ کی مینگنی۔

(۱۲۳) ملفوظ) ایک بادشاہ نے ایک بزرگ کی خدمت میں سو دینار ان کے ایک مرید کی معرفت بھیجے۔ انھوں نے پچاس ہی دئے اور پچاس خود رکھ لئے۔ بزرگ نے (مرید سے) فرمایا یہ اچھا نہیں درویشی اور ایسی بات۔ وہ سمجھ گئے اور وہ پچاس بھی نکال کر پیش کر دئے اور معافی چاہی۔ فرمایا کہ میں نہ کہتا مگر اس سے تمھارے کام میں خلل پڑتا یعنی فیض بند ہو جاتا اس لئے کہدیا اور اس کے بعد کل دینار اسی شخص کو دیدئے کہ نصف ہی پر تمھارا قدم ڈگمگا گیا تو کل ہی لے جاؤ۔

(۱۲۴) ملفوظ) مولنا نور ترک دہلی سے ہجرت کر کے مکہ شریف چلے گئے تھے۔ ایک ہندی پہنچے اور انھوں نے دو من چاول مولنا کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے خوشی سے قبول فرما لیا ان کو تعجب ہوا اور دل میں خیال کیا کہ دہلی میں تو ایک بار بادشاہ نے اتنا سونا چاندی پیش کیا اور مولنا نے قبول نہیں فرمایا تھا۔ آج چاول قبول کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دنیا آگئی ہے۔ (ان کے دل میں اس خطرہ کا آنا تھا کہ فوراً) مولنا نے فرمایا دہلی پر مکہ کو قیاس مت کرو۔ یہ دیارِ محبوب ہے یہاں تمام شرائط چھوڑ دئے ہیں۔ اور پہلے جوانی کی حدت تھی اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور یہ حبوب (دانے مراد چاول) یہاں بہت عزیز ہیں۔ (تین باتیں کہیں جن میں ان کے خطرہ کا جواب بھی ہو گیا)۔

(۱۲۵) ملفوظ) ایک بزرگ کے سامنے کسی نے ہدیہ پیش کیا انھوں نے رد کر دیا۔ دوبارہ پھر پیش کیا تو قبول کر لیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیوں پہلی بار رد کر دیا اور دوبارہ کیسے قبول کر لیا۔ فرمایا میری نیت اب بھی لینے کی نہ تھی مگر یہ خیال ہوا کہ رد کرنے میں میری تو عزت ہے کہ لوگ تارک الدنیا سمجھیں گے مگر اس کی ذلت ہے اور قبول کرنے میں میری ذلت ہے اور اس کی عزت ہے لہٰذا باوجود عدم رغبت کے میں نے لے لیا کہ میری ذلت چاہے ہو مگر اس کی ذلت نہ ہو۔ اس قصہ پر فرمایا کہ جب کوئی بزرگ کسی کا ہدیہ واپس کرتے ہیں تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دینے والے میں کوئی خرابی ہے اس وجہ سے واپس کر دیا حالانکہ ممکن ہے کہ کوئی اپنی خرابی یا کوئی اور وجہ ہو جس سے واپس کر رہے ہیں چنانچہ ایک عالم درویش تھے ایک شخص اُن سے پڑھتے بھی تھے ایک روز حسب معمول جب وہ پڑھنے آئے تو بعض قرائن سے سمجھے کہ آج حضرت کے یہاں فاقہ ہے۔ عرض کیا کہ حضرت آج پڑھنے کو جی نہیں چاہتا اس لئے آج نہ پڑھوں گا فرمایا اچھا جاؤ وہ گھر واپس ہوئے۔ رئیس تھے فوراً پہنچ کر نفیس نفیس کھانے پکوائے اور لے کر حضرت اُستاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عالم دیکھتے ہی ہنسنے لگے اور فرمایا کہ جب تم گئے تھے اُسی وقت مجھے خیال

ہو گیا تھا کہ تم کھانا لینے گئے ہو اور میرا نفس منتظر ہو گیا تھا اس لئے میں یہ کھانا نہ لوں گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اشراف نفس (انتظار) کے وقت (ہدیہ) نہ لینا چاہئے۔ وہ شاگرد بلا چون وچرا واپس لے کر چلے گئے۔ کچھ دور جاکر پھر واپس آئے اور عرض کیا کہ حضرت اب قبول فرما لیجئے اب تو اشراف نہ رہا۔ سبحان اللہ! اس وقت شاگرد بھی کیسے ذہین ہوتے تھے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ سے خوب نتیجہ نکالا ہے کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ فلاں بزرگ نے ہماری ہی خرابی کی وجہ سے ہدیہ واپس کیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ کوئی اور وجہ ہو مثلاً اشراف نفس۔ ایک بار امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ مجھے کچھ روپیہ خرچ کرنا ہے کس کو دوں فرمایا کہ فلاں شخص کے پاس لے جاؤ۔ وہ لے گئے انھوں نے قبول نہ کیا آکر عرض کیا کہ حضرت انھوں نے تو رد کر دیا فرمایا کہ پھر دوبارہ لے جاؤ۔ جب وہ دوبارہ لے گیا تو انھوں نے قبول کرلیا۔ اس پر اسے تعجب ہوا امام احمد (سے آکر کہا تو انھوں) نے فرمایا کہ بھائی پہلے انھیں اشراف نفس رہا ہوگا اس لئے نہ لیا اب اشراف نہ رہا ہوگا۔ اس لئے قبول کرلیا۔

(۱۲۶۔ ملفوظ) ابوسعید بڑے خراچ تھے کسی نے ان سے کہا کہ لاخیر فی الاسراف (بہت خرچ کرنا کوئی اچھی چیز نہیں ہے) انھوں نے فوراً (اسی جملہ کے الفاظ کو) الٹ دیا اور فرمایا لااسراف فی الخیر (اچھی چیزوں میں اسراف ہوتا ہی نہیں یعنی ان میں جتنا بھی خرچ کرو کم ہی ہے) اسی اثنا میں کسی نے ان سے اسراف کی تعریف پوچھی فرمایا کہ "جو چیز بلا نیت دی جائے اور خدا کیلئے نہ دی جائے وہ اسراف ہے اگرچہ ایک دانگ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن خدا کے لئے ہو تو پھر سارا جہان ہی کیوں نہ دیدیا جائے اسراف نہیں ہے ؎

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا
ہرچہ داری صرف کن در راہ او

(یعنی جو کچھ تمھارے پاس ہے اسے خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو کیونکہ جب تک تم اپنی محبوب چیزیں خرچ نہ کر ڈالوگے اس وقت تک نیکی کا بلند درجہ تم نہیں پا سکتے۔

(۱۲۷۔ ملفوظ) کل ایک آدمی آئے ہوئے تھے۔ مولوی تھے۔ میں ان کو یہ سمجھا رہا تھا کہ آجکل لوگ دوسرے کو پڑھاتے بھی ہیں اور نصیحت بھی کرتے ہیں ان کی مثال چھلنی جیسی ہے کہ اس میں صرف چھلکا (بھوسی) رہ جاتا ہے اور اصل مغز (آٹا) دوسروں کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ حضرت جنید رح فرماتے ہیں کہ علم

کی بھی زکات ہے جس طرح زکات میں چالیسواں حصہ مال کا نکالا جاتا ہے اسی طرح جتنا علم (کسی کے پاس) ہے اگر کل پر عمل نہ ہو سکے تو کم از کم اس کے چالیسویں حصہ پر تو عمل کر لیا جائے۔ اگر چالیسویں حصہ پر بھی عمل کر لیا گیا جب بھی زکاتِ علم ادا ہو جائے گی۔ جن مولوی صاحب کو میں سمجھا رہا تھا آخیر میں انھوں نے کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے ان کے کہنے سے ایک تکدّر اور انقباض سا محسوس ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جملہ کو اہل ہوا (اہل نفس بھی پیش کرتے ہیں اور اہل اللہ بھی پیش کرتے ہیں مگر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اہل نفس و ہوئی اس سے اپنے نفس کی مساعدت (مدد) کرتے ہیں اور توفیق و تقدیر کو حیلہ (آڑ اور بہانہ) بناتے ہیں۔ اُن سے عمل تو ہوتا نہیں اس لئے اس جملہ سے اپنی نفس پرستی پر پردہ ڈالتے ہیں۔ یہ صریح عقیدۂ جبر ہے۔ بخلاف اہل اللہ کے کہ وہ عمل اور انتہائی سعی کے بعد کہتے ہیں کہ بلا توفیق الٰہی کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ تفویض اور تسلیم ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی جباری کا اعتراف ہے نہ کہ عقیدۂ جبر۔ اپنے کو با اختیار سمجھتے ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ان کے پیشِ نظر ہوتی ہے کہ ہم کیا اور ہمارا عمل کیا۔ جب تک ان کی رحمت اور توفیق شاملِ حال نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا۔

(۱۲۸) ملفوظ) ایک آدمی جب یہاں آتے تو کہتے کہ کچھ فرمائش کیجئے۔ ایک بار منع کیا دو بار منع کیا مگر ان کی کچھ عادت ہو گئی تھی برابر یہی کہتے۔ بالآخر میں نے ان کے پاس کہلوا دیا کہ یہاں مت آؤ۔ تم ہو کون کہ تم سے میں فرمائش کروں۔ جب میں کسی سے فرمائش نہیں کرتا۔ تمھاری عادت خراب ہو گئی ہے تم تھانہ دار اور تحصیلدار وغیرہ کے یہاں آتے جاتے ہو اور وہ لوگ فرمائشیں کرتے ہیں ویسا ہی تم نے یہاں بھی سمجھ لیا ہے۔ یہ سن کر انھوں نے اقرار کیا کہ ہاں یہی بات ہے۔

(۱۲۹۔ ملفوظ) آجکل علماء سے بدگمانی اسی وجہ سے ہے کہ یہ لوگ بھی دنیا دار ہو رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ بے لوث اور تارک الدنیا ہو جائیں تو تمام دنیا داروں کا دماغ صحیح ہو جائے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں آیت شریفہ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَالرُّهۡبَانِ الخ (یعنی اکثر عالم اور درویش لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں۔ ناقل) کی تفسیر کے لئے یہ سرخی قائم فرمائی ہے "طمع احبار و رہبان در مال دنیا" یہ احبار و رہبان خود خدا کے راستہ سے رکے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں نہ خود اس راستہ میں چلتے ہیں اور نہ دوسروں کو چلنے دیتے ہیں۔

(۱۳۰۔ملفوظ) ایک بزرگ کے ایک لڑکا تھا اور ایک غلام۔ غلام میں رُشد و ہدایت کے آثار نمایاں تھے ایک روز انھوں نے دونوں کو بٹھا کر پوچھا کہ لڑکے! تیری ہمت و توجہ کیا چاہتی ہے؟ بولا کہ ارادہ ہے کہ کافی گھوڑے اور غلام جمع کروں۔ پھر غلام سے پوچھا کہ تیری ہمّت کس طرف ہے اس نے کہا کہ غلاموں کو آزاد کروں اور آزادوں کو اپنے احسان سے غلام بناؤں فرمایا کہ سبحان اللہ۔ ایک کی ہمت دنیا جمع کرنے کی ہے اور دوسرے کی ترکِ دنیا کی"۔ بزرگوں نے دنیا کے متعلق کہا ہے کہ "اگر نیاید طمع نکند۔ چوں بیاید منع نکند۔ اگر بگیرد جمع نکند" (یعنی اگر دنیا نہ ہو تو اس کی لالچ نہ کرے۔ جب آجائے تو اُس سے نفرت نہ کرے اور جب اُسے لے لے تو جمع نہ کرے۔

(۱۳۱۔ملفوظ) مال قبول ہونے کے بھی شرائط ہیں۔ دینے سے پہلے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ مالؔ حلال ہو۔ دوسرے یہ کہ مصرف صحیح ہو۔ پھر دینے کے وقت دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ خوشی اور تواضع سے دے۔ دوسرے یہ کہ خفیہ دے پھر دینے کے بعد دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ احسان نہ جتلائے دوسرے یہ کہ ایذا نہ پہونچائے وَلَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔

اسی لئے مشائخ نے کہا ہے کہ ہدیہ تنہائی میں دو اور شیخ کو چاہئے کہ مجمع میں کہدے کہ فُلاں نے مجھے فُلاں چیز دی ہے۔

(۱۳۲۔ملفوظ) ایک شخص نے اپنے شیخ کو لکھا ہے کہ جب سے لوگوں کو معلوم ہوگیا ہے کہ آپ سے بیعت ہوں اُس وقت سے یہ حال ہے کہ ؎

زاں روز کہ بندۂ تو دانند مرا | بر مردمکِ دیدہ نشانند مرا
لطفِ عامت عنایتے فرمودہ است | ورنہ چہ کنم خلق دانند مرا

(۱۳۳۔ملفوظ) ایک طالب علم سے کسی نے پوچھا کہ کیا کرتے ہو کہا کہ طلبِ علم سے تو فارغ ہو چکا ہوں اب روزانہ بادشاہ کی ڈیوڑھی پر جایا کرتا ہوں کہ روٹی کی فکر سے بھی فراغت ملے۔ سچ ہے ؎

علم در وصفِ خویش صرہ الیست | چوں بخواہش رسید سفرۂ الیست

(۱۳۴۔ملفوظ) حضرت بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ حضرت کے وصال کے بعد کسی نے اس سے کہا کہ مسلمان کیوں نہیں ہوجاتا۔ کہا کہ بایزیدؒ جیسا اسلام تو لا نہیں سکتا اور تم لوگوں جیسے اسلام سے مجھے عار ہے۔

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ

(۱۳۵) ملفوظ: آثار اولیا میں لکھا ہے کہ جو شخص دُنیا کی طلب میں ہوتا ہے دُنیا اُس سے اس طرح بھاگتی ہے جیسے مسلم کسی مُردار سے اور جو اس سے اعراض کرتا ہے اُس کے سامنے دُلھن کی طرح بن سنور کر آتی ہے کہ کاش یہ مجھے کن انکھیوں ہی سے دیکھ لے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو درویش خانقاہ میں روزی کی فکر میں ہو اس کو نکال دینا چاہیئے۔

(۱۳۶) ملفوظ: الصوم نصف الصبر والصبر نصف الایمان کا مطلب سمجھاتا ہوں غور سے سنو۔ امام غزالیؒ نے صبر کی تعریف یہ کی ہے کہ "باعثِ حق کو باعثِ ہویٰ پر غالب کر دینا اور ہویٰ نام ہے خشم و شہوت کا تو صبر میں دو چیزوں کو مغلوب کرنا ہے اول خشم دوسرے شہوت۔ روزہ سے چونکہ صرف شہوت ٹوٹتی ہے اور اُسی کا ازالہ ہوتا ہے نہ کہ خشم کا لہٰذا صوم نصف صبر ہوا۔ ایمان کے اندر دو چیزیں ہیں۔ عقائد۔ اعمال۔ صبر کا تعلق چونکہ صرف اعمال سے ہے اس لئے صبر نصف ایمان ہوا۔

(۱۳۷) بعض لوگ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو سخت اور غصہ ور کہا کرتے تھے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ بھائی اگر میں سخت ہوتا تو لوگوں کو میرے پاس سے بھاگ جانا چاہیئے تھا۔ قرآن پاک اس پر شاہد ہے کہ "وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ مگر دیکھتا ہوں کہ بجائے اس کے لوگ مجھے گھیرے ہی رہتے ہیں۔[1]

(۱۳۸) ملفوظ: ایک بار حضرت ابراہیمؒ ادہم بازار کی طرف نکلے۔ لوگوں نے پکڑا اور عرض کیا کہ بتائیے دعا کیوں نہیں قبول ہوتی۔ فرمایا کہ تم لوگ جنت، دوزخ اور وہاں کی چیزوں کا صحیح اعتقاد نہیں رکھتے تو یہاں کی چیزیں بھی وہ تمھیں کیوں دیں؟

---

[1] ہمارے حضرت مدظلہ العالی چونکہ اپنے شیخ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے نمونہ کامل اور خلیفۂ صادق ہیں اس لئے حضرت کو بھی بعض معاندین، سخت اور غصہ ور کہتے ہیں مگر وہی نص قطعی اور دلیل قرآنی حضرت کی طرف سے بھی معاندین کے جواب کے لئے کافی ہے۔ چونکہ اس وقت مصلح کامل حضرت ہی ہیں اس لئے گاہے بضرورت اصلاح بعض متوسلین کو ڈانٹتے ہیں مگر اس عتاب میں بھی انتہائی شفقت اور خیر خواہی ہوتی ہے جس کا لطف وہی سمجھ سکتا ہے جسے محبت سے کچھ لگاؤ ہو۔ بہذا خُلقِ رسولؐ کا نمونہ ہمارے حضرت ہیں۔

(۱۳۹)۔ملفوظ) مشہور ہے "من عادیٰ لی ولیًا فقد آذنتہ بالحرب" اور میں نے دیکھا ہے" فقد آذنی بالحرب" اس لئے بزرگوں کے پاس سنبھل کر رہنا چاہئے۔ ہرگز اعتراض نہ کرنا چاہئے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

حضرت مولٰنا (رحمتہ اللہ علیہ) کی تعریف میں خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

زبغضِ او چہ سودِ دشمنان است — زیان است و زیان است و زیان است

اور فرماتے ہیں ؎

اس زمانہ میں ہے محرومِ ازل کی یہ شناخت — یعنی جو معتقدِ حضرتِ مولٰنا نہیں

(۱۴۰)۔ملفوظ) حدیث شریف میں ہے کہ جنّت شوال سے لے کر رمضان تک سال بھر سنواری جاتی ہے روزہ داروں کے لئے۔ اب مسلمانوں کو جنّت کی فکر ہی نہیں۔ ہاں کپڑوں کا خیال ہے کہ عید میں کپڑا ایسا ہو ویسا ہو۔ بھائی عمل کرو پھر عید کا کپڑا بھی اچھا معلوم ہوگا۔ لوگ روزہ میں دو کام کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں ایک سونے کے لئے دوسرے غصّہ کرنے کے لئے۔ ذرا ذراسی بات پر لڑ جاتے ہیں

(۱۴۱) یوسف نامی ایک شخص تھے انھوں نے اپنے شیخ سے ایک بار بطور شکایت عرض کیا کہ لوگ آتے ہیں اور آپ سے بخششیں لے کر واپس جاتے ہیں۔ میں ایک مدت سے حاضر خدمت ہوں مجھے تو سب سے پہلے ملنا چاہئے تھا فرمایا کہ بھائی میں تو چاہتا ہوں کہ تم کو دوں مگر جب تم میں استعداد ہی نہ ہو تو میں کیا کروں۔ اتنے میں سامنے سے ایک چھوٹا بچہ آیا۔ شیخ نے اُس سے کہا کہ بچے اینٹوں کے اس چٹے میں سے میرے لئے ایک اینٹ لادو۔ وہ بچہ ایک مسلّم اینٹ لایا۔ پھر اُس سے کہا کہ میرے اس دوست (شخص) کے لئے بھی لادو۔ وہ اُن کے لئے بھی ایک مسلّم اینٹ لایا اس کے بعد کہا کہ یوسف کے لئے بھی ایک اینٹ لادو وہ بچہ اینٹ کا ایک ٹکڑا لایا۔ پھر فرمایا کہ دیکھو ہم دونوں کے لئے یہ بچہ مسلّم اینٹ لایا اور تمھارے لئے ٹکڑا۔ کیا میں نے اس سے کہدیا تھا؟۔ بھائی یہ اپنی اپنی استعداد ہے اور اپنی اپنی قسمت۔ میں کیا کروں۔

(۱۴۲) ایک دیوانہ شہر پناہ کے دروازہ کے پاس کھڑا تھا۔ صبح کو جب دروازہ کھلا اور لوگ اِدھر اُدھر جانے لگے تو اس دیوانہ نے کہا کہ یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنے مقصود کو نہیں پہنچتے۔ اگر سب مل کر ایک طرف کو جائیں تو مقصود جلد حاصل ہو جائے۔

(۱۴۳) ملفوظ: جس شخص نے مجھے خصلتِ بد سے متہم کیا وہ خود اس میں مبتلا ہوتا ہے مثلاً مجھے کسی نے کہا کہ یہ غصہ ور ہیں تو وہ سخت غصہ ور ہوا۔ کسی نے مجھے متکبر کہا تو وہ ایسے تکبر میں مبتلا ہوا کہ الاماں (پھر فرمایا) ایک بزرگ کی زبان سے حال طاری ہونیکے وقت کچھ کلمات خلافِ شرع نکل جایا کرتے تھے مثلاً انا الحق۔ سبحانی ما اعظم شانی وغیرہ مریدوں نے عرض کیا کہ آپ کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں۔ تو فرمایا جس زبان اور جسم سے ایسے کلمات کا صدور ہو وہ قابلِ تعزیر ہے لہٰذا اب جب کبھی ایسا ہو تو تم لوگ فوراً چھری لے کر ہم کو مار دینا۔ جسم خاطی کی تعزیر ضروری ہے۔ چنانچہ جب دوبارہ غلبۂ حال میں یہ کلمات ان کی زبان سے نکلے تو مریدوں نے حسب الحکم چھری سے حملہ کیا۔ کسی نے سر پر چھری ماری کسی نے پاؤں میں ماری مگر ان کو ایک زخم بھی نہ لگا۔ البتہ مریدین ہی سب زخمی ہوگئے۔ جس نے جہاں مارا تھا اُسی جگہ زخم خود اس کے لگا۔ بعد افاقہ کے دیکھا تو سب لوگ زخمی پڑے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہوا۔ سبھوں نے کہا کچھ نہ پوچھئے۔ یہ آپ پر چھری چلانے کا نتیجہ ہے۔ فرمایا کہ اب میں سمجھا ؎

من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو　　　چوں نگویم چوں مرا دلدار می گوید بگو

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی اسی طرح مدد فرماتے ہیں۔ دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا نے متہم کیا تو اللہ تعالیٰ نے مختلف صورتوں سے ان کی برأت ظاہر فرمائی اول شیر خوار بچہ کی شہادت۔ دوسرے ایسی عاقلانہ بات کہ دیکھو اگر ان کا کُرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ سچے اور زلیخا جھوٹی اور آگے سے پھٹا ہے تو یہ جھوٹے اور زلیخا سچی۔ (دیکھا تو اُن کا کُرتہ پیچھے سے پھٹا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؑ بری ہیں) تیسرے زلیخا کے شوہر نے زلیخا کو خود خاطی کہا (اِنَّکِ کُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِین) چوتھے آخر میں زلیخا نے خود بادشاہ کے سامنے اقرار کیا اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَم۔ اسی طرح جب حضرت مریم علیہا السلام کو قوم نے متہم کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گہوارہ ہی میں ایک پُر زور تقریر فرمائی قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ حضرت یوسفؑ اور حضرت مریمؑ دونوں پر چونکہ الزام سخت تھا یعنی عصمت پر دھبہ اس لئے غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور بطور خرقِ عادت شیر خوار بچوں نے کلام کیا۔

(۱۴۴) حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے پاس عوارف کا ایک بوسیدہ نسخہ تھا۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ اس کا ایک اچھا اور صحیح نسخہ فلاں جگہ میں نے دیکھا ہے۔ حضرت شیخؒ کو یہ قول ناگوار ہوا اور دو تین

بار فرمایا کہ مجھکو اس کے درست کرنے کی استعداد نہیں ہے۔ وہ مرید کہتے ہیں کہ میں نے یہ خیال کیا کہ حضرت شیخ مجھ پر ناگواری ظاہر فرما رہے ہیں ایک صاحب جو پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت تمھیں کو کہہ رہے ہیں۔ میں نے معذرت چاہی کہ مجھے قطعاً حضرت کی تنقیص کا خیال نہ تھا معاف فرمایئے مگر شیخ کی ناگواری نہ گئی۔ میں نہایت پریشان وہاں سے نکلا ایک کنوئیں کے پاس گیا کہ ڈوب مروں مگر پھر خیال کیا کہ سخت بدنامی ہوگی اس لئے اس خیال سے باز آیا اور اسی پریشانی میں جنگل کی طرف نکل گیا۔ ایسا سخت دن مجھ پہ کوئی نہیں گزرا۔ اللہ تعالیٰ وہ دن پھر نہ لائیں شیخ کے صاحبزادے سے میری دوستی تھی انھوں نے آکر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ ابا۔ فلاں شخص آپ کی ناخوشی سے اتنا پریشان ہے کہ ہلاکت کا خوف ہے معاف فرما دیجئے۔ چنانچہ شیخ نے مجھے بلوایا اور میری خطا کو معاف کیا اور فرمایا کہ تمھاری تکمیل کے لئے ایسا کیا تھا اور خلعت عطا فرمایا۔

۱۴۵۔ ملفوظ) حضرت ابو سعیدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جب کوئی خطرہ گزرا۔ میں اُس میں متہم ہوگیا اگرچہ میں اس کے قریب نہ گیا ہوں۔ ایک روز آپ کی خانقاہ میں ایک بزرگ آئے۔ شیخ نے اُن کے علو مرتبہ کو پہچانا۔ انطار کے وقت اپنی چھوٹی لڑکی سے بزرگ کی خدمت میں پانی کا کوزہ بھیجا۔ بچی نے ایسے ادب کے ساتھ کوزہ ان کی خدمت میں پیش کیا کہ ان کو (خود شیخ ابو سعیدؒ کو) بہت بھلا معلوم ہوا دل میں خیال کیا کہ دیکھیں یہ نیک بخت کس کے نکاح میں جاتی ہے اپنے موذن کو بازار بھیجا کہ دیکھو بازار میں کیا غُل ہے موذن گیا اور واپس ہوکر عرض کیا کہ حضرت آج بازار میں ایسی بات پھیل رہی ہے کہ مجھے اُس کے زبان پر لانے کی ہمت نہیں ہے۔ فرمایا نہیں کوئی ڈر نہیں تم کہو اس نے کہا آج بازار میں ایک آدمی دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ ابو سعید اپنی لڑکی ہی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ سُن کر ہنس پڑے اور خیال کیا کہ میرے اُس خطرہ ہی کی وجہ سے یہ ہوا ہے [ازناقل! یہ ایک خاص مقام ابتلا تھا جس میں اللہ تعالیٰ کے مقبولین بعض فطری خطرات تک میں آزمائے گئے۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ بڑے غنی اور غیور ہیں۔]

(۱۴۶ ملفوظ) میرے پاس ایک صاحب نے خط لکھا کہ میری بہو کا انتقال ہوگیا ہے جس کا سخت صدمہ ہے وہ چنیں تھی چناں تھی (اس کے کچھ اوصاف لکھے تھے) میں نے جواب دیا کہ تمھارے اس خط سے بو ئے شہوت آتی ہے ایک مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا کہ نہیں حضرت!

کسی کمال کی وجہ سے بھی تو محبت ہوسکتی ہے حضرت نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ نکل جاؤ تم میں بھی یہی مرض ہے۔ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ فقہا نے لکھا ہے کہ ساس اگرچہ ماں کی طرح ہے لیکن جوان ساس سے پردہ کرنا چاہئے اسی طرح بھتیجی سے بھی۔ ممکن ہے کہ اپنے کسی لڑکے سے نکاح کا خیال آئے اور اس کو اسی نیت سے دیکھے۔

(۱۴۷) سالک اس رہ میں کمال کی طرف منہ رکھتا ہے یعنی سالک جب تک سلوک میں ہے کمال کا امیدوار ہے۔ جب تک ترقی کرتا رہے سالک ہے اور اگر رُک جائے تو (سالک نہیں) واقف ہے اور اگر ترقی معکوس ہونے لگے تو راجع کہلاتا ہے۔ سلوک میں سات لغزشیں ہوتی ہیں۔ اعراض۔ حجاب۔ تفاصل سلب مزید۔ سلب قدیم۔ تسلّی۔ عداوت۔

(۱۴۸) حضرت جنیدؒ کے پاس چار شخص آئے پوچھا کہ عید کی نماز کہاں پڑھوگے ایک نے کہا کہ شریف میں۔ دوسرے نے کہا مدینہ طیبہ میں۔ تیسرے نے کہا بیت المقدس میں۔ چوتھے نے کہا کہ آپ ہی کے پاس بغداد میں! فرمایا انت ازھدھم واعلمھم وافضلھم۔ ترجمہ:۔ تو ان سب سے زیادہ دنیا سے منہ موڑنے والا اور سب سے زیادہ عالم اور سب سے افضل ہے کہ نفل ثوابوں کے مقابلہ میں شیخ کے پاس رہ کر علم حاصل کرنے کا فرض ادا کرتا رہے گا)

(۱۴۹۔ ملفوظ) ایک موذن صاحب ایک جگہ پہنچے کسی مسجد میں اذان دینے لگے۔ چند دن کے بعد ایک ہندو کافی رقم لے کر حاضر ہوا اور موذن صاحب کی خدمت میں پیش کی پوچھا کیوں دیتے ہو تم تو ہمارے مذہب میں بھی نہیں ہو کہا کہ صاحب آپ کی وجہ سے ہمارا بڑا کام بن گیا۔ ہماری لڑکی کو اسلام سے رغبت ہوگئی تھی وہ اسلام لانے کے ارادہ سے کسی طرح باز نہ آتی تھی اب آپ جب سے آئے ہیں محلے کے لوگ آپ کی اذان سے متنفر ہیں۔ میں نے اس لڑکی سے کہا کہ اسی اسلام کی تجھے خواہش ہے جس کے متعلق اہل محلہ خود اس طرح کہتے ہیں۔ چنانچہ اب اس لڑکی کو بھی نفرت ہوگئی اور اپنے پہلے خیال سے ہٹ گئی سچ ہے ؂ گر تو بدیں نمط خوانی ؏ ببری رونق مسلمانی

[یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ امام و موذن کے انتخاب میں ذرا عقل و اہتمام سے کام لیں۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھنا چاہئے تو نمائندہ کو بہترین آدمی ہونا چاہئے۔]

(۱۵۰ ۔ ملفوظ) وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ کی تفسیر مثنوی شریف میں یہ کی ہے کہ اتنا چلو کر پاؤں ٹوٹ جائے اور بدن میں طاقت نہ رہ جائے ؎

نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا　　　کہ می بالد بخود این راہ چوں تاک از بریدنہا

(ترجمہ عشق کا راستہ دوڑنے سے ختم نہ ہوگا یہ راستہ تو انگور کی بیل ہے جتنا کاٹو اتنا بڑھے) اور ؎

دھیان میں مومن آ گئی بحث جبر و اختیار　　　قابوئے یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں

(۱۵۱ ۔ ملفوظ) مثنوی شریف میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک عاشق سے اس کے محبوب نے وعدہ کیا کہ آج شب میں مثلاً دو بجے تم سے ملیں گے ۔ عاشق صاحب بن سنور کپڑا بدل انتظار میں بیٹھ گئے لیکن نیند کا غلبہ ایسا ہوا کہ وقت وصال سے پہلے سو گئے ۔ محبوب آیا دیکھا کہ سو رہے ہیں تو ان کی گود میں باجہ (گھنگھنا) اور کچھ اخروٹ اور مٹھائی رکھ کر چلا گیا ۔ اب صبح کو آپ بیدار ہوئے کہ معلوم نہیں وہ آیا کہ نہیں ۔ گود میں باجہ وغیرہ دیکھ کر اور حیرت ہوئی کہ اس کی کیا تعبیر ہوگی ۔ ایک معبّر کے پاس گئے اور تعبیر پوچھی وہ ہنسا اور پوچھا کہ کسی سے محبت تو نہیں ہے کہاں ہے ۔ اور آج ہی شب میں اس نے ملنے کا وعدہ بھی کیا تھا ۔ گر میں سو گیا تھا معلوم نہیں وہ آیا بھی یا نہیں ۔ اس نے کہا کہ اُسی نے یہ چیزیں رکھی ہیں اور اشارہ یہ کر گیا ہے کہ میدانِ عشق کے تم ابھی بچے ہو ۔ باجہ بجاؤ ۔ اخروٹ مٹھائی کھاؤ ۔ بیکار ہوس نہ پکاؤ ۔ ورنہ عاشق کو نیند کیسی اور صبر کہاں ؟ ؎

قرار در کف آزادگاں نہ گیرد مال　　　نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

غرض اپنی طاقت کے موافق سعی کرنی ضرور ہے ؎

گرچہ ایزد دہد ہدایت دیں　　　بندہ را اجتہاد باید کرد

نامہ کاں را بہ حشر خواہی خواند　　　ہم ازینجا سواد باید کرد

(ترجمہ ۔ ہدایت تو خدا دیتا ہے لیکن اپنی جیسی کوشش پھر بھی کرنی ہی چاہئے ۔ وہ نامہ اعمال جسے حشر میں تم کو پڑھنا پڑے گا اُسے یہیں جیسا پسند کر دلکھ لو]

(۱۵۲ ۔ ملفوظ) حضرت اقدسؒ کی خدمت میں اگر کوئی شخص عرض کرتا کہ حضرت کی عطا و بخشش سے فلاں فائدہ ہوا تو جواب دیتے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حسن ظن سے عطا یا عطا فرماتے ہیں یہ جواب مجھے بہت پسند آیا کہ توحید اور سبب دونوں کو جمع فرما کر دونوں کے حقوق ادا فرما دئے ہیں ۔

(۱۵۳ الف مضمون) حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے شیخ تھے۔ عرب و عجم میں نہ معلوم کتنوں کو انھوں نے کامل کر دیا اہل عرب بھی ان کو شیخ کامل مانتے تھے۔ چونکہ وہ زمانہ بھی خلوص کا تھا اور حضرت حاجی صاحب خود بڑے مخلص تھے اس لئے بے تکلف اس زمانہ کے شیوخ کی غلطی صاف صاف ظاہر کر دیتے تھے اور کوئی بُرا نہیں مانتا تھا۔ ایک بار ایک شخص کو دیکھ کر اس سے فرمانے لگے کہ اپنے شیخ سے کہدینا کہ یہ کیا انھوں نے تم کو لطائف کے چکر میں ڈال رکھا ہے پہلا لطیفہ جاری کراتے ہیں تو بقیہ سو جاتے ہیں اور دوسرا لطیفہ جاری کرنے میں لگے تو پہلا بھی غافل ہو گیا اُن سے کہدو کہ قلب جاری کرائیں۔ پھر سب لطائف جاری ہو جائیں گے۔"

حضرت حاجی صاحب، کے اس ارشاد کی شرح حضرت مولٰنا گنگوہی رح نے خوب فرمائی ہے (مکتوب ۲۷، بنام حکیم عبدالعزیز صاحب) ...... " ولایت نظری کے یہ معنی ہیں کہ بعض وقت بدون اختیار عارف کے ایسا آجاتا ہے کہ عارف کی نظر میں اور توجہ میں اثر ہوتا ہے کہ جس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس پر ایک اثر پڑتا ہے جس سے وہ ملون ہو جاتا ہے مثل آفتاب کے کہ جب وہ نمایاں ہوتا ہے تو ہر شے پر اس کی شعاع ہوتی ہے مگر جو طبع مصفا قابل ہوتی ہے تو انوار کا عکس آتا ہے اور نہیں تو حرارت کا اثر ہوتا ہے اس میں بھی تفاوت استعداد ہے آئینہ پر نور زیادہ اور علاج (ہاتھی دانت) پر کم پتھر پر گرمی زیادہ اور گارے پر کم۔ علیٰ ہذا پھر جوں عکس بزرگ کا قائم ہو گیا فبہا۔ اور جو زائل ہو گیا تو پھر ویسا ہی رہ گیا یہ بھی تفاوت رکھتا ہے تو یہ امر اتفاقی ہے بے اختیاری۔ اس پر کوئی انتظار کر کے نہیں بیٹھا اپنا سر مارنا اور مجاہدہ شرط ہے اور اپنا ہی کیا حال قائم دائم لاتا ہے۔"

اصول ثلاثہ

(۱۵۴۔ ملفوظ) مشائخ کے یہاں جانے سے طالب کا مقصود تین کام ہونا چاہئے :۔

(اوّل) اخلاءِ خواطر:۔ یعنی بُرے اور ردی وساوس کو قلب سے دفع کرنا۔ اس میں شیخ پر قلب سے اعتراض ـــ قلب سے اعراض و انکار ـــ شیخ کا استصغار (اس کو حقیر جاننا) ـــ شیخ کی مخالفت وغیرہ کو ترک کرنا ـــ اور اپنے قلب کی شدید نگرانی رکھنا سب داخل ہے۔

(دوم) معالجۂ اخلاق ـــ اس سے مراد نفس کے رذائل کو مجاہدہ اور مشقت کے ذریعہ زائل کرنا ہے۔

(سوم) نفی غفلت :۔ یعنی قلب سے غفلت کو دور کیا جائے۔ غفلت کی ضد چونکہ ذکر ہے۔ لہٰذا طریقۂ ازالۂ غفلت، قلب کو ذاکر بنانا ہے جب قلب میں ذکر جاگزیں ہو جائے گا غفلت دور

ہو جائے گی لیکن ذکر بھی وہ جو شیخ تجویز کر دے۔ اپنی رائے اور طبیعت سے کوئی ذکر نہ شروع کرے۔

اور طریقہ ذکر کو قلب میں قائم کرنے کا یہ ہے کہ شروع میں ذکر زبان سے کرتا رہے پھر قلب کو بھی لسان کا ہمنوا بنائے پھر رفتہ رفتہ صرف قلب کی توجہ سے اللہ کا اسم ادا کیا جائے پھر بتدریج اسم سے مسمّٰی کی جانب توجہ کی جائے۔ یہی ذکر قلبی۔ حضور اور محبت الٰہی کہلاتا ہے اور اسی حالت کو تعلق مع اللہ اور نسبت حاصل ہونا کہتے ہیں۔ اسی ذکر کی کثرت سے حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی پھر محبت سے غفلت دور ہوگی اور طاعت آسان ہوگی۔

غفلت اور محبت کی حقیقت جب واضح ہوگئی تو اب اُن کا حکم سُنئے کہ محبت وذکر فرض ہے اور غفلت حرام ہے۔ غفلت کافر کی صفت ہے مومن غافل نہیں ہوتا نصوص میں اس کی قباحت کا بیان ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے "ولاتکن من الغافلین" اور حدیث شریف میں ہے "ان اللہ لایستجیب اولایقبل اللہ الدعاء عن قلبٍ لاہٍ (یعنی اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہیں فرماتے جو غافل قلب سے کی گئی ہو) جب غفلت کا حرام ہونا معلوم ہوگیا تو ذکر اور محبت الٰہی کا فرض ہونا بھی اس سے معلوم ہوا نیز صاحب فتح الباری ج ۱ صـ۶۳ بخاری کی حدیث ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان الخ کی شرح کرتے ہوئے فائدہ کے تحت صراحۃً لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک درجہ فرض عین ہے۔ کسی کا قول نقل فرماتے ہیں کہ :۔

ومحبۃ اللّٰہ تعالیٰ علی قسمین فرض وندب فالفرض المحبۃ التی تبعث علی امتثال اوامرہ والانتہاء عن معاصیہ والرضا بمایقدرہ ــــ فمن وقع فی معصیۃ من فعل محرم اوترك واجب فلتقصیرہ فی محبۃ اللّٰہ حیث قدّم ھوی نفسہ انتہی کلامہ (فتح الباری ج ۱ صـ۶۱)	اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی دو قسمیں ہیں۔ فرض اور مستحب فرض محبت (کا) وہ (درجہ) ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کے امتثال، اس کی نافرمانیوں سے باز رہنے اور اس کی تقدیر پر راضی رہنے پر انسان کو ابھارے اور آمادہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص بھی کسی معصیت میں مبتلا ہوا خواہ کسی حرام کا مرتکب ہو کر یا کسی واجب کو ترک کرکے تو وہ صرف اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس میں ناتمام تھی اسی لئے اس نے اپنی خواہشات نفسانیہ کو (اللہ تعالیٰ کے حکم پر) ترجیح دی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی طاعت پر پابندی نہ ہونے کا راز دراصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ

کی محبت ابھی قلب میں راسخ نہیں ہوئی ہے اگر حق تعالیٰ کی محبت ہوتی تو عدم پابندیٔ معمولات کی نوبت ہی نہ آتی۔ جب محبت اور غفلت میں سے ہر ایک کا حکم معلوم ہوگیا کہ اس کی تحصیل اور اس کا ازالہ فرض ہے تو اتنا اور سمجھ لیجئے کہ نفی غفلت اس لئے تو ضروری ہے ہی کہ خود حرام و مذموم شے ہے لیکن اس جہت سے بھی ضروری ہے کہ یہ اور دوسری طاعات سے باز رہنے کا ذریعہ بھی ہے اسی طرح محبت فرض اس لئے تو ہے ہی کہ خود ایک محمود چیز ہے مگر اس حیثیت سے بھی محبت فرض ہے کہ دوسری عبادات کی ادائیگی کا یہ باعث بھی ہے۔ حاصل یہ کہ محبت کا حاصل کرنا فرض لعینہٖ بھی ہے اور واجب لغیرہٖ بھی اسی طرح غفلت حرام لعینہٖ بھی ہے اور حرام لغیرہٖ بھی۔

اسی حقیقت کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے لوگ عام طور پر اوراد و وظائف کے درپے رہتے ہیں تسبیح جاری رہتی ہے مگر قلب غافل رہتا ہے۔ نوافل کی کثرت ہے مگر فرض کی جانب توجہ نہیں یہ بھی غفلت ہی کی ایک فرد ہے۔ مشائخ کے یہاں آمد و رفت ہے لیکن مقصود سے بے خبر ہیں۔ پھر جب فرض ہی معدوم ہو تو نوافل سے کیا کام چلے ایسی حالت میں نہ تو وہ مفید ہی ہیں اور نہ معتبر۔ ازالۂ غفلت فرض و ضروری ہے گو اس کا دور کرنا آسان نہیں ہے مگر ہے بہر حال اختیاری۔ اس اختیار کو کام میں لانا ازالۂ غفلت کا علاج و طریقہ بھی ہے اور یہی عمل بار بار کرتے رہنا اس میں سہولت پیدا ہونے کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ ازالۂ غفلت اگر یکسو ہو کر کیا جائے تو انشاء اللہ مقصود تک بہت جلد رسائی ہو جائے اور اگر کوئی شخص کسب معاش میں مشغول ہے تو اسے ذرا دیر تو لگے گی مگر اس تدبیر سے وصول اسے بھی نصیب ہو جائے گا۔ ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ دن بھر میں کم از کم دس پندرہ منٹ خلوت میں ذکر کر لیا کرے۔

حق تعالیٰ کی محبت نہ پیدا ہونے کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ مرید (۱) شیخ کے الفاظ و اقوال کو توجہ اور دھیان کے ساتھ نہ سنے یا سن کر ان پر عمل نہ کرے یا (۲) شیخ سے اسے محبت نہ ہو یا (۳) شیخ کو نعوذ باللہ حقیر سمجھے یا (۴) شیخ کے حکم میں خود رائی سے آمیزش کر دے اس طریق میں خود رائی اور انکار کی تو کھپت ہی نہیں ہے۔

تمام بزرگوں نے سلوک کے کچھ قواعد اور اصول لکھے ہیں ان پر عمل کر کے وہ خود بھی کامل ہوئے اور اپنے اکثر مسترشدین کو بھی کامل بنا دیا اس لئے اب بھی اگر کوئی شخص قاعدے سے کام کرے مثلاً

ازالۂ غفلت کے لئے ذکر کی کثرت کرے۔ دفع خواطر کے لئے اپنے قلب میں شیخ کی عظمت اور اس پر اعتقاد و اعتماد کلی پیدا کرے (اور اگر دل میں وسوسے آئیں تو یہ کہکر اس کی طرف سے التفات ہٹائے کہ میں تو باوجود اس کے اسی شیخ کے قدموں میں پڑا رہوں گا) اور اخلاق کے علاج میں پوری کوشش سے نفس کے خلاف کرے اور رذائل کو نکال پھینکے تو بہت ممکن (بلکہ وعدہ کرتا ہوں) کہ انشاء اللہ تعالیٰ چالیس ہی دن میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جائے۔ آج لوگ اصول ہی سے تو کام نہیں کرتے اس لئے منٹوں کا راستہ برسوں میں طے ہوتا ہے اہل طریق نے کہا ہے کہ انما حرموا الوصول لتضییعھم الاصول۔

۱۲؍ربیع الاول ۱۳۶۶ھ بعد ظہر جمعرات:۔ (۱۵۵ ملفوظ) حالات قلبی تو اعمال کے تابع ہیں عمل تو فعل ہے اور احوال و کیفیات انفعال ہیں جو اعمال میں لگے رہتے ہیں ان کو احوال پیدا ہو ہی جاتے ہیں اور بسط و قبض تو لوازم طریق میں سے ہیں جب تک رسوخ نہیں ہوتا ان کا پیش آنا ضروری ہے۔ نفس بسط اور احوال و کیفیات کا اس لئے طالب رہتا ہے کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے اور قبض میں نرے عمل کرنے سے وہ لذت تو آتی نہیں اس لئے گھبرا کر عمل ہی کو چھوڑ دیتا ہے۔ اعمال سے تو اصل مطلوب رضائے الٰہی ہے لذت مقصود نہیں لذت تو کھانے پینے میں بھی آتی ہے۔ کسی شخص کی خواہش ہو کہ مجھے پچاس روپیہ ماہوار مل جائیں تو اس کو وظیفہ پڑھنے سے نہیں ملے گا بلکہ اس کے حصول کی صحیح تدبیریں کرے اسی طرح احوال کے حاصل ہونے کی صحیح تدبیر اعمال صالحہ کا اختیار کرنا ہے بزرگوں کو احوال انھیں اعمال کے اختیار کرنے سے ملے ہیں۔

۲۲؍صفر ۱۳۶۶ھ بعد جمعہ:۔ (۱۵۶ ملفوظ) بہت سے لڑکے آتے ہیں اپنی تعریف کرتے ہیں جب ان کے گھر والوں کا خط آتا ہے تو صحیح حالات معلوم ہوتے ہیں لوگ جھوٹ بول بول کر اپنی تعریف چاہتے ہیں۔ بھائی برائیاں بیان کرو تو دور کی جائیں اصلاح ہو آجکل سب برائیوں میں مبتلا ہیں یہ بری صحبتوں اور دوستیوں کا اثر ہے مسلمانوں کے لڑکے تباہ و برباد ہیں اُن کی بدحالی دیکھی نہیں جاتی۔ ایک صاحب نے اپنے لڑکے کی شکایت لکھی تھی کہ چار سو روپیہ تماشہ میں خرچ کر دیا۔ فرمایا کہ پہلے تو نوکری نہیں ملتی تھی اور جب نوکری مل گئی تو یہ حال ہے گھر والوں کی پروا نہیں روپیہ تماشہ میں خرچ کرتے ہیں اس قسم کا خط آتا ہے تو رنج ہوتا ہے مگر کیا کروں جو خیر خواہی کی بات ہوتی ہے بتلاتا ہوں لوگ نفس کی وجہ سے نہیں مانتے

اسی لئے ضرورت ہے کہ کچھ دنوں اپنی اصلاح کر لیں اپنے نفع کے لئے تھوڑا ہی کہتا ہوں اس میں تو لوگوں ہی کا نفع ہے مگر سنتے ہی نہیں۔

(۱۵۷ ملفوظ) کثرت سے خط آتے ہیں کہ لڑکے آوارہ ہیں یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ گھر کی رقم بھی لیکر اڑا دیتے ہیں بہت سی عورتیں ایسی ہیں کہ نہ بیوہ ہیں نہ مطلقہ بلکہ معلقہ ہیں اور لوگ ہیں کہ دوسروں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں بھائی پہلے اپنی قوم کی اصلاح کرو ایک دو آدمی کی اصلاح نہ ہوگی تو کیا ساری قوم کی اصلاح ہو جائے گی۔ اصل میں پریشانی کے یہ اسباب ہیں کہ قوم کی قوم تباہ و برباد ہے۔

۲۲ صفر ۱۳۶۶ھ (۱۵۸ ملفوظ) مولانا مملوک العلی صاحبؒ جو مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد ماجد مولانا گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے استاد تھے ان کو پڑھنے کا بڑا شوق تھا دہلی گئے مگر جس کے پاس جاتے وہ کہدیتا تم غبی ہو اور پڑھانے کے لئے کوئی آمادہ نہ ہوتا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا آؤ ہم پڑھائیں گے۔ چنانچہ تین دن پڑھاکر فرمایا جاؤ اب سب تم کو پڑھائیں گے پھر تو ایسا ذہن کھل گیا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب جیسے اُن کے شاگرد ہوئے دہلی میں مدرسہ شاہی کے مدرس اعلیٰ تھے یہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی کرامت تھی۔

(۱۵۹ ملفوظ) مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے کانپور میں بیان فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس گھوڑے پر سوار ہو جائیں وہ سب گھوڑوں کا سردار ہو جائے اور جس گدھے پر سوار ہو جائیں وہ سب گدھوں کا سردار ہو جائے جس آدمی پر سوار ہو جائیں وہ سب آدمیوں کا سردار ہو جائے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے کندھے پر بوقت ہجرت سوار ہو گئے وہ سب آدمیوں کے سردار ہو گئے۔

(۱۶۰ ملفوظ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کوئی منافق باتیں کرتا تو باوجودیکہ وحی سے اس کا منافق ہونا معلوم ہوتا تھا مگر آپ اس سے کلام فرماتے تھے۔ یہ مدارات تھی۔

(۱۶۱ ملفوظ) ایک شخص کو تنبیہاً و تربیتہً یہاں سے نکال دیا تو جاکر وہ اپنے لوگوں میں کہنے لگا کہ جو شخص وہاں سے نکال دیا جاوے وہ سب سے بہتر ہے تو اس سے تو معلوم ہوا کہ جو لوگ نہیں نکالے گئے وہ سب سے بہتر نہیں ہیں بات یہ ہے کہ وہی نفس جھکنے نہیں دیتا اور یہ تو وہی بات ہوئی کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا انا خیر منہ کہ میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں یہ تکبر کی وجہ سے تھا

(۱۶۲) ملفوظ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مست ہو کر جھوم لینا آسان ہے لیکن حضور کی سنت پر برابر عمل کرنا بہت مشکل ہے اتنا ایمان کامل ہو کہ حضورؐ کی سنت پر اپنی ہر خواہش اور ہوائے نفسانی کو چھوڑ دے اور اس کی جگہ احکام سنت و شریعت کو لے ذرا کا لے دار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ تو تُحِبُّوْنَ الله والے تو بہت ہیں لیکن فَاتَّبِعُوْنِی پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں یہ درجہ بہت بعد میں حاصل ہوتا ہے ایک قطر ان کنتم تحبون اللہ ہے اور ایک یحببکم اللہ اور مرکز فَاتَّبِعُوْنِیْ ہے یعنی بندہ کو رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری ہے ؎ کیا کہتی ہے حسن آیۃ قل فاتبعونی محبوب خدا تابع فرمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۱۶۳) ملفوظ) اگر شیخ سے محبت ہو جائے تو اس سے صحیح نسبت حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۱۶۴) ملفوظ) ہم لوگ اتنی محنت کرتے ہیں لیکن کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر ایک چیز حاصل ہو جائے تو مطلوب کو پا جائیں — یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع کی توفیق ہو جائے۔ سارے علماء حدیث شریف پڑھاتے ہیں جس میں حضور کی اتباع عادات و اخلاق پر زور دیتے ہیں مگر طلبہ پر ذرا اثر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ مدرسہ دوسری چیز ہے اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری چیز ہے اگر مدرسوں میں پڑھ کر سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی کوشش کریں تو سارے مولوی ولی ہو جائیں مگر نفس کی لگام ایسی ڈھیلی کر دی ہے کہ کسی کو اصلاح نفس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی فکر ہی نہیں۔

(۱۶۵) ملفوظ) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ نفس کبر واعجاب کے داعیہ کا اتباع نہ کرے جب کبر واعجاب کے داعیہ کا اتباع کرے گا تو دوسروں کو حقیر سمجھنے لگا اور کبر پیدا ہو جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے نفس کو بھی فاسد کر دے گا اور اپنے فساد کا ضرر دوسروں کو بھی پہنچا دے گا تو کبر و اعجاب کے داعیہ پر عمل کرنے کا ضرر لازم بھی ہے اور متعدی بھی کہ کبر کرنے کا ضرر اپنے کو بھی پہنچتا ہے اور دوسروں سے بھی طرح طرح کے فساد و ظلم کا برتاؤ کرتا ہے۔

(۱۶۶) ملفوظ) ہمارے بزرگوں سے ہمارے اسلاف سے جو لوگوں کو فائدہ ہوا وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتے تھے۔ اب ہم لوگوں سے جو فائدہ نہیں ہوتا وجہ یہ ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں خلوص نہیں رہا۔ تواضع اور متکبر پہچانا جاتا ہے چھپتا نہیں متواضع آدمی سے بہت کم ضرر

ہوتا ہے اس سے سب راضی رہتے ہیں۔

(۱۶۷۔ ملفوظ) جو لوگ اپنے اخلاق کا اہتمام نہیں کرتے ہمیشہ پریشان رہتے ہیں اور اخلاق کی اصلاح کرنے والا دنیا میں بھی چین سے رہتا ہے اور آخرت میں بھی آرام سے رہے گا بھائی اچھی چیز کا اثر اپنے اوپر بھی اچھا پڑتا ہے دوسروں پر بھی یہ نہیں کہ اچھے اخلاق سے جنت ہی ملتی ہے بلکہ یہاں بھی آرام سے رہتا ہے اچھے اخلاق والے کا لوگ پتہ لگا ہی لیتے ہیں اچھے اخلاق کا تو برا اثر ہو ہی نہیں سکتا آج کل جو نزاعات بڑھ رہے ہیں یہ نفس کی وجہ سے ہے پہلے لوگ اختلاف میں سخت سخت کہہ جاتے تھے مگر نفس کے لئے نہیں ہوتا تھا اس لئے برا نہیں معلوم ہوتا تھا اور اب نرم بھی کہیں تو چونکہ نفس کے لئے ہوتا ہے برا معلوم ہوتا ہے۔

(۱۶۸۔ ملفوظ) ایک کتاب میں میں نے دیکھا ہے ایک بزرگ تھے وہ چقندر کا سالن پکا کر بیچا کرتے تھے لوگ خریدتے تو بعضے کھوٹا سکہ بھی دے دیا کرتے تھے اور وہ جان بوجھ کر لے لیتے جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ کھوٹا بھی لے لیتے ہیں تو لوگوں نے اور کھوٹے سکے دینا شروع کر دئے۔ جب وہ مرنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوکر عرض کیا کہ یا اللہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ میں آپ کے بندوں سے اچھا سالن دے کر کھوٹا سکہ لے لیتا تھا اسی طرح امید ہے کہ آپ میرے کھوٹے عمل کو قبول فرما کر اس کے بدلہ میں اچھا اجر عطا فرمائیں گے۔ سبحان اللہ کیسے اچھے اخلاق تھے کیسی عمدہ نیت تھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا ہوگا۔

(۱۶۹۔ ملفوظ) ایک رئیس تھے مگر دیندار تھے کاغذ کی پوٹلیوں میں چار آنہ، آٹھ آنہ، روپیہ، دو روپیہ لپیٹ کر اپنے پاس رکھتے جب کوئی سائل ان کے پاس آتا تو سامنے تو ڈانٹ دیتے مگر اس کے چلے جانے پر اٹھتے اور ان پوٹلیوں پر ہاتھ ڈالتے جو بھی ہاتھ میں آجاتا لے لیتے اور پیشاب کے حیلہ سے باہر جاکر اس کو دیدیتے چنانچہ لوگوں کو آہستہ آہستہ اس کا ایسا علم ہوگیا کہ جب کوئی سائل آتا تو مصاحبین کہتے اب ان کو پیشاب لگے گا یہ خلوص کی وجہ سے چھپاتے تھے۔

(۱۷۰۔ ملفوظ) لوگ اپنی حالتوں میں لکھتے ہیں کہ مجھ میں حبِ دنیا۔ حب جاہ۔ ریا کا مرض ہے اور ساتھ ہی یہ شکایت بھی کرتے ہیں کہ کامیابی نہیں ہوتی تو بھائی ان امراض کے ہوتے ہوئے کامیابی

کیسے ہو اور اس کو کمزوری پر محمول کرتے ہیں کہ ابھی یہ کمزوریاں باقی ہیں یہ کمزوری نہیں یہ تو اصل مرض ہی باقی ہے۔ کمزوری یہ ہوتی کہ حب دنیا وغیرہ بالکلیہ ترک کر کے خدا کی طلب میں لگ جاتے اور پھر وہ کمالات جو بزرگوں کو حاصل ہوتے ہیں نہ حاصل ہوتے تو اس کو کوتاہی سمجھتے ان امراض کے ہوتے ہوئے تو ابھی راستہ ہی پر نہیں لگے۔

(۱۷۱۔ ملفوظ) ایک شخص نے آج ہی مجھ سے بیان کیا کہ فلاں وکیل صاحب نے کہا ہے کہ پیر صاحب سے پوچھنا کہ مرید لوگ پیر سے کیا حاصل کرتے ہیں۔ مجھ ہی سے تو مرید اور مجھ ہی سے یہ سوال کرتے ہیں منافقت برتتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت معین الدین چشتیؒ کے مرید اُن سے کیا حاصل کرتے تھے۔ حضرت پیران پیر سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے مرید اُن سے کیا حاصل کرتے تھے صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا حاصل کرتے تھے۔ وہی چیز پیر سے حاصل کی جاتی ہے کون نہیں جانتا مگر سب شرارت ہے۔

(۱۷۲۔ ملفوظ) میرے ایک آدمی سے ایک شخص نے سوال کیا وہاں کیا تعلیم ہوتی ہے جواب دیا تعلیم اور کیا ہوتی بس احکام الٰہیہ کی بجا آوری کی تعلیم ہوتی ہے میں نے کہا کہ بہت اچھا جواب دیا مجھے بہت پسند آیا اسی طرح ایک پیر نے میرے ایک آدمی سے پوچھا وہاں جاتے ہو کچھ حاصل ہوا تو جواب دیا کہ گناہوں سے بچنے اور احکام الٰہی کے بجا لانے کی توفیق ہو جاتی ہے انھوں نے کہا کہ میرا یہ مطلب نہیں قلب میں کچھ نور حاصل ہوا یا نہیں تو جواب دیا اسی سے قلب میں نور بھی حاصل ہو جائے گا۔

(۱۷۳۔ ملفوظ) ایک شخص نے لکھ کر دیا کہ میرے خیال میں پیری مریدی بیکار ہے میں نے کہا مریدی کیوں کہتے ہو پیری ہی کیوں نہیں کہتے کہ میرے ہی اوپر الزام رہے خود تو بری رہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کہ انسان اور جنات کو ہم نے عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے اور پیر لوگ مریدوں کو اسی کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ صاحب لکھتے ہیں کہ میرے خیال میں پیری مریدی بیکار ہے اب ایسوں کو کون سمجھاوے۔

(۱۷۴۔ ملفوظ) جو لوگ کہتے ہیں پیری مریدی بیکار ہے یا اس میں کیا تعلیم ہوتی ہے قطع نظر جواب سے میں اُن سے سوال کرتا ہوں کہ آپ بتلائیں کہ دُنیا میں پیدا ہو کر کیا کیا جاتا ہے کیا پیدائش کا منشا یہی ہے کہ مختار ہو کر وکیل ہو کر عدالتوں میں لوگوں سے جھوٹ بلوائیں۔

(۱۷۵۔ ملفوظ) ایک عالم تھے اُن کے یہاں ایک بزرگ تشریف لائے تو نماز کے لئے وضو کرتے وقت

ہاتھ تین مرتبہ کے بجائے چار مرتبہ دھویا تو عالم صاحب نے کہا حضرت چار مرتبہ دھونا خلاف سنت ہے تو اشارہ کرکے فرمایا کہ آپ نے جو ایسا مکان بنایا ہے یہ بھی تو خلاف سنت اور بدعت ہے کیا نماز روزہ ہی میں سنت اور بدعت کا خیال ہے اصل میں ان کو متنبہ کرنا ہی مقصود تھا اُن کو دکھلا کر ایسا اسی لئے کیا ہوگا کہ یہ ضرور ٹوکیں گے)۔

۲۶ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ۔ (۱۷۶۔ ملفوظ) اب لوگوں نے اخلاق کا مفہوم ایسا ہی سمجھا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک شخص مرنے لگا تو اپنے لڑکے کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد تمھارے پاس کوئی مہمان آوے تو اس کو اونچی جگہ بٹھلانا اور اس کے سامنے موٹے موٹے (قیمتی اور عمدہ) کپڑے پہننا اور اچھا کھانا کھلانا اس سے نرم وشیریں گفتگو کرنا اس بیوقوف لڑکے نے اس کا خوب مطلب سمجھا اس کے باپ کے انتقال کے بعد ایک شخص ملنے کے لئے آیا تو اس کو اونچی جگہ یعنی مچان پر بٹھلایا اور خود جا کر ٹاٹ وغیرہ کا لباس پہن کر سامنے آیا وہ مہمان کوئی گفتگو کرتا تو آپ اس کے جواب میں کبھی روئی کہتے اور کبھی گڑ۔ باپ کی وصیت کا یہ مطلب سمجھا تھا کہ نرم چیز روئی ہوتی ہے اور شیریں گڑ علی ہذا اس کے یہاں ایک قیمتی کتا تھا اس کو ذبح کرا کے مہمان کے کھانے کے لئے اس کا گوشت پکوایا کھانا کھاتے وقت کسی نے کہا کہ بوٹیاں گلی نہیں ہیں تو آپ خفا ہو کے کہتے ہیں واہ پچاس روپیہ کا کتا تمھارے واسطے ذبح کرا دیا اب بھی پسند نہیں آیا اس پر مہمان نے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ حرام کھلا دیا اور اس کی ساری حرکتوں کی وجہ پوچھی کہ آخر جب سے میں آیا ہوں تمھارا عجیب برتاؤ دیکھتا ہوں بیٹھنے کے لئے مچان تجویز کی گفتگو میں کبھی روئی کبھی گڑ جواب دیتے ہو لباس ٹاٹ بورے کا بدل لیا اور کھانے میں یہ حرکت تب اس نے باپ کی وصیت بتلائی کہ والد صاحب نے فرمایا تھا کہ کوئی مہمان آوے تو اونچی جگہ بٹھلانا اس لئے مچان پر بٹھلا دیا۔ موٹے موٹے کپڑے پہننے کے لئے کہا تھا اس لئے یہ لباس بدل لیا نرم وشیریں گفتگو کرنے کو فرمایا تھا روئی سے نرم اور گڑ سے شیریں کوئی چیز نہ تھی اور عمدہ کھلانے میں قیمتی کتا ذبح کرا دیا۔

(۱۷۷۔ ملفوظ) حدیث شریف کے ضبط کرنے کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مہینہ تک استخارہ کرتے رہے کہ ایسا نہ ہو لوگ مخلوق کے کلام میں مشغول ہو کر کلام اللہ کو چھوڑ دیں بزرگوں کی نظر میں کلام اللہ کی خدمت کی بڑی اہمیت رہی ہے اور بڑی بڑی خدمات لوگوں نے کی ہیں اب بھی لوگ کلام اللہ کو سمجھیں تو ولی ہو جائیں۔

(۱۷۸۔ملفوظ) گیلی لکڑی کو اگر آگ پکڑ بھی لے تو دھواں ہوگا جس سے آنکھ اور دماغ پریشان ہو جائے گا وہ دھواں کیا ہے یہی دعویٰ ہے تو ناقصین میں بدوں کامل خلوص کے دعویٰ ہی دعویٰ پیدا ہوتا ہے جس سے دوسروں کو بجائے نفع پہنچنے کے ضرر پہنچتا ہے لوگ اس سے دعویٰ کی کدورت محسوس کر کے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں نہ اس میں اصلی نور ہے نہ حرارت ہے لوگوں کو اس کی وجہ سے دھوکا ہوتا ہے دھواں دیکھ کر لوگ آگ کے پاس آتے ہیں مگر دھوئیں کی کدورت سے آنکھوں میں آنسو اور دماغ میں پریشانی محسوس کر کے اس کے پاس سے بھاگتے ہیں ایسے کے پاس رہنے سے پہلے کا نور بھی مستور ہو جاتا ہے پہلے بزرگوں کا یہ حال تھا کہ جس کے اندر ذرا بھی دعویٰ کی بو پاتے تھے اسکو نکال دیتے تھے۔

۱۷۹۔جب کسی مخلوق کی طرف نگاہ اُٹھے اور اس پر بھروسہ کر کے ریا کرے تو اس کے بالمقابل یہ کیوں نہ سوچے کہ عاجز یعنی مخلوق پر تو نظر اور قادر یعنی خالق پر نظر نہیں مخلوق پر نظر کرے تو ممکن ہے کہ کچھ دے یا نہ دے اور خالق پر نظر کرے تو ملنے کا یقین بھی اور عبادت بھی اور اگر اپنے حاجت کی چیز نہ بھی ملے تو عبادت تو ہے ہی۔

(۱۸۰۔ملفوظ) مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے حضرت اقدسؒ نے عمل تسخیر کی درخواست کی تو فرمایا کہ مسخر ہونے آئے ہو یا مسخر کرنے؟ اس کے بعد حضرتؒ کو عمل تسخیر سے نفرت ہوگئی حضرت اقدسؒ فرماتے تھے کہ مجھے کیمیا آتی تھی ایک شخص نے بتلایا تھا مگر قصداً اس کو بھلا دیا حضرتؒ نے فرمایا کہ بھول جانا تو آسان مگر قصداً بھلانا بہت مشکل ہے اور بھلا اس لئے دیا کہ کیمیا والے کو خدا پر توکل نہیں ہوتا۔

(۱۸۰۔ملفوظ) ایک شخص نے لکھ کر دیا کہ میں نماز پڑھاتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ قرأت اچھی کروں لوگ خوش ہوں گے فرمایا ایسا خیال زیادہ تر بیوقوفی سے پیدا ہوتا ہے ورنہ ذرا عقل سے کام لے تو سمجھے اس سے کیا ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ محلہ والوں میں سے کوئی ایک دو نہ مٹھائی دیدے گا ورنہ پوچھتا کون ہے اگر ہم لوگوں کو ایسا خیال پیدا ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس پر نظر کر کے دو ایک معتقد اور ہو جائینگے مگر ایسے لوگوں کو ابھی اس کی طرف کیوں توجہ محض بیوقوفی ہے۔

(۱۸۱۔ملفوظ) حضرت اقدسؒ کی خدمت میں ایک شخص نے لکھا کہ میں ابدال ہوگیا جواب تحریر فرمایا کہ ہاں پہلے گوشت تھے اب دال ہو گئے یعنی پہلے سے گھٹ گئے۔

(۱۸۲) سب سے زیادہ اُمید دلانے والی آیت یہ ہے "قل یا عبادی الذین اسرفوا الخ یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کی طرف سے یہ اعلان فرما دیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنھوں نے گناہ کرکے اپنی جانوں پر بڑا ظلم ڈھا رکھا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہوجانا اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کرسکتا ہے (بشرطیکہ تم ایمان لاکر قاعدے کے مطابق توبہ کرلو) وہ تو بڑا غفور رحیم ہے حضرتؒ نے لکھا ہے کہ شیطان اتنا بڑا شاطر ہے کہ صحیح عقیدہ پیش کرکے گناہ کراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کا عقیدہ کس قدر صحیح ہے مگر اس کے ذریعہ سے بھی شیطان لوگوں کو معصیت میں مبتلا کردیتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں اس لئے خوب گناہ کرو۔ کیا ڈر ہے وہ تو معاف فرما ہی دیویں گے حالانکہ صحیح عقیدہ ہمیشہ مُثمر برکات و موجبِ اعمال ہوتا ہے نہ یہ کہ سببِ معصیت ہو۔ اللہ تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے ارتکابِ معصیت ہوگیا ہے تو اسے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اب ہماری مغفرت ناممکن ہے بلکہ اسے (قاعدے سے) توبہ کرنی چاہیئے اللہ تعالیٰ بخش دیں گے آیت شریفہ مایوسی اور قنوط سے بچانے کے لئے ہے نہ کہ گناہ پر جری کرنے کے لئے۔ شیطان لعین کی یہ بھی تلبیس ہے کہ کہتا ہے کہ گناہ کرو تم کو غفور رحیم کی معرفت حاصل ہے۔ تم ہی نے تو اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم سمجھا ہے۔ حالانکہ غفور رحیم کی معرفت توبہ سے ہوتی ہے نہ کہ گناہ سے۔ حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو سارے اسماء الٰہیہ کی معرفت، تو جنت ہی میں ہوچکی تھی مگر غفور رحیم کی معرفت دنیا میں ہوئی جب توبہ کی۔

(۱۸۳۔ ملفوظ) حدیث شریف میں ہے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ ایک مولوی صاحب اپنے لڑکے کو پڑھا رہے تھے اور وہ لڑکا اس حدیث پر اُلجھ رہا تھا کہ جس شخص نے بالکل گناہ ہی نہ کیا ہو وہ شخص اور گناہ کرکے توبہ کرنے والا دونوں برابر ہوں گے یا دونوں میں کچھ فرق ہوگا؟ مولوی صاحب شافی جواب نہ دے سکتے تھے اور لڑکے کو تشفی نہ ہوتی تھی ایک بزرگ سامنے سے گزرے (انھوں نے یہ الجھن دیکھ کر) فرمایا کہ "ذرا میری بات سُنئے۔ کپڑا بننے میں جب کوئی تاگا ٹوٹ جاتا ہے تو کیسا ہی مضبوط کیوں نہ جوڑا جائے مگر وہ صفائی نہیں آتی جو پہلے (بغیر جوڑے کے تاگے میں) تھی۔ ایک گرہ پڑ ہی جاتی ہے" [مطلب یہ کہ گناہ کرکے توبہ کرنے والا

بیگناہ کے برابر تو نہیں ہاں اسی جیسا سمجھا جائے گا]۔

(۱۸۴) عمل صحیح سے علم بھی صحیح ہوتا جاتا ہے اللہ تعالیٰ قلب میں علوم حقہ کا القا فرماتے ہیں (چنانچہ اوپر آچکا ہے من عمل بما علم الخ جس نے اپنے معلوم پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اُسے نامعلوم علوم و اسرار کا علم بھی دے دیتے ہیں)۔

(۱۸۵ - مضمون) آجکل سخت فتنوں کا زمانہ ہے قیامت قریب ہے بولنے کا زمانہ نہیں۔ بس خیر اسی میں ہے کہ جو جیسا کچھ کر رہا ہے اُسے کرنے دیا جائے۔ مولانا روم نے ایک شغال رنگین کا ذکر کیا ہے کہ رنگریز کے رنگ بھرے ہودے میں ایک شغال (سیار۔ گیدڑ) کو دگیا پھر دھوپ میں بدن سکھا کر گیدڑوں سے کہنے لگا دیکھو میں اب مور بن گیا ہوں۔ عام گیدڑ تو اس کے دھوکے میں آگئے ایک بڈھا گیدڑ کہنے لگا کہ اچھا تو مور ناچتا بھی ہے اور جھنکارتا بھی ہے تم بھی ناچ کر اور جھنکار دکھاؤ"۔ بس جب وہ ناچنے اور جھنکارنے کی کوشش کرنے لگا اس وقت ساری قلعی کھل گئی اور سب نے جان لیا کہ یہ مور نہیں چور ہے .... ۔ مولانا روم نے ایسے ہی ریاکار و ناقصین کے حال میں لکھا ہے کہ اے بسا ابلیس الخ یعنی آدمی کی شکل میں اکثر تو شیطان ہوتے ہیں اُن سے بیعت نہ ہونا چاہیئے۔ بعض ناقصین کاملین کے ملفوظات رٹ کر بھولے بھالے آدمیوں کو سناتے ہیں کہ ان پر ان کا جادو بھی چل جائے مگر یہ جادو دیرپا نہیں ہوتا کامل کامل ہی ہوتا ہے۔ ناقص ناقص ہی رہ جاتا ہے دیکھو مسیلمہ نے حضورؐ کو دیکھ کر نبوت کا دعویٰ کیا مگر کیا ہوا۔ کذاب کا لقب ملا اور ناکام ہی رہا۔

اس کے مناسب ایک اور عارف محقق کا قول بھی حسن لیجئے فرماتے ہیں "وغیر الصالح لو لبّس ۔ ماعسٰی ان یلبّس لابدان یترشح من نتن فعلہ و قولہ ما یمیّزہٗ عن الصالح" .... یعنی غیر صالح (ناقص) اگر فریب دینا بھی چاہے تو نہیں دے سکتا کیونکہ اسکے قول اور فعل کی بدبو ایسی ضرور اُڑے گی جس سے ناقص و کامل میں امتیاز اور فرق ہو سکے

(۱۸۶ - مضمون) ۲۷ رمضان ۷۲ھ کو حضرت والا نے ایک سلسلہ میں ایک طویل تقریر فرمائی۔ احقر جو کچھ محفوظ رکھ سکا ہے اتماماً للفائدہ اپنے الفاظ میں اسے عرض کرتا ہے:۔

عہد نبوت سے بُعد اور شریعت سے بیگانگی کے باعث اہل زمانہ کا ذوق کچھ ایسا بگڑا ہے کہ اب ان کے نزدیک حقائق بھی بدل گئے۔ مشاہدات اب راز سربستہ بن گئے اور بدیہیات نے نظریات کا درجہ اختیار کر لیا ہے بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ساری دنیا آج بدمعاملگی غضب۔ جھوٹ ظلم غصہ پر اس طرح عمل کر رہی ہے کہ کوئی گھر نہیں ہے جہاں رنجش لڑائی نہ ہو یہ سب بداخلاقیاں ہی ہیں مگر چونکہ ہر طرف زمین پر فساد پھیلا ہوا ہے اور یہ فساد اور بگاڑ ان کی فاسد طبیعتوں کے عین موافق بھی ہے اس لئے وہ سب تو گوارا اور مستحسن اور خوش اخلاقی ہے ان سب

باتوں پر کسی کو بحث و تنقید۔ اعتراض و انکار کی نہ فرصت نہ ضرورت اور جس جگہ ان سب باتوں کی اصلاح کی جاتی ہو اس لئے کہ اللہ اور رسولؐ اس سے ناخوش ہیں وہ جگہ بدنام وہ معلم بداخلاق۔ افسوس۔ کیا ان کے آنکھیں نہیں مثال کے لئے پہلے یہیں آنے والوں کے حالات پر نظر ڈالئے پھر اسی پر قیاس کرکے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے فساد کا اندازہ لگائیے۔ ایک صاحب ذی وجاہت یہاں آئے وہ مجھ سے عقیدت ظاہر کرنے لگے اور انھوں نے بیعت ہونا چاہا میں نے عذر کیا کہ اتنی جلدی کیا ہے کہنے لگے میں حضرت سید صاحب بریلویؒ کے حکم سے یہاں آیا ہوں اس کے علاوہ فلاں شخص نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا ہے۔ آپ مجھے (چشم باطن سے) دیکھ لیجئے اور بیعت فرمالیجئے۔ میں نے کہا ایک رات اور ٹھہر جائیے اس پر دوسرے دن کہا نہ معلوم بیعت میں دیر کیوں کر رہے ہیں جب کہ میں مخلص ہوں۔" اگلی صبح کو میں نے آخر انھیں بیعت کرلیا۔ وہ کچھ دن یہاں رہے اور ٹھیک رہے پھر گھر گئے اور صرف ایک بار اور آئے اس کے بعد نہ اب خود آتے ہیں نہ خط سے حالات کی اطلاع کرتے ہیں اور اب سنا گیا ہے کہ ان کے حالات کچھ بدل بھی گئے ہیں۔ غور کیجئے یہ سب بداخلاقی نہیں تو اور کیا ہے؟ جب دل میں میرے معتقد نہیں میرے کہنے پر جو دراصل قرآن و حدیث ہی کے احکام ہیں انھیں چلنا نہیں تھا تو مجھے طرح طرح سے اپنے خلوص و اعتقاد کے یقین دلانے کی کیا ضرورت تھی؟

پڑھے لکھے لوگ آتے ہیں تو مجھ سے بہت خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور بہت عقیدت ظاہر کرتے ہیں واپس جاکر کوئی کہتا ہے میں تو امتحان لینے گیا تھا۔ کوئی کہتا ہے ان کے یہاں سختی بہت ہے عوام آتے ہیں وہ یہاں کی باتوں سے بھڑکتے ہیں۔ احکام شرعی سن کر اس پر عمل نہیں کرنا چاہتے مگر آنا ضرور چاہتے ہیں عقیدتمندی کا اظہار بھی اور امتثالِ احکام سے عار بھی۔ لوگ میرے غصہ ہونے کو دیکھتے ہیں اور خود جوان کے گھروں میں بھائی بھائی سے غصہ میں ملنا جلنا چھوڑے ہوئے ہے۔ باپ بیٹے سے غصہ میں بات نہیں کرنا چاہتا ہے۔ بیٹا غصہ میں ماں باپ سے خفا ہو کر پردیس نکل بھاگتا ہے، میاں بیوی سے اس قدر خفا کہ گھر میں اس نے لیٹنا چھوڑ دیا یہ سب غصے ان کے نزدیک عین خوش اخلاقی اور ناقابل توجہ ہیں۔

معلوم نہیں یہ اتنی بدیہی باتیں کیوں نظر نہیں آتیں یہ تو بدیہیات سے بھی بڑھ کر مشاہدات و تجربات ہونے کے باعث اجلی البدیہیات ہیں ان پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت دراصل نہیں تھی۔ یہ امور تو ان کو خود نظر آنے چاہئیں تھے اس کی ضرورت نہ تھی کہ میں یا کوئی اور ان کی توجہ مبذول کرائے اور ان امور کی ایک ایک کرکے نشان دہی کرے تب جاکر لوگوں کی سمجھ میں آئے مگر اس کو کیا کیجئے کہ آج ان بدیہی باتوں کی طرف بھی لوگوں کو توجہ دلانے سے توجہ ہوتی ہے خود اس کا احساس بھی نہیں ہوتا بداخلاقی کا نہ محسوس ہونا بجائے خود

ایک مصیبت اور سخت تکلیف دہ چیز تھی مگر اس سے بڑھ کر یہ ظلم ہو رہا ہے کہ خوش اخلاقی اور شرعی اخلاق کی معرفت بھی یکسر لوگوں سے اٹھ گئی ہے۔ لوگ آج شرعی اخلاق کو جانتے ہی نہیں اسی لئے ایسے شخص کو جو شرعی اور عرفی ہر قسم کے اخلاق اپنے اندر رکھتا ہو اسے بداخلاق کہہ بیٹھتے ہیں۔ واللہ یہ اللہ و رسول کی ناخوشی سمیٹنا ہے۔ مسلمانوں پر آج اسی کا وبال ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر قیامت یہ ہو رہی ہے کہ عوام تو عوام پڑھے لکھے جن کا منصب یہ تھا کہ اللہ و رسول کے سچے احکام بلاتحریف و ترمیم کے عوام تک پہنچاتے ان کے اندر دین پھیلانے کی کوشش کرتے اور اگر کوئی شخص اس قسم کا کام کر رہا ہے تو بحکم "تعاونوا علی البر والتقویٰ" اسکے ساتھ تعاون کرتے اس کا ہاتھ بٹاتے اور اس طرح اللہ و رسول کی خوشنودی حاصل کرتے یہ بھی دوسروں کی طرح ہوگئے۔ یہ بھی انھیں بداخلاقیوں میں خود مبتلا ہیں اپنے متعلقین کو انھیں گندگیوں میں آلودہ دیکھ کر خاموش اور مطمئن ہو رہے ہیں یہ بھی خوش اخلاقی کی صحیح معرفت سے جہلا ہی کی طرح محروم ہوگئے ہیں یہ بھی بداخلاقوں کو خوش اخلاق اور کسی خوش اخلاق بندے کو بدخلقی میں بدنام کرنے کے گناہ میں جہلا ہی کی طرح کوشاں ہیں فالی اللہ المشتکیٰ آج خوش اخلاقی کا معیار صرف یہ رہ گیا ہے کہ لوگوں سے ہر حال میں ہنس کر بولے پان شربت سے مدارات کردے عوام یا ذی وجاہت لوگوں کے ساتھ رہنے میں اگر جماعت فوت ہو رہی ہو۔ نماز قضا ہو رہی ہو۔ کوئی اور حکم شرعی اور سنت نبوی مٹ رہی ہو تو اسے مخلوق کی رضا و دلجوئی کے لئے مٹ جانے دے یہ معیار میں تبدیلی اور انقلاب ویسا ہی ہے جیسا کسی احمق نے والد کی وصیت کا پاس کرتے ہوئے اکرام ضیوف کا معیار یہ بنایا تھا کہ کسی کی باتوں کے جواب میں روئی کہدیتا اور کسی کے جواب میں گڑ۔ اسکے نزدیک نرم اور شیریں اشیا کا نام لے دینا ہی لوگوں سے نرم اور شیریں گفتگو کرنے کے برابر تھا اسی طرح آج خوش اخلاق کو بداخلاق اور بداخلاق کو خوش خلق کہا جاتا ہے انا للہ ہ

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کی فہم کرشمہ ساز کرے

ان لوگوں کو شرعی اخلاق کی ہوا بھی نہیں لگی۔ یہ نفس و شیطان کے ہاتھوں کے کھلونے اور ان کے غلام ہیں ان کو نہ ان کے والدین نے شرعی اخلاق دکھائے اور نہ ان کے اُستادوں نے سکھائے یہ اگر کسی اللہ والے کے پاس جاتے جو خود متخلق بہ اخلاق اللہ ہو اور اپنے متعلقین۔ منتسبین کو اپنے جوار و دیار والوں کو شرعی اخلاق سے متصف دیکھنے کی تمنا دل میں رکھتا ہو پھر اس کی جوتیوں میں کچھ دنوں رہتے تب ان کی سمجھ میں آتا اور انھیں قرآن میں یہ آیتیں بھی نظر آتیں کہ اُس میں

(الف) اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّہٗۤ اِلَیْهِ بھی ہے جو اخلاق موسیٰ کا بہترین نمونہ ہے کہ غیرت دینی میں انھوں نے بھائی تک پر اس درجہ غصہ کا اظہار فرمایا۔

(ب) هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ ہے جو اخلاق خضر کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے کہ انھوں نے حضرت موسیٰ میں شرائط صحبت نہ پاکر تربیت ختم کردی۔

(ج) وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً ہے جس سے خوش خلقی ہی کی تعلیم عام مسلمانوں کو دی جارہی ہے۔

(د) لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش اخلاقی ہی کی تعلیم ہے کہ اغیار کی ظاہر داریوں پر نہ جایئے اور ان کے ہر معبد کو خدا ہی کے لئے نہ سمجھ لیجئے۔

(ہ) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ میں خوش اخلاقی ہی کی تعلیم حضور کو دی جارہی ہے کہ اذن دینے میں توقف لازم تھا کہ حق ظاہر ہو جاتا۔

(و) وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ میں حضورؐ جیسے رحیم وکریم اور فطری نرم دل کو ذرا غلظت کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ جہاں رحمت ورافت خوش اخلاقی ہے وہاں غلظت بھی خوش اخلاقی ہے۔

(ز) اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ اور اعزۃ علی الکافرین میں خوش اخلاق مسلمانوں ہی کی مدح ہو رہی ہے

(ط) وَلَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ اور وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا میں کفار سے دلی دوستی سے بھی سختی سے روکا گیا ہے اور ان کی طرف دل کے ذرا ذرا سے میلان ان کی وضع قطع اپنانے سے بھی روکا ہے

اسی طرح ذخیرۂ احادیث میں ان کو ملتا کہ

۱۔ خالفوا الیہود والنصاریٰ میں حضور ہم کو تعلیم دے رہے ہیں کہ یہود ونصاریٰ (اور مشرکین وکفار کے بدرجۂ اولیٰ) معاشرت اور تہذیب سے الگ اپنی معاشرت بناؤ اور ان کی مخالفت کو محافظ دین جانو۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس دن تک اپنے تین صحابیوں سے بولنا خود ترک کردیا اور سب کو ان کا ابیکاٹ کرنے کا حکم دیا۔

۳۔ حضرت عمرؓ کے انجیل پڑھنے اور اس کی تحسین کرنے پر حضورؐ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا۔

۴۔ بعض لوگوں کے اس کہنے پر کہ حضورؐ ہر ماہ تین ہی دن روزہ رکھتے ہیں اور ہم تو صائم الدہر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناخوش ہوئے۔ (ابوداؤد)

۵۔ ونخلع ونترک من یفجرک میں حضورؐ نے مسلمانوں کو یہی کردار سکھایا ہے کہ کفار سے لے کر سلطین تک اگر

اوراغیار سے لے کر اپنے متعلقین تک سے اس کے فجور کے سبب سے بقدر اس کے فجور کے مقاطعہ (بائیکاٹ) کرو۔
دیکھئے یہ سب بھی اخلاق الٰہی اور اخلاق نبوی ہیں۔ غصہ میں دوسرے کے سر اور داڑھی کے بال پکڑنا قطع تعلق کرنا۔ چہرہ کا سُرخ ہو جانا یہ بھی شرعی اخلاق ہے اب ذرا یہ معترضین قرآن و حدیث کی ان نصوص میں غور کریں غصہ اور خفگی وغیرہ کی کسی فرد کو نہ صرف جائز بلکہ محمود و مطلوب و مامور بہ بھی مانیں تو آئیے ہیں آپ کو مرشد رومی کا فیصلہ اور نظریہ سُناؤں وہ فرماتے ہیں کہ غصہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک نفس کے لئے ہوتا ہے اس کا منشا کبر ہوتا ہے یہ حرام ہے اور دوسرا غصہ حق کے لئے ہوتا ہے اس کا منشا غیرت فی الدین ہوتا ہے۔ اس کے بعد دونوں کی علامات و آثار یوں بتاتے ہیں کہ جو غصہ نفسانی ہوتا ہے اُس سے تو فساد پھیلتا ہے ادھر نفسانی غصہ کسی سے ظاہر ہوا اُدھر اُس کے پاس والوں سے اس کی جنگ۔ رنجش۔ منافرت قطع رحم وغیرہ ظاہر ہونا شروع ہوئے لیکن جو غصہ حق کے لئے ہوگا اُس سے ہر طرف صلاح کی تخم ریزی ہونے اور رُشد کی بارش ہونے لگے گی پھر برکتوں اور رحمتوں کی سرسبزیاں ہر طرف اُگنے لگیں گی۔ سوداوی مریض کے دنبلوں کو دیکھ کر محض سہلا دینا نہ ہمدردی ہے نہ خوش اخلاقی بلکہ نشتر سے وہ حصہ کاٹ دینا عین خوش اخلاقی ہے کہ پھر لوگ اُسے ہدیہ تک دیتے ہیں پس بظاہر تو نفس کے لئے بھی غصہ اُسی رنگ میں ظاہر ہوتا ہے جس رنگ میں حق کے لئے ہوتا ہے مگر ان دونوں میں منشا۔ نفس عمل۔ آثار سبھی کا فرق ہوتا ہے نفس کے لئے غصہ کبر سے ناشی ہوتا ہے اظہار غصہ کے دوران میں شریعت کے احکام کی خلاف ورزی ہوگی مثلاً گالی بکے گا۔ دوسروں کی آبروریزی یا خونریزی کر بیٹھے گا اور اس پر اکڑتا پھرے گا لیکن آخر میں اس کا نتیجہ پریشانی۔ فسادات۔ قطع تعلقات، فنار انسانیت ہوگا لیکن حق کیلئے جو غصہ ہوگا وہ تواضع للّٰہی سے ناشی ہوگا۔ دوران اظہار غصہ میں بھی شریعت کی حدود سے باہر نہ ہوگا نہ گالی بکے گا نہ کسی کی آبروریزی یا خونریزی کرے گا [اور بمقتضائے بشریت اظہار کے وقت کچھ بھی زیادتی ہوئی ہوگی تو فوراً اس کے دل میں ندامت۔ عذرخواہی اور ہٰذا من عمل الشیطان کا اعتراف اور استغفار ہوگا پھر اس کے بعد نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر طرف طمانینت صلاح و رشد صلہ رحمی۔ اتفاق و اتحاد پھیلے گا۔

اسلام میں اخلاق سب سے زیادہ فضل و شرف کی چیز تھی۔ اس کی معرفت ایک نعمت عظمیٰ تھی۔ اور اخلاق کا شیوع و ظہور دنیا کے لئے رحمت و برکت ہے اور مثل خوشبو کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ مگر شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے اُس نے اسی کی معرفت اور اس کا عمل ہی دنیا سے ناپید کر دیا۔ اب

یہ حال ہے کہ پڑھے لکھے تک خوش اخلاقی و بدخلقی میں تمیز نہیں کرتے یہ اجلے البدیہیات آہ کہ آج سب لوگوں کیلئے نظری اور محتاج دلیل بن گیا ہے اب نہ خود ان میں صحیح اخلاق ہے نہ ان کے متعلقین میں اور نہ وہ اس کی ہمت کرتے ہیں کہ اہل اللہ سے اسے سیکھیں اور عوام کو صحیح اخلاق سکھائیں۔

(۱۸۷مضمون) نفاق کے بارہ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے "....... او مفوتا لوظیفۃ الجنان فہو المنافق بنفاقٍ آخر قد سماہ بعض السلف نفاق العمل" (ج ا صفحہ ۱۶۳) یعنی اگر ایمان تو ہو مگر دل کا کام (خلوص) فوت ہو رہا ہو تو یہ ایک دوسری قسم کا نفاق ہے جس کا نام بعض سلف نے "نفاقِ عمل" رکھا ہے۔" اس سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم (نفاق اعتقادی اور نفاقِ عملی کی) بعض اسلاف ہی نے کی ہے کتاب و سنّت میں یہ تقسیم نہیں ہے مگر الفوز الکبیر میں صفحہ ۱۲ پر شاہ صاحب نے لکھا ہے:۔" خدائے تعالیٰ اعمال و اخلاقِ ایشاں (منافقین) را در قرآن عظیم آشکارا ساخت و از احوالِ ایں دو گروہ چیزے بسیار بیان فرمود تا ہمہ امت از آں احتراز نمایند [یعنی خدا نے ان (منافق) لوگوں کے اعمال اور اخلاق کو قرآن عظیم میں کھول کھول کر بیان کیا ہے اور ان دونوں گروہوں (منافقین اعتقادی و عملی کے حالات میں سے بہت کچھ بیان فرما دیا ہے تاکہ امت (محمدیہ) اس سے بچنے کا بہت کچھ اہتمام کرے"۔ اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ تقسیم خود قرآن حکیم نے کی ہے۔ کچھ دنوں تک تو میں قرآن میں یہ تقسیم نہیں پا سکا مگر جب غور کیا تو الحمد للہ اب میں نے بھی سمجھ لیا کہ یہ تقسیم خود قرآن میں خدا تعالیٰ نے کردی ہے اس کی تقریر دو طرح سے ہے:۔

تقریر اوّل:۔ حق تعالیٰ نے کلام پاک میں یوں تو منافقین کا کثرت سے ذکر فرمایا ہے مگر بعض جگہ ساتھ ساتھ یوں بھی فرما دیا ہے کہ "وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ - وَمَا أُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ - قد کفرتم بعد ایمانکم۔ وغیرہ یعنی منافقین کا عمل۔ خبث وغیرہ بیان فرما کر حکم کفر بھی لگا دیا۔ اس سے یہ اشارہ سمجھ میں آیا کہ حق تعالیٰ نے ان کے ضمائر و سرائر کی خبر اور عدم ایمان کی اطلاع دے دی پس یہ قسم تو ظاہر ہے کہ منافقین اعتقادی والی ہے لیکن جہاں حق تعالیٰ نے منافقین کے صرف اخلاق ذمیمہ بیان کر دئے ہیں اور کوئی حکم نہیں لگایا مثلاً یوں فرمایا کہ "مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ - وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ - وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ - اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" وغیرہ تو یہاں مقصود صرف ان کے نفاق عمل کا ذکر ہے اور بس۔ بس قسم اول نفاق اعتقادی کی تھی اور یہ قسم نفاق عمل کی ہے۔

تقریر دوم:۔ قرآن میں جس قدر بھی بیان منافقین کا آیا ہے خواہ اس کے ساتھ حکم کفر کا ہو یا نہ ہو سب

دراصل منافقین اعتقادی ہی کے ذکر میں ہے لیکن حق تعالیٰ نے جہاں بعض مسلمانوں کو ایک آدہ ہی غلطی پر سخت زجر و تنبیہ کی ہے غور کرنا چاہئے کہ وہ کیوں کی ہے؟ نزولِ قرآن کے وقت کے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں میں۔ جہاد کی شدّتوں میں۔ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو کر بھی ثابت قدم رہے وہ اگر سچے اور مخلص نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا مگر پھر بھی جو ان پر عتاب نازل ہوا تو آخر کس بات پر ہوا؟ جب اس پر غور کیجئے گا تو سمجھ میں آجائیگا کہ ان کا صرف عمل ہی خلوص کے خلاف تھا مثلاً قرآن میں غزوۂ تبوک میں بعض مخلص مسلمانوں (حضرات کعب و ہلال و مرہ) پر اس لئے سخت تنبیہ کی گئی کہ جہاد جیسے فریضہ سے تخلّف ایسا فعل تھا جو منافقین کفار کی عدم شرکت جہاد سے ملتا جلتا تھا (یا مثلاً) حدیث میں ہے کہ ایک صحابی ثعلبہ بن حاطب پہلے بڑے نمازی تھے اور ہر وقت مسجد میں حاضر رہنے کی وجہ سے لوگ انھیں حمامۃ المسجد (مسجد کی کبوتری) کہتے تھے پھر ان کا یہ حال ہوگیا کہ روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۲۵ پر ہے کہ مسجد سے نماز کے بعد بہت جلد چل دیتے تھے۔ یہ تغیر اور انقلاب دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر ایک دن فرمادیا "مالک یا ثعلبۃ تعمل عمل المنافقین" اے ثعلبہ یہ تمھیں کیا ہوگیا کہ جیسے منافقینِ کفار مسجد سے وحشت کرتے ہیں اب تم بھی کرنے لگے"۔ دیکھئے یہاں حضور نے یوں فرمایا تعمل عمل المنافقین تم بھی منافقین کا سا عمل کرنے لگے" یعنی گو اور باتوں میں تم مسلمان ہو مگر یہ کام تو منافقوں جیسا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ نفاق اعتقادی نہیں ایک دوسری قسم کا نفاق ہے جو صرف بعض عمل سے مترشح ہوتا ہے گو دل میں ایمان ہے۔ اب واضح ہوگیا کہ یہ تقسیم نفاق اعتقادی و عملی کی خود حق تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے۔ الحمد للہ یہ ایک علم عظیم ہے جو حاصل ہوا۔ فللہ الحمد اولاً و آخراً

(۱۸۸ مضمون) آج جو اکثر لوگوں سے بلکہ بعض مولویوں تک سے عمل نہیں سپڑتا اس کی وجہ سنئے:۔

لایقنع بدرجۃ من الدرجات الا احد الرجلین اما غیر مصدق للنعمۃ الخطیرۃ و اما سفیہ لا یھتدی للتجارۃ المربحۃ۔

مجمع البحار ج ۳ ص ۶۴

(باطنی) درجات میں سے کسی درجہ پر قناعت دو ہی قسم کے آدمی کریں گے یا تو وہ جو اس نعمتِ خطیرہ کثیرہ کی تصدیق ہی نہ کرتا ہو اس کا منکر ہو اور یا پھر بیوقوف جو نفع بخش تجارت کرنا ہی نہ جانے۔

(۱۸۹۔ملفوظ) مولانا انور شاہ صاحب فرماتے تھے اولیا، فرشتے ہوتے ہیں اور انبیا انسان مطلب یہ تھا کہ انبیا علیہم السلام کے سارے معمولات ایسے ہوتے ہیں کہ جس سے عوام الناس کی نگاہ میں کوئی امتیازی شان نہیں ہوتی۔

(۱۹۰۔ملفوظ) آریہ وغیرہ مخالفین اسلام اعتراض کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے دنیا کی چیزوں میں سے عورت پسندیدہ ہے چونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے اندھے ہیں اس لئے اپنے اوپر قیاس کرکے اعتراض کرتے ہیں حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب نماز کی اذان ہوتی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ایسے بے رُخ ہوجاتے تھے کہ گویا پہچانتے ہی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی پسندیدگی کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس میں انہماک بھی ہو پسندیدگی وہ مضر ہے جس میں منہمک ہونے سے خدا سے غفلت ہوجائے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی قوت تھی جتنی ساری امت کو ایسی حالت میں حضور کا چند پر اکتفا کرنا انتہائی ورع ہے۔

(۱۹۱۔ملفوظ) مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کوٹھڑا کے حضرت اقدسؒ کے پرانے خلفاء میں سے تھے عالم نہیں تھے مگر حضرتؒ سے ایسی گفتگو اور سوالات کرتے تھے کہ حضرتؒ ان کو مولوی لکھتے تھے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت میں مولوی نہیں ہوں حضرت نے فرمایا نہیں تم عالم ہو ایک مرتبہ انھوں نے پوچھا کہ نسبت کی قوت وضعف کے کیا معنی ہیں فرمایا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نسبت قوی ہوجائے اور مخلوق سے کمزور ہوجائے جتنے ہی اللہ تعالیٰ سے تعلق زیادہ ہوگا نسبت قوی ہوگی اور مخلوق سے نسبت کمزور ہوجائے گی۔

(۱۹۲۔ملفوظ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشیؓ سے فرمایا کہ تم قدرت رکھتے ہو کہ اپنے کو مجھ سے غائب کرلو یہ محض بشریت سے تھا کیونکہ انھوں نے حضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا ان کو سامنے دیکھ کر حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا چنانچہ انھوں نے اپنے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہی کرلیا تھا۔

(۱۹۲۔ملفوظ) حدیث شریف میں ہے کہ جس نے سب فکر کی ایک فکر بنالی یعنی آخرت کی فکر کرلی اس کی بقیہ تمام فکریں دور ہوجاتی ہیں اور دُنیا بھی اس کے پاس ناک رگڑتی آتی ہے بخلاف اُس شخص کے جو دُنیا ہی کی فکر میں رہتا ہے اس کو پریشانیاں گھیر لیتی ہیں اور دُنیا بھی اتنی ہی ملتی ہے جتنی مقدر ہوچکی ہے

(۱۹۴۔ملفوظ) حضرت اقدس رح کی خدمت میں کوئی شخص قیام کا ارادہ ظاہر کرتا تو فرماتے کہ اللہ کے بھروسہ پر آنا چاہو تو آؤ میرے بھروسہ پر نہ آنا مجھے اپنے ہی لئے بھروسہ نہیں دوسروں کے لئے کیا وعدہ کروں یہ تو لکھ دیتے اور یوں فرماتے جو یہاں خدا کے بھروسہ پر آوے گا بھوکا تھوڑا ہی رہے گا

(۱۹۵۔ملفوظ) بشریت سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس میں ہمیشہ ترقیات ہوتی رہتی ہیں کیونکہ اعمال کا صدور تو بشریت سے ہوگا اس میں رنج و تکلیف پیش آوے گی اس پر صبر کرے گا اجر ملے گا بدون اعمال کے اجر کیسے ملے گا اور ترقی کیسے ہو سکتی ہے لوگ چاہتے ہیں کہ ایسا استغراق اور محویت ہو کہ دنیا و مافیہا کی خبر ہی نہ رہے۔ کاملین کو دیکھ کر اسی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں ؎

اولیا را ہیچو خود پنداشتند　　ہمسری با انبیا برداشتند

اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے کھانے پینے سونے سب میں ترقی ہوتی رہتی ہے عوام الناس کیلئے بزرگوں کے مرتبہ پہچاننے میں یہی بشریت حائل ہو جاتی ہے۔

(۱۹۶۔ملفوظ) مولانا محمد قاسم صاحب رح کو بیماری میں ککڑیوں کی خواہش ہوئی تو مولانا عبدالحی صاحب نے لکھنؤ سے بھجوائی تھیں یہاں کی ککڑیاں اچھی ہوتی ہیں یہ زہد کے منافی نہیں لذات کا نہ استعمال کرنا تقشف (خشکی) کہلاتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو دنیا میں منہمک ہے اس کو دنیا دار کہتے ہیں اور ایک وہ ہے جو محض اظہار عبدیت کے لئے تمام لذات استعمال کرتا ہے۔

(۱۹۷۔ملفوظ) اولیا کے جو حالات ہوتے ہیں وہ عروجی ہوتے ہیں امتیازانہ شان رکھتے ہیں اس لئے پہچانے جاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے حالات انتہائی نزولی ہوتے ہیں کہ عوام الناس جیسے ہوتے ہیں اس لئے پہچانے نہیں جاتے اُن کے مرتبے کا پہچاننا بہت مشکل ہے اسی وجہ سے کافر بد دین اعتراض کرتے ہیں۔

(۱۹۸۔ملفوظ) حدیث شریف میں ہے اکرموا حملۃ القرآن حاملین قرآن کی عزت کرو اگر عامل ہوں اور اگر عامل نہ ہو تو اس کے لئے آیا ہے لا تکرموا بل یھان لانہ حجۃ علیہ لا لہ

؎ علم چندانکہ بیشتر خوانی　　چوں عمل در تو نیست نادانی

نہ محقق بود نہ دانشمند　　چار پائے برو کتابے چند

مثل الذین حملوا التورٰۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا اسکی شاہد ہے

(۱۹۹۔ فرمایا اکثر لوگ پڑھتے ہیں ونہی النفس عن الھویٰ اور وہ جانتے بھی نہیں کہ نفس کیا چیز ہے۔ واقعہ ایک صاحب نے حاضرین مجلس میں سے عرض کیا کہ یہ میرے احباب ہیں ان کو سمجھاتا ہوں کہ بدون کسی باعمل سے تعلق پیدا کیئے ہوئے عمل کی توفیق نہیں ہوتی تو یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ ابھی ہمارے لئے بہت وقت ہے ابھی سے کون پابند ہو اس پر فرمایا کہ کوئی تعلق پیدا کر کے دیکھے کہ تنگی ہوتی ہے یا اور آزادی ہوجاتی ہے۔ بھائی عمل تو آدمی اپنے شوق سے کرتا ہے یک بیک تھوڑے ہی سارا بار ڈال دیا جاتا ہے کام تو آہستہ آہستہ بتایا جاتا ہے آجکل نوجوانوں کو تو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیئے کہ دوست بنائیں تو کسی نیک اور اللہ والے کو بنائیں ورنہ یار احباب کی بری صحبت تو سانپ کے زہر سے بھی زیادہ مضرت رساں ہے ؎

تا توانی دور شو از یار بد یار بد بدتر بود از مار بد

۳ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ بعد ظہر۔ (۲۰۰۔ ملفوظ) بعض آدمی لکھتے ہیں کہ کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھتا ہوں تو غصہ آتا ہے تو میں جواب لکھتا ہوں کہ غصہ بھی کرو مگر چونکہ مبتدی میں نفس کی آمیزش کا شبہہ ہے اور غصہ رحمانی و غصہ نفسانی میں امتیاز کرنا مشکل ہے لہٰذا اپنے کو کبر سے متہم سمجھ کر استغفار بھی کرتے رہو یہ بڑا عمدہ جواب ہے چند دن سے اللہ تعالیٰ نے قلب میں ڈال دیا ہے حافظ محمد طٰہٰ صاحب سے بیان کیا تھا بہت پسند کیا اب لوگ مجاہدہ سے بچنا چاہتے ہیں کہ شیخ لکھ دیں کہ تمھارا غصہ رحمانی ہے کرو یا لکھ دیں کہ نفسانی ہے نہ کرو میں دونوں کو جمع کر دیتا ہوں۔

(۲۰۱۔ ملفوظ) دیوبند کے ایک صاحب کہتے تھے کہ تحریکات کے حامی عیسائیوں سے نفرت کرتے ہیں اور عیسائیت کے حامی ہیں۔

(۲۰۲۔ ملفوظ) ایک صاحب تو کہتے تھے کہ زبان چمچہ ہے فیرینی کھانے کے لئے دودھ کھانے کے لئے گر یا خانہ اٹھانے کے لئے نہیں یعنی زبان سے نرم اور شیریں اخلاقی گفتگو کرنا چاہیئے۔ سخت کلامی گالی گلوچ نہیں کرنا چاہیئے۔

(۲۰۳۔ ملفوظ) مسالک اولیاء کے مختلف ہیں جب تک سب مسلکوں پر نظر نہ ہو بزرگوں پر اعتراض کرنا ہلاکی کا سبب ہے بعضے لوگ حدیث شریف وغیرہ کا مضمون دیکھ کر بزرگوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ اپنی حالت پر قیاس کرتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ بزرگوں کے سب مسلکوں پر گہری نظر ہو۔

(۲۰۴ ملفوظ) تعلق مع اللہ کے لئے انقطاع تعلق عن الخلق لازم ہے بعض مرتبہ ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ ادنیٰ التفات بھی مخلوق کی طرف بار خاطر ہوتا ہے ذرا سا کلام کرنے سے بھی گرانی ہوتی ہے۔ اسی لئے کبھی بزرگ بعضی حرکتیں ایسی کر لیتے ہیں جو ظاہراً قابل اعتراض معلوم ہوتی ہیں یہ اس لئے کرتے ہیں کہ لوگ بدظن ہو کر پیچھا چھوڑ دیں اور اُن کو تعلق مع اللہ میں کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔

۶ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ بعد جمعہ۔ ۲۰۵۔ ملفوظ) اب تو لوگ نیک لوگوں کی شکایت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اصطلاحی نیک ہیں شرعی نیک نہیں یعنی چند چیزوں کا نام نیکی رکھ لیا ہے تہجد پڑھنے لگے کچھ وظیفہ مقرر کر لیا بس نیک ہو گئے نہ اخلاق و اصلاح نفس کی پروا نہ معاملات و معاشرت کی درستی کی فکر۔ بس انھیں رسمی چیزوں میں نیکی منحصر سمجھتے ہیں اور اگر کوئی پیر پکڑ لیا تو جو کچھ پہلے کرتے بھی تھے وہ بھی چھوڑ بیٹھیں گے کیا کرتے ہیں لوگ کہ خدا کو تو نہیں پہچانتے اور پیر کی خوب تعظیم کرتے ہیں حالانکہ اصل مقصود تو خدا ہے پیر تو واسطہ اور ذریعہ ہے۔

(۲۰۶۔ میرے یہاں بہت دنوں تک ایک شخص رہے اور گڑبڑ کرنے لگے میں نے عتاب کیا اور نکال دیا تب اقرار کیا کہ جھوٹ بولتا تھا حالات جھوٹ لکھ لکھ کر دیتا تھا محض اپنی تعریف کرانے کے لئے۔ بھلا یہاں جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ کہیں جھوٹی گواہی دو تو کچھ مل بھی جائے میں اسی سب کو رسمی تصوف کہا کرتا ہوں کہ تہجد بھی پڑھ لیں وظیفہ بھی پڑھ لیں مگر جھوٹ بولنا نہ چھوڑیں اور کس سے جھوٹ بولیں؟ پیر سے اگر تم بھی راضی ہو جاؤ اور تمھارے پیر بھی تم سے راضی ہو جائیں تو کیا فائدہ خدا تو تم سے ناراض ہیں اس سے تو یہ اچھا ہے کہ نہ تہجد پڑھو نہ وظیفہ وظائف خوب سوؤ مگر سچ بولو۔

واقعہ۔ دو شخص مجلس میں اونگھ رہے تھے ان کو فرمایا کہ آڑ میں جاؤ میری آواز تو وہاں بھی پہنچے گی وہاں آڑ میں جا کر چاہے سونا چاہے جاگنا پھر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ آپ لوگ سمجھے یہ لوگ کوپا گنج سے کرایہ خرچ کر کے آئے ہیں اور آج ہی چلے جائیں گے یہاں آکر سو رہے ہیں اس آنے سے کیا فائدہ ہوا بس نیک لوگوں کا یہی حال ہے کہ یہ لوگ کچھ تہجد وظیفہ وظائف پڑھتے ہیں اس سے کچھ حالات و کیفیات پیدا ہوتے ہیں اس میں لذت آتی ہے اسی کو کافی سمجھتے ہیں عادات و اخلاق کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے سمجھا کر تھک گیا مگر سنتے ہی نہیں آج کل نہ ماں باپ

اخلاق درست کریں اور نہ اُستاد لڑکوں کی درستی اخلاق کی طرف توجہ کریں سب کے سب تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔

(۲۰۷۔ ملفوظ) جو شخص کہیں کسی بزرگ کی خدمت میں جائے رہے جو کچھ حالات و کیفیات پیش آویں سب شیخ کی خدمت میں پیش کرے جس کو شیخ صحیح بتلا دے صحیح سمجھے بقیہ سب کو غلط سمجھے یہ حالات تو جوگیوں کو بھی پیش آتے ہیں سب سے مشکل چیز اصلاح نفس ہے احوال و کیفیات میں تو نفسانی و شیطانی آمیزش بھی ہوتی ہے اصل چیز اتباع شریعت ہے جب اتباع شریعت ہونے لگے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ عنداللہ مقبول ہو جائے گا۔

(۲۰۸۔ ملفوظ) نفوس میں ایسے باریک باریک چور ہو گئے ہیں بُرے بُرے خیالات بُرے بُرے عقائد رگ و ریشہ میں ایسے سرایت کر گئے ہیں کہ بدون محقق و مبصر کے ان کا ادراک کرنا اور نکالنا بہت مشکل ہے شیطان ہر وقت ان بُرے خیالات کے جراثیم کو گھسایا کرتا ہے۔

(۲۰۹۔ ملفوظ) ایک شخص یہاں آنا چاہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ نفس کی اصلاح کر و اس کے لئے آمادگی نہیں خط پر خط بھیجتے ہیں بھلا یہاں آ کر کیا کریں گے۔

(۲۱۰۔ ملفوظ) پیروں کو لوگوں نے مقصود بنا لیا ہے اسی کی مذمت تو اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے حق میں کی ہے۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہ انھوں نے علماء و مشائخ کو تعظیم فی اللہ میں شریک ٹھہرا لیا ہے جو قابل تعظیم بنتے ہیں ان کی بھی مذمت ہے اور جو لوگ بناتے ہیں اُن کی بھی مذمت علماء و مشائخ کو چاہئے تھا کہ رب کی طرف لوگوں کو بلاتے خود ہی رب بن بیٹھے اور عوام الناس نے ان کو ایسا قابل تعظیم بنایا کیوں وہ بھی قابل مذمت کیا یہ بت پرستی نہیں بلکہ بت میں تو شعور نہیں اس وجہ سے معذور بھی ہے اور تم تو اسکی قباحت جانتے ہو تم ایسے کیوں بنے احبار و رہبان کا تعلق اللہ کے واسطے ہے خود وہ مقصود نہیں مقصود تو خدا ہے یہ بھی ان کو مقصود بنانا ہے کہ اُن کے آداب و رسومات تو بجا لائے جائیں اور اصل مقصود کی طرف فکر و توجہ نہ ہو۔

(۲۱۱۔ ملفوظ) حضرت اقدس رح کے یہاں معمول تھا کہ اگر کوئی آ کر خانقاہ میں رہنا چاہتا تو اول اس سے یہ طے ہو جاتا تھا کہ یہاں زمانہ قیام میں مکاتبت و مخاطبت کی اجازت نہیں ہوگی چنانچہ ایک

مولوی صاحب آنا چاہتے تھے اُن سے بھی اول یہ شرط طے ہوگئی تب آنے کی اجازت ہوئی یہاں آئے تو مجلس میں کسی موقع پر بولنے لگے جب حضرت اقدس نے مواخذہ فرمایا تو اولاً عذر کیا کہ یاد نہیں رہا پھر بعد میں اقرار کیا کہ معاہدہ یاد تھا باوجود یاد ہونے کے بولنے لگے تھے جب وجہ پوچھی گئی کہ کیوں خلاف عہد کیا تو کہنے لگے کہ اور لوگ مجلس میں بول رہے تھے میرے دل میں آیا کہ میں نہیں بولوں گا تو لوگ بیوقوف سمجھیں گے اس لئے میں بھی بولنے لگا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ چونکہ آپ نے سچ بات کہدی یہی میں نے بھی سمجھا تھا۔ اسی لئے بیٹھ جائیے۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ بعد ظہر۔ (۲۱۲۔ملفوظ) کتنے لوگ اب مولویوں میں ایسے ہیں کہ فائدہ تو مجھ سے حاصل کرتے ہیں اور میری مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اعتقاد ظاہر کرتے ہیں اور عظمت دوسروں کی دل میں رکھتے ہیں چنانچہ حال ہی میں ایک صاحب آئے تھے اہل علم ہیں اپنے کو ہر طرح میرے حوالہ کیا کہ مارو پیٹو جس طرح ممکن ہو اصلاح کرو اور یہاں سے جاکر ایک دوسری جگہ بیان کیا کہ مولانا کو کسی ...... نے بہکا دیا اور گھر پر جاکر لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا مدظلہم کی خدمت میں حاضر ہونے سے مجھ کو بہت نفع ہوا غیبت سے زبان رکتی ہے .... سے میں نے استعفا دیدیا اس سے معلوم ہوا کہ میرے تعلق ہی کی وجہ سے ...... کی قباحت سمجھ میں آئی تو ایک طرف تو یہ فوائد بیان کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی کہ مجھے کسی ...... نے بہکا دیا کیا جس کو مرشد و مصلح بناوے اسکی شان میں یہی برتاؤ چاہیئے کہ زبان سے کچھ دل میں کچھ اسی کو تو منافقت کہتے ہیں۔

(۲۱۳۔ملفوظ) میں کسی کو بلانے تھوڑے ہی جاتا ہوں جس کو جس سے اعتقاد ہو تعلق رکھے مگر سامنے آکر اعتقاد ظاہر کرنے کے بعد منافقت برتنا یہ کیا ہے ہاں کوئی معتقد بن کر نہ آوے مہمان بن کر آوے تو اس سے کوئی شکایت نہیں بلکہ جو کچھ ہو سکے گا اس کی خاطر تواضع کروں گا۔

(۲۱۴۔ملفوظ) ایک صاحب جو اہل علم ہیں سے ہیں یہاں اپنی اصلاح کی غرض سے آئے تھے یہاں سے واپس ہو کر جب اسٹیشن پر پہنچے تو اُن سے ایک مولوی صاحب کہنے لگے کہ ابتو آپ دوسرے ماحول میں ہیں یہ طعن کے طور پر کہا ورنہ بتلائیے یہاں کون ماحول ہے یہی نا کہ قرآن و سنت کی تعلیم دی جاتی ہے مثلاً اس مسجد میں نماز پڑھتا ہوں پاس کے مختلف لوگ جماعت میں آجاتے ہیں ایک ماحول تو یہ ہے یا جمعہ کے روز اور مختلف الخیال لوگوں کا مجمع اکٹھا ہوجاتا ہے ایک ماحول وہ ہے

کچھ لوگ یہاں اپنی اصلاح نفس کی غرض سے مجلس میں حاضر ہو جاتے ہیں ایک ماحول یہ ہے پھر ان پر طعن کرنے کی کیا وجہ؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ اس طرز تبلیغ اور اصلاح وغیرہ کو اپنے اغراض کے لئے روڑا سمجھتے ہیں اس لئے محض حسد و تکبر سے ایسا کہتے ہیں روز جلسے ہوتے ہیں دیکھتا ہوں نماز تک کی پروا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ میں جو نماز کا حکم تھا وہ منسوخ ہوگیا اور گویا اس کے ناسخ یہی لوگ ہیں۔

واقعہ ایک صاحب جو سیاسی تحریک میں عرصہ سے شریک تھے اور کانگرس کے بڑے حامی تھے بغرض اصلاح حضرت والا مدظلہم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے چند مجلس میں شرکت کے بعد وطن واپس ہو کر جو باطنی نفع محسوس کیا اس کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان تحریکات میں شریک ہونا بڑے قوی النسبت کا کام ہے ضعفار کے لئے علیحدگی ہی بہتر ہے۔

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ۔ (۲۱۵۔ ملفوظ) جب شیخ صاحب ذوق ہوگا تو مرید میں کہاں سے بد ذوقی آئے گی بزرگوں نے لکھا ہے جو منکر ہوگا اسی میں ذوق نہیں آئے گا اسی سلسلہ میں فرمایا کہ آج میں بہت خوش ہوں اگر کوئی لاکھ روپیہ دے دیتا تو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنا اس مضمون کو دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بزرگوں کی کتابیں بدون شیخ کی اجازت کے بذات خود نہ دیکھے اگرچہ یہ پہلے ہی سے سمجھے ہوئے تھا مگر آج اس مضمون کے دیکھنے سے مزید خوشی و اطمینان ہوگیا۔

(۲۱۶۔ ملفوظ) مجھ کو آجکل ایک چیز بہت ناپسند ہے کہ جگہ جگہ لوگ جلسہ کرتے ہیں اور دور دور سے عالموں کو بلاتے ہیں بڑی بڑی رقموں کا خرچ برداشت کرتے ہیں۔ یہ تو گویا مقامی علماء اپنی نااہلی ثابت کرتے ہیں اس سے کہ ہم سے کوئی مسئلہ پوچھے تو ہم بتاسکیں یا لوگوں میں تبلیغ کرسکیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ طالب علمی میں یہ ٹھانے رہتے ہیں کہ ہم سے کوئی مسئلہ پوچھے گا تو ایک بہت بڑا جلسہ کرکے اپنے اُستاد کو بلادیں گے اور خود اپنے اندر استعداد و صلاحیت نہ پیدا کریں گے کہ دوسروں کو احکام پہنچا کر تبلیغ کرسکیں یہ سب، پست ہمتی کی دلیل ہے۔

(۲۱۷۔ ملفوظ) تصوف کی بعض کتاب میں حفاظت قلب شیخ کے متعلق مستقل باب ہے چنانچہ ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرید اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ادھر اپنے یہاں تنور میں مرغ بھوننے کے لئے رکھ گئے تھے شیخ کی زیارت کے بعد واپسی کا ارادہ کیا تو شیخ کی خواہش ہوئی کہ ابھی رُک

جائیں مگر وہ کوئی ضرورت بتلا کر چلے ہی آئے اور وہ بھنا ہوا مرغ تنور سے نکال کر رکھ دیا تھا کہ کُتا آیا اور لے گیا جب دوبارہ پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ جو شخص شیخ کے قلب کی حفاظت نہیں کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے کُتوں میں سے ایک کُتا مسلط کر دیا جاتا ہے۔

(۲۱۸- ملفوظ) آپ لوگوں کو ایک بات کام کی بتلاتا ہوں یہ آپ لوگوں کو مفت مل رہا ہے میں اس کی تحقیقات میں بہت پریشان رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبولیت تک وہ پہنچتا ہے جو اپنے اخلاق درست کرے بدون اخلاق کی درستی کے اگر کوئی پہنچ جائے تو یوں سمجھے کہ کبھی اغیار بھی دربار میں پہنچ جاتے ہیں مگر براہ مقبولیت نہیں۔

(۲۱۹- فرمایا کہ چونکہ اخلاق کا تعلق دل سے ہے اس لئے کسی بری خصلت کا استیصال کرنا جلدی عادةً مشکل ہے ہاں یہ تدبیر کرے کہ عرصہ تک جوارح سے کردار و گفتار کے ذریعہ سے کوئی فعل خصلت بد کے منشار کے موافق نہ صادر ہونے دے یہ کردار و گفتار مثل شاخ کے ہے عرصہ تک ان کی مخالفت کر کے اس شجرۂ خبیثہ کی شاخوں کو کاٹتا رہے جب اس میں رسوخ ہو جائے تو اب جڑ یعنی دل کی طرف متوجہ ہو اور دل کے میلان کو افعال قبیحہ کی طرف سے روکے اس میں اگرچہ دیر لگے گی مگر خیر رفتہ رفتہ انشاء اللہ تعالیٰ قابو پا جائے گا اسی کو کہا ہے وجاھدوا فی اللہِ حق جہادہ اس کی ایک تفسیر تو ہے جاھدو لاقامة دین اللہ یہ بھی صحیح ہے اور ایک یہ ہے کہ فی سبیل اللہ یعنی کل طاقت اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر دینا چاہیئے جہاد فی سبیل اللہ بھی اقامۃ دین ہی ہے اور یہی سیر فی اللہ جہاد اکبر ہے مولانا رومیؒ اسی کو لکھتے ہیں ؎

اے شہا کشتیم ما خصم بروں ماند زاں خصم بتر در اندروں
کشتن ایں کارِ عقل و ہوش نیست شیرِ باطن سخرۂ خرگوش نیست

(۲۲۰- ملفوظ) آدمی کب چاہتا ہے کہ اس کی محبوب چیز فوت ہو مگر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت بھی تو مسلم ہے فرمایا کہ ایک شخص حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں آیا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی ایک آدمی جیل خانہ سے چھوٹ رہا ہے اس کے لئے رنج کیوں کرتے ہو کہا کہ وہ میرے لئے کھانا پکاتی تھی طرح طرح کا آرام پہنچاتی تھی حضرتؒ نے فرمایا ہاں بیوی کو ماں کے پیٹ سے نہ لیکر آئے تھے مطلب یہ کہ جب تک بیوی نہیں تھی اس وقت تک آرام کیسے پہنچتا تھا اسی طرح بعد کو بھی اللہ تعالیٰ انتظام فرما دیں گے۔

(۲۲۱ ملفوظ) عوام الناس آج کل اپنے نزدیک بزرگوں کا ایک تخیل قائم کرکے جاتے ہیں کہ گردن جھکائے ہوں گے آنکھیں سرخ ہونگی وغیرذالک جب اس کے خلاف پاتے ہیں تو بدظن ہوجاتے ہیں کسی پر اعتراض جلد نہیں کرنا چاہیئے رہنے۔ سوچے سمجھے آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آنے لگے گا۔

واقعہ ایک صاحب نے مجلس میں عرض کیا کہ پہلے کوئی اعتراض کرتا تھا تو اُس سے بھڑ جاتا تھا مگراب بڑی دیر تک خاموش رہتا ہوں چاہے مجھی کو کوئی کچھ کہے جب بھی خاموش رہتا ہوں اس پر حضرت والا نے فرمایا بہت اچھا کرتے ہیں اس کا اثر اپنے پر بھی اچھا ہوتا ہے دوسروں پر بھی۔

(۲۲۲۔ ملفوظ) میں ایک اور بات کہتا ہوں بہت نفیس بات ہے میں بھی اس فکر میں رہتا تھا کہ جب کوئی نفیس بات سمجھ میں آتی تھی تو جی چاہتا تھا کہ لوگوں سے بیان کردوں اثر ہوگا مگر بعد کو سمجھ میں آیا کہ جب ایک چیز کا علم ہوجائے جب تک عمل نہ کرلے پھر مکرر سہ کرر کہنے سے اس پر حجت ہی قائم ہوتی جاتی ہے جب پہلے علم پر عمل کرے گا تب آئندہ اور توفیق ہوگی آجکل جو جگہ جگہ بار بار جلسے ہورہے ہیں یہی وجہ ہے کہ کچھ اثر نہیں ہوتا کہ لوگوں کو علم ہے اس پر عمل نہیں کرتے لہٰذا عمل کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ بعد ظہر ۲۲۳۔ واقعہ۔ ایک صاحب نے مجلس میں عرض کیا کہ کل نسبت کا مفہوم تو سمجھ میں آگیا تعلق مع اللہ یا نسبت مع اللہ کی حقیقت نہیں سمجھ میں آئی فرمایا کہ ملکہ یادداشت اتنا ہو کہ طاعات و دوام یادداشت حاصل ہوجائے اب جاہل صوفیوں نے طاعات کو نکال کر صرف اپنی یادداشت کو کافی سمجھا یہ ملحدانہ خیال ہے پس دوام طاعات اور ذکر یہ تو بندہ کی طرف سے ہو اور رضاء و قرب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو یہ ہے تعلق مع اللہ یعنی دونوں طرف سے نسبت ہو۔ اسی کو بیان کیا ہے ؎

عجیب عشق کا دونوں طرف اثر پھیلا — وہ کہہ رہے انا قیس وہ انا لیلیٰ

اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مصداق ہو۔ اس کا نام نسبت مع اللہ نہیں ہے جیسا کہ کسی شخص سے کسی نے پوچھا ان دنوں کس فکر میں ہو کہا شہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں آدھا کام ہوگیا ہے اور آدھا باقی ہے یعنی میں راضی ہوں اور وہ راضی نہیں فرمایا کہ ایسے ہی موقع پر حضرت اقدسؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

وکل یدعی وصلاً بلیلیٰ   ولیلیٰ لا تقرّ لهم بذاك

انھیں صاحب نے سوال کیا کہ نسبت گناہ کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے فرمایا نہیں عرض کیا اگر احیاناً گناہ ہو جائے فرمایا فوراً توبہ کرے توبہ نہیں کرے گا تو مقبولیت عبداللہ نہیں رہے گی۔

(۲۲۴-ملفوظ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مردہ سے جو قبر میں سوال ہوتا ہے اس کے بارے میں اقوال مختلف ہیں بعضوں نے لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ سوال ہوتا ہے من ھذا الرجل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارکہ سامنے آجاتی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ علم ضروری کے طور پر ہر مومن کو قبر میں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر امتی کے جنازہ پر تشریف لاتے ہیں اسی کو کسی نے کہا ہے

کشتہ کہ عشق دارد نہ گذاردت بدینساں   بجنازہ گر نہ آئی بہ مزار خواہی آمد

(۲۲۵-ملفوظ) ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے اگر اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا ہو جائے تو تمام دنیا معشوقوں سے بھری پڑی ہو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا اور یہ حال ہو ؎

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا   سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

اور جن کے نفس پر ابھی محبت کا اثر نہیں ہوا ہے ان کو دعویٰ ہی دعویٰ ہے جب ذرا خلاف طبیعت پڑتا ہے بھاگ نکلتے ہیں اگر محبت سچی ہوتی تو ہر طرح کی تابعداری کے لئے ڈٹے رہتے اور ؎

لو کان حبك صادقا لاطعته   ان المحب لمن یحب مطیع

پر عمل کرتے۔

(۲۲۶-ملفوظ) شبلیؒ کہیں جا رہے تھے بہت سے لوگ جمع ہو گئے دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں کہا آپ کے دوست ہیں پتھر اُٹھا کر لوگوں کو مارنے لگے اب تو سب منتشر ہو گئے اس پر فرمایا لو کانوا احبائی لصبروا علی بلائی اگر یہ میرے دوست ہوتے تو میری آزمائش پر صبر کرتے محب تو محبوب کی بلا پر صبر کرتا ہے بلکہ محبوب کی بلا میں لذت آتی ہے اور کہتا ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت   سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور محب کا تو محبوب کی بلا پر یہ حال ہوتا ہے ؎

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے   یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

۲۲۷۔ملفوظ) رضا بالقضا بعضوں نے کہا ہے عقلی ہے اور بعضوں نے کہا طبعی ہے طبعی ہونے کا ثبوت اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک صحابیؓ ہیں عین لڑائی کے وقت اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سپر بنائے ہوئے تھے ہر طرف سے تیروں کی بوچھار ہوتی رہی مگر اپنے سینہ پر روکتے تھے اور حضور کو بچاتے تھے یہ طبعی محبت نہیں تو اور کیا ہے۔

(۲۲۸۔ملفوظ) اللہ تعالیٰ سے محبت ہے عقلی اور خواہشات اور گناہوں سے طبعی محبت ہے تو جب تک اللہ تعالیٰ سے طبعی محبت نہ ہوگی محبت کامل نہ ہوگی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ سے طبعی محبت ہو جائے گی تو وہ نفس کی طبعی محبت پر غالب آجائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طبعی محبت نفس کی طبعی محبت کے مقابلہ میں کامل ہے اور کامل ناقص پر غالب آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طبعی محبت جب نفس پر غالب آجائے گی تو نفسانی خواہشات سے بیزار کر دے گی اور لوگ اسی کو سمجھتے نہیں۔ پہلے لوگ اس کو خوب سمجھتے تھے اب مبتدی لوگ عجب ہوس کرتے ہیں کہ اہل اللہ نے طبعی محبت حاصل کرکے جو ثمرات حاصل کئے ہیں ہم کو بدون طبعی محبت کے حصول کے وہی ثمرات مل جائیں حالانکہ ارشاد ہے ولکل درجات مما عملوا

(۲۲۹۔ملفوظ) ایک مرتبہ حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ آجکل پریشانی کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ ثمرات کا تو اعلیٰ درجہ چاہتے ہیں اور اعمال کا ادنیٰ درجہ ان دو باتوں کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے۔

(۲۳۰۔ملفوظ) میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہاری نیت طریق میں داخل ہونے سے یہ (انگلیوں کے اشارہ سے روپیہ بجانے کی طرف اشارہ فرمایا) ہے یا نہیں اب میرے سامنے کیسے انکار کرتے کہا ہاں۔ میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ یہ نیت اسی وجہ سے نہ پیدا ہوئی کہ بزرگوں کے یہاں ہدیہ آتے دیکھ کر رال ٹپک پڑی کہا ہاں میں نے کہا توبہ کیجئے بزرگوں کی خدمت میں رہ کر تارک الدنیا ہونا چاہئے نہ کہ دنیا کی نیت سے رہے یہ کتنی بری بات ہے حاضرین مجلس کو مخاطب فرما کر فرمایا سنئے اور اچھی طرح سمجھ لیجئے ہر وقت ذہن حاضر نہیں رہتا معلوم نہیں کس وقت کیا بات ذہن میں آجاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ضرورتیں تو سبھی کو پیش آتی ہیں تو طالبین ...... دیندار تو ہیں مگر جب ضرورت پیش آتی ہے صبر اور ہمت سے کام نہیں لیتے اور دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں پہلے لوگ باہمت ہوتے تھے اور طلب صادق غالب آتی تھی جب ضرورت پیش آتی صبر و ہمت سے کام لیتے

تھے اب کسی ضرورت یا فائدہ میں دیر ہوتی ہے تو شیطان بہکانے لگتا ہے یہ جلدی کا کام تھوڑا سا ہی ہے
(۲۳۱۔ملفوظ) میرٹھ میں ایک شخص تھے وہ حضرت مولنا سے محبت کرتے تھے انھوں نے حضرت رہ
کے ساتھ لوگوں کی مخالفت کے بارے میں خواجہ صاحب کے سامنے یہ شعر پڑھا تھا ؎

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں ۔۔۔ دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

(۲۳۲۔ملفوظ) نیک لوگوں کو شیاطین الجن شیاطین الانس ستاتے ہیں یہ سنت انبیاء ہے آخر میں یہ
سب مخالفت ختم ہوجائے گی چاہیئے کہ اپنے مخالف جیسی تدبیر نہ کرے اور تفویض و صبر سے کام لے۔
(۲۳۳۔ملفوظ) بھائی دیکھو واقعات کسی کے موافق ہوں یہ بدون مشیت الٰہی کے نہیں ہوسکتا ؎

از خدا داں خلاف دشمن و دوست ۔۔۔ کہ دل ہر دو در تصرف اوست

اور اس طریق میں تو ہمت و صبر و برداشت ہی کی ضرورت ہے اسی کو فرمایا ہے کہ" ہر کہ دریں
کسوت تحمل بے مرادی نہ کند مدعی است و خرقہ بروحرام است" جو تحمل نہیں کرتا ہے تو خالی کپڑے کا
درویش ہے اور ریا کاری کرتا ہے تو خرقہ درویشی ایسے پہ حرام ہوا حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اپنے کو اس کا
مصداق کرے ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو ۔۔۔ یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

اور

ہم نے ان کے سامنے اول تو خنجر رکھدیا ۔۔۔ پھر کلیجہ رکھدیا دل رکھدیا سر رکھدیا
قطرۂ خون جگر سے کی تواضع عشق کی ۔۔۔ سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھدیا

(۲۳۴۔ملفوظ) حضرت مولنا گنگوہی رح حضرت شاہ عبدالقدوس رح گنگوہی کی خانقاہ میں رہتے تھے
ان کی خاندان والوں نے کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیے یہ ہمارے خاندان کی ہے حضرت وہاں سے
اٹھ کر مسجد میں چلے گئے مولنا محمد قاسم رح کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مولنا کی بزرگی میں تو مجھے شبہہ نہیں
تھا مگر سوچتا تھا کہ مولنا نے ہجرت کی سنت پر عمل نہیں کیا اب اس پر بھی عمل ہوگیا۔
(۲۳۵۔ملفوظ) بعض کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقبول بندہ کے واسطے سے دینا چاہتے ہیں اسی کو توسل
کہتے ہیں۔
(۲۳۶۔ملفوظ) ہم لوگ حضرت رح کی سہ دری میں بیٹھے ہوئے تھے ایک مولوی صاحب جنت کر کے

حضرت کی گود میں بیٹھ گئے اور قلمدان وغیرہ منتشر ہوگیا اور حضرت کو ذرا بھی ناگوار نہیں ہوا اور اک دو منٹ کے بعد ہوش آیا تو پھر اپنی جگہ سکون سے بیٹھ گئے اب اس کی وجہ کوئی مجھ سے پوچھے تو میں اس کی کیا وجہ عقلی بتاؤں آپ اپنے اندر وہ حال پیدا کیجئے تو بتاؤں

(۲۳۷۔ملفوظ) ایک شخص نے لکھا ہے کہ جی چاہتا ہے نماز میں خوب جی لگے میں نے اس کا جواب لکھا ہے کہ "خدا دل کی مراد پوری کرے" اور لکھا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ نماز میں ایسی یکسوئی ہو کہ دنیا کی کسی چیز کا خیال نہ آوے اس پر لکھا ہے کہ جو شخص نماز سے باہر رہ کر خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے اس کو نماز میں بھی خدا کی طرف یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔

(۲۳۸۔ملفوظ) کانپور میں ایک شخص نے کہا کہ شب قدر میں جاگنا چاہا تھا نہیں جاگ سکا وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ جو شخص اور دوسری راتوں میں جاگتا ہے اس کیلئے شب قدر میں جاگنا بھی آسان ہوجاتا ہے اسی لئے تو کہا ہے ؎

اے خواجہ چہ پرسی زشب قدر نشانی — ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

مجھے ایک اشکال تھا وہ اس مضمون بالا سے حل ہوتا ہے اشکال یہ تھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ شب قدر اخیر عشرہ رمضان میں ہوتی ہے اور امام صاحب کا مسلک ہے کہ شب قدر تمام سال میں دائر ہے وہ اسی قاعدہ سے ؎

اے خواجہ چہ پرسی زشب قدر نشانی — ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

(۲۲۹۔ملفوظ) حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ ذکر میں مشغول ہوتے تو اتنے محو و مستغرق رہتے کہ اگر لڑکے کسی ضرورت کے لئے بلانے جاتے تو متعدد بار آواز دینے پر سُن کر اتنا فرما دیتے اچھا پھر مشغول ہوجاتے اور فرماتے تھے کہ ابتداء میں میں نے اتنا ذکر جہر کیا ہے کہ ادھر سے توجہ ہٹتی ہی نہیں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی سوانحعمری میں لکھا ہے کہ مولانا میں ذکر کی گرمی سے جلن پیدا ہوگئی تھی اب لوگوں کا حال ہے کہ لکھتے ہیں کہ اتنی کسر رہ گئی ہے کہ نماز میں خیال آتے ہیں معلوم ہوتا ہے اور سب طے ہوگیا ہے بھائی اتنے بھولے کیوں بنتے ہو ابھی تو سامنے کچھ نماز وغیرہ کر بھی لیتے ہو چلا جاؤں تو سب چھوڑ چھاڑ دوگے آخر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لوگوں نے کچھ کیا ہے

اب لوگ بلا کچھ کئے ہوئے سب کچھ ہونا چاہتے ہیں۔

(۲۴۰) ملفوظ) مفتی کے لئے ہوائے نفسانی حرام ہے جب تک تجربہ نہ ہو جلدی نہیں کرنا چاہئے جہاں ذرا بھی شبہ ہو دوسرے کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

(۲۴۱) فرمایا حال جانتے ہو کیا ہے یہ بندہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ انبیا علیہم السلام کو ہوتا تھا کفار نے انکار کیا مرنے کے بعد دوزخ میں پہنچ گئے اسی طرح جو لوگ انبیاء کا اتباع کریں گے ان کو صحیح رال پیش آوے گا ذرا بھی دل میں کھوٹ ہوگا حال آکر واپس چلا جاوے گا منافقین کی تو مذمت قرآن شریف میں آئی ہے بھلا اُن کو کیا حال آوے گا۔

(۲۴۲) ملفوظ) شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ ایک رات کو میں جاگ رہا تھا اور قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا کچھ لوگ پاس ہی سو رہے تھے میں نے کہا کہ یہ لوگ ایسے سوئے ہیں کہ گویا مردہ ہیں اُن میں سے کوئی اُٹھ کر دو رکعت نماز نہیں ادا کرتا والد بزرگوار نے فرمایا کہ اے عزیز کسی کی عیب جوئی اور غیبت کرنے سے تو یہ اچھا تھا کہ تم بھی سوتے یہ خود بینی و پردۂ پندار بہت بڑا حجاب ہے اسی کو فرمایا ہے کہ ؎ نہ بیند مدعی جز خویشتن را   کہ دارد پردۂ پندار در پیش

بعض مرتبہ پندار و غرور کی وجہ سے اپنے شیخ ہی سے لڑ جاتا ہے ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے   حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

اس لئے چاہئے کہ اس پر عمل کرے ؎

بنمائے بہ صاحب نظرے گوہر خود را   عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

چند جاہلوں کے کہنے اور معتقد ہونے سے کیا ہوتا ہے ایک بادشاہ تھا اس کی حجامت نائی نے سوتے میں اس طرح بنا دی کہ بادشاہ بیدار نہیں ہوا اور حجامت بنانا معلوم نہیں ہوا جب بیدار ہوا ہاتھ منہ دھو کر آئینہ دیکھا تو حجامت بنی ہوئی پا کر نائی کی اس صفائی پر بہت خوش ہوا اور خلیفہ کا خطاب دیا اس نائی نے خوشی میں اپنی بیوی سے بیان کیا کہ بادشاہ نے خلیفہ کا خطاب دیا ہے تو اس کی بیوی نے سُن کر کہا کہ بادشاہ کیا جانے اگر چار نائی مل کر دیں تو وہ قابل اعتبار ہے کیونکہ وہ اس فن کو جانتے ہیں اسی طرح کسی صاحب فن کی تصدیق کا اعتبار کرنا چاہئے چند جاہلوں کے معتقد ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(۲۴۳) ملفوظ۔ رسالہ قشیریہ میں لکھا ہے کہ الجاہ مقطعة عظیمة جاہ سے بہت بڑا ضرر ہوتا ہے جس کو چار جاہل متبرک کہدیں اسی دھوکہ میں رہ جاتا ہے حالانکہ بعضے ان میں سے ایسے ہیں کہ ابھی اپنی ارادت کو بھی نہیں صحیح کر سکے پھر متبرک کہنا کیسے جائز ہوگا ایسے ہی شخص کے لئے ہے فخروجہ عن الجاہ واجبة اس کا جاہ سے نکلنا واجب ہے۔

واقعہ۔ ایک صاحب نے حیدرآباد سے اپنی پریشانیاں اور وظیفہ وغیرہ چھوٹ جانے کی شکایت لکھی تھی اس پر فرمایا کہ اعمال کا تو یہ حال ہے اور ولایت چاہتے ہیں ایسی ہی ولایت سستی ہے تو سبھی لے لیں فرمایا میں نے اُن کو یہ جواب لکھا ہے ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد — یا قطع نظر زیار می باید کرد

ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ (۲۴۴) ملفوظ۔ جب کوئی شخص اصلاح کے لئے تیار ہوتا ہے تو مرد لوگ مردوں کو طعنہ دیتے ہیں چنانچہ ایک شخص نے ایک دوسرے سے یہاں آنے کے لئے کہا تو گویا جواب دیتے ہیں کہ ہاں ہم بھی وہاں چلیں گے جب پیجامہ پہن لیں گے یہ بطور طعن کہا تھا اسی طرح کوئی عورت بیعت ہوتی ہے تو دوسری عورتیں اس کو طعنہ دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ ہماری برادری سے خارج ہوگئی .... ہاں اگر کوئی ایسا پیر مل جائے جو کہے کہ تم کو دیکھیں گے نہیں تو قیامت میں کیسے پہچانیں گے تو اس سے بیعت ہونے کے لئے عورتیں تیار ہو جائیں گی

واقعہ ایک صاحب نے اپنے حالات حضرت والا کی خدمت میں لکھے تھے جس میں مندرجہ ذیل اشعار بھی تحریر تھے حضرت والا نے پڑھ کر سُنایا جس سے حاضرین مجلس محظوظ ہوئے اور بعض حضرات نے نقل بھی کر لیا ؎

رہ طلب میں سوار سب ہیں پیادہ مثل غبار میں ہوں — ترے گلستاں میں گل تو سب ہیں بس اک اگر ہوں تو خار میں ہوں
مجھے بھی کچھ فکر آخرت ہو بہت ہی غفلت شعار میں ہوں — رہا میں بیکار زندگی بھر بس اب تو مشغول کار میں ہوں

(۲۴۵) ملفوظ۔ اہل علم پریشان حال رہتے ہیں کیونکہ نہ تو کھل کر دنیا کما سکتے ہیں کہ ہم نے پڑھا لکھا ہے اور جب دین اختیار کرنا چاہتے ہیں تو دُنیا کی فکر دامن گیر ہوتی ہے بس ان لوگوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ کسی بزرگ کو پکڑ لیں۔ وہ اس پریشانی اور مخمصہ سے نکال دے گا۔

(۲۴۶۔ ملفوظ) بعضے لوگ میرے ساتھی ہیں اور دل سے رجوع ہیں اُن کو فائدہ ہے اور اگر کسی کو
ساتھی ہونے کا خیال ہو اور دل سے نہ جھکے تو اسے اختیار ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ دل سے نہ جھکیں اور
فائدہ ہو آج کل ایسے لوگ بہت ہیں کہ اس وجہ سے رجوع نہیں کرتے کہ ہمارے ساتھی ہیں بعضے لوگ
اہل علم ہیں ایسے ہیں کہ کھل کر متوجہ ہوں تو تکمیل کر لیں مگر نفس روکتا ہے اور عار آتی ہے۔

(۲۴۷۔ ملفوظ) نواب بھوپال صاحب کے پیر تھے جو تلوین میں تھے اور اُن کو بڑا زبردست
حال تھا لوگ ان کو کامل سمجھتے تھے........... اور ان پیر صاحب کو باطنی
طور پر ایسا محسوس ہوا کہ میری تکمیل تھانہ بھون میں ہوگی چنانچہ کئی مرتبہ تھانہ بھون کے ارادہ سے سفر
کیا مگر کبھی سہارنپور تک آکر واپس ہو گئے اور کبھی دہلی تک آکر واپس ہو گئے خود داری کچھ مانع ہوتی تھی
آخر کار ایک مرتبہ ارادہ کر کے تھانہ بھون آ گئے چونکہ ان کے ساتھ اور بھی ساز و سامان تھا آبادی
کے باہر باغ میں قیام کا انتظام تھا۔ قصبہ کے لوگوں نے اُن کے پاس اس توقع سے بھی آمد و رفت
شروع کی کہ نواب صاحب کے پیر ہیں ضرورت ہوگی تو کوئی سفارش کر دیں گے حضرت مولاناؒ کے
ناظم کا ایک لڑکا تھا وہ بھی ان کی خدمت میں آمد رفت رکھتا تھا اور اُن سے مرید بھی ہو گیا اس کو
انھوں نے کچھ وظیفہ بھی بتلا دیا اُسنے پڑھنا شروع کیا اس کی بھی ایسی حالت ہوئی کہ اس کی ماں حضرت
کے یہاں گھر میں کام کاج کے لئے آیا کرتی تھی اس نے آکر حضرت سے شکایت کی میرے لڑکے کو معلوم
نہیں کیا پڑھنے کو بتلا دیا کہ وہ تو پاگل ہو گیا حضرت مولاناؒ نے اس کو بلوا کر ڈانٹا کہ ان کے پاس کیوں گیا
خبردار جو ان کا وظیفہ پڑھا ہوگا تو کسی کے۔ نقصان و کمال کو کامل ہی سمجھ سکتا ہے عوام الناس کو کیا
خبر کہ کون کامل ہے کون ناقص۔

(۲۴۸۔ ملفوظ) جو لوگ نفس کی اصلاح نہیں کرتے اُن کو رضائے الٰہی مقصود نہیں احوال و کیفیات
کے ذریعہ حظ نفس مقصود ہے احوال و کیفیات کے ذریعہ بزرگی مشہور ہو جائے گی یہی مقصود ہے یہ
جوگیوں کا مرض ہے یہ مدت میں جائے گا چونکہ اصلاح نفس میں تو کچھ لذت آتی نہیں بلکہ مجاہدہ کرنا
پڑتا ہے اس لئے اس کی اصلاح کی طرف لوگ متوجہ نہیں ہوتے۔

(۲۴۹۔ ملفوظ) جو لوگ اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتے اور غیروں کے مصالح میں پڑتے ہیں ان کا
حال اس کا مصداق ہے۔ ؎

آپ کو سوخت غیر کو لذت　　یہ مزہ بس کباب میں دیکھا

(۲۵۰۔ملفوظ) اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست کرو اور مخلوق کو مار دو جھاڑ دو، حضرت مولنا صاحبؒ کے ماموں حضرت سے فرماتے تھے کہ صاحبزادے دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت میں اپنی گٹھری نہ اٹھوا دینا بعض دفعہ دوسروں کے تھوڑے سے نفع کے لئے اپنا بہت بڑا نقصان ہوجاتا ہے اسی کو دوسروں کی جوتی اور اپنی گٹھری کہا ہے یہ بزرگوں کے نصائح ہیں۔

(۲۵۱۔ملفوظ) جب آدمی کے اندر کوئی مرض ہوتا ہے مثلاً جاہ کا مرض تو وہ دوسروں کی تعریف نہیں سن سکتا اور وہ اسی میں پریشان رہتا ہے جب کسی مسلمان کی تعریف سنے اور اندر سے جی خوش ہو تب سمجھے کہ میرے اندر سے یہ مرض گیا مسلمان کو چاہئے کہ تمام مسلمانوں کے کمال کا خوبیوں کا مشاہدہ کرے اور اپنے اندر تواضع پیدا کرے مولنا مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش　　آزموں را یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ　　خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

(۲۵۲۔ملفوظ) حضرت مولناؒ فرماتے تھے کہ خانقاہ میں جو مدرسہ ہے (فرمایا میرے وقت میں دو مدرس عربی کے اور ایک قرآن شریف کے تھے) اس کا انتظام کچھ لوگ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے ایک روز میرے مکان کے قریب ہی میرے ایک عزیز کا مکان ہے اس کی چھت پر اس بارے میں مشورہ تھا مجھے معلوم ہوا تو میں نے جاکر کہا کہ آپ لوگ مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں تو صبح لے لیجئے مگر جو رقوم میرے اعتماد پر آتی ہیں وہ نہیں دوں گا ہاں پتہ بتلادوں گا آپ لوگ یہ کام کیجئے میں کوئی دوسرا کام کروں گا فرمایا جو کوئی شخص کوئی کام کسی جگہ کرتا ہے اس میں جگہ کی قید تھوڑے ہی ہے جہاں کہیں بیٹھ جائے گا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کام لے لیں گے اب لوگ تقریریں تو بہت لمبی لمبی کرتے ہیں مگر کام کچھ نہیں ہوتا مولنا نے مثنوی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک یہودی تھا جو لوگوں میں ترغیب دیتا تھا کہ جس کا ظاہری حاصل تو یہ ہوتا تھا کہ عمل میں چست ہو مگر اس کے خبث باطنی کا یہ اثر ہوتا تھا کہ عمل میں سست ہو یہی حال آجکل کے بڑے بڑے جلسوں کا اور لمبی لمبی تقریروں کا ہے کہ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ بہت کچھ کام ہو رہا ہے اور عمل کے اعتبار سے کچھ بھی اثر نہیں پہلے یہ حال تھا کہ ایک ایک عالم

دور دور تک کام کرتا تھا وجہ یہ تھی کہ خلوص تھا اور اب یہی چیز عنقا ہو رہی ہے اور پہلے تو اتنا مدرسہ بھی نہیں تھا۔

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ (۲۵۳ ملفوظ) مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ غصہ کرنا حرام ہے میں نے کہا ہاں کہا پھر کیوں غصہ کرتے ہیں میں نے کہا تم لوگ اسامیوں پر خفا ہوتے ہو تو کیوں کہتے ہو تیری ماں کی یوں بہن کی یوں کہا اب سمجھ میں آگیا میں نے کہا کہ تم لوگ خوب سمجھتے ہو تم دنیا کے لئے غصہ کرو تو جائز اور ہم اللہ کے واسطے کریں تو ناجائز۔

(۲۵۴ ملفوظ) اذا ما انزلت سورۃ نظر بعضھم الی بعض الآیۃ اس میں آپس میں تغامز کا مقصد انکار بالوحی ہے یہ اُن کی حالت سے معلوم ہوتا تھا اور وحی کا تمسخر کرتے تھے قائلین آپس میں کہتے تھے (آنکھ مارنا) انا لا نصبر علی سماع القرآن کہ ہم قرآن سننے پر قادر نہیں اس بات کا خوف کرتے ہیں کہ رسوا ہو جائیں گے اس لئے منافقین میں سے بعض بعض کی طرف دیکھتا تھا کہ موقع ہو تو بھاگ نکلیں جب منافقین کے بارے میں کوئی سورت نازل ہوتی تھی تو یوں ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھتا تھا کہ موقع ہو تو مجلس سے بھاگ نکلیں۔

(۲۵۵ ملفوظ) حضرت مولانا فرماتے تھے کہ میں نے کانپور میں ایک شخص کو اچکن دی کہ اسی ناپ کی بنوا دو وہ بنوا کر لائے اور دام اپنے پاس سے دے دے جب حضرت نے دریافت فرمایا کتنے دام لگے تو خاموش رہے اس کے بعد کسی موقع پر حضرت نے دریافت فرمایا تب بھی نہیں بتایا حضرت سمجھ گئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پاس سے ادا کر دئے ہیں اور لینا نہیں چاہتے یہ تھا خلوص اب لوگ جانتے بھی نہیں کہ خلوص کیا چیز ہے۔

واقعہ۔ ایک صاحب سے مجلس میں دریافت فرمایا کہ نفس کس کو کہتے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ میں نفس کی تعریف نہیں جانتا اس پر تنبیہ فرمائی کہ اتنا پڑھا لکھا اب تک نفس کی تعریف نہیں جانتے آخر کوئی فاعل اپنے فعل سے پہچانا جاتا ہے یا نہیں اور افعال کا صدور نفس سے ہوتا ہے یا نہیں اس تنبیہ کے بعد اُن کی سمجھ میں نفس کی تعریف آگئی اور بیان کیا اس پر حضرت والا نے فرمایا دیکھئے اس تنبیہ پر نفس کی تعریف ان صاحب کی سمجھ میں آگئی اور نفس کی معرفت تو فرض عین ہے کیونکہ تقویٰ کا موقوف علیہ ہے جو نفس کو نہیں پہچانے گا تو اس کے افعال یعنی اخلاق حسنہ و سیئہ میں تمیز کیسے کرے گا تو

ہیں تو لوگوں کو تقویٰ کی تعلیم کروں اور لوگ اس کو بد اخلاق کہیں کیا اندھیر ہے۔

(۲۵۶۔مضمون) تنہائی بذات خود مقصود نہیں بلکہ تنہائی صرف جلیس سوء سے بچنے کے لئے ہے اور جلیس صالح عزلت سے بہتر ہے اس سے معلوم ہوا کہ جلیس صالح ملے تو تنہائی سے بہتر ہے اصل مقصود اپنی حفاظت ہے جو تنہائی اختیار کرتا ہے لوگ اس کے پاس خود آتے ہیں یہ غور کرے کہ کس شخص سے ملنا ضرر کرتا ہے اس سے ملنا چھوڑ دے جب شیطان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص نے تنہائی اختیار کی ہے تو لوگوں کو اس کے پاس بھیجتا ہے لہٰذا ہوشیار رہنا چاہئے پہلی نیت تو یہ ہو کہ ہم سے کسی کو ضرر نہ پہنچے دوسری نیت یہ ہو کہ ہم کو کسی سے ضرر نہ پہنچے آجکل امراء اس کے شکار ہو رہے ہیں میل جول سے اور کبھی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں جب تک اللہ تعالیٰ سے دل لگ نہیں جاتا شیطان ورغلاتا رہتا ہے شیطان بڑا دشمن ہے لوگوں کی بھلائی دیکھ نہیں سکتا تنہائی اس لئے ہے کہ کوئی وقت بیکار نہ جائے اور معصیت کا صدور نہ ہو جب عبادت سے تھک جائے پڑ کے سو جائے جب لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص بچنا چاہتا ہے تو اس کو اور دق کرتے ہیں ؎

ہیچ کنجے بے دو دبے دام نیست — جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

آجکل اس سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے روزی دی ہو تو اِدھر اُدھر پھرنے کی کیا ضرورت ہے تنہائی میں اللہ اللہ کرے جب عبادت سے دل گھبراوے بیوی بچوں میں دل بہلاوے کہ یہ بھی عبادت ہے باہر نکلنا تو تلاش معاش کے لئے ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے معاش سے مطمئن و بے فکر کر رکھا ہو تو اوقات کو پراگندہ کرنے کی کیا ضرورت۔

(۲۵۷۔مضمون) جو کوئی خراب ہوتا ہے دوستوں کی صحبت سے خراب ہوتا ہے دنیا میں نیکی جو حاصل کی جاتی ہے انسان چونکہ اس کا محتاج ہے اس لئے کسی نیک سے اس کو حاصل کرنا چاہئے انسان کی طبیعت میں برائی ہے ضرور لیکن اس کو بھی اپنے کسی ہمجنس یا دوست سے سیکھتا ہے بدون اکتساب کے یہ بھی نہیں آتی اس کے دوست لوگ اس کو سکھاتے ہیں اصلاح کا اچھا طریق یہ ہے کہ دنیا کو آہستہ آہستہ چھوڑے اب لوگوں کا یہ حال ہے کہ یا تو دنیا کو بالکل ترک کر دیں گے یا بالکل منہمک رہیں گے کیا کوئی درمیانی درجہ نہیں ہے؟ جب انہماک برائی میں ہے تو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ یکدم اس کو چھوڑ دے بلکہ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ کا ہے فاتقوا اللہ ما استطعتم پر نظر کرتے ہوئے حسب استطاعت بچنے کی

کوشش کرے اور جتنی توفیق ہوتی جائے اتنا چھوڑتا جائے اسی طرح رفتہ رفتہ سب چھوٹ جائے گا بزرگوں نے لکھا ہے کہ نفس کو جس طرح بالکل آزاد چھوڑ دینا برا ہے اسی طرح بالکل مارنا بھی برا ہے اگر ایسا کرے گا تو کر ہی نہیں سکتا رفتہ رفتہ نفس کو مارنا چاہئے یہ جو یک دم سے سب برائیوں کے چھوڑنے کو کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سمجھنے کا ارادہ تو کریں جب انسان کسی برائی کو سمجھنے لگتا ہے تو اس سے بچنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک اہل علم کے متعلق فرمایا کہ مولوی صاحب تو مجھ سے خود زیادہ جانتے ہیں مگر محبت کا ایک اقتضا ہے اس وجہ سے کہتا ہوں جب ارادہ کرینگے سب کچھ سمجھ جائیں گے جب طلب پیدا ہوگی تو سب ہو جائے گا اصل چیز طلب ہے جتنی ہی طلب ہوگی اتنا ہی کام ہوگا طالب کو ایسی ایسی باتیں سمجھ میں آتی ہیں جو غیر طالب کو نہیں آتیں طالب کو مطلوب کی طلب سے صبر نہیں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طلب پیدا کرنا چاہئے طلب کے ساتھ فہم بھی پیدا ہوتی جاتی ہے جو خدا کا طالب ہوتا ہے وہ دنیا کا طالب نہیں ہوتا دونوں میں منافات ہے اور طالب خدا طالب جاہ نہیں ہوتا ہے فرمایا کہ ایک صاحب بھوپال میں رہتے تھے جب تک ان میں جاہ کا مرض تھا اسی میں پریشان رہتے تھے کہ فلاں نے سلام کیوں نہیں کیا فلاں نے تعظیم کیوں نہیں کی اور جب اس جاہ کے خیال کو نکال دیا اور ایک مسجد کی جھاڑو۔ صفائی اور نالی کی صفائی اختیار کر لی آزادی حاصل ہوگئی یہ جاہ کا مرض بھی عجب وبال جان ہے کہ طالب جاہ ہمیشہ سرگرداں و پریشان رہتا ہے اس کے نکل جانے سے دنیا ہی میں جنت کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے ایسی ہی زندگی کے بارے میں فرمایا ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً اور کسی سے دشمنی نہیں رہتی اگر ہے تو اپنے نفس سے دشمنی ہے دوستی کرتا ہے تو اپنے نفس سے اسی کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا اور دوزخ میں بھی اسی نفس کی وجہ سے جائے گا اس شخص کو گلہ ہے تو اپنا ہی ہے ؎

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات   وہ یہی کہنے کو ہیں اور کیا کہنے کو ہیں

آجکل سب جھگڑوں سے علیٰحدہ رہے نہ محکوم ہو نہ حاکم راحت اسی میں ہے مجبوری میں ملازمت کرے کیونکہ وہ تو مجبوری ہے ورنہ کیوں جھگڑے میں پڑے دنیا میں کام کرنے کو کیا کم ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو جائے تو ایک وقت بھی فرصت نہیں ہوتی جو لوگ معاش سے فارغ ہیں اللہ اللہ کریں

کیوں کوئی بلا اپنے سر لیں جو شخص کسی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا ہے ایسا ہی کوئی شریر ہی شخص
ہو تو وہ دشمنی کرے گا۔ ورنہ ایسا شخص مطمئن رہتا ہے البتہ ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں میں اپنے
دوستوں کو میل جول سے منع کرتا ہوں جو علیٰحدہ رہتا ہے ٹھیک ہو جاتا ہے جس کی حالت ٹھیک نہیں ہوتی
ہے سمجھتا ہوں کہ یہ ضرور کسی میں ملوث ہے اور آرام دینے والا تو خدا ہے جو اللہ میاں سے تعلق رکھتے
ہیں وہ کیا آرام سے نہیں رہیں گے۔

(۲۵۹۔ مضمون) خوب سمجھئے کہ موجودہ دُنیا تو ہمیشہ کے لئے نہیں ہے بلکہ جس طرح دُنیا ہے اس سے
بڑھ کر آخرت کا معاملہ ہے وہاں سب افعال کی پرسش ہوگی جو لوگ دُنیا ہی کی طرف منہ کئے ہوئے
ہیں وہ اپنے پیر میں کلہاڑی مار رہے ہیں کیا آخرت خالی نام لینے ہی کے لئے ہے عمل کے لئے نہیں ہے
کیا اللہ تعالیٰ نے تمھیں معاف کر دیا ہے اللہ میاں نے تو کسی کو بھی معاف نہیں کیا ہے یہ میرے گھر کا
حکم تھوڑے ہی ہے یہ تو خدا کا حکم ہے بڑی نادانی کی بات ہے اگر زیادہ نہ ہو تو کم از کم نماز سے تو
غافل نہ ہو جس میں یہ غفلت موجود ہو چاہئے کہ جلد ہی توبہ کرے۔

(۲۶۰۔ مضمون) جلسوں میں لوگ صرف الفاظ بتلاتے ہیں مغز و حقیقت نہیں بتلاتے یہاں پانچ منٹ
بیان کیا آنے والوں کا مرض بیان کیا اور علاج بتلا دیا کسی کی سمجھ میں تو آ ہی جائے گا اللہ تعالیٰ کے ہر قسم
کے بندے ہیں کسی کی سمجھ میں نہ آوے تو قیامت آ جاوے گی۔

(۲۶۱۔ مضمون) میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ جہاں میں کسی شخص کو دیکھتا ہوں کہ اُردو
اچھی بولتا ہے اور کچھ پڑھا لکھا آدمی ہے بس اس سے کھٹک جاتا ہوں کہ اس کی اصلاح بہت
مشکل ہے یہ پڑھا جن ہے اس پر جلد اثر نہیں ہوگا اسی طرح یہاں ایک شخص پر ایک جن آیا تھا ایک
صاحب اُس کو اُتارنے گئے جو یہ شخص پڑھتا تھا وہی وہ بھی پڑھتا تھا کوئی پڑھا ہوا جن ہوگا ایسا جن
مشکل سے اُترتا ہے۔

(۲۶۲۔ مضمون) ایک مولوی صاحب نے مجھے خط لکھا کہ تعطیل کے زمانہ میں خالی رہتا ہوں اگر آپ
اجازت فرمائیں تو دیہات میں قرآن شریف کی تبلیغ کے لئے چلا جایا کروں میں یہ سمجھا کہ ان کا نفس
ذکر شغل سے گھبراتا ہے اس وجہ سے اس کی اجازت چاہتے ہیں مگر ایک اچھی چیز کے لئے دریافت کیا
تھا اس سے کیا منع کرتا مگر میں نے جواب میں یہ لکھا کہ تبلیغ کو میں منع نہیں کرتا مگر جو یکسوئی اور اُنس

آپ کو حاصل ہے اس میں فرق نہ آوے اس پر انھوں نے تحریر کیا کہ حضرت والا کے جواب سے میری آنکھیں کھل گئیں کہ یہ خدمت میرے لئے باعث تشویش ہوگی۔

(۲۶۳۔ مضمون) اسی طرح ایک مولوی صاحب کا خط آیا کہ وظیفہ پڑھتا ہوں اور کبھی نہیں پڑھتا میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ جو مرید ایک دن کا وظیفہ ترک کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس دن اس کی امداد منقطع فرما دیتے ہیں اس کے بعد جواب آیا کہ جب حضرت والا کا یہ جواب دیکھا تو دو تین روز تک بہت جوش وخروش رہا اس کے بعد پھر بھی ترک ہو جاتا ہے اور اسی خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ لکھنؤ میں ایک جماعت ہے اس کی آپ تصدیق فرما دیں تو اس کے ہمراہ میں بھی تبلیغ کیا کروں میں اس کا کیا جواب لکھتا جہاں پر انھوں نے لکھا تھا کہ وظیفہ ترک ہو جاتا ہے وہاں پر میں نے لکھا کہ ہاں جو اپنا وظیفہ بھی نہ ادا کر سکے اسکو ضرور تبلیغ کرنا چاہئے اس کے بعد سے اب تک جواب نہیں آیا پڑھ کر طبیعت ٹھیک ہو گئی ہو گی یہ صاحب ایک دفعہ یہاں آئے تھے اور مجھ سے تبلیغ کی اجازت چاہی تھی میں نے اُن سے کچھ سوالات کئے تو یہاں گر پڑے اور کہنے لگے کہ آپ نے ایسے سوالات کئے ہیں کہ میں جواب نہیں دے سکتا اور بہت متحیر تھے اب اتنے دن کے بعد وہاں سے پھر تبلیغ کی اجازت لکھ کر بھیجا بات یہ ہے کہ تبلیغ کرنے کو نفس اس وجہ سے چاہتا ہے کہ تبلیغ کرنے والوں کی لوگ عزت کرتے ہیں دعوت وغیرہ خوب کھانے کو ملتی ہے اسی وجہ سے نفس بار بار اسی چیز کا متقاضی ہوتا ہے۔

(۲۶۴۔ مضمون) یہاں سے اگر کسی کو نکالا جاتا ہے تو کچھ سمجھ کر نکالا جاتا ہے اس کی بد اخلاقی پر مطلع ہو کر نکالا جاتا ہے وہ اسے میری بد اخلاقی پر محمول کرتا ہے۔ باوجود بُرے اخلاق رکھنے کے لوگ اپنی خوش اخلاقی ہی کے معتقد ہوتے ہیں اور بد خلقی میرے اندر سمجھتے ہیں اور اپنے متعلق یہ سمجھتے نہیں کہ میرے اندر خرابیاں ہیں اُن پر مطلع ہو کر مجھے نکالا گیا ہے۔ ایسے واقعات نکالے جانے کے اور مشائخ کی خفگی کے پہلے بھی ہوتے تھے اور لوگ ان باتوں کو دیکھ کر اُن بزرگوں کا ادب اور احترام زیادہ کرتے تھے اُن سے اعتقاد زیادہ ہوتا تھا اور یہی ہونا بھی چاہئے اس لئے کہ کسی متبع سنت کے ذریعہ کوئی کرامت سرزد ہو تو وہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی ولایت اور مقبولیت کی دلیل و برہان ہے منکروں کے لئے مگر افسوس کہ آج وہی باتیں زیادہ بد اعتقادی کا سبب بن رہی ہیں۔ نفاق اور عناد آج اس قدر بڑھ گیا ہے۔ غرض اللہ کے مقبولین کبھی تو اپنے عمل زجر و اخراج سے یہ ظاہر کر دیتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کی بد خلقی اور بد عقیدگی

وانکار کو سمجھ گئے ہیں اور کبھی یہ حضرات قولاً بھی اس کا اظہار فرما دیتے ہیں مثلاً کسی گذشتہ واقعہ کو بیان کر دیتے ہیں کہ اس طرح ایک شخص ان حالات کا آیا تھا اور میں نے اس طرح اسے نکال دیا اور اس طرح اس کا نفاق ظاہر ہوا اس سے بھی مراد یہی ہوتی ہے کہ میں سوء اعتقاد والوں کو پہچان لیتا ہوں مگر ان مقبولین کے ایسے افعال اور ایسے اقوال سن کر بھی کچھ لوگ دل سے انھیں نہیں مانتے۔ ان کے ساتھ بھی ظاہرداری برتتے ہیں اور دل میں ان پر شبہہ وانکار کرتے ہیں تو سن رکھئے کہ یہ دل کا عملِ انکار تو عناد ہے (اعاذنا اللہ منہ) اور ان کی یہ ظاہری عقیدتمندی نفاق ہے یہ صریحًا خدا کے غضب اور اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے ؎

پیشِ اہل دل نگہدارید دل ٭ تا نباشید از گمانِ بد خجل

(۲۶۵۔ مضمون) بعض لوگ یہاں نفاق لے کر آتے ہیں اور اپنی ظاہرداریوں سے مجھے بعض وقت مطمئن کر کے مجھ سے مرید بھی ہو جاتے ہیں۔ مجھے اگرچہ اُن سے ابتدا ہی سے انشراح نہیں رہتا مگر میں سوء ظن سے بچتا ہوں اور معاملہ اللہ کے سپرد کر دیتا ہوں کہ اگر کھوٹ ہے تو وہ ظاہر ہی ہو جائے گا ایسے ہی ایک صاحب اصرار کر کے مجھ سے مرید ہوئے اور میرے یہاں دو ہی تین دن ٹھہرے اور چل دئے۔ وہاں لوگوں سے کہنے لگے کہ میرا مقصد تو مرید ہونے سے پورا ہی نہیں ہوا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مجھے کرائی ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ قطع نظر اس سے کہ طریق میں داخل ہونے کے لوازم میں سے یا مقاصد میں سے یہ بات ہے بھی یا نہیں کہ جو مرید ہو وہ حضورؐ کی زیارت بھی کر لے گا نہ میں نے کبھی کسی سے یا اُن صاحب سے کوئی دعویٰ یا وعدہ اس کا کیا جو اس کا مطالبہ انھوں نے کیا یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا کوئی دولت کبھی کسی کو بغیر جد و جہد کے ملی ہے ان صاحب نے مجاہدہ کتنا کیا تھا جو اس دولت کی تمنا کرنے لگ گئے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے کہ یہاں ہم تو گنبد خضرا تک کی زیارت کرنے کا منہ نہیں رکھتے خود حضورؐ اقدس کی زیارت تو بڑی چیز ہے۔ اگر انھوں نے کچھ مجاہدہ کیا ہوتا (یہاں مزاحًا فرمایا کہ مثلاً وہی مجاہدہ جو بروایت حضرت حاجی صاحبؒ حضرت سید حسن صاحبؒ بلوی رسول نما لوگوں سے کراتے تھے کہ "لاؤ دو ہزار روپئے دو میں زیارت کرا دوں گا" تو وہی دو ہزار جو اب آٹھ ہزار روپئے کے برابر ہیں لائیں یہاں رکھیں تو میں بھی زیارت کرا دوں) کیا جن لوگوں نے میرے یہاں مجاہدے کئے ہیں کیا وہ زیارت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف اور سرفراز نہیں ہوئے برابر خطوط آتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچنا چاہئے کہ زیارتِ خواب میں آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک ہی کی تو زیارت

ہوتی ہے مگر میں تو اخلاق کی تعلیم سکھا کر یہ کہ رہا ہوں کہ سیرت مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو جو محض چہرۂ مبارک کی زیارت سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ دیکھئے حضورؐ کے زمانہ میں کفار و منافقین نے حضورؐ کے چہرۂ انور کی زیارت کی تھی مگر اس سے انھیں کیا فائدہ ہوا البتہ صحابہؓ کو سیرت رسولؐ کی زیارت ہوئی اور اسی سے ان کا قرب الی اللہ بڑھا مگر لوگ ہیں کہ خواب میں زیارت رسول کو بہت کچھ سمجھ رہے ہیں ایسے ہی نادانوں کے لئے عارف بوصیری رحمہ اللہ نے اپنے قصیدۂ بردہ میں فرمایا ہے۔

وَكَيفَ يُدرِكُ فِى الدُنيا حَقِيقَتَهٗ ‏ ‏ ‏ قَومٌ نِيامٌ تَسَلَّوا عنه بالحُلُم

(۲۶۶) جب حضرت والا مانی کلاں (ضلع جونپور) میں تشریف فرما تھے ایک مولوی صاحب مواخذہ میں تھے۔ ابھی ان کا معاملہ صاف نہ ہوا تھا کہ وہاں سے واپسی ہوگئی۔ سفر میں وہ بھی ساتھ تھے حضرت والا نے لوگوں کی وجہ سے اثنار سفر میں ان سے کچھ نہ فرمایا۔ مکان پہنچنے پر اور لوگوں کے ساتھ وہ بھی مجلس میں بدون اجازت حاضر ہوئے۔ اس پر مندرجہ ذیل سوالات واسطے سے کئے گئے۔

سوال ۱ :- آپ مجلس میں بدون اجازت کیوں آئے ؟

جواب ۱ :- کوپاگنج تک تو مجھے یاد تھا کہ میں مواخذہ میں ہوں لیکن یہاں آنے پر یہ بات ذہن سے بالکل نکل گئی۔

(چونکہ یہ بات بھولنے کی نہ تھی لہٰذا اس جواب سے شبہہ ہوا اور یہ سوال کیا گیا)

سوال ۲ :- چونکہ میں نے سفر میں آپ کو کچھ کہا نہیں لہٰذا اسی سے نہ آپ کو جرأت ہوئی ؟

جواب ۲ :- ہاں یہ خیال مجھے سفر میں گذرا کہ حضرت والا تسامح فرمارہے ہیں ورنہ مجھے حکم دیدیتے کہ گھر چلے جاؤ اور اسی خیال سے مجلس میں بھی چلا گیا کہ اگر حضرت والا کچھ فرمائیں گے تو معافی مانگ لوں گا۔

اس پر یہ مواخذہ فرمایا۔ جواب ۱ میں بدون اجازت مجلس میں آنا سہو پر مبنی کیا گیا ہے اور جواب ۲ سے مجلس میں حاضر ہونا بالقصد ثابت ہوتا ہے لہٰذا دونوں جوابوں میں تضاد ہے اور پہلے جواب سے جھوٹ ظاہر ہوتا ہے پھر مولوی صاحب کو معافی ہوگئی اور حاضر ہونے کی اجازت بھی ہوگئی مگر جب مجلس میں پہنچے تو باوجود قریب جگہ خالی ہونے کے دور ہی بیٹھے اور اس پر ان مولوی صاحب سے ایک واسطے سے مواخذہ کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خفگی کا اثر اب تک میرے دل میں باقی تھا،

پھر دوبارہ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا اس بات کے متمنی نہیں تھے کہ تم سے یہ کہا جائے کہ قریب آکر بیٹھو، کیا یہ جاہ طلبی نہیں ہے اپنے شیخ سے؟ تو ایک تو جاہ طلبی پھر اپنے شیخ سے؟ تو اس کا جواب مولوی صاحب نے یہ دیا کہ جاہ مجھ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور یہی خیال تھا کہ حضرت فرمادیں تو میں قریب آکر بیٹھوں۔

(۲۲۷۔ مضمون) بخاری کی شرح بہجۃ النفوس میں ایک قصہ ہے کہ ایک شخص ایک بزرگ کی خدمت میں گیا اس قصہ کو میں نے حضرت مولٰناؒ سے بھی اختصار کے ساتھ سنا تھا اس میں اس کی تفصیل موجود ہے ان بزرگ نے اس سے کہا کہ تم حجرہ میں رہو ایک دن اس کو بلا کر پوچھا کہ تم مجھ کو کیسا دیکھتے ہو اس نے کہا جیسے سور، پھر کچھ دنوں کے بعد پوچھا کہ اب کیسا دیکھتے ہو کہا جیسے کتا علی ہذا بلی وغیرہ بتلاتے ہوئے کہا کہ میں آپ کو اب بدر کامل کی طرح دیکھتا ہوں ان بزرگ نے فرمایا کہ میں جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہوں تم نے تو مجھے بدلا نہیں یہ تو احتمال ہو نہیں سکتا کہ تم نے مجھے بدل دیا بلکہ اب تک جو کچھ تمہیں نظر آتا تھا وہ تمہاری ہی حالت تھی اب چونکہ تم خود بدر منیر ہو گئے اس لئے مجھے بھی ویسا ہی دیکھتے ہو اسی کے لئے کہا گیا ہے کہ ولی را ولی می شناسد۔

(۲۲۸۔ مضمون) شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو میرے پیر نے دو نصیحتیں اس مضمون کی فرمائیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

مرا پیر دانائے روشن شہاب | دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش | دگر آنکہ بر غیر بدبیں مباش

یعنی دوسرے کے اندر عیب نہ دیکھو اور اپنے کمال پر نظر نہ کرو پہلے لوگوں کا یہ حال تھا کہ لوگ اگر گردن جھکا کر بیٹھتے تھے تو کسی تجلی کا مشاہدہ کرتے تھے اور اب یہ حال ہے کہ اگر کوئی گردن جھکا کر بیٹھتا ہے تو میں ڈرتا رہتا ہوں کہ کسی کے عیب کا تو نہیں مشاہدہ کر رہا ہے پہلے تو ہنسی سے ایسا کہتا تھا مگر تجربہ کے بعد واقعی اس خیال کو سچ پایا۔

(۲۲۹۔ مضمون) امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ کس کی صحبت اختیار کرنا چاہئے اس کے متعلق فرماتے ہیں عابد ہو عاقل ہو اور حسن الخلق ہو ایسے کی صحبت دوسروں کے لئے مفید ہوتی ہے اور عاقل وہ ہے جو کسی چیز کی حقیقت خود سمجھتا ہو یا کسی کے سمجھانے سے سمجھ جائے تو ایسا شخص اگرچہ چیزوں کی حقیقت سمجھ لیتا ہے مگر ہر عاقل کے لئے حسن الخلق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ جبتک اپنے نفس کو مقہور کر کے حسن خلق نہ حاصل کر چکا ہو

اس کی صحبت دوسروں کے لئے مفید نہیں ہوگی کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ غلبہ شہوت وغضب کے وقت عمل کے موقع پر ساری معلومات غائب ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے ہوائے نفسانی کا اتباع کر لیتے ہیں اور شہوت وغضب کے مقہور کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔

(۲۳۰ مضمون) اب میں مولویوں سے کہا کرتا ہوں کہ یہ اخلاق آپ کے اب کے بگڑے نہیں ہیں بلکہ طالبعلمی کے زمانہ کے بگڑے ہوئے ہیں اب تو خانقاہوں میں رہنے والوں کو بھی اخلاق کی درستی اور حسن معاشرت کا اہتمام نہیں لوگ خانقاہوں میں رہتے ہیں تہجد پڑھتے ہیں وظیفہ پڑھتے ہیں مگر اخلاق خراب اس کی اصلاح کی فکر ہی نہیں یہاں میرے پاس تھوڑی دیر آکر بیٹھ جانے سے کیا ہوتا ہے اگر اپنے اخلاق کی اصلاح کی فکر کریں اور آپس میں صبر و برداشت سے کام لے کر رواداری کا برتاؤ کریں تو بہت جلد اصلاح ہو جائے اسی طرح اگر گھروں میں ایک دوسرے کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے صبر سے کام لے تو وہ صبر و ضبط کی وجہ سے خود تو سدھر ہی جائے گا علاوہ اس کے دوسرے لوگ بھی اس کے صبر و تحمل کو دیکھ کر صبر اختیار کریں گے اور اس طرح دوسروں کی بھی اصلاح ہوتی رہے گی حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ مومن جو لوگوں سے مخالطت کر کے ان کے برتاؤ پر صبر و برداشت سے کام لے اس سے بڑھ کر ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں کرتا اور صبر نہیں کرتا اگرچہ جائز یہ بھی ہے کہ مخالطت نہ کرے لیکن بہتر وہی ہے جو مخالطت کر کے صبر و برداشت سے کام لے

۱۰ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ دوشنبہ بعد ظہر (۲۳۱ مضمون) بعضے دنیا دار ایسے ہیں کہ اپنی دنیا داری بھی نہیں چھوڑنا چاہتے اور یہاں بھی آنا چاہتے ہیں محض نام کے لئے کیونکہ یہاں آنے سے نام بھی ہوتا ہے بار بار منع کرنے پر بھی نہیں مانتے

واقعہ:۔ ایک صاحب جن کو تنبیہ تھی کہ یہاں آویں تو اول اجازت حاصل کر لیں تب آویں لیکن وہ بدون حصول اجازت آ گئے اس پر مواخذہ ہوا تو جواب دیا کہ غلطی ہوئی کہ بدون اجازت حاصل کئے آ گیا حضرت والا نے اس مختصر جواب کو ناکافی سمجھ کر ایک صاحب کے واسطہ سے دریافت فرمایا کہ جو صحیح وجہ ہے وہ بتلا دیں چھپا دیں گے تو نکال دوں گا چنانچہ اس سلسلہ میں مکرر سہ کرر استفسار کی ضرورت ہوئی حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ لوگوں کو اس پر تعجب ہوگا حالانکہ لوگ یہاں مختلف اغراض سے آتے ہیں بعضے آتے ہیں کسی اور ارادے سے اور ظاہر کچھ اور کرتے ہیں اگرچہ لوگوں کا دھوکا یہاں چلتا نہیں مگر جب بھی دھوکا دیتے دیتے تھک نہیں جاتے اپنی حرکت سے باز نہیں آتے جب جانتے ہیں کہ اب دھوکا نہیں

ملے گا تب مجبوراً اقرار کرتے ہیں ایسے لوگوں سے میں بھی کہتا ہوں اب جاؤ جتنے دنوں دھوکا دیا ہے اتنے دن انتظار کرو۔

(۲۳۲ ۔ مضمون) چاہتا ہوں کوئی دنیا دار دھوکہ باز یہاں نہ آوے کیونکہ اس سے الجھن ہوتی ہے اور غصہ آتا ہے غصہ کرتا ہوں تو لوگ سختی سمجھتے ہیں اور اگر نرمی برتوں تو اصلاح نہیں ہوتی اس پر قادر نہیں کہ ایسے لوگ یہاں نہ آویں۔

(۲۳۳ ۔ مضمون) اصلاح تو جب تک ایک شخص کو اعتماد کے ساتھ نہیں پکڑو گے ہو نہیں سکتی یہ طے شدہ مسئلہ ہے آج کل کے فتنہ کی وجہ سے بہت جانچ پڑتال کرتا ہوں تاکہ میں خود نہ فتنہ میں پڑ جاؤں لیکن مبتلا ہو ہی جاتا ہوں۔

(۲۳۴ ۔ مضمون) آجکل لوگ بزرگوں کے یہاں بھی چاپلوسی و خوشامد سے کام لیتے ہیں اور دل سے اعتقاد نہیں رکھتے یہی وجہ ہے کہ عرصہ تک تعلق رکھنے کے باوجود بھی نہ کوئی نفع ہوتا اور نہ کچھ عقل و فہم بڑھتی ہے ایسے لوگ بزرگوں کو امراء پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے وہ لوگ ظاہری خوشامد و چاپلوسی سے خوش ہو جاتے ہیں ایسے ہی ہم بزرگوں کو بھی ہدیہ تحفہ اور خوشامد و چاپلوسی سے خوش کرلیں گے۔

(۲۳۵ ۔ مضمون) دنیا دار تو ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہتے ہیں اس لئے ایک دوسرے کے حالات و خیالات کو سہولت سے سمجھ لیتے ہیں اور دیندار چونکہ دنیا داروں سے کم ملتے جلتے ہیں اس لئے بہت موقع پر ان کے صحیح حالات سمجھنے میں دھوکا ہو جاتا ہے لہٰذا تصوف میں بڑی عقل کی ضرورت ہے تاکہ اپنے نفس کو پہچانے اور دوسروں کے حالات و خیالات کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔

۱۱و۱۲ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ سہ شنبہ بعد ظہر۔ (۲۳۶ ۔ مضمون) عکرمہؓ بن ابی جہل اور ابوسفیان وغیرہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے پر بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے لیکن جب تک اسلام راسخ نہیں ہوا تھا مسلمانوں کے خلاف اپنے جذبات کو چھپا نہیں سکتے تھے چنانچہ غزوہ حنین میں مسلمانوں کو جب مغلوبیت ہوئی تو کہنے لگے کہ محمد صلعم کا جادو باطل ہو گیا اور مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اب دریا کے ورے ٹھہر نہیں سکتے۔

(۲۳۷ ۔ مضمون) یہود مدینہ جانتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخرالزماں ہیں لیکن عناد و تکبر نے اجازت نہ دی بر نہ دی کہ دولت اتباع سے مالامال ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قبل منتظر تھے کہ نبی آخرالزماں پیدا ہوں اور اپنی کتابوں میں ان کی علامتیں دیکھتے تھے لیکن بعد بعثت محض عناد و تکبر کی

وجہ سے متبع نہ ہوئے حتیٰ کہ قتل کئے گئے جلاوطن کئے گئے آجکل بھی ایسا کثرت سے ہو رہا ہے کہ باوجود حق واضح ہونے کے لوگ محض تکبر وعناد کی وجہ سے اتباع سے عار کرتے ہیں اسی سلسلہ میں فرمایا کہ یوں تو میں اپنے بارے میں غلطیاں کرتا ہوں گنہگار ہوں لیکن الحمدللہ اصلاح کے بارے میں غلطی کم ہوتی ہے فرمایا کہ آجکل تو لوگوں میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

(۲۳۸۔ مضمون) ایک حاجی نے بدو کو مار دیا تھا پھر افسوس ہوا اور اس کو کچھ دے کر خوش کر لیا تو وہ بدو کہتا تھا کہ ہمارا حاجی مرۃ طیب مرۃ بطال اسی طرح ایک ڈاکٹر صاحب جو بہت غصہ کرتے تھے ان کے متعلق بھی ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ ہمارے ڈاکٹر صاحب مرۃ طیب و مرۃ بطال یہی حال ہم لوگوں کا ہے کبھی اچھے ہیں اور کبھی بُرے۔

(۲۳۹۔ مضمون) حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ حضرت عمرؓ کو جیسا خیال فرماتے ہیں ویسے ہی ہیں مگر ذرا سخت ہیں اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس موقع پر میں نرمی کرتا ہوں وہاں عمرؓ سختی کرتے ہیں اور جہاں میں سخت رہتا ہوں وہ نرم ہو جاتے ہیں میرا بارہا کا تجربہ کیا ہوا ہے ایک دوسرے صحابی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا آپ اپنی جگہ ایسے کو خلیفہ بنا رہے ہیں جو امت پر سختی کرتا ہے خدا کو کیا جواب دیں گے حضرت صدیقؓ ٹیک لگائے ہوئے تھے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا تم مجھ کو ایسے کے بارے میں آخرت سے ڈراتے ہو جس سے بڑھ کر میں دُنیا میں کسی کو نہیں سمجھتا جب میں نہیں رہوں گا تو امت کے ساتھ ان کی سختی بھی نہیں رہے گی۔

(۲۴۰۔ مضمون) ایک شخص یہاں آئے کہ میں تم سے مرید ہونے آیا ہوں فلاں شخص نے مشورہ دیا ہے کہ مرید حضرت مولناؒ سے ہو اور تعلیم یہاں سے رکھو میں نے کہا پھر مشورہ کے خلاف کیوں کرتے ہو کہا رائے بدل گئی میں نے کہا جن کے مشورہ سے آئے تھے بدوں ان کی اطلاع کے رائے بدل گئی لہٰذا دوبارہ اپنی رائے بدلنے کے بعد مشورہ کیجئے تب دوبارہ آئے مشورہ لینے گئے اب صدائے برنخاست فرمایا لوگ آزمانے کیلئے یہاں آتے ہیں۔

(۲۴۱۔ ملفوظ) ایک ولایتی طالب علم تھے جو مولنا فتح محمد صاحب تھانویؒ سے پڑھتے تھے ایک مرتبہ خفا ہوئے اور مولناؒ سے لڑ پڑے مولنا فتح محمد صاحبؒ بہت نرم مزاج تھے فرمایا کہ جب مجھ سے لڑتے ہو تو پھر مجھ سے پڑھتے کیوں ہو تو کیا فتویٰ دیتے ہیں کہ کافر سے فن سیکھنا جائز ہے اسی طرح اب بھی ایسے چالاک لوگ ہیں کہ بدون اعتقاد کے فیض حاصل کرنا چاہتے ہیں جب تک مخلص نہیں ہوگے

کام نہیں چلے گا

(۲۴۲ مضمون) ایک شخص پہلے یہاں آتے تھے خلوص دل میں تھا مگر اب نیت بدل گئی دنیا دل میں آگئی یہاں آتے ہیں تو بت بنے بیٹھے رہتے ہیں تعلیم کرتا ہوں تو کچھ توجہ ہی نہیں کرتے وجہ یہ ہے کہ صاحب حاجت ہیں اور اپنی ضرورت مجھ سے ظاہر نہیں کرتے چاہتے ہیں کہ میری شان استغنا بھی باقی رہے اور سوال بھی نہ کرنا پڑے اگر کچھ دیں گے لے لوں گا اور یہ خیال ہو گا کہ خود ہی مستحق سمجھ کر دیا میں نے لے لیا۔

(۲۴۳ مضمون) مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ جب انبیاء اور ان کے معجزات کا ذکر ہوتا ہے تو آسے آرے سب کہتے ہیں لیکن بعضے ایسے ہیں جو دل سے تو تصدیق نہیں کرتے صرف زبان سے اس لئے تصدیق کرتے ہیں کہ اگر خاموش رہوں گا تو لوگ منافق سمجھیں گے اس لئے محض زبان سے وہ بھی تصدیق کرتا ہے ایسے لوگ آجکل بہت ہیں کہ محض زبانی منافقانہ بزرگوں سے اعتقاد ظاہر کرتے ہیں اور درحقیقت دل میں اعتقاد نہیں ہوتا۔

(۲۴۴ مضمون) لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کو اسرار الٰہی سے حصہ نہیں ملا جو کمالات اولیاء کی تصدیق نہیں کرتے ایسے لوگوں کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے خواص کو تو ان کے کمالات کی تصدیق کی وجہ سے انکے کمالات کا خاص حصہ ملتا ہے اور عوام کو ان کی تصدیق کا یہ فائدہ ہے کہ ان کے ساتھ محشور ہوں گے اولیاء اللہ پر نکیر تو کیا ان پر نکیر کا وسوسہ بھی نہیں کرنا چاہئے۔

(۲۴۵ مضمون) اولیاء میں سے ہر ایک اپنے مرتبہ کے موافق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دم بدم قدم رکھتا ہے اور نیچے والے بڑے درجہ والے کے کمال کو نہیں پہچان سکتے اگر اولیاء کا انکار کرے تو مطرود و مخذول ہو وے امید ہے کہ جو ان کی خدمت میں رہ کر تصدیق کر رہا ہے توفیق اس کو درجہ کمال تک پہنچا دے اور عارف سبحانی کر دے

(۲۴۶ مضمون) ایسی ایسی حرکتیں لوگ کرتے ہیں کہ دانت تلے انگلی دبانی پڑتی ہے کوئی چالاکی سے خدا کو تھوڑے ہی پا سکتا ہے . . . . اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہیں خوب جانتے ہیں کہ دنیا میں کون دل سے میرا طالب ہے یہ بہت بڑا مرض ہے کہ ایک چیز مسلمانوں میں پیش کی جا رہی ہے سب لوگ تو تصدیق کر رہے ہیں ایک شخص ایسا ہے کہ لوگوں کے دکھانے کے لئے زبان سے تو تصدیق کرتا ہے مگر دل سے منکر ہے آجکل ایسے بہت لوگ ہیں۔

(۲۴۷۔ مضمون) ایک شخص یہاں آئے مجھ سے اعتقاد نہیں تھا سُنے سُنائے آگئے تھے یہاں آکر لوگوں پر خفا ہوتے دیکھ کر یہ خیال قائم کیا کہ ان میں سختی ہے میں نے اُن سے کہا کہ آپ اپنے شاگردوں پر خفا ہوتے ہیں یا نہیں بیوی بچوں پر خفا ہوتے ہیں یا نہیں علی ہذا ہر شخص ضرورت کے موقع پر اپنے ماتحت پر خفا ہوتا ہے یا نہیں تو جو لوگ اصلاح کی غرض سے میرے پاس آتے ہیں اگر ضرورت کے موقع پر میں ان پر خفا ہوں تو یہ سختی کیوں ہے کیا یہی انصاف ہے کہ جو چیز دوسروں کے لئے جائز ہو میں اختیار کروں تو سختی پر محمول ہو کہنے لگے معاف کیجئے اب تک ایسی صحبت کا سابقہ نہیں ہوا تھا فرمایا افسوس ہے آدمی پڑھ لکھ کر اتنی بھی عقل نہ رکھے لوگ آتے ہیں اللہ تعالیٰ کا راستہ اختیار کرنے اور عقل راستہ ہی میں رکھ آتے ہیں ایسے موقع پر حضرت مولنا انور شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے "عالم جاہل" تو مجھے تعجب ہوتا کہ عالم بھی فرماتے اور ساتھ ساتھ جاہل کا لفظ بھی استعمال فرماتے مطلب یہ ہے کہ رسمی عالم اور واقعی جاہل۔

(۲۴۸۔ مضمون) حضرت حاجی صاحب نے ساری جوانی تجرد میں گزار دی اخیر عمر میں اتباع سنت کی غرض سے شادی کی تھی حضرت پیرانی صاحبہ بڑی ذہین تھیں جب باہر مجلس ہوتی تو اندر بیٹھ کر وہ بھی سنتیں بڑے مضمون کے سمجھنے میں لوگوں کو دقت ہوتی تو فرماتیں آؤ میں سمجھا دوں اور ایک بیوی بطور خادمہ کے حضرت کے یہاں رہتی تھیں پیرانی صاحبہ کے انتقال کے بعد حضرت بالا خانہ پر چڑھ رہے تھے تو ضعف کی وجہ سے حضرت کے قدم لڑکھڑائے اُس نے دیکھ کر رہا گیا لپک کر چاہا کہ حضرت کو سنبھالیں تو حضرتؒ نے فرمایا ہاں ہاں ہاتھ نہ لگانا نامحرم کو چھونا جائز نہیں ہے نامحرم کو پردہ کرنا چاہئے اس پر عرض کیا کہ پھر محرم بنا لیجئے (نکاح کر لیجئے) کیونکہ مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ میرے دیکھتے آپ کو تکلیف ہو فرمایا عورت کی طرف سے ایسا اظہار بڑے اخلاص و اعتقاد کی دلیل ہے ورنہ نکاح کے بارے میں عورتیں اپنی طرف سے سبقت نہیں کرتیں لیکن یہ اظہار محض اخلاص و محبت سے تھا چنانچہ حاجی صاحبؒ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔

واقعہ۔ ایک صاحب نے جنھوں نے سستی و غفلت سے خط و کتابت میں تاخیر کی تھی اُن کے متعدد خطوط کے جوابات میں اصلاحی تنبیہات جاری تھیں مگر چونکہ انھوں نے اصل غلطی کا اظہار نہیں کیا تھا اس لئے معافی و صفائی نہیں ہوئی تھی انھیں صاحب کی بیوی نے بھی خط و کتابت میں تاخیر کی تھی لیکن مواخذہ پر اصل واقعہ کا اظہار کر دیا کہ میں بیمار تھی اس وجہ سے خط روانہ کرنے میں تاخیر ہو گئی لہذا معافی چاہتی ہوں چنانچہ ان کو معاف کر دیا گیا اس کے بعد ان صاحب کا خط آیا کہ اہلیہ کے خط کا جواب آیا وہ مسرور ہیں

اور ہیں اب تک معلوم حاضرین مجلس سے فرمایا میں نے اس پر یہ لکھا ہے کہ انھوں نے کیا لکھا تھا فرمایا یہ انکو جواب بتلا رہا ہوں کہ تم بھی وہی لکھو معاف ہو جائے گا فرمایا تعجب ہے کہ ناقص (عورت) تو کامل ہو جائے اور کامل ناقص۔

۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۶۶ھ وقت صبح (۲۴۹ مضمون) لوگوں کی زبان میں لگام نہیں یہاں بعض لوگ نفاق سے آتے ہیں شریعت پر عمل کرنے کو کہا جائے تو کہتے ہیں کہ شریعت تو اینٹ الپتراوہ ہے یہاں آنے سے کسی طرح ہٹتے بھی نہیں اور شریعت کا احترام بھی نہیں کرتے کیا یہ مجلس اسی لئے ہے کہ یہاں دنیا دار آویں اور دھوکہ دیں ایسے لوگ میری بھی توہین کرتے ہیں اور میرے لوگوں کی بھی پھر بھی یہاں آنے سے باک نہیں رکھتے میں خدا کے بھروسہ پر کہتا ہوں آویں ایسے لوگ تین دن سے زیادہ ٹھہر نہیں سکتے مجھکو اکھاڑنا چاہتے ہیں خود ہی اکھڑ جائیں گے بھلا بتلائیے کہ شریعت کو اینٹ الپتراوہ کہنا صریح کفر ہے یا نہیں ایسے لوگوں پر کیسے صبر کروں کیا مجھ کو خدا کے یہاں جانا نہیں ہے کہ محض عزت کے لئے اور مجمع بڑھانے کے لئے ایسے لوگوں کو بھرے رہوں خدا کو کیا جواب دوں گا فرمایا یہ لوگ رکابی والے مولویوں کے بگاڑے ہوئے ہیں کہ ان لوگوں کے یہاں دعوت کھا کھا کر انھیں جیسی گاتے ہیں مجھ سے نہیں دوسرے مولویوں سے استفتار کر لیا جائے کہ شریعت کو اینٹ الپتراوہ کہنا صریح کفر ہے یا نہیں اس پر مجلس میں سے ایک اہل علم نے عرض کیا کہ استفتار کی کیا ضرورت یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اس سے شریعت کی توہین ہوتی ہے۔

(۲۵۰ مضمون) یہاں کے رہنے والے شریعت کو گالی دیں فاسق رہیں تو یہ صبر و ضبط کی بات ہے ذرا خوف نہیں آج اگر مر جائیں تو یہ سب گھر بار رہ جائے گا کچھ کام نہ آوے گا۔

(۲۵۱ مضمون) یہاں آنے والوں میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ جو لوگ یہاں آتے ہیں ریاکار ہیں ظاہراً ڈاڑھی بڑھائے ہیں اور باطن خراب اس سے معلوم ہوا کہ اپنے کو یہاں آنے والوں میں شمار نہیں کرتا مگر پھر بھی آتا ہے تو کیا یہ نفاق نہیں ہے اپنے اسی نفاق اور بد باطنی کی وجہ سے دوسروں پر ریاکاری کا الزام لگاتا ہے اور اس سے بے خبر کہ مرض خود میرے ہی اندر موجود ہے ایسے ہی منافقوں کی ایک جماعت ہے جو مجھکو نہیں مانتی اور یہاں آتے بھی رہتے ہیں محض نام کے لئے۔

واقعہ :- ایک صاحب جن کے اندر کبر و جاہ کا مرض تھا ایک واقعہ کے سلسلہ میں اپنے ان امراض کا اقرار کیا اور توبہ کر کے حضرت والا سے دعا چاہی فرمایا اگر واقعی دل سے توبہ کیا ہے تو اصلاح ہو

جائے گی اور پھر ایسی حرکت نہ صادر ہوگی ورنہ پھر وہی بُرائیاں عود کر آویں گی آجکل لوگوں نے انگریزوں کی پالیسی کو اپنا شعار بنالیا ہے اور نفاق برتنے کو خوبی سمجھتے ہیں جب دوزخ میں جائینگے تب پتہ چلیگا

(۲۵۲ ۔مضمون) کیا یہاں پارلیمنٹ ہے کہ موٹے موٹے اسامی بھرے رہیں اور کثرت رائے سے فیصلہ ہوا پنے تکبر کی وجہ سے جس کو چاہیں پاس کریں جس کو چاہیں فیل کریں یہاں میرا گھر ہے ایسے متکبر اور منافق یہاں کیوں آتے ہیں ایسے لوگ کچہری میں جائیں چولھے میں جائیں بھاڑ میں جائیں دوزخ میں جائیں میرے یہاں کیوں آویں یہاں مخلصین کے آنے اور رہنے کی اجازت ہے۔

(۲۵۳ ۔مضمون) ایسے لوگوں نے نفاق میں انگریزوں کا فوٹو کھینچ لیا ہے چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نہ جاری رہے ظاہراً مسلمانوں کے خیر خواہ اور اسلام کی تبلیغ کا دعویٰ کرتے ہیں اور درپردہ اسلام کی تبلیغ کے دشمن ہیں اب پڑھے لکھے عالم جاہل ہندو سکھوں نے نفاق کو معمول بنالیا ہے اور اس کا نام پالیسی رکھا ہے یہ سب گذرا ہوا آنکھ سے دیکھا ہوا کہہ رہا ہوں یہاں آنے والا میرے اوپر اعتراض کرے میرے آدمیوں پر اعتراض کرے یہاں آنے سے لوگوں کو روکے کیا یہ شریعت سے ہٹانا نہیں ہے

(۲۵۴ ۔مضمون) یہاں کوئی بات لوگوں کے کہنے پر موقوف نہیں ہے یہاں کوئی خفیہ پولیس کا محکمہ نہیں ہے بلکہ شریعت نے ایک معیار دیا ہے اس پر کستے ہیں اسی لئے یہاں معمول بنا رکھا ہے کہ غیر مخلص یہاں نہ آوے کہ یہاں کچھ اور کہتے اور باہر کچھ اور اشاعت کرکے فساد پھیلاوے۔

(۲۵۵ ۔مضمون) امام شافعی صاحبؒ نے ایک حجام سے کہا کہ میری حجامت بنادے اس نے انکار کیا کیونکہ وہ بڑے بڑے لوگوں کی حجامت بناتا تھا امام صاحب نے اپنے غلام سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کچھ ہے کہا ہاں دس دینار ہیں آپنے وہ دس دینار اس کو دلوادیئے اور فرمایا کہ میرے ان کپڑوں میں میرا ایسا نفس ہے جو اگر دنیا کی چیزوں سے مقابلہ کیا جائے تو مقابلہ میں بڑھ جائے گا جیسے تیز تلوار جس میں کاٹنے کی تیزی موجود ہے اس کا بوسیدہ نیام میں ہونا مضر نہیں ہے۔

حصہ دوم تمام ہوا

الحمد للہ و بنعمتہ تتم الصالحات

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

(اللہ کے رسول صلعم) انکو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سُناتے ہیں اور اُن کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی سکھاتے ہیں

چونکہ آیت بالا میں تلاوت قرآن تزکیۂ نفس و تہذیب اخلاق تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کو صراحۃً اسوۂ نبوی بتایا گیا ہے لہٰذا وقت کی ضرورت کے مطابق یہ رسالہ

وَصِيَّةُ الْأَخْلَاقِ

الملقب بہ

الولایۃ المکنونۃ فی الولایۃ المسنونۃ

جو حضرت غزالی وقت، شبلی دوراں، فخر الاماثل، افضل الاقران، متبع سنن نبویہ، خازن امانت علویہؓ، ماہر علوم حنفیہؒ، وارث برکات چشتیہ حضرت مولانا الحاج الحافظ الشاہ وصی اللہ الاعظمی دامت برکاتہم و زید افضالہم کی بے نظیر تصنیف ہے۔

بہ تصحیح محمد سراج الحق غفرلہ

مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ بمبئی ۳

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد طالبین جو شیوخ طریق کے پاس آمد و شد رکھتے ہیں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کا مطمح نظر صرف اوراد ہیں اور چونکہ یہ مطمح نظر ہے لہٰذا آنے کے ساتھ ہی متقاضی ہوتے ہیں کہ اُن کا یہ مقصد اُن کو حاصل کرا دیا جائے اور بس۔ اس میں کسی تراخی وانتظار کی تکلیف ان کو اصلاً برداشت نہیں حالانکہ انتظار و تراخی یہ طریق کے خلاف نہیں بلکہ عین طریق ہے اور مشائخ کا معمول تھا اسی بنا پر میں نے اس کے لئے یہ مناسب سمجھا کہ مشائخ کے طرز تعلیم کو مدون کر کے ناظرین کرام کے سامنے پیش کروں تاکہ اصول صحیحہ کے موافق تعلیم و تربیت ہو اور اس میں بصیرت کے ساتھ اشتغال ہو۔ اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ اس کو نافع و مقبول بنائے اور اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ فقط

وصی اللہ عفی عنہ

مقام فتحپور تال نرجا

پنجشنبہ - ۱۴ رجب ۱۳۷۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اصلاحِ الظاہر

اما بعد اس طریق کے طرز تعلیم کے لئے اکابر طریق کا کلام نقل کرتا ہوں، جس سے معلوم ہوگا کہ صحیح طرز تعلیم کیا ہونا چاہئے اور ہم کہاں تک اس پر کاربند ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ (جو اپنی صدی کے مجدد ہیں) بیان تفصیل الطریق الی تہذیب الاخلاق میں تفصیل کے ساتھ اس پر کلام فرما رہے ہیں۔

وھو ھذا

ان الطبیب لا یعالج مالم یعرف ان العلة من حرارة او برودة فان کانت من حرارة فیعرف درجتها اھی ضعیفة او قویة فاذا عرف ذلك التفت الی احوال البدن واحوال الزمان و صناعة المریض وسنه وسائر احواله ثم یعالج بحسبها فکذلك الشیخ المتبوع الذی یطبّب نفوس المریدین و یعالج قلوب المسترشدین ینبغی ان لا یھجم علیھم بالریاضة والتکالیف فی فن مخصوص و طریق مخصوص مالم یعرف اخلاقھم وامراضھم وکما ان الطبیب لو عالج جمیع المرضی بعلاج واحد

بلاشبہ جس طرح ایک طبیب کسی مریض کا علاج اس وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ وہ یہ نہیں معلوم کر لیتا کہ آخر مرض کا سبب کیا ہے؟ آیا حرارت ہے یا برودت؟ پھر اگر حرارت ہے تو کس درجہ کی ہے؟ یعنی ضعیف ہے یا قوی ہے۔ جب ان تمام باتوں کو سمجھ لیتا ہے تب بدن کے حالات کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ زمانہ اور موسم کا لحاظ کرتا ہے۔ مریض کے پیشے اور مشغلے کو دیکھتا ہے اس کی عمر معلوم کرتا ہے الغرض مریض کے جملہ احوال پر نظر کر کے اسی کے مطابق علاج کرتا ہے۔ پس اسی طرح اس شیخ اور مرشد پر لازم ہے جن کی لوگ اتباع کرتے ہوں اور جو مریدین کے نفوس کی اصلاح اور ان کے قلوب کا علاج کرتا ہو کہ مریدین پر ایک دم سے ریاضت اور مجاہدوں کی کثرت اور بہتات نہ کرے اور نہ یہ کہ ایک ہی قسم کی تکالیف کا سب کو مکلف بنائے اور نہ ایک ہی طریقہ سے سب کی تربیت کرے جب تک کہ جزئی جزئی طور پر ان کے اخلاق اور امراض نہ معلوم کرے اور جس طرح یہ یقینی امر ہے

قل اكثرهم فكذلك الشيخ لو اشار على
المريدين بنمط واحد من الرياضة
اهلكهم و امات قلوبهم بل ينبغي ان
ينظر في مرض المريد و في حاله
وسنّه ومن اجه ما تحتمله نفسه
من الرياضة ويبني على ذلك رياضته
فان كان المريد مبتدياً جاهلاً
بحدود الشرع فيعلمهٔ اولاً
الطهارة والصلوٰة وظاهر العبادات
وان كان مشغولاً بمال حرام ومقارفاً
لمعصية فيامره اولاً ان يتركها
فاذا تزيّن ظاهره بالعبادات
وطهر من المعاصي الظّاهرة
جوارحهٗ نظر بقرائن
الاحوال الى باطنه ليتفطن
لاخلاقه وامراض قلبه
(احیاء العلوم ص۶۵ ربع المهلكات)

کہ اگر کوئی طبیب جسمانی تمام مریضوں کے لئے ایک ہی علاج تجویز کریگا
توان میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دیگا اسی طرح شیخ بھی جو
کہ باطنی طبیب ہے اگر اپنے جملہ مریدوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے گا اور
سب کو ایک ہی ریاضت میں لگا دیگا تو ان کو ہلاک کر دے گا اور ان
کے قلوب کو مردہ کردیگا بلکہ اس کو چاہیئے کہ مرید کے امراض قلبی کا پتہ
چلائے اس کے حالات اور مزاج کو معلوم کرے اس کی عمر کو دیکھے
اور یہ دیکھے کہ کون کن کن ریاضتوں کا متحمل ہو سکتا ہے۔ انھیں امور
پر اس کے ریاضت کی بنیاد رکھے۔

پس اگر مرید بالکل مبتدی اور ناواقف ہو تو پہلے اس کو حدود شرع
کی تعلیم دے یعنی اولًا پاکی ناپاکی کے مسائل سکھلائے، نماز روزہ
اور ظاہری عبادات میں اس کو لگائے۔ اور اگر اس کو حرام آمدنی
میں مبتلا پائے اور کسی گناہ کا اس کو مرتکب دیکھے تو سب سے پہلے اسی
کے ترک کا حکم کرے۔

پھر جب اس کا ظاہر عبادات سے آراستہ ہو جائے اور سنور جائے
اور اس کے جوارح ظاہری معاصی سے پاک صاف ہو جائیں تو
قرائن احوال سے اس کے باطن کی جانب متوجہ ہو تاکہ اس کے
باطنی اخلاق اور قلبی امراض کا سراغ لگائے۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ مرید جاہل کی ابتدا کس چیز سے کی جائے یعنی پہلے اس کو طہارت اور
صلواۃ اور ظاہر عبادات کی تعلیم کا حکم کیا جائے۔ اور اگر مال حرام یا کسی معصیت کے ارتکاب میں ہے
تو اس کے ترک کا حکم کیا جائے گا بلکہ اس کو ترک کرایا جائے گا۔

پس جب کہ ظاہر اس کا عبادات سے مزیّن ہو جائے گا اور معاصی ظاہرہ سے جوارح طاہر ہو جائیں
گے تب اس کے اخلاق اور امراض قلب کو سمجھنے کی طرف التفات کیا جائے گا۔ اس میں جواب ہو گیا
ان لوگوں کا جو آنے کے ساتھ ہی اس کا مطالبہ یا انتظار کرتے ہیں کہ ان کو باطنی تعلیم یا مراقبات و
اشغال وغیرہ تعلیم کئے جائیں۔

اب اہل طریق کا اس پر کہاں تک عمل ہے۔ ابتداء ہی سے اذکار و مراقبات وغیرہ تعلیم کر دیتے ہیں
جس سے احکام ظاہری کی تحصیل سے بھی طالبین اپنے کو مستغنی سمجھنے لگتے اور اپنے کو مقرب خیال

کرتے ہیں حالانکہ بہت سے ظاہری احکام کا علم تک نہیں ہوتا۔ تا بہ عمل چہ رسد، فتویٰ شرعی سے بعض فاسق ہوتے ہیں۔

نیز ان لوگوں کی نظر نہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد الذین اٰمنوا وکانوا یتقون پر ہے (یعنی وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں) اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث لایبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا باس بہ حذراً لما بہ باس پر ہے (یعنی بندہ متقین کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتا یہاں تک کہ جن چیزوں میں کچھ حرج بھی نہ ہو۔ ان کو بھی ترک کردے حرج والے امور کے ڈر سے)

وفی القشیریۃ فی باب العزلۃ: قال مکحول ان کان فی مخالطۃ الناس خیر فان فی العزلۃ السلامۃ قال المحشی قولہ فی العزلۃ السلامۃ ای من الشر والسلامۃ آکد من تحصیل الخیر نعم ان وجبت الخلطۃ لتحصیل علم او عمل لا یصح الخلوۃ۔ (رسالہ قشیریہ ص۵۵)

رسالہ قشیریہ میں عزلت کے بیان میں ہے کہ حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ اگرچہ لوگوں سے ملنے جلنے میں بھی بھلائی ہے تاہم عزلت اور خلوت میں ہی سلامتی ہے۔ محشیؒ کہتے ہیں کہ مصنف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ خلوت میں سلامتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شر (فساد) سے امن ہے۔ اور شر سے سلامتی خیر کے حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے ہاں اگر تحصیل علم یا تحصیل عمل کے لئے اختلاط (جلوت) ہی ضروری ہو پھر تو اس وقت خلوت صحیح ہی نہیں ہے۔

اس عبارت سے مفہوم ہوا کہ اگر خلوت میں تحصیل علم یا تحصیل عمل نہ ہو سکے تو خلوت جائز نہیں ہے خلوت کو ترک کرکے علم و عمل کی تحصیل جہاں سے ہو سکے واجب ہے۔ یہ خلوت موجب قرب تو کیا ہوگی وبال ہوگی۔ قرب کا تو کیا ذکر ہے۔ جیسا کہ امام غزالیؒ اپنی کتاب احیاء العلوم میں آفات العُزلۃ کے بیان میں فرماتے ہیں کہ

فالمحتاج الی التعلم لما ھو فرض علیہ عاصٍ بالعزلۃ (احیاء العلوم ص۲۳۲ ج۲)

(یعنی تحصیل علم و عمل عادۃً چونکہ بدون مخالطہ کے ممکن نہیں اور بہت سے علوم ایسے ہیں جنکی تحصیل انسان پر فرض ہے) پس جو شخص فرض علوم کے سیکھنے کا محتاج ہو (اور اسکے سیکھنے کے لئے ترک عُزلت نہ کرے) تو وہ اس گوشہ نشینی میں گنہگار ہوگا۔

آگے تفصیل سے یہ بیان فرماتے ہیں کہ کس کیلئے عزلت مفید ہے اور کس شخص کے لئے بجائے نفع کے الٹے ہلاکت کا سبب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:-

وان تعلم الفرض وكان لايتاتّى منه الخوض فى العلوم ورأى الاشتغال بالعبادة فليعتزل وان كان يقدر على التبرز فى علوم الشرع والعقل فالعزلة له فى حقه قبل التعلم غاية الخُسران ولهذا قال النخعى وغيره تفقّه ثم اعتزل ومن اعتزل قبل التعلم فهو فى الاكثر مضيع اوقاته بنوم او فكر فى هوس وغايته ان يستغرق الاوقات باوراد يستوعبها ولا ينفك فى اعماله بالبدن والقلب عن انواع من الغرور يخيب سعيه ويبطل عمله بحيث لايدرى ولا ينفك فى اعتقاده فى الله وصفاته عن اوهام يتوهمها ويأنس بها وعن خواطر فاسدة تعتريه فيها ويكون فى اكثر احواله ضحكة للشيطان وهو يرى نفسه من العُبّاد۔

فالعلم هو اصل الدين ولا خير فى عزلة العوام والجهال اعنى من لايحسن العبادة فى الخلوة ولا يعرف جميع ما يلزم فيها فمثال النفس مثال المريض يحتاج الى طبيب متلطف يعالجه فالمريض الجاهل

اگر فرائض کا علم حاصل کر چکا ہو لیکن اس سے علوم میں خوض نہیں ہو سکتا اور چاہتا ہے کہ عبادت میں مشغول ہو تو (ایسے شخص کو) چاہیئے کہ گوشہ نشینی اختیار کرے۔ اور اگر علوم شرعیہ اور عقلیہ کے حاصل کرنے پر قادر ہے (مگر بقدر فرض بھی اس کو حاصل نہیں کیا) تو ایسے شخص کیلئے تحصیل علم سے پہلے پہلے گوشہ نشینی انتہائی خسران کا سبب ہے۔

اسی لئے نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اور دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ پہلے تفقہ حاصل کرو پھر خلوت اختیار کرو۔ اور جو شخص تحصیل علم سے پہلے ہی خلوت نشیں ہو گیا تو اکثر (یہی ہوتا ہے کہ) ایسا شخص اپنا تمام وقت ضایع کر لیتا ہے (کچھ تو) سونے میں اور (کچھ) اِدھر اُدھر کی بیکار باتوں کے سوچنے میں۔ اسکی غرض بس یہ ہوتی ہے کہ سارے وقت کو وظیفوں سے گھیر لے حالانکہ اس کے بدنی اور قلبی اعمال ایسے مختلف قسم کے غرور سے جدا نہیں ہوتے جو اسکی تمام محنت کو ضایع اور اس کے تمام اعمال کو اس طرح سے برباد کر دیتے ہیں جس کی اس کو خبر تک نہیں ہوتی۔

اسی طرح اس کا اعتقاد اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے بارے میں ایسے ایسے اوہام سے جن کو وہ سوچتا رہتا ہے اور ان سے مانوس ہوتا ہے اور ایسے ایسے فاسد خیالات سے جو اس کو اس سلسلے میں پیش آتے ہیں جدا نہیں ہوتا (یعنی وہ شخص اس میں مبتلا رہتا ہے) اور ایسا شخص اپنے بیشتر احوال میں بس شیطان کا مضحکہ اور تماشا بنا رہتا ہے مگر وہ اپنے آپ کو عبادت گذار لوگوں میں سے سمجھتا ہے

بس علم ہی دین کی اصل ہے اور عوام الناس اور جاہلوں کے لئے تو گوشہ نشینی میں کچھ بھی خیر (بھلائی) نہیں ہے میری مراد (عوام اور جُہّال سے) وہ شخص ہے جو تنہائی میں ٹھیک طور سے عبادت بھی نہ کر سکتا ہو اور جس کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ خلوت کے سلسلے میں کیا کیا امور اس پر لازم ہیں۔ بس نفس کی مثال اس مریض کی سی ہے۔ جو علاج کرانے کے لئے ایک شفیق طبیب کا محتاج ہے بس کوئی جاہل مریض

اذا خلا بنفسه عن الطبیب قبل ان یتعلم الطب تضاعف لا محالة مرضه فلا تلیق العزلة الا بالعالم	اگر طبیب کو چھوڑ کر بدون علم طب جانے ہوئے خلوت نشین ہو جائیگا تو لا محالہ اس کا مرض زیادہ ہی ہوتا جائے گا (یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائیگا) پس عزلت صرف عالم ہی کے لئے مناسب ہے (اور جاہل کا تو اس میں سراسر ضرر ہے)
(احیاء العلوم صفحہ ۲۳۲/۲)	

ایک دوسرے مقام پر تفصیل العزلۃ کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

فان وجدت جلیسا یذکرك الله تعالی رؤیته وسیرته فالزمه ولا تفارقه واغتنمه ولا تستحقره فانها غنیمة العاقل وضالة المؤمن وتحقق ان الجلیس الصالح خیر من الوحدة وان الوحدة خیر من جلیس السوء	پس اگر تم کسی ایسے ہم نشین کو پا جاؤ جسکی زیارت و ملاقات اور جس کا طور و طریقہ تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے تو اس سے بس لپٹ ہی جاؤ اور کبھی اس سے مفارقت (جدائی) نہ اختیار کرو اور خبردار اس کو حقیر مت جانو اس لئے کہ ایسے شخص کی صحبت عاقل کے لئے غنیمت (کبریٰ) ہے۔ اور مومن کی تو گم شدہ چیز ہی ہے اور یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ صالح ہم نشین (کی صحبت) تنہائی سے بہتر ہے اور تنہائی (جو) بہتر ہے (وہ) برے ہم نشین سے بہتر ہے۔
(احیاء العلوم صفحہ ۲۲۵/۲)	

اس کا حاصل یہ ہے کہ خلوت مطلقاً محمود اور مفید نہیں ہے بلکہ بہت سے مواقع ایسے ہیں کہ ان کو پاکر خلوت نشین رہنا سراسر خسارہ ہے اس وقت تو خلوت اور عزلت کو ترک کرکے جلوت و صحبت اختیار کرنا ہی متعین ہے۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ اپنے زمانہ کے تصوف کو جوگ فرماتے تھے اور تصوف اور جوگ میں فارق شریعت کے اتباع کو بتلاتے تھے اور ان کو مجدد اسی لئے تسلیم کیا گیا ہے کہ انھوں نے تصوف کو جوگ سے الگ کیا ہے جو مجدد صاحب کے سلسلہ میں ہو کر اس کو تسلیم نہ کرے وہ ان کے سلسلہ میں حقیقت میں داخل ہی نہیں ہے۔

یہ سب ظاہر کو شریعت کے موافق کرنے میں گفتگو ہے۔ اب اور سنیئے ایک دوسرے مقام پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔

فکم من مرید اشتغل بالریاضة فغلب علیه خیال فاسد لم یقو علی کشفه فانقطع علیه طریقه فاشتغل بالبطالة وسلك طریق الاباحة وذلك هو الهلاك العظیم	بہت سے مرید ریاضت میں مشغول ہوتے ہیں اور کوئی فاسد خیال ان پر غالب ہوتا ہے جس کے ازالہ پر وہ قوت نہیں رکھتے پس ان کو طریق سے انقطاع ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ بطالت اختیار کر لیتے ہیں اور اباحت کا راستہ چلنے لگ جاتے ہیں۔ (یعنی تمام چیزوں کو اپنے لئے مباح سمجھتے ہیں جو صریح گمراہی ہے) اور یہ ہلاک عظیم ہے

ومن تجرد للذكر ودفع العلائق الشاغلة عن قلبه لم يخل عن امثال هذه الافكار فانه قد ركب سفينة الخطر فان سلم كان من ملوك الدين وان اخطأ كان من الهالكين ولذلك قال صلى الله عليه وسلم عليكم بدين العجائز وهو تلقي اصل الايمان وظاهر الاعتقاد بطريق التقليد والاشتغال باعمال الخير فان الخطر في العدول عن ذلك كثير ولذلك قيل يجب على الشيخ ان يتفرس في المريد فان لم يكن ذكياً فطناً متمكناً من اعتقاد الظاهر لم يشغله بالذكر والفكر بل يرده الى الاعمال الظاهرة والاوراد المتواترة او يشغله بخدمة المتجردين للفكر لتشمله بركتهم فان العاجز عن الجهاد في صف القتال ينبغي ان يسقي القوم ويتعهد دوابهم ليحشر يوم القيامة في زمرتهم وتعمه بركتهم وان كان لا يبلغ درجتهم ـ

اور جو شخص ذکر کے لئے مجرد ہوا اور علائق کو اپنے قلب سے دفع کیا وہ ایسی چیزوں سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایسے خطرہ کے سفینے پر سوار ہے کہ اگر سالم رہا تو ملوک دین سے ہوگیا اور اگر خطرہ میں پڑگیا تو ھالکین میں سے ہوگیا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بوڑھیوں کا سا دین اختیار کرو اور وہ اصل ایمان اور ظاہر اعتقاد کو بطریق تقلید کے قبول کرنا ہے اور دوسرے امور خیر میں مشغول رہنا ہے کیونکہ اس مقدار سے تجاوز میں سخت خطرہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ شیخ پر واجب ہے کہ مرید میں تفرس (تامل) کرے اگر مرید ذکی، فہیم اور ظاہر میں راسخ العقیدہ نہ ہو تو شیخ اس کو ذکر و فکر میں نہ لگاوے بلکہ اعمال ظاہرہ اور اوراد متواترہ کی جانب اس کو متوجہ کرے یا ان لوگوں کا خادم مقرر کردے جنھوں نے اپنے کو ذکر و فکر کے لئے فارغ کر لیا ہے تاکہ ان کی برکت سے کچھ حصہ اس کو بھی ملجائے کیونکہ جو شخص صف قتال میں ہوکر جہاد کرنے سے قاصر ہو اسکو چاہیئے کہ مجاہدین کو پانی ہی پلایا کرے اور ان کے جانوروں کی نگہداشت رکھا کرے تاکہ قیامت میں انھیں کے زمرہ میں اس کا بھی حشر ہو اور اس کو بھی ان کی کچھ برکت پہونچ جائے اگرچہ ان کے درجہ تک نہ پہونچ سکے۔

(احیاء العلوم ص ۴۳ ج ۳)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح ارشاد الطالبین کے خاتمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"تمام مسلمانوں کو عموماً اور طریقہ نقشبندیہ کے صوفیوں کو خصوصاً جن کے طریقہ کی بنا ہی اتباع سنت پر قائم ہے لازم ہے کہ فقہ اور حدیث کی خدمت کریں تاکہ فرائض، واجبات، محرمات، مکروہات، مشتبہات اور عبادات و عادات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت معلوم کریں اور جہاں تک ہوسکے اتباع سنت کی کوشش کریں۔ خصوصاً فرائض و واجبات کے اتباع میں اور مکروہات و مشتبہات سے بچنے میں سنت کی رعایت محکم پکڑیں۔ بدن، کپڑے اور جائے نماز کی طہارت اور تمام شرائط نماز میں پوری پوری احتیاط کریں لیکن ظاہری طہارت میں وسواس کی حد تک اپنے آپ کو نہ پہونچائیں کیونکہ یہ مذموم ہے۔ اور پنجگانہ نماز مسجدوں میں جماعت کے ساتھ پڑھیں اس طرح کہ تکبیر تحریمہ اول فوت نہ ہو اور جماعت کی

تعداد بڑھائے اور اچھے آدمی کو امام بنانے کی کوشش کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الامام ضامن یعنی مقتدی کی نماز امام کی نماز کی ضمانت میں ہے پس جسقدر امام کامل ہوگا اسی قدر اس کی نماز کامل ہوگی جمعہ کی نماز ہاتھ سے نہ جانے دیں اور تمام سنن اور آداب نماز کی اچھی طرح رعایت کریں۔ نماز پورے اطمینان سے ادا کریں اور قرآن شریف کی صحت وصفائی اور اچھی آواز سے گانے کے طرز کے بغیر پڑھیں۔ نماز مستحب وقتوں میں پڑھیں اور سنن راتبہ کو جو بارہ رکعات ہیں اور نماز تہجد کو جو سنت موکدہ ہے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

ماہ رمضان کے روزے احتیاط سے ادا کریں لغویات یا گناہ یا غیبت سے روزہ کا ثواب ضایع نہ کریں اور نماز تراویح اور ختم قرآن شریف اور اعتکاف عشرۂ اخیرہ رمضان لازم پکڑیں لیلۃ القدر کی تلاش رکھیں۔ ذکر کے اوقات کو معمور رکھیں اگر نصاب نامی کے مالک ہوں تو زکواۃ کا ادا کرنا فرض ہے لیکن اس بارہ میں سنت یہ ہے کہ حاجت ضروری سے زیادہ مال قبضے میں نہ رکھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر کے بعد اپنی ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو چھ سو سیر سالانہ جو اور خرما دیتے تھے اور اپنی ملکیت میں ایک درم بھی نہیں رکھتے تھے اور کسب حلال سے کھاتے رہیں۔ خرید و فروخت وغیرہ معاملات میں مسائل فقہ کی رعایت لازم رکھیں، مشتبہات سے پرہیز رکھیں۔ حقوق الناس ادا کرنے میں سعی بلیغ کریں۔ اگر حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگئی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیران عظام کی شفاعت سے مغفرت کی امید ہے لیکن حقوق العباد نہیں بخشے جاتے نکاح پیغمبروں کی سنت ہے لیکن اگر اس کے حقوق ادا نہ کرسکے اس خوف سے کہ اس سے فرائض و واجبات فوت ہو جائیں گے تو اس سے باز رہنا بہتر ہوگا اس بارہ میں مختصراً حکم دیا گیا ہے اسکی تفصیل کتب فقہ وحدیث سے تلاش کرنی چاہیئے۔

فرائض و واجبات کی ادائیگی اور مکروہات ومشتبہات سے پرہیز کرنے کے بعد صوفی پر لازم ہے کہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھیں اور بیہودگی میں وقت ضایع نہ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اہل جنت حسرت نہ کریں گے مگر اس گھڑی پر جس میں انھوں نے خدا کو یاد نہ کیا ہو۔

(تحفۃ السالکین ترجمہ ارشاد الطالبین صنہ۵)

نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں کہ :-

چارۂ کار آنکہ کتب حدیث مثل صحیح بخاری و مسلم و سنن ابی داؤد و ترمذی و کتب فقہ حنفیہ و شافعیہ را بخواند و عمل بر ظاہر سنت	طریقہ کار یہ ہے کہ حدیث کی کتابیں مثلاً صحیح بخاری اور مسلم شریف سنن ابو داؤد اور ترمذی شریف اسی طرح حنفیہ اور شافعیہ کی فقہ کی کتابیں دیکھے (یعنی حاصل یہ کہ پہلے ظاہر شرع کا علم حاصل کرے)

پیش گیرد۔ اگر حق سبحانہ در دل او شوق صادق کرامت فرماید و طلب ایں راہ غالب، شود کتاب عوارف را از آداب نماز و روزہ و اذکار و معموری اوقات پیش گیرد۔

اور ظاہر سنت پر عمل اختیار کرے اور اگر (اس کے بعد) حق تعالیٰ اسکے دل میں شوق کامل اور طلب صادق اس طریق کی پیدا فرمادیں تو کتاب عوارف المعارف میں سے نماز و روزہ کے آداب اور اذکار سے اپنے اوقات کیلئے کچھ معمولات مقرر کرکے اس پر کاربند رہے۔

(تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۲۴۲)

صاحب رسالہ قشیریہ باب الوصیۃ للمریدین میں لکھتے ہیں کہ :۔

فاول قدم للمرید فی ھذہ الطریقۃ ینبغی ان یکون علی الصدق لیصح لہ البناء علی اصل صحیح فان الشیوخ قالوا انما حرموا الوصول لتضییعھم الاصول۔ کذالک سمعت الاستاذ ابا علی یقول فتجب البداۃ بتصحیح اعتقاد بینہ وبین اللہ تعالیٰ صاف عن الظنون والشبہ خال من الضلال والبدع صادر عن البراھین والحجج

پس اول قدم مرید کا اس طریق میں صدق پر ہونا چاہیے تاکہ ایک اصل صحیح پر اس کے لئے بنا درست ہو سکے کیونکہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ لوگ وصول (الی اللہ) سے اصول (طریق) کے ضائع کرنے کی وجہ سے ہی محروم ہیں۔ میں نے اپنے استاذ ابو علی کو ایسا ہی فرماتے ہوئے سُنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ طریق کی ابتدا اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تصحیح عقائد کے ساتھ کیجائے۔ ایسا اعتقاد جو گمان و شک سے پاک ہو اور بدعت و گمراہی سے خالی ہو اور دلائل و براہین کے ساتھ مدلل و مبرہن ہو۔

(رسالہ قشیریہ ص ۱۹۷)

پھر اس کے کچھ دور بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

واذا احکم المرید بینہ وبین اللہ تعالیٰ عقدہ فیجب ان یحصل من علم الشریعۃ اما بالتحقیق واما بالسوال عن الائمۃ ما یؤدی بہ فرضہ

اور جب مرید اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رشتہ مستحکم کرلے تو اس پر واجب ہے کہ علم شریعت حاصل کرے خواہ خود تحقیق کرکے یا علماء سے پوچھ پوچھ کرکے بقدر اس کے کہ جس کے ذریعہ اپنے فرائض کو ادا کر سکے۔

(رسالہ قشیریہ ص ۱۹۸)

یہاں تک تو کلام شریعت کے ظاہری اعمال کی درستی سے متعلق تھا جو اصلاح باطن پر مقدم ہے اس کے بیان کے بعد اب باطن پر کلام کیا جاتا ہے۔ بہ غور سنیئے :۔

صاحب رسالہ قشیریہ نے باب الوصایا میں شیخ اور مرید کے کچھ آداب بیان فرمائے ہیں۔ یہاں ہم اپنے مقصود کے مناسب اس کا کچھ اقتباس کرکے لکھتے ہیں۔ اگر کسی کو اس کی تفصیل معلوم کرنے کا شوق ہو تو وہ اصل کتاب کا مطالعہ کرے۔

اِصلاحُ الباطِن

تحصیل شریعت وعقائد کے بعد مرید کے لئے کیا چیز ضروری ہے؟ اس کے متعلق صاحب رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں کہ:-

ثم یجب علی المرید ان یتادب بشیخ فان لم یکن له استاذ لا یفلح ابدا ثم اذا اراد السلوك فبعد هذه الجملة یجب ان یتوب الی الله سبحانه من کل زلة۔ فیدع جمیع الزلات سرها وجهرها صغیرها وکبیرها ویجتهد فی ارضاء الخصوم اولاً ومن لم یرض خصومه لا یفلح له من هذه الطریقة بشیء وعلی هذا النحو جروا۔
ثم بعد هذا یعمل فی حذف العلائق والشواغل فان بناء هذا الطریق علی فراغ القلب۔

پھر مرید کے لیئے یہ ضروری ہے کہ کسی شیخ سے ادب سیکھے کیوں کہ اگر اس کا کوئی استاذ (یعنی شیخ) نہ ہوگا تو وہ کبھی فلاح نہ پاسکے گا اس کے بعد جب سلوک میں قدم رکھنے کا ارادہ ہو تو ان تمام (اعمال ظاہری کے جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے کرنے) کے بعد سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہر قسم کے معاصی اور کوتاہیوں سے اللہ تعالیٰ سبحانہ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور تمام برائیوں کو خواہ باطنی ہوں یا ظاہری چھوٹی ہوں یا بڑی سب کو بالکلیہ ترک کردے۔ اور سب سے پہلے اپنے خصوم کو (یعنی اہل حقوق کو خواہ حقوق مالی ہوں یا عرضی) راضی کرنے کی کوشش کرے کیونکہ جس شخص کے خصوم اس سے راضی نہ ہوئے تو وہ اس طریق میں کچھ بھی کامیاب نہ ہوگا۔ اہل طریق کا ہمیشہ سے یہی طور چلا آتا ہے۔ پھر اس کے بعد تعلقات اور مشاغل کو منقطع اور ختم کرنے میں لگ جائے (اور مجانبۃ الاضداد یعنی ناجنس کی صحبت سے احتراز کرنا بھی اسی میں داخل ہے کہ یہ بھی ایک اصل ہے اور ناجنس وہ ہے جس کا مقصد تمہارے مقصد سے مختلف ہو) کیونکہ اس طریق کی بنا ہی فراغ قلب پر ہے۔

فاذا اراد الخروج عن العلائق فاوله الخروج عن المال۔ ولم یوجد مرید دخل فی هذا الامر ومعه علاقة من الدنیا الا جرّته تلك العلاقة عن قریب

پھر جب علایق سے نکلنا چاہے تو ان میں سب سے پہلے مال سے نکلے (اور ترک اکل حرام بھی اس میں داخل ہے حاصل اس کا زہد ہے دنیا میں یہ ایک اصل ہے اصول سے) کیونکہ کوئی مرید ایسا نہیں پایا گیا ہے جو اس طریق میں اس طور پر داخل ہوا ہو کہ اس کے ساتھ دنیا کا کچھ تھوڑا سا بھی علاقہ باقی رہ گیا ہو مگر یہ کہ جلد ہی ایسا ہوا ہے کہ وہ علاقہ

الی ما منہ خرج - فاذا خرج عن المال فالواجب علیہ الخروج عن الجاہ ... ...

... ...

... ...

فان ملاحظۃ الجاہ مقطعۃ عظیمۃ لان اضر الاشیاء ملاحظۃ الناس بعین الاثبات والتبرک بہ لافلاس الناس عن ھذا الحدیث وھو بعد لم یصح الارادۃ فکیف یصح ان یتبرک بہ فخ وجھم عن الجاہ وجب علیھم لان ذلك سم قاتل لھم۔ فاذا خرج عن مالہ وجاھہ فیجب ان یصحح عقیدتہ بینہ وبین اللہ سبحانہ وان لا یخالف شیخہ فی کل ما یشیر علیہ لان الخلاف للمرید فی ابتداء حالہ دلیل علی جمیع عمرہ

... ...

... ...

... ...

... ...

ثم قال القشیری ومالم یتجرد المرید عن کل علاقۃ لایجوز لشیخہ ان یلقنہ شیئا من الاذکار بل یجب ان یقدم التجربۃ لہ فاذا شھد قلبہ للمرید بصحۃ العزم فحینئذ

اس کو پھر اسی جانب کھینچ کر لے گیا جس سے وہ نکل کر آیا تھا، پس جب مال (کی محبت) سے نکل جائے تو اب اس کے لئے ضروری ہے کہ جاہ سے بھی نکلے (حاصل اس کا تحصیل حسن خلق ہے جو اصل ہے اصول ہے حسن خلق کی اصل تواضع ہے اور سب اس پر دائر ہیں اور اخلاق رذیلہ میں سے اصل کبر ہے اور سب اسی میں داخل ہیں اخلاق حسنہ میں سے تواضع کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور اخلاق رذیلہ میں سے کبر سے اجتناب کو) اس لئے کہ حب جاہ ایک مقطعہ عظیمہ (یعنی بہت بڑا سد راہ) ہے کیونکہ لوگوں کا کسی کو عظمت اور تبرک کی نگاہ سے دیکھنا نہایت ہی مضر شے ہے بایں وجہ کہ عوام تو باطن کی باتوں سے بالکل عاری ہوتے ہیں (اس لئے اپنے حسن ظن سے) ایسے شخص کو باعظمت اور متبرک سمجھنے لگتے ہیں جس نے ابھی تصحیح ارادت نہیں کی ہے تو پھر اس کا متبرک بنا لینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے (اور جاہ چونکہ مطلوب نفس ہے اس لئے یہ شخص بھی اپنے کو بڑا متبرک سمجھنے لگتا ہے جو ایک بہت بڑا دھوکا ہے) پس ایسے لوگوں کے لئے جاہ سے نکلنا واجب ہے کیونکہ یہ سم قاتل ہے اور جب حب مال اور جاہ (ہر دو) سے نکل جائے تو پھر اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ فیما بینہ وبین اللہ اپنے عقائد کی تصحیح کرے اور یہ کہ اپنے شیخ کی کسی ایسی بات میں جس کی جانب وہ اس کو متوجہ کرے مخالفت نہ کرے اس لئے کہ مرید کی (اپنے شیخ سے) مخالفت (بالخصوص) اپنے ابتدائی حالات میں نہایت ہی مضر ہے۔ اس لئے کہ اس کی ابتدائی حالت اس کی ساری عمر کی دلیل (اور اس کا نمونہ) ہوتی ہے۔

(پھر ذرا آگے چل کر) صاحب رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں کہ اور جب تک مرید ان تمام تعلقات سے خالی نہ ہو جائے اس کے شیخ کو اسے کوئی ذکر وغیرہ تعلیم کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اسی پر لازم ہے کہ پہلے اس کو خوب آزما لے اور جب (تجربہ کے بعد) اس کا دل گواہی دے کہ اب اس کا عزم و ارادہ بالکل صحیح ہو گیا ہے تو اس وقت اس سے شرط کرلے کہ

يشترط عليه ان يرضى بما يستقبله في هذه الطريقة من فنون تصاريف القضاء فيأخذ عليه العهد بان لاينصرف عن هذه الطريقة بما يستقبله من الضر والذل والفقر والاسقام والآلام وغير ذلك۔ فاذا جربه شيخه فيجب عليه ان يلقنه ذكراً من الاذكار على ما يراه شيخه فيأمره ان يذكر الاسم بلسانه ثم يأمره ان يسوي قلبه مع لسانه ثم يقول اثبت على استدامة هذا الذكر كانك مع ربك ابداً (قشیریہ صـ۱۹۹)

دیکھو اس طریق میں قضا و قدر کی جانب سے جو تصاریف (یعنی تغیر احوال) تمہیں پیش آویں گے ان پر (صبر کرنا اور دل سے) راضی رہنا ہوگا اور اس بات کا اس سے عہد و وعدہ لے لے کہ آئندہ جو تکالیفِ ذلت فقر و فاقہ بیماری اور مصائب وغیرہ پیش آویں گے تو ان کی وجہ سے طریق سے نہیں ہٹنا ہوگا۔ پس جب شیخ اس کا خوب تجربہ کر چکے تو پھر اس کو چاہیئے کہ اب اُسے اذکار میں سے کوئی ذکر بتائے جس کو اس کے لئے شیخ مناسب سمجھے اور اس سے کہے کہ (اوّلاً) اس ذکر کو زبان سے کئے جاؤ (کچھ زمانہ کے بعد) اس کو حکم کرے کہ اب زبان کے ہمراہ قلب کو بھی شریک کرو۔ پھر (جب کچھ مدت اس پر بھی گذر جائے تو) اس سے کہے کہ بس اسی طرح اس ذکر قلبی پر علی الدوام قائم رہو گویا کہ تم اپنے قلب سے ہمیشہ اپنے رب کے ساتھ ہو۔

یہاں دو جگہ (لفظ) ثم ہے اور دونوں جگہ تراخی کیلئے ہے یعنی ابتداء میں ذکر لسانی کا امر کرے جب ذکر لسانی پر مداومت نصیب ہو جائے اور اس میں غفلت نہ ہو تب ذکر لسانی کے ساتھ قلب کے شریک ہونے کا بھی امر کرے یہاں تک کہ قلب ذکر کے وقت برابر حاضر رہے اور یہ ذکر اس کے لازم حال[۵] ہو جائے تو اس سے کہے کہ اسی ذکر

حاشیہ (قولہ[۵] لازم حال ہو جائے الخ) احقر ناقل عرض کرتا ہے کہ اسی میں دیرلگتی ہے یہی منزل کٹھن ہے دل کو ذاکر بنانا آسان نہیں ہے اسی کی نسبت کہا گیا ہے کہ ؎

درکنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را — بیپارۂ دل بین کہ کتابے بہ ازیں نیست

ناظرین کی تنشیط طبع کے لئے مقام کے مناسب حضرت والا دامت برکاتہم سے سُنے ہوئے بعض اور اشعار درج کرتا ہوں۔ ؎

وانت الكتاب المبين الذي — باحرفه يظهر المظهر

ونعم ما قيل في الفارسية ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درآ — تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ؎

وسعت دل کی کیا کرتے ہیں سیر اے امداد — کہ یہی باغ ہے اپنا یہی میدان اپنا

اور مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ ؎

صوفیے در باغ از بہر کشاد — صوفیانہ روی بر زانو نہاد

پس فرا رفت او بخود اندر بغول، — شد ملول از صورت خوابش فضول

کہ چہ خسپی آخر اندر رز نگر — ایں درختاں بین و آثار و خضر

امر حق بشنو کہ گفت ست انظروا — سوی ایں آثار رحمت آرزو

گفت آثارش دلست اے بو الہوس — آں بروں آثار آثارست و بس

پر قائم اور ثابت رہو (یعنی دوسرے اوراد وظائف ظاہرہ کی جانب مشغول نہ ہو۔ چنانچہ صاحب رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں کہ

ولیس من آداب المریدین کثرۃ الاوراد بالظاہر فان القوم فی مکابدۃ اخلاء خواطرہم ومعالجۃ اخلاقہم ونفی الغفلۃ عن قلوبہم لا فی تکثیر اعمال البر والذی لابد لهم منه اقامة الفرائض والسنن الراتبة۔ فاما الزیادات من الصلوٰۃ النافلة فاستدامۃ الذکر بالقلب اتم لهم

(رسالہ قشیریہ صفحہ ۲)

اور مریدین کے آداب میں سے اوراد ظاہرہ کی کثرت کرنا نہیں ہے اسلئے کہ قوم (صوفیہ) تو اس کے مجاہدہ میں ہے کہ خواطر (یعنی وساوس ردیہ کو) اپنے اندر سے نکالے اور دور کرے اور اپنے اخلاق کا علاج کرے اور اپنے قلب سے غفلت کو دور کرے۔ نہ یہ کہ نیک اعمال کی کثرت کرے اور جوان کے لئے ضروری ہے وہ صرف فرائض اور سنن مؤکدہ کی ادائیگی ہے۔ رہی نوافل نمازوں کی کثرت تو ذکر قلبی کی مداومت ان کے لئے اس سے کہیں زیادہ اتم (اور نافع) ہے۔)

اور یہ سمجھو کہ تم اپنے قلب سے اپنے رب کے ساتھ ہمیشہ رہو۔ یہی مقصود ہے کیونکہ یہی نسبت احسان ہے جس کا حدیث جبرئیل علیہ السلام میں ذکر ہے۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "ما الاحسان" آپ نے جواب میں فرمایا کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"۔ یہ کمال ہے اور بہت سے کمالات کا موجب ہے عبادات کی صحت بدون اس کے ہوتی ہی نہیں اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق بدون اس کے ہونا ہی نہیں صوفیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

حضرت اقدس مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "نسبت صوفیہ غنیمتے است کبریٰ" اور نسبت احسان کی نسبت تفہیمات میں یوں فرماتے ہیں کہ:۔

تصحیح الاخلاص والاحسان الذین هما اصل الدین الحنیفی الذی ارتضاہ اللہ لعبادہ قال تبارک وتعالیٰ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکاۃ وذالک دین القیمۃ۔ وقال تعالیٰ ان المتقین فی جنات وعیون اٰخذین ما اٰتاهم ربهم انهم کانوا

(حضرات انبیاء علیہم السلام نے جن اہم امور کی اقامت کی جانب دعوت دی ہے ان میں سے تیسرا) اخلاص واحسان کی تصحیح ہے کہ یہ دونوں اس دین حنیفی کی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے اصل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کیلئے خاص رکھیں یکسو ہوکر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین کا"۔ نیز حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک متقی لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے ان کے

قبل ذلك محسنين كانوا قليلاً من الليل
ما يهجعون وبالاسحار هم يستغفرون
وفي اموالهم حق للسائل والمحروم وفي
الارض آيات للموقنين وفي انفسكم
افلا تبصرون۔
وقال رسول الله صلى الله عليه
وسلم انما الاعمال بالنيات وقال في
جواب جبرئيل عليه السلام الاحسان
ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه
فانه يراك۔ والذی نفسی بیده هٰذه
الثالث ادق المقاصد الشرعية ماخذا
واعمقها محتدا وهو بالنسبة الى سائر
الشرايع بمنزلة الروح من الجسد وبمنزلة
المعنى من اللفظ۔ وقد تكفل به
الصوفية رضوان الله عليهم فاهتدوا
وهدوا واستقوا وسقوا وفازوا
بالسعادة القصوى وحازوا السهم
الاعلى فلله درهم ما اعم نفعهم
واتم نورهم (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۱۲)

رب نے ان کو جو عطا کیا ہوگا وہ اس کو لے رہے ہوں گے وہ لوگ
اس کے قبل نیکو کار تھے وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور
اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے اور ان کے مال میں سوالی اور
غیر سوالی کا حق تھا اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت
سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم کو دکھلائی
نہیں دیتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اعمال
کا دارومدار نیت پر ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے جواب میں
آپ نے فرمایا کہ "احسان" یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ
سے کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ کہ تم
کو تو وہ دیکھ ہی رہا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں
میری جان ہے یہ تیسرا مقصد مقاصد شرعیہ میں سب سے ادق
ہے۔ از روئے ماخذ کے اور باطن کی رو سے سب سے اعمق ہے اور جملہ
شرائع کے اعتبار سے ایسا ہے جیسے جسم کیلئے روح اور لفظ کے لئے
معنی اور حضرات صوفیہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس کے
حامل ہوئے جنہوں نے خود بھی ہدایت پائی اور دوسروں کو بھی اسکی
جانب رہنمائی فرمائی۔ خود سیراب ہوئے اور دوسروں کو بھی سیراب
کیا اور بڑی سعادت کے ساتھ کامیاب ہوئے اور اعلیٰ سہم (حصہ) کو
فراہم کیا پس اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ان حضرات کی خوبی ہے کہ کیسا
عام ہے ان کا نفع اور کتنا تام ہے ان کا نور؟

(حاشیہ) قولہ هٰذه الثالث ادق المقاصد۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نے جن اہم امور کی اقامت کی جانب دعوت
دی ہے وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تصریح کی رو سے تین امور ہیں یہاں مقام کے مناسب صرف تیسرا تھا جو بیان کیا گیا۔ تتمیماً للفائدہ
ہم بقیہ دو کو بھی لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔ ومعظم ما دعت الى اقامته الرسل امور ثلاثة
۱۔ تصحيح العقائد في المبدء والمعاد والمجازاة وغيرها وقد تكفل بهذا الفن اهل
الاصول من علماء الامة شكر الله مساعيهم و ۲۔ تصحيح العمل في الطاعات المقربة
والارتفاقات الضرورية على وفق السنة وقد تكفل بهذا الفن فقهاء الامة هدى
الله بهم كثيرين واقام بهم فرقة عوجاء۔ و ۳۔ تصحيح الاخلاق والاحسان الخ
(از ناقل)

دیکھیے اس میں تصریح ہے کہ دین حنیفی کی یہ اصل ہے اور یہ روح ہے باقی سب جسد بے معنی ہے اور سب لفظ۔ اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ حضرات صوفیہ اس کے حامل ہوئے۔ انھوں نے یہ چیز پائی اور دوسروں کو بھی اس کی رہبری فرمائی۔ اور سیراب ہوئے اور اوروں کو بھی اس سے سیراب کیا۔ اور سعادت قصویٰ کو پہونچے اور سہم اعلیٰ سمیٹا۔ اس میں کس قدر زبردست دلیل ہے اس کے دولت عظمیٰ ہونے کی اور ترغیب ہے اس کے تحصیل کی۔

چنانچہ ہمارے شیخ الشیوخ قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ فرماتے ہیں کہ "اگر کسی کو بعد مجاہدۂ ہزار سالہ حسرت و درد نایافت حاصل ہو جائے تو سب کچھ اس کو حاصل ہو گیا۔"

(مکاتیب رشیدیہ ص۲۶)

اور یہ نسبت بدون ازالہ غفلت کے متعسر الحصول ہے اور اس غفلت کی ظلمات نے نور ایمان کو اور اس کے مقتضیات کو مستور و مغلوب بنا رکھا ہے کہ جو ذکر پر بھی کبھی غالب ہو جاتی ہے اور گاہے ذکر سے یہ غفلت دور ہو جاتی ہے اسی کشمکش میں طالب حیران و ششدر رہ جاتا ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی نے آیت خلطوا عملا صالحا و آخر سیئا کے تحت میں بیان کیا ہے

حیث کانوا فی مرتبۃ النفس اللوامۃ التی لم یصر اتصالها بالقلب وتنورها بنورہ ملکۃ لها ولهذا تنقاد له تارۃ وتعمل اعمالا صالحۃ وذلك اذا استولی القلب علیها وتنفر عنه اخری وتفعل افعالا سیئۃ اذا احتجبت عنه بظلمتها وهی دائما بین هذا وذاك حتی یقوی اتصالها بالقلب ویصیر ذلك ملکۃ لها وحینئذ یصلح امرها وتنجو من المخالفات ....

چونکہ یہ لوگ (ابھی) نفس لوامہ (ہی) کے مرتبہ میں تھے (جس میں) نفس کا اتصال قلب کے ساتھ نہیں ہوا ہوتا اور نہ قلب کے نور سے منور ہونا اس کیلئے ملکہ ہی بنا ہوتا ہے۔ اسی لئے (ہوتا یہ ہے کہ) نفس کبھی تو قلب کا بالکل منقاد و مطیع ہو کر اعمال صالحہ کرنے لگتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ قلب اس پر متولی اور غالب ہو جاتا ہے اور کبھی (یہ ہوتا ہے کہ) وہ قلب سے نفرت و وحشت کر کے برے برے افعال کرنے لگ جاتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہی نفس اپنی ظلمت کی وجہ سے قلب سے مستور و محجوب ہو جاتا ہے (یعنی اس سے نور نہیں حاصل کرتا) اور برابر وہ ہمیشہ انھیں دونوں حالتوں کے درمیان دائر رہتا ہے تا آنکہ قلب کے ساتھ اس کا اتصال قوی ہو جائے اور اس سے نور حاصل کرتے رہنا اس کے لئے ملکہ بن جائے اس وقت جا کر اس کا حال درست ہوتا ہے اور اب وہ اپنی تمام مخالفتوں سے نجات پا جاتا ہے۔ (یعنی اس دورنگی سے اس کو نجات مل جائے اور نسبت یک رنگی

ولعل قوله سبحانه عسى الله ان يتوب عليهم اشارة الى ذلك -
(روح المعانی ص۲۳ پارہ ۱۱)

حاصل ہو جائے اس مرتبہ میں اسکو مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے

اب تو ہم ہیں اور شغل یاد دوست ہے سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی

اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عسی اللہ ان یتوب علیہم اس مضمون ماسبق کی طرف اشارہ ہو۔

اس وقت سوائے شیخ کامل کی رہبری کے اور کوئی چیز کارآمد نہیں ورنہ بہت سے طالبین مایوس ہو کر چھوڑ بیٹھتے ہیں اور پھر گمراہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں نسبت احسان کا بیان کرتے ہوئے تلاوت قرآن کا درجہ بھی بیان فرمایا ہے جس کا اقتباس ہم یہاں لکھتے ہیں۔ اوپر بعض اخلاق کا بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ

ولا شئ فی ذلك كله كالتفكر وهو قوله صلى الله عليه وسلم فكر ساعة خير من عبادة ستين سنة وهو على انواع منها التفكر فى ذات الله وقد نهى الانبياء صلوات الله عليهم عنه ومنها التفكر فى صفات الله تعالى كالعلم والقدرة والرحمة والاحاطة وهو المعبّر عنه عند اهل السلوك بالمراقبة

ان تمام (مذکورہ) امور میں سے کوئی چیز تفکر کے مانند نہیں ہے جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ۔ ایک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے اور اس (تفکر) کی چند قسمیں ہیں۔ ایک تو ان میں سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنا ہے لیکن اس سے تمام انبیاء علیہم السلام نے منع فرمایا ہے اور اس میں سے (ایک) تفکر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات میں جیسے (اللہ تعالیٰ کے) علم میں اور قدرت میں اور رحمت میں اور (صفت) احاطہ میں اور اسی کو اہل سلوک (صوفیاء) کے نزدیک مراقبہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(وقال بعد سطر)

ومنها التفكر فى افعال الله تعالى الباهرة ومنها التفكر فى ايام الله تعالى

اور اسی میں سے (ایک) تفکر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال باہرہ (غالبہ) میں اور اسی میں سے (ایک) تفکر کرنا ہے ایام اللہ میں یعنی پہلی امتوں کے اندر جو واقعات و حوادث پیش آئے ہیں۔

(وقال بعد السطر)

ومنها التفكر فى الموت وما بعده

اور اسی میں سے (ایک) تفکر کرنا ہے موت کے (حالات) میں اور موت کے بعد کے (پیش آنے والے) حالات و واقعات میں۔

(ثم قال بعد اسطر)

فالانسان اذا تفرغ من اشغال الدنیا للفکر الممعن فی ھذہ الاشیاء واحضرھا بین عینیہ انقھرت بھیمتہ وغلبت ملکیتہ ولما لم یکن سھلا علی العامۃ ان یتفرغوا للفکر الممعن واحضارھا بین اعینھم الخ

پس جب انسان دنیوی مشاغل سے فارغ ہوکران امور میں گہری نظر ڈالیگا اوران تمام چیزوں کو اپنے سامنے رکھے گا تو اسکی قوت بہیمیہ (نفسانیت) مغلوب اور قوت ملکیہ (یعنی روحانیت) غالب ہو جائیگی مگر چونکہ عام انسان کیلئے یہ آسان نہیں تھا کہ وہ گہری فکر کیلئے اپنے کو فارغ کرسکیں اوران اشیاء کو اپنے پیش نظر رکھ سکیں اسلئے ضروری ہے کہ کچھ ایسی تصویریں بنادی جائیں جسمیں طرح طرح کی فکریں جڑی ہوں اور کچھ ڈھانچے بنیں جسمیں جان پھونکی جائے تاکہ عوام اسے پڑھیں اور وہ ان کے سامنے پڑھی جائے اور عوام اپنے تقدیر کے بقدر اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

(ثم قال بعد اسطر)

وقد اوتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن جامعا لھذہ الانواع ومثلہ معہ (وقال بعد اسطر)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک (جو) ان تمام چیزوں کو جامع ہے عطا کیا گیا اور (بلکہ) آپ کو قرآن کے مثل اور چیزیں بھی دیئے گئے۔ (مثلاً حدیث)

فاقتضت الحکمۃ ان یرغب فی تلاوۃ القرآن و یبین فضلھا وفضل سور و آیات منہ فشبھہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفائدۃ المعنویۃ الحاصلۃ من الآیۃ بفائدۃ محسوسۃ لا انفع منھا عند العرب وھی ناقۃ کوماء وخلفۃ سمینۃ تصویرا للمعنی وتمثیلا لہ

اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ قرآن پاک کی تلاوت میں رغبت دلائی جائے اور اس کی فضیلتیں بیان کی جائیں اور (اسی طرح) اس کے سورتوں اور آیتوں کی (بھی) فضیلتیں بیان کی جائیں۔ لہذا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے فوائد معنویہ کو جو کہ آیت (کی تلاوت) سے حاصل ہوتا ہے ایک ایسے فائدہ حسی کے ساتھ تشبیہ دیا کہ اہل عرب کے نزدیک جس سے بڑھ کر نفع کی کوئی چیز نہیں تھی اور وہ بڑے کوہان کی اونٹنی اور (قوی) موٹی باربردار اونٹنی ہے اور یہ اس لئے تاکہ ایک معنوی چیز کی تمثیل وتصویر لوگوں کے سامنے محسوس طور پر آجائے۔

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۶۲ ج ۲)

نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فوزالکبیر میں لکھتے ہیں۔

منن حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام برکمترین امتیاں بسیار اند و اعظم آنہا تبلیغ فرقان کریم است آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن را تلقین فرمود بقرن اول

(یوں تو) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات اپنے اس کمترین امتی پر بیحد وبے شمار ہیں۔ لیکن ان میں سب سے بڑا احسان آپ کا ہم تک قرآن کریم کا پہونچانا ہے (اس طرح) پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ

تا ایشاں بقرن ثانی رسانیدند وہکذا الکذا تا آنکہ ایں درماندہ رانیز از روایت ودرایت آں حصہ رسید۔

(الفوز الکبیر صلے)

کو قرآن کریم کو تلقین فرمایا اور ان حضرات نے تابعین کو پھر اسی طرح یہ سلسلہ بہ سلسلہ منقول ہوتا رہا تا آنکہ اس عاجز و درماندہ کو بھی اس کی روایت (یعنی تلاوت الفاظ) اور درایت (یعنی فہم معنی) سے حصہ ملا (جن میں سے اول کا یتلوا علیہم آیاتہ اور ثانی کا یعلمہم الکتاب میں بیان ہے)

دیکھئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تلاوت کے متعلق جو فرمایا اس میں تصریح ہے کہ عوام کے لئے تلاوت کلام اللہ میں نسبت احسان تک رسائی کا ذریعہ ہے۔

تلاوتِ قرآن شریف

اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ تلاوت قرآن پر ذرا بسط کے ساتھ کلام کر دیا جائے تاکہ تلاوت کے برکات سے عام مسلمان بھی مستفید ہو سکیں اور اس کی قدر کو پہچانیں اور اس کے ذریعہ فلاح دارین حاصل کر سکیں اس سلسلہ میں پہلے ایک بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ کلام اللہ سے استغنا پر سخت وعید ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ولما جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون

اور جب ان کے پاس ایک (عظیم الشان) پیغمبر آئے اللہ کی طرف سے جو (رسول ہونے کے ساتھ) تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے (یعنی تورات کی کیوں کہ اس میں آپکی نبوت کی خبر ہے تو اس حالت میں آپ پر ایمان لانا عین تورات پر عمل تھا جس کو وہ بھی کتاب اللہ جانتے ہیں مگر باوجود اس کے بھی) ان اہل کتاب میں کے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو اس کے مضمون کا یا کتاب اللہ ہونے کا گویا اصلاً علم ہی نہیں۔

اس آیت میں سخت سخط وزجر ہے ان اہل کتاب پر جنھوں نے کتاب اللہ پر عمل ترک کر دیا اور اسے نسیاً منسیا کر دیا گویا اسے جانتے ہی نہ تھے اور اسے پس پشت ڈال دیا اسے نصب العین نہیں بنایا۔ اس کا حق یہ تھا کہ اسی کو نصب العین بناتے نصب العین وہی چیز بنائی جاتی ہے جو دل میں پہلے رچ جاتی ہے جب دل اس سے خالی ہو جاتا ہے پھر کیا خاک اہتمام ہو سکتا ہے۔ یہ امت محمدیہ کو بھی سنانا مقصود ہے

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

کہ جس طرح انھوں نے تورات کو بند کیا (یعنی چھوڑ رکھا) اور اس وجہ سے گمراہ ہوئے تم لوگ ایسا نہ کرنا کوئی کتاب اللہ ہو توریت ہو انجیل ہو زبور ہو قرآن شریف ہو اپنے اپنے زمانہ میں ہر کتاب اللہ کا نبذ[1] بہت سخت جرم ہے جب اصل وجہ یعنی نبذ مشترک ہو گی تو جہاں بھی وجہ پائی جائے گی سزا بھی وہی ملے گی جیسی ان کو ملی اس آیت میں کتاب اللہ سے مراد تورات بھی ہو سکتی

[1] چھوڑنا ۱۲

ایک قول پر اس لئے اس کے نبذ پر بھی نکیر ہے اور دوسرے قول پر کتاب اللہ سے مراد قرآن بھی ہے اس لئے اس کے نبذ پر بھی نکیر ہے غرض جس کا کتاب اللہ ہونا ثابت ہو اس کا نبذ یقیناً بڑا جرم ہے کیونکہ نبذ کہتے ہیں کسی چیز کو بیکار سمجھ کر پھینک دینے کو اور یہ سلوک کسی کتاب اللہ کے ساتھ انتہائی شقاوت ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ ان کے کتاب اللہ کے چھوڑ دینے اور اس سے اعراض کرنیکو ایسی چیز سے تشبیہ دی ہے جس کو قلت مبالاۃ و عدم التفات کی بناء پر پس پشت ڈال دیا جائے۔"

(ص ۳۰۳ ج ۱ روح المعانی)

کتاب اللہ سے آج کل مسلمان جیسی بے رخی اور بے نیازی برت رہے ہیں اس سے مجھے تو بہت خوف معلوم ہوتا ہے ان کی یہ انتہا درجہ کی محرومی اور بد نصیبی ہے کہ کتاب اللہ کا دیکھنا اسکی تلاوت کرنا اس کے معانی سمجھنا اس سے برکت حاصل کرنا اس کے وسیلہ سے دعا مانگنا اسے چومنا ان میں سے ایک ایک چیز عبادت تھی اور حق تعالیٰ کی رحمت اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ تھی اس سے یہ لوگ عدم اعتقاد اور عدم محبت کی بنا پر اعراض کر رہے ہیں۔ اصل شے اعتقاد ہے۔ اعتقاد ہوتا تو بحکم "اذا ثبت الشئ ثبت بلوازمہ" اس کے آثار بھی ضرور ظاہر ہوتے اور کلام اللہ کی عظمت اس سے محبت اس سے تعلق ہر رنگ میں ضرور ظاہر ہوتا مگر لوگوں کا یہ کلام اللہ میں نظر کرنے سے استغنار اس کی تلاوت سے استغنار اس کے معانی سمجھنے سے استغنار اس سے برکت حاصل کرنے سے استغنار اس کے واسطے سے دعا کرنے سے استغناء اور اس کے وسیلے سے حاجات مانگنے سے استغنار اسے چومنے اور آنکھوں سے لگانے سے استغناء ان کے عدم اعتقاد پر دلالت کرتا ہے اور یہ سب باتیں وبال کی اور حق تعالیٰ کی ناراضی کی ہیں۔ اناللہ ؎

چوں ترک قرآں کردۂ آخر مسلمانی کجا　　خود شمع ایماں کشتہٗ پس نور ایمانی کجا

کلام اللہ شریف دراصل حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا والوں کے لئے ایک حبل اور کمند ہے جس کے ذریعے حق تعالیٰ تک پہونچ سکتے ہیں۔ بزرگوں سے ایک حکایت سنی ہے کہ ایک بزرگ ایک دن شاہی محل کے نیچے سے گذر رہے تھے بادشاہ بالاخانہ پر بیٹھا تھا اس نے ان کو اوپر اپنے پاس بلا لیا اور کمند لٹکا دی یہ اوپر پہونچے تو بادشاہ نے سوال کیا کہ بتائیے کہ آپ اللہ تعالیٰ تک کیسے پہونچے انھوں نے فرمایا کہ اسی طرح جیسے آپ تک یعنی اگر میں خود چاہتا کہ آپ تک پہونچوں تو میرے لئے تقریباً ناممکن تھا کیونکہ اگر میں سارے محل کا چکر لگا کر دروازہ پر پہونچتا بھی تو وہاں دربان مجھے روکتے اور اندر نہ جانے دیتے لیکن جب آپ ہی نے مجھے بلانا چاہا تو کمند کے ذریعہ اپنے پاس بلا لیا یہی حال بندہ کے حق تعالیٰ تک پہونچنے کا ہے کہ جب وہ چاہتے ہیں کمند لگا کر بلا لیتے ہیں

اور وہ کمند ان کی مشیت و جذب ہے میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے بندوں کو اپنے پاس بلانے کیلئے محض اپنے فضل و کرم سے جو کمند لٹکائی ہے وہ یہی قرآن ہے جسے حبل اللہ خود حق تعالیٰ نے ہی فرمایا ہے اس کے ذریعہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب اور اللہ تعالیٰ تک وصول بہت سہل ہو گیا ہے اس کمند کا ایک سرا حق تعالیٰ کے دست مبارک میں ہے اور دوسرا بندوں کے ہاتھ میں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

اَبشروا فان ھذا القراٰن طرفہ بید اللہ وطرفہ بایدیکم فتمسکوا بہ فانکم لن تھلکوا ولن تضلوا بعدہ خوش ہو جاؤ کہ اس قرآن کا ایک سرا حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے پس اس کو مضبوط پکڑ لو تو پھر تم اس کے بعد کبھی ہلاک نہ ہو گے یا فرمایا کہ ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (طبرانی) (منتخب کنز العمال صـ)

مثنوی دفتر سوم صـ۳۲ میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے جس کی سرخی یہ ہے "تشبیہہ کردن قرآن مجید را با عصاء موسیٰ علیہ السلام و وفات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم را تشبیہہ نمودن بخواب موسیٰ علیہ السلام و قاصدان تغییر قرآن را بآں دو ساحر بچہ کہ قصد بردن عصائے موسیٰ علیہ السلام کردہ بودند چوں موسیٰ علیہ السلام را خفتہ یافتند"

وہ قصہ یہ لکھا ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ساحر تھا اس کے دو لڑکے تھے۔ ساحر مر گیا تو ایک دن اس کے لڑکوں نے اس کی قبر پر جاکر اپنے مردہ باپ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں پوچھا کہ وہ سچے ہیں یا نہیں۔ باپ کی طرف سے ان کو جواب ملا کہ اس کے بتانے کی تو مجھے اجازت نہیں البتہ ایک بات بتاتا ہوں کہ تم ان کا عصا چرانے کی کوشش کرو۔ اگر چرانے پر قادر نہ ہو تو خود ہی اپنے سوال کا جواب سمجھ لینا۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک کھجور کے درخت کے نیچے سو رہے تھے لوگوں نے آپ کا پتہ بتایا وہ دونوں آپ کے پاس آئے اور دیکھا کہ آپ باغ میں آرام فرما رہے ہیں تو چاہا کہ آپ کا عصا چرا کر لے جائیں۔ یہ خیال کر کے جیسے ہی اسکی طرف بڑھے اس میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ (حسب معمول) اژدہا بنکر ان پر حملہ آور ہوا۔ ان دونوں کا چہرہ ارے خوف کے زرد پڑ گیا اور وہاں سے بھاگے اور دل ہی دل میں اپنی غلطی کے معترف تھے اور اب ان کو اس کا یقین ہو گیا کہ یہ خدائی عذاب ہے سحر اور جادو نہیں ہے کیونکہ وہ ساحر زادے تھے سحر کی حقیقت سے واقف تھے (جیسے ہی دل سے تائب ہو گئے تب عصا اپنی جگہ لوٹ آیا) لیکن وہ دونوں اس کے بعد بھی سخت بخار میں مبتلا ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کی جان پر آ بنی۔ آخر کار ایک شخص کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بھیجکر اپنے تقصیر کی معافی طلب کی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام

نے معاف فرمادیا اسی وقت اچھے ہو گئے۔ اس کے بعد مولانا روم لکھتے ہیں کہ نبی اگرچہ سو رہے تھے مگر ان کا معجزہ جاگ رہا تھا اسی طرح قرآن شریف بھی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے آپ گنبد خضرا میں استراحت فرما رہے ہیں مگر آپ کا معجزہ جاگ رہا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب زندہ ہیں اور آپ کا یہ معجزہ (قرآن) بھی زندہ ہے تو پھر بھلا اس معجزہ کی عظمت و برکت، تاثیر اور کرامت کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے پھر اس سے بے نیازی کے کیا معنی ؎

آفتاب اندر جہاں وانگہ کسے جوید سُہا
مصطفیٰ اندر جہاں وانگہ کسے گوید ز عقل

یہاں یہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن پاک کو حق تعالے سے نہایت قوی نسبت ہے اس کے ساتھ تعظیم اعتقاد اور محبت کا جو برتاؤ بھی کیا جاتا وہ سبھی حق تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہوتا مگر لوگوں نے خدا کی کتاب کے ہوتے ہوئے دوسری کتابوں سے اپنا تعلق جوڑ لیا اور کتاب اللہ سے تعلق ختم کر دیا حالانکہ کتاب اللہ کی شان اور اس کا حق تو یہ تھا کہ دوسرے مضامین تو در کنار اگر خود حدیث و قرآن ہی کے مضامین دوسری کتابوں میں ہوتے تب بھی ان کے ساتھ مشغول ہو کر قرآن پاک سے استغنا نہ برتنا چاہیئے تھا۔ اس بارہ میں اسلاف کی غیرت عشق و محبت حق کا حال تو یہ تھا کہ۔

"ابن سعد نے زہریؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ چاہا کہ سنن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جمع کر لیا جائے اس کیلئے ایک مہینہ تک انھوں نے استخارہ کیا آخر ایک روز صبح کے وقت اس کے خلاف فیصلہ کر لیا اور فرمایا کہ ہمیں ایک قوم یاد آئی جس نے خود کتاب لکھی اور اس میں پھنس گئی اور خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا" مطلب یہ تھا کہ اگر سنن جمع کر دی جائیں تو ممکن ہے کہ لوگ کتاب اللہ سے غافل ہو جائیں۔ اور منتخب کنز العمال میں ہے کہ

(مقدمہ اصح السیر صٓ)

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ ان بنی اسرائیل کتبوا کتابًا فاتبعوہ وترکوا التوراۃ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک کتاب لکھی بس اسی کی پیروی کرنے لگے اور توراۃ کو چھوڑ بیٹھے

(منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد صٓ ۹۷ ج ۱)

میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کو غیرت آتی ہے کہ اس کی کتاب کو تو لوگ چھوڑ بیٹھیں اور دوسری کتابوں میں مشغول ہو جائیں۔ شامی میں ایک حکایت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کی لکھی ہے کہ

قال المزنی قرأت کتاب الرسالۃ علی الشافعیؒ ثمانین مرۃ فما من مرۃ الا وکان یقف علی خطاء فقال الشافعی

مزنیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کتاب الرسالہ کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر اسی بار پیش کی مگر ہر مرتبہ ایک نہ ایک غلطی ملتی تھی تو حضرت نے فرمایا۔ انتہ۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہی نہیں کہ ان کی

هبه ابی اللہ ان یکون کتابا صحیحا غیر کتابہ کتاب کے سوا دوسری کوئی اور کتاب صحیح ہو۔
(شامی ج ۱ صفحہ ۱)

میرا تو یقین یہ ہے کہ قرآن ہی وصول الی اللہ کا واحد ذریعہ ہے بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اسکے اخبار و احکام کا اذعان اور یقین ہی عین وصول ہے جس کو یہی اذعان جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر درجہ وصول اس کو حاصل ہوگا۔ چنانچہ متقین کی تعریف میں خود حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "یؤمنون بالغیب اور یصدقون بیوم الدین" اور جس کو جتنا ہی کم اذعان و اعتقاد ہوگا اتنا ہی اس کے فیض سے محروم رہے گا۔ دیکھئے حضرات انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل ہوتی تھی تو چونکہ ان کو اذعان زیادہ تھا اس لئے وہی سب سے زیادہ اس سے متاثر ہوتے تھے اور کفار کو چونکہ اعتقاد مطلق نہ تھا اس لئے انھوں نے سرے سے کوئی اثر ہی نہ لیا۔ اسی کو یوں سمجھئے کہ مثلاً کسی کی موت کی خبر دیجائے تو جو شخص میت سے جتنا زیادہ قریب ہوگا (یعنی جس کو اس سے جتنا زیادہ تعلق ہوگا) اسی قدر اس پر زیادہ اثر ہوگا اور جس کو اس سے جتنا کم تعلق ہوگا اسی قدر وہ کم متاثر ہوگا پس معلوم ہوا کہ اثر تعلق کی کمی اور زیادتی کی بناء پر ہوا ورنہ خبر موت تو سب کے لئے ایک ہی تھی۔ اسی طرح جو خبریں (قرآن میں) حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہیں وہ سب کے لئے یکساں ہیں لیکن طبائع کے اختلاف حال اور تعلق کی کمی کی وجہ سے اس کا اذعان و یقین لوگوں پر مختلف ہوا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ قرآن شریف سے متعلق دو مستقل چیزیں ہیں ایک تو ہے اس کی تلاوت کہ یہ بھی ایک مستقل مطلوب شرعی ہے اور دوسری چیز ہے عمل بالقرآن کہ اس کا بھی اللہ و رسول کی جانب سے مستقل مطالبہ ہے۔ لہٰذا جن نصوص میں ترک عمل بالقرآن پر وعید آئی ہے اس کا یہ مطلب صحیح نہیں کہ بدون عمل کے تلاوت محض لغو اور ایک غیر مثمر شے ہے کیونکہ یہ دونوں الگ الگ مباحث ہیں۔ ان میں خلط نہیں کرنا چاہئے۔

قرآن شریف کا نزول ایمان و عمل دونوں ہی کے لئے ہوا ہے اس کی تلاوت سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے جیسا کہ نص میں وارد ہے۔

قال اللہ تعالیٰ واذا ما انزلت سورۃ فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانا فاما الذین آمنوا فزادتھم ایمانا وھم یستبشرون واما الذین فی قلوبھم مرض فزادتھم رجسا الی رجسھم وماتوا وھم کافرون۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی سو جو لوگ ایماندار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں اور جنکے دلوں میں آزار ہے اس سورت نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی

اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے۔

(سورہ توبہ)

ایک مقام پر ارشاد ہے کہ

انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون (سورہ انفال)

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

کلام اللہ کی تلاوت میں خاصہ ہی ہے ازدیاد ایمان کا تو جب انسان اسکی تلاوت کرے گا تو اس سے اس کا ایمان ضرور بڑھے گا رہا اس کے احکام پر عمل کرنا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے معنی ومطلب کو بھی سمجھے خواہ خود پڑھ کر یا کسی محقق عالم سے ترجمہ پوچھ کر یا سنکر غرض جس طرح ہو سکے اس کا علم حاصل کرے کہ یہ ایک مستقل فریضہ ہے باقی اگر کوئی شخص علم نہیں حاصل کر سکا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تلاوت بھی نہ کرے اور تلاوت اس کے لئے بیکار چیز ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ کیونکہ ایمان بدون عمل کے بھی رہتا ہے۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مومن ہو اور فاسق بھی ہو پس فاسق بھی جب تلاوت کرے گا تو اس کا جو فائدہ ہے اس کو پہونچیگا۔

دیکھئے حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں اور الگ الگ ہر ایک کی مثال بھی ارشاد فرمائی ہے ہم نے صاحب الادب النبوی کی شرح سے عمدہ اس حدیث کی شرح نہیں دیکھی اس لئے پوری حدیث اور اس کی مکمل شرح انہی کی کتاب سے بعینہ درج کرتے ہیں وھو ہذا

عن ابی موسیٰ الاشعریؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مثل الذی یقرء القراٰن کالاترجۃ طعمھا طیب وریحھا طیب والذی لا یقرء القراٰن کالتمرۃ طعمھا طیب ولا ریح لھا ومثل الفاجر (فی روایۃ المنافق) الذی یقرء القراٰن کمثل الریحانۃ ریحھا طیب وطعمھا مر ومثل الفاجر (وفی

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس شخص کی مثال جو قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے مانند نارنگی کے ہے کہ اس کا مزہ بھی شیریں ہے اور خوشبو بھی عمدہ ہے اور اس شخص کی مثال جو قرآن شریف نہیں پڑھتا ایسی ہے جیسے تمرہ (چھوہارا) کہ اس کا مزہ تو شیریں ہے مگر خوشبو اس میں مطلقاً نہیں اور مثال اس فاجر کی (اور ایک روایت کی رو سے اس منافق کی) جو قرآن شریف پڑھتا ہے مانند ریحانہ کے ہے کہ خوشبو تو اس کی اچھی ہے مگر مزہ

روایة المنافق) الذي لا یقرأ القرآن کمثل الحنظلة طعمها مرٌّ ولا ریح لها وفی روایة المؤمن الذي یقرأ القرآن ویعمل به۔ والمؤمن الذي لا یقرأ رواہ الشیخان وابوداؤد والترمذی والنسائی

اس کا کڑوا ہے اور مثال اس فاجر کی (اور ایک روایت کی رو سے اس منافق کی) جو قرآن شریف نہیں پڑھتا مثل حنظلہ کے ہے کہ جس کا مزہ کڑوا ہوتا ہے اور خوشبو بھی اس میں کچھ نہیں ہوتی۔ ایک دوسری روایت میں بجائے مثل الذی یقرأ القرآن اور الذی لا یقرأ القرآن کے المومن الذی یقرأ القرآن ویعمل بہ اور المومن الذی لا یقرأ آیا ہے اس حدیث کو بخاری ومسلم اور ابوداؤد وترمذی ونسائی نے روایت کی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان چار قسم کے لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جن کا تعلق قرآن شریف سے ہے اور جو اس کتاب کو مانتے ہیں اور اس کی وجہ سے اس کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ ظاہری طور پر سہی۔ شارح کہتے ہیں:۔

ولقد مثل الرسول صلی اللہ علیه وسلم فی هذا الحدیث لاربعة اصناف من الناس لهم صلة بالقرآن وباعتبارہ کتابا ینتمون الیه ویومنون به ولو ایمانا ظاهرًا فاولهم شخص اوفریق ملأ الایمان قلبه وفاض علی جوارحه فهو بالله موقن وبرسوله مؤمن وبکتابه مصدق وبدینه عامل جعل لنفسه حظا من القرآن یتلوہ آناء اللیل فی تهجدہ او مضجعه اوجالسا علی فراشه او مکتبه ویتلوہ فی ساعات النهار قائمًا وقاعدا راکعا وساجدا کلما سنحت له فرصة لقی آیة انتهزها حتی لا یغفل قلبه عن ذکر الله

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان چار قسم کے لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جن کا تعلق قرآن شریف سے ہے اور جو اس کو کتاب مانتے ہیں اور اسکی وجہ سے اسکی جانب منسوب کئے جاتے ہیں۔ اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اگرچہ ظاہری طور پر سہی۔ ان میں سے پہلا شخص وہ شخص یا جماعت ہے جس کا قلب ایمان سے لبریز ہو یہاں تک کہ وہ اس کے جوارح پر فائض ہوگیا ہو (یعنی اندر سے باہر بھی آگیا ہو) پس وہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے۔ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کی کتاب کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے دین پر عامل ہے اس نے اپنے لئے قرآن شریف سے بھی ایک حصہ مقرر کرلیا ہے جس کو وہ اپنے تہجد میں رات کی ساعات میں تلاوت کرتا ہے یا خواب گاہ میں پڑھا کرتا ہے اور گھر اور مدرسے میں بیٹھے بیٹھے پڑھا کرتا ہے۔ نیز اس کو دن کے اوقات میں بھی کھڑے بیٹھے رکوع کی حالت میں سجدے کی

فتخطفه الشياطين وتضله عن
سواء السبيل وليست قراءته
من طرف لسانه وشفته وشدقه
وحنجرته بل قلبه الذی یقرأ و
لبُّه الذی یردد و لذلك اثمرت
الخشیة والھدایة وانتجت العمل
والاستقامة فھذا مثله الرسول
صلی اللّٰه علیه وسلم بالاترجّة
ذات الطعم اللذیذ والرائحة
الطیبة فان بلوته واختبرته و
عاشرته وعاملته لم تجد الا
امرءً وفیا برًا تقیًا یقدس الحق
تقدیسًا ویشنأ الباطل منشأً
وان شممته فرائحة طیبة ذکیة
عبقة تحی القلوب وتنعش النفوس و
تذکی العقول وکیف لا تکون کذلك و
ھی نفحة القراٰن ومسکه الذی انبعث
من لسانه الرطب المعطر وقلبه الحی المطھر

حالت میں غرض کہ جب جب اس کو موقع ملتا ہے اس کی
تلاوت کو غنیمت شمار کرتا ہے تاکہ اس کا قلب اللہ کے ذکر
سے غافل نہ ہونے پائے کہ شیاطین اس کو اچک لیں اور
سیدھی راہ سے گمراہ کردیں۔ پھر یہ کہ اس کی یہ قراٰت محض
زبان کے کنارہ اور ہونٹوں اور جبڑوں اور صرف حلق ہی سے
نہیں ہوتی بلکہ اس کا قلب پڑھتا ہے اور اس کی عقل اس
کا تکرار کرتی ہے اور اسی لئے (کہ اس کی یہ قرا‌ت قلب سے
سے ہوتی ہے وہ) ثمرہ لاتی ہے خشیتہ اور ہدایت کا اور منتج
ہوتی ہے عمل اور استقامت کی طرف یہی وہ قرا‌ت ہے جس
کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نارنگی سے دی ہے
جو کہ مزے میں لذیذ اور خوشبو میں نہایت نفیس ہوتی ہے اگر
تم اس شخص کو (جو ایسی تلاوت کرتا ہے) آزماؤ اور اس کے
ساتھ معاشرت رکھو اور کوئی معاملہ کرو تو اس کو ایک مرد وفا
شعار۔ نیک و متقی اور حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنے والا پاؤ
گے اور اگر سونگھو گے تو نہایت عمدہ اور بہترین خوشبو والا پاؤ
گے (ایسی خوشبو) جو کہ قلوب کو زندہ کردے اور نفوس کو حیات
بخش دے اور عقول کو ذکی بنادے اور کیوں نہ ہو، یہ ہے بھی
تو قرآن کریم کی خوشبو اور اس کا وہ مُشک جو اس شخص کی
ایسی زبان سے جو تر اور معطر ہے اور اس کے ایسے قلب سے
جو زندہ اور مطہر ہے نکلا ہوا ہے۔ [دیکھئے یہ سب استقامت
اور عمل اور صفات حسنہ وغیرہ اسی تلاوت لسانی ہی کے ثمرات
اور برکات تو ہیں جس میں دل بھی شریک ہو مطلب یہ کہ تلاوت
لسانی بھی کوئی چیز ہے اور ان آثار میں اس کو دخل بھی ہے۔
لہذا بجائے اس کے کہ اسکی نفی اور انکار کیا جائے چاہیئے کہ
تلاوت کرنے والوں کو اس کی بھی ترغیب دیجائے کہ زبان
سے تلاوت کے ساتھ ساتھ وہ قلب کو بھی زبان کا شریک

اور ہمنوا بنائیں تاکہ اس کا پورا فائدہ مرتب ہو: ناقل عفی عنہ

وثانيهم شخص اوفريق بالقرآن مؤمن وباحكامه عامل وبارشاده مهتد وباخلاقه متخلق ولكن لم يؤت القرآن تلاوة وحفظا وان اوتيه تطبيقا وعملا فهذا كالتمرة حلو الطعم لذيذة طيب الخلق جميلة صادق النية حسن الطوية اما الرائحة فمفقودة اذ لم تتطيب بمسك القرآن وان غسل قلبه بماء السلسبيل ومثله في عمله الجليل

دوسرا ان میں سے وہ شخص یا فریق ہے جو قرآن شریف پر ایمان بھی رکھتا ہو اور اس کے احکام پر عامل بھی ہو اور اس کی رہنمائی سے ہدایت یافتہ بھی ہے. اس کے اخلاق سے متخلق ہے لیکن، نہ تو قرآن کی تلاوت اسے نصیب ہے اور نہ اس کا حفظ ہی اس کو نصیب ہے (یعنی نہ تو قرآن اسکو حفظ ہے نہ وہ اس کی تلاوت کرتا ہے) اگرچہ اسکی آیات کی تطبیق اور اس پر عمل کرنا اس کو نصیب ہے (یعنی اس کو اس امر کی توفیق حاصل ہے کہ وہ اپنے جمیع احوال کو قرآن کریم سے مطابق کئے ہوئے ہے یعنی اپنے عقائد. عبادات. معاملات معاشرت اور اخلاق سب چیزوں کو قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق اور موافق رکھتا ہے اس طرح پر گویا اس کا پورا عامل ہے) پس یہ شخص مزے میں تو مثل ثمرہ (چھوارے) کے ہے کہ شیریں اور لذیذ ہے. نہایت پاکیزہ اور عمدہ اخلاق والا ہے. صادق النیتہ اور باطن کا نہایت اچھا ہے مگر خوشبو اس کے اندر مطلقًا نہیں ہے. یہ اس لئے کہ قرآن کی خوشبو (یعنی تلاوت) کے ساتھ وہ خوشبو دار نہیں ہو اگرچہ اس نے اپنے قلب کو قرآن کے ماء سلسبیل سے دھویا ہے اور اس کو اپنے عمل جلیل میں معمول بھی بنالیا ہے. اور

وثالثهم فاجر او منافق ليس له من الايمان الا اسمه ولا من الدين الا رسمه يقرأ القرآن وقد يجيد حفظه ويتقن طرقه ويعرف قراءاته وتوقيع الفاظه ونغماته ولكن لا تجاوز التلاوة حنجرته ولا تتعدى ترقوته فان بلوته تكشف لك عن

تیسرا ان میں سے وہ فاجر یا منافق ہے جس میں کہ ایمان کا صرف نام ہی نام ہے اور دینی امور میں سے صرف ظاہری رسوم پائے جاتے ہیں. قرآن پڑھتا ہے اس کو اچھا یاد کئے ہوئے ہے اس کے سب طرق کی مشق کئے ہوئے ہے اس کی تمام قرأتوں سے واقف ہے الفاظ کو خوب جما جما کر اور خوب ترنم کے ساتھ پڑھتا ہے مگر تلاوت اس کے گلے اور حلق کے نیچے نہیں اترتی. اگر تم اس کا

قلب اسود وفؤاد مظلم وخلق سيء
وعمل ضر وهذا امثله الرسول صلى الله
عليه وسلم بالريحانة وان شممت
فرائحة ذكية وان ذقت فمرارة لاذعة
كذلك هذا يقرء القرآن فتستريح
له النفوس كما تستريح للروائح العطرة
ولكن قلبه ونفسه منطوي يان على السوء
تذوق مرارته وتحس قذارته ان عاشرته
اوعاملته ومثل هذا لا اثر للقرآن
في نفسه لان فجوره ونفاقه ختم على
قلبه فلا تؤثر فيه نصيحة ولا تنجح معه
موعظة ورابعهم منافق او فاجر
لاصلة له بالقرآن لا علماً ولا عملاً
ولا تلاوة وحفظاً وهذا اشبهه
الرسول صلے الله عليه وسلم
بالحنظلة لا ريح لها وطعمها مر بشع
كذلك هذا يحمل نفسا خلقت من
الفجور ونبتت في النفاق ان تذوقها
الناس اذت السنتهم ودنست
نفوسهم ولا يشم منه خير اذ
حرم من طيب الطيوب وعطر
العطور كتاب الله جلاء العيون
وشرح الصدور وحياة النفوس
وطب القلوب وشنف الآذان
وسراج الالباب تلك هي الاصناف

امتحان کرو تو سیاہ تاریک دل والا برے اخلاق والا اور
تکلیف دہ عمل والا پاؤ گے۔ اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ریحانہ کے ساتھ دی ہے کہ اس کو اگر تم سونگھو
تو نہایت عمدہ خوشبو اور چکھو تو ایسی کڑواہٹ جس سے زبان
ہی اینٹھ جائے۔ اسی طرح یہ شخص ہے کہ قرآن پڑھتا ہے
جس کی وجہ سے لوگوں کو لطف بھی حاصل ہوتا ہے جس طرح
سے عمدہ خوشبو سے راحت ملتی ہے لیکن اس کا قلب اور
نفس دونوں برائیوں میں لپٹے ہوئے ہیں جس کی کڑواہٹ
تم اس سے معاملہ کرنے یا معاشرت رکھنے پر چکھ سکتے ہو اور
اس جیسے شخص کے نفس میں قرآن کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس
لئے کہ اس کا فسق ونفاق اس کے قلب پر مہر لگا دیتا ہے
پس نہ تو کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے اور نہ اس کے ہوتے
ہوئے کوئی وعظ ہی نافع ہوتا ہے۔ اور چوتھا شخص وہ
منافق یا فاجر ہے جس کا تعلق قرآن شریف سے نہ ہو نہ
علماً نہ عملاً نہ تلاوۃً نہ حفظاً اس شخص کی تشبیہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ سے دی ہے کہ نہ تو اس میں
خوشبو ہے اور مزا بھی اس کا نہایت کڑوا، کھٹا ہوتا ہے
یہی حال اس شخص کا ہے کہ یہ ایک ایسا نفس رکھتا ہے
جو فسق وفجور کا مجسمہ ہے اور نفاق میں بڑھا اور پلا ہے
اگر لوگ اس کو چکھیں تو ان کی زبانیں تکلیف محسوس کریں
ان کے نفوس خراب ہو جائیں۔ اس سے کسی قسم کی بھلائی
نہیں دیکھی اور سونگھی جا سکتی ہے اس لئے کہ سب خوشبوؤں
سے بڑھ کر جو خوشبو ہے اور سارے عطروں کا جو عطر ہے یہ
شخص اسی سے محروم ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی کتاب
جو کہ آنکھوں کی روشنی اور سینوں کا انشراح نفوس کی
حیات۔ قلوب کی تازگی۔ کانوں کا زیور اور عقول کا چراغ

الاربعۃ التی تعرض لہا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بالبیان والتمثیل فیا تری فی ایہا وضعت نفسك؟ ظنی ان تکون المؤمن المخلص والقاری المتدبر والعامل الورع

ہے۔ یہی کل چار قسمیں ہیں جن کے بیان اور تمثیل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعرض فرمایا ہے۔ کاش تم اپنے کو دیکھیے کہ ان میں سے کس میں خود کو رکھنا چاہتے ہو۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر تم اس کو سوچو تو مومن مخلص اور قاری متدبر اور عامل ورع ہو جاؤ۔ (الادب النبوی ص ۲۳۳ تا ۲۳۶)

اس میں انھوں نے کیا خوب بات فرمائی ہے کہ ولیست قراءۃ من طرف لسانہ وشفتہ وحنجرتہ بل قلبہ الذی یفقہ ولبہ الذی یتدبر میں یہ سمجھتا ہوں کہ تلاوت لسانی ہی تلاوت قلبی ولبی تک پہونچا دیتی ہے یہی اس کا واحد ذریعہ ہے۔ اور میرے خیال میں جس تلاوت کی مدح ہے وہ یہی ہے جو لب اور قلب سے ہو اور جس پر نکیر ہے وہ وہ ہے جو طرف لسان سے ہو ــــ اگرچہ تلاوت قرآن کی اہمیت ثابت کرنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے جو مذکور ہے لیکن اس مضمون کی تکمیل کے لئے ہم ذیل میں چند آیات اور احادیث اور بھی درج کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ اتل ما اوحی الیك من الكتاب قال القاضی بیضاوی فی تفسیرہ تقربا الی اللہ تعالیٰ بقراءتہ وتحفظا لالفاظہ واستکشافا لمعانیہ فان القاری المتامل قد ینکشف لہ بالتکرار ما لم ینکشف لہ اول ما قرع سمعہ انتہیٰ۔

(بیضاوی کامل)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (چونکہ آپ رسول ہیں اس لئے) جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کو پڑھا کیجئے قاضی بیضاوی رح اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس کے پڑھنے سے حاصل ہو اور اس کے الفاظ زبان و ذہن میں محفوظ ہو جائیں اور اس کے مضامین کھلتے جائیں کیونکہ غور سے پڑھنے والے قاری پر بعض وقت بار بار پڑھنے ہی سے ایسے مضامین کھلتے ہیں جو پہلی بار کے سننے پر اس کی سمجھ میں نہیں آسکے تھے

اس میں تصریح ہے کہ قرات سے تقرب الی اللہ ہوتا ہے و نیز تحفظ الفاظ و نیز کثرت قرات سے تدبر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں معنی کا انکشاف ہوتا ہے۔ ہمارے مدعا میں یہ آیت (قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے مطابق) نص ہے کہ نفس تلاوت سے قرب ہوتا ہے تحفظ الفاظ و انکشاف معانی مزید برآں۔ جس طرح صلوٰۃ عبادت ہے اسی طرح قرات بھی عبادت ہے۔ صلوٰۃ میں اگر قرات بلا فہم معنی ہو تو صلوٰۃ صحیح ہو جائے گی اور قرب کا موجب بھی ہو گی، اسی طرح قرات بھی بلا فہم معنی صحیح ہے اور موجب قرب ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرات ذکر اللہ ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ

نے جگہ جگہ ذکر اللہ فرمایا ہے جس طرح نماز کو۔

یہ اصل قرات کا حکم ہے، قرات کے ساتھ اگر دیگر امور منضم ہو جائیں گے تو دوسرا حکم ہو جائیگا مثلاً نفاق کے ساتھ قرات کر رہا ہے تو نفاق کی وجہ سے اس کا اثر مرتب نہوگا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مثل الفاجر (فی روایۃ المنافق) الذی یقراء القرآن کمثل الریحانۃ ریحھا طیب وطعمھا مر، وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ورب قاری القرآن والقرآن یلعنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بدکار (یا بروایتے وہ منافق) جو قرآن پڑھتا ہے۔ اس کی مثال تلسی کی سی ہے کہ خوشبو بہت اچھی مگر مزا کڑوا۔ نیز فرمایا کہ بعض قاری قرآن ایسے ہوتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

تو قرات ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ہر عبادت میں اگر کوئی امر مفسد منضم ہو جاتا ہے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے مزید توضیح کے لئے اور آیات پیش کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ لیسوا سواء من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ یہ (اہل کتاب) سب برابر نہیں (بلکہ ان ہی) میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو (دین حق) پر قائم ہے (اور) اللہ تعالیٰ کی آیات (یعنی قرآن) اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں

یہاں ظاہر ہے کہ تلاوت پر مدح ہے خاصکر رات کی ساعات میں کہ خاص شغف و محبت کی دلیل ہے اور آناء اللیل میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ عشاق کو رات کی ساعات میں جب محبوب کی یاد ستاتی ہے تو یہی تلاوت ان کے لئے تسلی کا ذریعہ ہوتی ہے۔

پس جس طرح کسی دنیوی محبوب کے خط کو محبت سے بار بار پڑھا جاتا ہے اور اس کے الفاظ کی تکرار میں بھی محب کو ایک خاص لطف آتا ہے چنانچہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن کریم کو مکتوب رب العالمین فرمایا ہے یا کسی کے پاس کوئی شاہی فرمان آتا ہے تو وہ صرف اس پر قناعت نہیں کرتا کہ یہ معلوم کرلے کہ اس کا کیا مضمون ہے بلکہ اسکو پڑھتا ہے اور بار بار پڑھتا ہے تاکہ الفاظ سے اس کا صحیح مطلب نکال سکے بعض اوقات جب سمجھ میں اختلاف ہوتا ہے تو الفاظ سے جو مطلب سمجھ میں آتا ہے اسی کو ترجیح دیجاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی جو ملک الکلام ہے ایک مومن مخلص کی بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کو بار بار پڑھے اور اس سے لطف اندوز ہو اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جب مخلوق کے کلام میں ایسی لذت ہوتی ہے تو خالق کے کلام میں اہل اللہ

کو جیسی کچھ لذت ملتی ہوگی اس کا تو اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ پس ایک طالب کیلئے اپنے خالق سے تسلی کا بجز اس کے کلام کی تلاوت کے اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے ؎

چیست قرآں اے کلام حق شناس ‏ رونمائے رب ناس آمد بناس

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ‏ ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

قال اللہ تعالیٰ ان الذین یتلون کتاب اللہ واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقناھم سرا وعلانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ جو لوگ کتاب اللہ (یعنی قرآن) کی تلاوت (مع العمل) کرتے رہتے ہیں اور (خصوصاً اور اہتمام کے ساتھ) نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ (بوجہ وعدہ الہیہ کے ایسی دائم النفع) تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی۔

پ ۲۲

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ یہاں جن کا بیان فرمانا چاہتے ہیں ان کے بیان کا یہ عنوان اختیار فرمایا ہے جس سے ان کا امتیازی لقب معلوم ہوتا ہے اس سے خاص فضیلت تلاوت کی مفہوم ہوتی ہے۔

سورہ بقر میں ہے کہ

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب۔

یعنی کیا تم لوگوں کو نیکی کا تو حکم کرو گے اور خود اپنے کو بھول جایا کرو گے حالانکہ تم توراۃ کی تلاوت بھی کرتے رہتے ہو۔

اس میں اسی تلاوت پر نکیر ہے جس میں قول و فعل میں تطابق نہ ہو۔

اسی طرح اسی سورہ میں ارشاد ہے کہ

الذین اٰتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولٰئک یؤمنون بہ

یعنی جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ و انجیل) دی بشرطیکہ اس کی تلاوت کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے۔ ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔

اس آیت میں بھی تلاوت پر مدح ہے۔

اب تلاوت کے متعلق احادیث پیش کرتا ہوں (ابن ماجہ میں ایک لمبی حدیث آئی ہے مقام کے مناسب اس کے الفاظ لکھے جاتے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:-

انکم تقدمون علی قوم للقرآن

دیکھو تم لوگ ایسے لوگوں کے پاس پہونچو گے کہ ان کے سینوں

فصدد وھم ھنزیز کھنزیز المرجل فاذا راٰوکم صدوا الیکم اعناقھم وقالوا اصحاب محمد فاقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انا شریککم

میں قرآن ہانڈی کے ابال کی طرح جوش مارتا رہتا ہے جب وہ تمہیں دیکھیں گے تو صحابۂ رسول صحابہ رسول کہ کر تمہاری طرف گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے تو تم ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روائتیں کم بیان کرنا اور میں بھی تمہارا شریک ہوں۔

اور منتخب کنز العمال میں اسی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ

فلا تصدوھم بالاحادیث فتشغلوھم جردوا القراٰن واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امضوا وانا شریککم

یعنی اس جماعت کے سامنے احادیث رسول نہ بیان کرنا کہ ان کو (قرآن سے) روک دو بس صرف قرآن کو تنہا رہنے دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرنا اچھا اب تم لوگ جاؤ اور میں بھی تمہارا شریک ہوں۔

(منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد)

نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ریاض الصالحین میں ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی موسٰی رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اجلال اللہ تعالٰی اکرام ذی الشیبۃ المسلم وحامل القراٰن غیر الغالی فیہ والجافی عنہ واکرام ذی السلطان المقسط

حضرت ابو موسٰی رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی ہی کی عظمت سے ہے کسی بوڑھے مسلمان کا اکرام کرنا اور اس حامل قرآن کا اکرام کرنا جو نہ اس میں غلو کرنے والا ہو اور نہ ہی اس پر جفا کرنیوالا ہو (یعنی اس کو ترک کرنے والا ہو) اور اسی طرح سلطان عادل کا اکرام کرنا۔

(ریاض الصالحین ص۱۳۸)

وقال المحشی فی الحدیث اقرؤا القراٰن ولا تجفوا عنہ ای تعاھدوا ولا تبعدوا عن تلاوتہ وقال ایضاً فی الحدیث ایاکم و الغلو فی الدین ای التشدید ومجاوزۃ الحد وقیل معناہ البحث عن مواطن الاشیاء والکشف عن عللھا وغوامض متعبدا تھا ومنہ الحدیث حامل القراٰن غیر الغالی فیہ

محشی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن شریف پڑھو اور اس سے جفانہ برتو یعنی اس پر محافظت رکھو اور اسکی تلاوت کو ترک مت کرو نیز کہا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ دین میں غلو کرنے سے بچنا یعنی تشدید کرنے اور حد سے تجاوز کرنے سے پرہیز کرنا۔ نیز کہا گیا ہے کہ غلو کے معنی ہیں اشیاء کے مواقع سے بحث کرنا اور ان کی علل کا کشف کرنا اور عبادات کے غوامض اور باریکیوں کے درپے ہونا اور اسی معنی میں ہے حدیث حامل قرآن غیر الغالی فیہ بھی۔

نہایہ (حاشیہ ریاض الصالحین)

اس حدیث سے بھی حامل قرآن کی مدح اور جفاعن القرآن یعنی اس کی تلاوت سے تباعد پر نکیر معلوم

ہوتی ہے رہا یہ کہ حامل قرآن سے کون شخص مراد ہے اس کے متعلق ایک دوسری حدیث (جو اسی معنی میں ہے) اور اس کی شرح جو علماء نے بیان کی ہے نقل کرتا ہوں ارشاد ہے کہ

اکرموا حملۃ القرآن فمن اکرمھم اکرمنی المراد بحملتہ حفظتہ عن ظھر قلب العاملون بما فیہ واما من حفظہ ولم یعمل بما فیہ فلا یکرم بل یھان لانہ حجۃ علیہ لا لہ

حاملین قرآن کا اکرام کیا کرو کیونکہ جس نے ان کا اکرام کیا اس نے گویا میرا اکرام کیا۔ مراد حاملین سے حفاظ ہیں جو قلب میں اسکو محفوظ رکھیں اور اس کے احکام پر عمل کریں اور جو صرف حفظ کرلے اور اس کا عامل نہ ہو اس کا اکرام نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ قابل اہانت ہے کیونکہ قرآن اس کے خلاف حجت ہے اسکے حق میں نہیں۔

نیز ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے کہ

عن علی رض قال الوتر لیس بحتم کصلاتکم المکتوبۃ ولکن سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ وتر یحب الوتر فاوتروا یا اھل القرآن۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وتر فرض نمازوں کی طرح حتمی نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وتر ہیں اور وتر کو پسند فرماتے ہیں لہذا اے اہل قرآن تم وتر پڑھا کرو۔

قال مولینا انور شاہ الکشمیری فی تقریرہ ما نصہ قال المحشی ان المراد من اھل القرآن المومنون وھذا غلط بل المراد بہ حفاظ القرآن فان الفرق بین الحفاظ وغیرھم لا یظھر الا فی صلوۃ اللیل (قال بعد اسطر) والمراد منہ صلوۃ اللیل وتدل الفاظ الاحادیث علی ان المراد اھل القرآن وکذا فسر الکبار من الحفاظ والائمۃ والمحدثین کما فسر اسحاق فی روایۃ ان رجلا سال ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن صلوۃ اللیل فقال لیست لک بل لاھل القرآن ای لا یؤدی حق صلوۃ اللیل کاملا الا الحفاظ وفی قیام اللیل لمحمد بن نصر

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے کہ محشی نے کہا ہے کہ اہل قرآن سے مراد یہاں مومنین ہیں لیکن یہ غلط ہے بلکہ مراد اس سے حفاظ قرآن ہیں کیونکہ حافظ و غیر حافظ کا فرق صلوۃ لیل ہی میں ظاہر ہوتا ہے (پھر چند سطروں کے بعد ہے کہ) مراد اس سے صلوۃ لیل ہے (وتر کی نماز نہیں) اور حدیث کے الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں کہ مراد اہل قرآن ہی ہیں۔ اور یہی تفسیر فرمائی ہے کبار حفاظ اور ائمہ اور محدثین نے مثلاً اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں یہ تفسیر کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صلوۃ لیل کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے لئے نہیں ہے بلکہ اہل قرآن کے لئے ہے مطلب یہ کہ صلوۃ لیل کا کامل حق حفاظ ہی ادا کر سکتے ہیں۔

اسی طرح محمد بن نصر کی کتاب قیام لیل میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ خواص اور اہل ہیں اور

حدیث مرفوع ان للہ اھلین وخواص وہ اہل قرآن ہیں
وھم اھل القرآن۔ (العرف الشذی صنا ۲)
حدیث شریف اور اس کی تشریح سے مفہوم ہوا کہ صلوٰۃ لیل جیسی افضل عبادت کا تعلق خصوصیت کے ساتھ حفاظ سے ہے چنانچہ ان کو اہل قرآن کہا جاتا ہے۔ نیز یہی وہ لوگ ہیں جنکو اس حدیث میں اہلین (یعنی اہل اللہ) فرمایا گیا ہے اس سے حفظ قرآن کا کیسا درجہ معلوم ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ صلوٰۃ لیل کی خصوصیت جوان کے ساتھ ہوئی وہ اسی لئے کہ تلاوت قرآن ان کے لئے زیادہ آسان ہے جو حقیقۃ صلوٰۃ کی روح ہے۔
ریاض الصالحین میں بخاری شریف کی ایک حدیث بیان کی ہے کہ

عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجمع بین الرجلین من قتلی احد یعنی فی القبر ثم یقول ایھما اکثر اخذ اللقرآن فاذا اشیر الی احدھما قدمہ فی اللحد۔	حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد میں سے دو دو کو ایک ایک قبر میں دفن فرما رہے تھے اور دریافت فرما رہے تھے کہ ان دونوں میں سے زیادہ حصہ قرآن کس کو یاد ہے تو جس کی جانب اشارہ کیا جاتا اسی کو آپ قبر میں آگے رکھتے۔

(رواہ البخاری)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص کو زیادہ قرآن شریف یاد ہوتا تھا وہ خیر القرون میں بھی زیادہ قابل احترام سمجھا جاتا تھا۔ اس سے حافظ کی فضیلت غیر حافظ پر نکلی اور حافظ کے لئے تلاوت لازم ہے۔ چنانچہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وحق لقاری القرآن الذی خالط لحمہ ودمہ واخذ بمجامعہ ان یقدم علی غیرہ فی حیاتہ فی الامامۃ وفی مماتہ فی القبر (قسطلانی صہ ۳۶۶ ج ۳)	اور قرآن شریف کی تلاوت کرنے والا جس کے کہ قرآن گوشت و پوست اور رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہو اور اس کے تمام بدن میں رچ گیا ہو اس کا حق یہ ہے کہ زندگی میں امامت میں اور بعد وفات قبر میں (جانب قبلہ سے قریب کئے جانے میں) اس کو دوسروں پر مقدم کیا جائے۔

نیز آیت وتقلبك فی السٰجدین کی تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے گھروں کی طرف رات کو تشریف لیجاتے اور ان کی تلاوت سے ان کے مراتب معلوم فرماتے تھے۔
حدیث شریف میں ہے کہ قاری قرآن سے قیامت میں کہا جائیگا کہ قرأت کرتے جاؤ اور بلند

ہوتے جاؤ جہاں تمہاری قراءت منتہی ہوگی وہی تمہارا درجہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

ان عدد درج الجنة عدد ای القرآن فمن دخل الجنة ممن قرأ القرآن لم یکن فوقه احد ابن مردویه عن عائشة رض (جامع صغیر ج ا صفحہ ۲۲۹)

جنت کے درجوں کی تعداد آیات قرآن کی تعداد کے مطابق ہے تو قرآن پڑھنے والوں میں سے جو جنت میں داخل ہوگا اس سے اُوپر کسی کا درجہ نہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الماهر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة والذی یقرأ القرآن ویتتعتع فیه وهو علیه شاق له اجران۔ (متفق علیه)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو شخص قرآن شریف میں ماہر اور حاذق ہوگا وہ تو انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور پڑھنا اس پر دشوار ہے تو اس کو دُہرا اجر ملے گا۔

کتاب السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیۃ میں حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ نقل فرمایا ہے کہ جمع فرمودہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

"پھر آپ نے اسی کے متعلق یہ حکایت فرمائی کہ کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھ کر نہیں۔ مناسب ہے کہ اس کی تلاوت کیا کریں کہ اس کا نتیجہ کل طاعتوں سے بڑھ کر ہے۔" (السنۃ الجلیۃ صفحہ ۲۰)

دیکھئے حضرت بابا فرید رح حضرت سلطان نظام الدین رح اور حضرت تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے تین بزرگوں نے تلاوت قرآن پاک کی کتنی اہمیت و فضیلت بیان فرما کر اس کی ترغیب دی ہے، اس میں فہم قرآن کی تصریح نہیں ہے اس لئے مراد مطلق ہی تلاوت ہوگی۔ اور جیسے اوراد کار میں ثمرہ کا ترتب فہم معنی پر موقوف نہیں اسی طرح تلاوت قرآن پاک بھی ایک ذکر ہے اس میں بھی فہم معنی پر ترتب ثمرہ کا موقوف نہیں ہے۔

صحابہ کا معمول رہا ہے کہ تلاوت قرآن کے لئے انھوں نے منزلیں مقرر کی تھیں جسے فمی بشوق[1] کہتے ہیں۔ اور جس کا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا۔

اب آخر میں ہم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا خواب نقل کر کے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ اس جلیل القدر امام نے جو قرآن کے عاشق تھے قرآن ہی کے متعلق ایک اعتقادی مسئلہ میں سخت ترین

---

[1] قولہ فمی بشوق۔ یہ کل سات حروف ہیں جن سے قرآن شریف کی ساتوں منزلوں کی طرف اشارہ ہے اس طور پر کہ ہر منزل کی ابتدائی سورہ کا پہلا حرف لے لیا گیا ہے یعنی فا سے فاتحہ، میم سے مائدہ، یا سے یونس، با سے بنی اسرائیل، شین سے شعراء، واؤ سے والصّفّت اور ق سے سورۂ قٓ مراد ہے۔ یہی معمول ہمارے حضرت کا بھی ہے۔ (از ناقل عفی عنہ)

اذیت اٹھانے کے باوجود معتزلہ کے مقابلہ میں کلمۂ حق کہا (اور یہ ان کا امت محمدیہ پر تا قیام قیامت ایک نہایت زبردست احسان ہے) کہ قرآن قدیم ہے مخلوق اور حادث نہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک صفت الٰہی ہے۔ ایک بار انھوں نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا:

دلنی علی اقرب الطریق الیك۔ یعنی مجھے وہ سب سے قریب تر راستہ بتا دیجئے جس سے میں آپ تک پہنچوں۔ جواب ملا کہ تلاوتِ قرآن۔ عرض کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے فرمایا کہ "بفہم او بلا بفہم" چاہے سمجھ کر ہو چاہے بلا سمجھے ہو دونوں ہی اقرب طریق ہیں ہم نے اپنے اکابر سے یہ خواب سنا ہے نیز طبقات کبریٰ میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب علماء نے اسے معتبر مانا ہے تو یہ مضمون صحیح ہے۔

ہم کو تلاوت قرآن شریف کے متعلق حضرت شاہ اہل اللہ صاحب دہلویؒ برادر معظم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد ملا ہے ناظرین کے افادہ کے لئے اس کو ہم یہاں بعینہٖ درج کرتے ہیں اور اس باب میں اسی کو قول فیصل سمجھتے ہیں اور اس پر اپنا ایمان بھی ہے۔ اس مضمون کو اتنا واضح اور اتنا صاف میں نے کہیں اور نہیں دیکھا۔ شاہ صاحب اپنے رسالہ "چار باب" میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ:

فرمود کہ خواندن قرآن شریف بہتر است از تکبیر و تسبیح و صوم و صدقہ (یعنی قرآن شریف کی تلاوت تکبیر و تسبیح اور روزہ و صدقہ سے بہتر ہے) اور اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ:

پس لازم بر ہر مسلمان است کہ ہر روز قدرے بہ ترتیل و تجوید بخواند ورد خود گیرد کہ فضیلت آں در احادیث صحاح بسیار وارد شدہ اگر مطلع باشد و بفہمد معانی آں پس بہتر است والا در وقت تلاوت ایں قدر داند کہ کلام خدا است وآنچہ درآں از امر و نہی و قصص ذکر کردہ است راست و درست است۔ ایمان آوردم بداں۔ (چہار باب صـ۳۰)

"پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ روزانہ کچھ مقدار ترتیل اور تجوید کے ساتھ تلاوت کیا کرے بلکہ اس کو اپنے معمولات میں داخل کرلے کیونکہ تلاوت کی فضیلت صحاح کی بہت سی احادیث میں وارد ہے۔ اگر اس کے معانی و مطالب کو بھی جانتا اور سمجھتا ہو تب تو خیر بہتر ہی ورنہ بوقت تلاوت بس اتنا خیال رکھے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے (جس کو میں پڑھ رہا ہوں) اور جو بھی امر و نہی اور قصص وغیرہ اس میں مذکور ہوئے ہیں وہ سب صحیح اور حق ہیں ان سب پر ایمان لاتا ہوں۔"

یہاں پر میں اتنی بات اور کہتا ہوں کہ یہ بھی کہہ لیا کرے کہ ان میں سے جن جن باتوں کا علم ہوتا جائے گا اس پر عمل بھی کروں گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الاعتصام بالسنّۃ
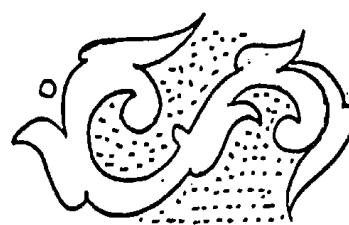
اس زمانہ میں مسلمانوں کی عام تباہی اور بد حالی جو دیکھی جا رہی ہے اس کے متعلق میرا خیال تو یہ ہے کہ اسکی صحیح وجہ یہی ہے کہ ہم نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ہماری ہدایت کا ذریعہ بنا کر بھیجا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے ہمیں کتاب اللہ پر چلنا اور اس پر عمل کرنا سکھایا کیونکہ سنت کی تعریف ہی یہ کیجاتی ہے کہ ھی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین تو جب ہم نے ہدایت کے ان سرچشموں سے بے اعتنائی برتی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ہماری جانب سے نظر ہٹالی، جس کا انجام بجز خسران اور حرمان کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

کلام اللہ کے ساتھ آج مسلمانوں کا جو طرز عمل ہے وہ بالکل ظاہر ہے کہ اس پر عمل کرنا تو بجائے خود رہا اسکی تلاوت بلا فہم کو ہی ایک امر لا حاصل سمجھا جاتا ہے حالانکہ تلاوت کے ساتھ فہم قرآن بھی جمع ہو سکتا ہے اس طرح کہ تلاوت کے وقت کے علاوہ دوسرے اوقات اس کے فہم کے لئے مقرر کرلئے جائیں۔
بہر حال اس مسئلہ کی تحقیق تو ہم اوپر کر چکے ہیں اس وقت ہم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جو کہ فہم قرآن اور عمل بالکتاب کا ذریعہ ہے دیکھنا یہ ہے کہ آج ہمارا اس کے ساتھ کیا معاملہ ہے اور خیر القرون میں مسلمانوں نے اس کے ساتھ کیسا تعلق اور کتنا شغف رکھا۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آج عام مسلمانوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ ان کے گھروں میں سنت کا مطلقاً چرچا ہی نہیں ہے۔ عمل کا درجہ تو بعد کا ہے لوگوں کو ان کا علم تک نہیں۔ الا ماشاء اللہ حالانکہ اس کے ساتھ اعتنا ہی جملہ خیرات کی تحصیل کا ذریعہ اور ہر نوع کے مہلکات کے ارتکاب سے مانع ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ریاض الصالحین کے (جو کہ تہذیب الاخلاق اور آداب سالکین سے متعلق احادیث پر مشتمل ایک جامع کتاب ہے اس کے) مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:-
"وارجوان تم ھذا الکتاب ان یکون اگر اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اتمام تک پہونچا دیا تو میں امید کرتا

سائقاً للمعتنی بہ الی الخیرات حاجزاً لہ عن انواع القبائح والمهلکات۔ ہوں کہ یہ کتاب اس شخص کو جو اس سے اعتناء کریگا (یعنی اسکو دیکھکر اسکے مطابق عمل کریگا) خیرات تک پہونچا دیگی اور اس کو ہر قسم کے قبائح اور مہلکات سے بچائیگی۔

(مقدمہ ریاض الصالحین)

آج ہمارے اعتناء بالحدیث کا حال یہ ہے کہ ہم کو دو چار حدیثیں بھی یاد نہیں، اور اس کوتاہی سے طبقۂ خواص بھی مستثنیٰ نہیں۔ "الا ماشاء اللہ" کیونکہ زمانہ حال کے اہل علم ہی کے متعلق ایک مصری عالم مولانا عبدالعزیز خولیؒ نے اپنا تأثر اور تأسف اپنی کتاب مفتاح السنہ کے مقدمہ میں ان لفظوں سے ظاہر کیا ہے:۔

وان من المضحکات المبکیات ان نسئل کثیراً من العلماء عن اسماء الکتب الستة فلا یحیر جواباً کان ذلك لیس لدیہ من الدین فی ورد ولا صدر ولا قبیل او دبیر فلاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ منجملہ ان امور کے جن پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی آتا ہے ایک یہ بھی ہے کہ (آج) تم بہت سے اہل علم حضرات سے صحاح ستہ کے صرف نام ہی اگر دریافت کرو تو وہ نہ بتا سکیں گے (ان کے علمی بدمذاقی اور دین سے عدم مناسبت کا یہ حال ہے کہ) گویا انکے نزدیک یہ اول سے آخر تک دین سے ہی نہیں۔" لاحول ولا قوۃ الا باللہ"۔

(ص۱۴ مفتاح السنہ)

بخلاف اس کے خیر القرون میں حضرات صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا جو طرز عمل سنت کیساتھ رہا ہے اسکو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات سنت رسولؐ کے عاشق تھے چنانچہ مفتاح السنہ میں ہے:۔

لم تکن السنة فی القرن الاول (عصر الصحابة واکابر التابعین) مدونة فی بطون الکتب وانما کانت مسطورة علی صفحات القلوب فکانت صدور الرجال مهد التشریع النبوی ومصدر الفتیا ومبعث الحکم والاخلاق قرن اول یعنی حضرات صحابہؓ وتابعینؒ کے عہد میں سنت (یعنی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً) کتابوں میں مدون نہ تھیں بلکہ لوگوں کے قلوب کے صفحات پر لکھی ہوئی تھیں۔ اور لوگوں کے سینے ہی گویا تشریع نبوی کے گہوارے اور فتاویٰ کا سرچشمہ اور اخلاق وحکمتوں کے صادر ہونیکی جگہیں تھیں۔

(ص۱۶ مفتاح السنہ)

اس سے معلوم ہوا کہ قرن اول میں سنت لوگوں کے قلوب میں محفوظ تھی اور ان کے سینے سنت کے گہوارے تھے اسی کی برکت تھی کہ ان کو دینی و دنیوی ہر قسم کی فلاح حاصل تھی آج بھی جبتک مسلمانوں کے قلوب میں سنت محفوظ نہ ہوگی اس وقت تک اس پر عمل ناممکن ہے اور اعتصام بالسنة کے بغیر کتاب اللہ کا بھی فہم اور اس پر عمل ممکن نہیں۔

(۴) وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ — اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے۔ سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تمکو اللہ کی راہ سے جدا کر دینگی

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس باب میں یہ ہے:۔

(۱) من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌّ — جس شخص نے ہمارے اس معاملہ دین میں کوئی ایسی نئی چیز پیدا کی جو اس میں داخل نہ تھی تو وہ مردود ہے۔

(۲) شر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ — سب سے بُری چیزیں (دین میں) نئی پیدا کی ہوئی باتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

امر دوم سنت پر اور اسکے آداب پر محافظت ہے:۔

اس باب میں ہم بعض آیات و احادیث نقل کرتے ہیں:۔

(۱) وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا — اور رسول جو تم کو دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیا کریں رک جایا کرو۔

(۲) وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ — نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

(۳) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ — آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

(۴) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ — تم لوگوں کے لئے رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات اس باب میں یہ ہیں:۔

(۱) دعونی ما ترکتکم انما اھلک من کان قبلکم کثرۃ سوالھم واختلافھم علی انبیائھم فاذا نھیتکم عن شیء فاجتنبوہ واذا امرتکم بامر فأتوا منہ ما استطعتم (متفق علیہ) (ریاض الصالحین ص۸۵) — جس معاملہ میں (یا جبتک) میں تمھیں آزاد چھوڑ دوں (اور کوئی حکم نہ دوں اسوقت تک) تم بھی مجھے چھوڑے رکھو۔ (مجھ سے خواہ مخواہ حکم نہ پوچھو) تم سے پہلے کی امتیں کثرت سوال ہی کے باعث اور انبیاء سے اختلاف ہی کے باعث ہلاک ہوئیں۔ ہاں جب تم کو کسی کام سے منع کر دوں تو اس سے بچو۔ اور جب تمھیں میں کسی کام کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے ضرور اس کام کو کرو۔

غرض جس طرح تمسک بالقرآن مسلمانوں کیلئے نہایت ضروری چیز ہے اور اس سے استغناء برتنا بڑے وبال کی بات ہے اسی طرح تمسک بالحدیث بھی نہایت ضروری شے ہے اس سے استغناء گویا قرآن ہی سے استغناء ہے۔ اسکی طرف سے غفلت برتنا ہی ہماری تمام خرابیوں کی جڑ ہے یوں تو تمسک بالحدیث اور اعتصام بالسنۃ کا باب نہایت وسیع ہے اور اسکی وسعت اور عموم میں عبادات و اخلاق و معاملات و معاشرت وغیرہ کی تمام ہی تعلیمات اسلامی داخل ہیں لیکن ہم اس سلسلہ میں صرف چند اہم ترین چیزیں بیان کرتے ہیں جنکو بطور اصول و کلیات کے دل میں جمالینا چاہیئے یہ چیزیں اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان ان کو اپنا نصب العین بنالے۔ تفصیلی تعلیم پر علماء نے مبسوط کتابیں لکھی ہیں ضرورت پر ان کی مراجعت کرنی چاہیئے ہم کو یہاں صرف اجمالی طور پر اور کلی طور پر سنت کی طرف توجہ دلانی ہے۔

امر اوّل

سنت کی اصل بدعات سے اجتناب ہے۔ حضرت استاذ العلماء مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحؒ جو مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد۔ حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور اپنے جملہ اکابر کے نزدیک مسلم بزرگ تھے وہ فرماتے ہیں۔

"راہِ قبول منحصر اتباع سنت پر ہے ظاہر میں باطن میں، عقیدہ میں، عمل میں، بدعات اور رسوم سے اعراض کرنا اس زمانہ میں اتباع سنت کی اصل ہے"۔ (مکتوبات یعقوبی ص۱۱)

اس باب میں ہم کو اتنا جامع اتنا مختصر اور اتنا حاوی مضمون کہیں نہیں ملا۔

کتاب ریاض الصالحین میں بدعات اور نئی پیدا ہونیوالی باتوں کے باب میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے

(۱) فماذا بعد الحق الا الضلال	پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے
(۲) مافرطنا فی الکتاب من شیٔ	ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی
(۳) فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول۔	پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ و رسول کی طرف حوالہ کر لیا کرو۔

ف۵ راہ قبول منحصر اتباع سنت پر ہے الخ۔ اسکی دلیل یہ آیت ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ——— (ترجمہ) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ ولنعم ماقیل۔

ف۵ کیا کہتی ہے دیکھو آیت قل فاتبعونی — محبوب خدا تابع فرمان محمدؐ

دانائے عرب کا بھی ابوجہل پڑا نام — ہونا تھا یہی، تھا بھی وہ نادان محمدؐ

یعنی اجتناب عن النواہی وامتثال اوامر اتباع سنت ہے اور متبع سنت کیلئے لازم ہے مذکورہ آیات وحدیث اس کی بھی ترغیب دے رہی ہیں کہ سنت رسول کی اس طرح حفاظت کی جائے کہ اس کے آداب ومستحبات تک کی رعایت بھی نہ ترک ہونے پائے اور ظاہر ہے کہ سنت پر اس طرح مضبوطی کے ساتھ عمل اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کا صحیح علم بھی ہو اس لئے امت پر سب سے بڑھ کر جو چیز لازم ہے وہ یہ ہے کہ پہلے سنت کا علم صحیح حاصل کرے (خواہ علماء ربانیین کی صحبت میں کچھ دنوں رہ کر خواہ ان سے ہر بات پوچھ پوچھ کر یا کتابیں دیکھ کر) پھر نفس پر جبر کر کے ان سنتوں پر عمل بھی شروع کریں اس پر مداومت برتیں، اور یقین رکھیں کہ اسی سے ہم کو فلاح دارین نصیب ہوگی۔ اسی سے قرب حق حاصل ہوگا۔ اور جب ہم خود دین کی قدر کرینگے تو دوسرے سے بھی اس کی قدر کرا سکیں گے۔

(۲) عن انسؓ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بنیّ ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل، ثم قال یا بنیّ وذلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ (ترمذی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لڑکے اگر تجھ سے ہو سکے کہ رات اور دن تو اس طرح گذارے کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ ہو تو ضرور ایسا کر، پھر فرمایا کہ اے لڑکے یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت سے محبت کریگا وہ مجھ سے محبت کریگا اور جو مجھ سے محبت کریگا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک خاص سنت کا جو اخلاق اور عمل قلب سے متعلق ہے ذکر فرما کر اس کو محبوب بنانے کی ترغیب دے رہے ہیں اور اس پر جنت کی بشارت دے رہے ہیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب دل محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ہو۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے

دلم خانۂ مہر یارست و بس ۔۔۔ ازاں می نگنجد درو کین کس

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید (بیہقی)

حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب میری امت میں (بدعت اور جہالت کے غلبہ سے) فساد اور خرابیاں پھیلی ہوں اس زمانہ میں جو شخص میری سنت (اور طریقہ) پر قائم رہے گا اسے سو شہیدوں کے برابر اجر ملیگا۔

اس حدیث میں بدعات کے زمانہ میں سنت پر جمے رہنے کی ترغیب دے رہے ہیں جیسا کہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ بھی اسی حدیث کے تحت میں اس طرح فرماتے ہیں کہ......

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں بعض لوگ ہونگے جو دوسروں سے اپنے علوم میں اور کمالات میں زیادہ واقف اور زیادہ عمیق اور نیک تر ہونگے۔ اور جو شخص امت کے فساد اور کفر وفسق کے غلبہ کے وقت سنت کو مضبوط پکڑیگا... اس کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ہوگا۔

ـــہ تحفۃ السالکین (ترجمہ ارشاد الطالبین) صفحہ ۵

غرض سنت پر محافظت ایسی اہم اور برکت کی چیز ہے کہ اس سے مسلمان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی آپ کی دعائیں دنیا میں حاصل کر سکتا ہے اور اسی کی بدولت شہدا کا مرتبہ بلکہ خود سید الاولین والآخرین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ہمراہی آخرت میں پا سکتا ہے مگر سنت پر محافظت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انسان کو سچی محبت ہو محبت ہی سے اتباع کی مشقت سہل ہو جاتی ہے اس لئے اتنی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ کی سنتوں کی پیروی اور آپ کے احکام کی پابندی ہو سکے ہر مسلمان پر فرض ہے ـــــ فتح الباری میں ہے ـــــ

محبۃ اللہ علی قسمین "فرض" "وندب" فالفرض المحبۃ التی تبعث علی امتثال اوامرہ والانتھاء عن معاصیہ والرضاء بما یقدرہ فمن وقع فی معصیۃ من فعل محرم اوترک واجب فلتقصیرہ فی محبۃ اللہ حیث قدم ھویٰ نفسہ والتقصیر تارۃ یکون مع الاسترسال فی المباحات والاستکثار منھا فیورث الغفلۃ المقتضیۃ للتوسع فی الرجاء فیقدم علی المعصیۃ او تستمر الغفلۃ فیقع ـــ وھذا الثانی یسرع الاقلاع مع الندم والی الثانی یشیر حدیث لا یزنی الزانی وھو مؤمن والندب ان یواظب علی النوافل ویتجنب الوقوع فی الشبھات والمتصف عموماً بذلک نادر قال وکذلک محبۃ الرسول علی قسمین کما تقدم "ویزاد ان لا یتلقی شیئاً من المامورات والمنھیات الا من مشکوتہ ولا یسلک الا طریقتہ ویرضیٰ بما شرعہ حتی لا یجد فی نفسہ حرجاً مما قضاہ و

اللہ تعالیٰ کی محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم فرض ہے، اور ایک قسم مستحب۔ فرض وہ محبت ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اسکی نافرمانیوں سے پرہیز اور اسکی بنائی ہوئی تقدیر پر راضی رہنے پر آمادہ کرے تو جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے یعنی کسی حرام کام کو کرتا ہے یا کسی واجب کام کو چھوڑتا ہے تو صرف اسی وجہ سے کہ اس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت کم ہے کہ اس نے اپنی نفس کی خواہش کو (حکم حق پر) مقدم رکھا اب یہ کوتاہی کبھی تو مباحات میں بہت ڈھیل ڈالنے سے اور ان کے زیادہ کرنے سے ہوتی ہے، پھر اس سے ایسی غفلت پیدا ہو جاتی ہے جو حق تعالیٰ سے امید اور رجا میں بہت توسع کر دیتی ہے پس اس وجہ سے وہ گناہ پر آمادہ ہو جاتا ہے یا (کبھی) غفلت بڑھتی رہتی ہے اور وہ گناہوں میں پڑ جاتا ہے۔

اور یہ دوسرا شخص (یعنی غفلت والا) ندامت ہونے پر اس کے ترک کی جانب سبقت کرتا ہے اور اسی دوسری صورت کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے لا یزنی الزانی وھو مومن اور محبت کی دوسری قسم جو مستحب ہے یہ ہے کہ نفل عبادات پر مواظبت رکھے اور شبہے والی باتوں سے بھی بچے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی دو قسم کی ہے جیسا کہ گذر چکا ہے (یعنی ایک قسم فرض اور ایک مستحب) اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں اتنا اور زیادہ کیا جاتا ہے کہ کرنیکے کاموں میں سے اور نہ کرنے کے کاموں سے جو کچھ بھی اختیار کرے وہ

ملہ جیسا ص ۴۲ پر حدیث ترمذی میں ہے ۱۲

تخلق باخلاقه فی الجود و الایثار والحلم والتواضع وغيرها فمن جاهد نفسه علي ذلك وجد حلاوة الايمان وتتفاوت مراتب المومنين بحسب ذلك

وہ ہوں جو صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے ارشادات صادر ہوئے ہوں اور آپ ہی کے طریقہ پر چلے اور جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمادی ہے بس اسی پر راضی رہے یہانتک کہ جو فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں اسپر دل میں کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائے اور سخاوت، ایثار، حلم، تواضع وغیرہ اخلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خود عادت بنائے پس جس شخص نے اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرکے اسکو ان امور کا خوگر کیا وہی ایمان کی حلاوت پائیگا اور اس میں تفاوت سے مراتب مومنین میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔

(فتح الباری صـ۴۶ ج ۱)

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ اللہ اور رسول دونوں کی اتنی محبت ہر مسلمان کیلئے فرض ہے جس سے فرائض خداوندی اور سنن رسول کی پیروی اور پابندی ہوسکے اور کسی چیز سے محبت کے باعث ان میں کوتاہی نہ ہونے پائے یہی مضمون قرآن پاک کی اس آیت میں بیان ہوا ہے۔

قل ان کان اباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال نِ اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من الله ورسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی الله بامره (سورہ توبہ)

آپ کہدیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ تعالیٰ سے اور اسکے رسول سے اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجدیں۔

امر سوم

محافظت علی الاعمال - یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ و ممتاز سنت ہے جو اعمال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اس پر محافظت بھی فرماتے تھے یعنی کبھی اس کو ترک نہیں کرتے تھے حدیث میں ہے:۔

خیر العمل ما دیم علیه

یعنی بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے۔

ف: دوام عمل اس لئے محبوب تھا کہ دوام قرب مطلوب تھا۔ جس کا امر واسجد واقترب میں ہے اور وہ دوام عمل ہی سے ہوتا ہے۔

محقق تفتازانی نے شرح مقاصد میں ولی کی تعریف میں جیساکہ عارف باللہ وصفاتہ کا لفظ اختیار فرمایا ہے اسی طرح المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی بھی ذکر فرمایا ہے[عہ۵] اسی طرح صاحب روح المعانی نے حسنؒ سے فقیہ کی تعریف میں یہ نقل فرمایا ہے۔ الزاھد[عہ۶] فی الدنیا الراغب فی الآخرۃ البصیر بدینہ المداوم علی عبادۃ ربہ الخ قرب کسوب عمل سے ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام مقربان بارگاہ ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ کیسا کچھ کام اس بارگاہ کے لائق کرتے ہوں گے یا یوں کہئے کہ نسبت مع اللہ جو مقربین بارگاہ کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کا اقتضاء عمل ہے جس درجہ کی نسبت اور جتنی اس میں قوت ہوتی ہے اسی درجہ کا عمل اس سے صادر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کس درجہ کی قوت تھی۔ اس کا فہم بھی کسی امتی کو نہیں ہوسکتا صوفیاء کرام کے الفاظ سے البتہ اس کا کچھ پتہ چلتا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ "صوفیہ جس نسبت کے حامل ہیں یہ وہی نسبت مسلسلہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چلی آرہی ہے۔ اور یہ غنیمت کبریٰ ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ تفہیمات صفحہ ۴۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔ "نسبت ہائے صوفیہ غنیمت کبری است" یعنی صوفیاء کرام کی نسبتیں بہت بڑی غنیمت چیز ہے یعنی قابل قدر و قابل تحصیل شئے ہے اور اسی نسبت ہی کی قوت تھی کہ ہمارے سلف نے باوجودیکہ وہ تحریر اور تقریر دور حاضر سے کم کرتے تھے۔ دین کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دیں اس لئے کہ ان کے ہر قول و فعل کا منشاء یہی نسبت قویہ اور تعلق مع اللہ تھا۔ اور اب جو کہا اور کیا جاتا ہے وہ اس قوت اور تعلق سے خالی ہوتا ہے اس لئے کام بھی اتنا نہیں ہوتا"۔ —— اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نسبت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

(کچھ کلمات تواضع اپنی نسبت فرماکر فرماتے ہیں) "ہاں نسبت حضور کا قدر نصیب مقدر حصہ ملا ہے جس کا ہم پلہ ان ہزارہا انوار کو کچھ نہیں جانتا ہوں" (مکاتیب رشیدیہ صفحہ ۲۶)

اعمال کو اپنے وقت پر ادا کرنا بھی محافظت ہے اور اسی کو صوفیاء کرام نے اس طرح ادا کیا ہے کہ شیخ ابوسعیدؒ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن کا قول نقل کرتے ہیں:"

(عہ۵ وتمامہ) قال المحقق التفتازانی فی شرح المقاصد الولی ھو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانہماک فی اللذات والشھوات (رسم المفتی صفحہ ۲۹۳)

(عہ۶ وتمامہ) وسئل فرقد السبخی الحسن عن شیء فاجابہ فقال ان الفقھاء یخالفونک فقال الحسن ثکلتک أمک ھل رایت فقیھا بعینک انما الفقیہ الزاھد فی الدنیا الراغب فی الآخرۃ، البصیر بدینہ، المداوم علی عبادۃ ربہ الورع الکاف عن اعراض المسلمین، العفیف عن اموالھم الناصح لجماعتھم ولم یقل فی جمیع ذالک الحافظ لفروع الفتاوی (از ناقل) (روح المعانی صفحہ ۵۲ ج ۱۱")

الماضی لایذکر والمستقبل لاینتظر وما فی الوقت یعتبر وھذا صفۃ العبودیۃ وحقیقۃ العبودیۃ شان الافتقار الی اللہ تعالی ھذا من اصل العبودیۃ وحسن القدوۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الذی لیس للنفس فیہ نصیب ولا راحۃ انتھی۔

"ماضی کا ذکر نہیں کیا جاتا" اور "مستقبل کا انتظار نہیں کیا جاتا" اور موجود وقت کا اعتبار واستحضار کیا جاتا ہے۔ اور کیا جانا چاہیئے یہی صفت عبودیت ہے (یعنی جس عبودیت کا اللہ تعالی نے امر فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ وقت موجود کو نگاہ رکھا جائے اور اسکو وظائف عبودیت میں لگایا جائے۔ ایسے کو ابن الوقت کہتے ہیں) حقیقت عبودیت حق تعالی کی طرف افتقار واحتیاج ہے (جو قلب کی صفت ہے) اس میں قلب میں استغناء کا نام تک نہیں ہوتا قلب کی یہ صفت لازمہ بنجاتی ہے) یہی اصل عبودیت ہے اور (دوسری چیز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن اقتداء ہے جس میں محض امتثال وفرمانبرداری مدنظر ہو ذرا بھی نفس کو دخل نہ ہو اور نہ راحت ہو۔

غرض اپنے اوقات کا پابند ہونا لازمی ہے (یعنی فرائض ونوافل کو برابر ادا کرتے رہنا) لیکن اگر کوئی شخص سوجائے اور اس کے اوراد چھوٹ جائیں تو بعد دن نکلنے کے ظہر تک اسے پورا کرلے تو یہ بھی محافظت علی الاعمال ہی ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔

من نام عن حزبہ من اللیل او عن شیٔ منہ فقرأہ ما بین صلاۃ الفجر وصلاۃ الظھر کتب لہ کانما قرأہ من اللیل (رواہ مسلم)

جو شخص سوجائے اور اس کا کچھ ورد چھوٹ جائے اور وہ اسے نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان میں پڑھ لے تو گویا اس نے اُسے رات ہی کو پڑھا ہے۔ (ریاض الصالحین صـ۴۷)

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سب سے بڑی سنت یہی محافظت علی الاعمال ہے۔ مکاتب رشیدیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کی ہے جس کا کچھ حصہ ہم انہیں کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

پس لاجرم مقام عبدیت فوق جمیع مقامات باشد چہ ایں معنی در مقام عبدیت اتم واکمل است محبوبان را بایں مقام مشرف سازند محبان بذوق شہود متلذذ اند التذاذ در بندگی وانس باآں مخصوص بمحبوبان است۔ انس محبان بمشاہدۂ محبوب، وانس محبوبان ببندگی محبوب۔ درایں انس ایشاں را بایں دولت میسر سانند و بایں نعمت سرفرازی سازند۔

پس ضروری ہے کہ عبدیت کا مقام تمام مقامات سے اوپر ہو کیونکہ یہ بات مقام عبدیت ہی میں زیادہ کامل اور تام درجہ میں موجود ہے محبوبوں کو اس مقام سے مشرف کرتے ہیں خدا کے جو محب اور عاشق ہیں وہ تو شہود کی لذت سے متلذذ ہیں لیکن بندگی سے لذت اٹھانا اور بندگی سے مانوس ہونا صرف محبوبانِ حق کے لئے مخصوص ہے۔ غرض محب لوگوں کو محبوب کے مشاہدہ سے انسیت ہوتی ہے اور محبوبانِ حق کو محبوب کی بندگی میں انسیت ہوتی ہے۔ اس انسیت میں ان کو اس دولت (بندگی

شہسوار یکہ تاز ایں میدان آں سرور دنیا و دیں و سید اولین و آخرین حبیب رب العالمین است علیہ من الصلوٰۃ اتمہا و من التحیات اکملہا و کسے را کہ بہ محض فضل خواہند کہ بایں دولت رسانند او را بکمال متابعت آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام متحقق می سازند و آں را بذروۂ علیا می برند۔	(عبودیت) تک پہونچاتے اور اس نعمت سے مالا مال کرتے ہیں۔ اس میدان (عبودیت) کے واحد شہسوار صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کہ دین و دنیا کے سردار اور سید اولین و آخرین اور محبوب رب العالمین ہیں آپ پر اکمل ترین صلوٰۃ وسلام ہو۔ اور جس شخص کو محض فضل سے اس درجہ تک پہونچانا منظور ہوتا ہے اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری پیروی عطا فرماتے ہیں اور اس طرح اسے اس بلند ترین چوٹی تک پہونچا دیتے ہیں۔
وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم	اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے دے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

(مکاتیب رشیدیہ صـ۱۴۲)

اس سے معلوم ہوا کہ بندگی اور عبودیت جو اعلیٰ مقام ہے اس کے لئے محافظت علی الاعمال لازم ہے بلکہ اس کا ذریعہ ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب عالی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عہد فرمایا ہے۔ امت محمدی میں جسے عبدیت اور محبوبیت کا کچھ حصہ دینا حق تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اسے حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے اتباع سنت میں کمال عطا فرما دیتے ہیں۔ اہل طریق اس سے سبق لیں۔

محافظت علی الاعمال کی اہمیت سمجھنے کے لئے یہاں حدیث افلا اکون عبدا شکورا کی شرح ہم فتح الباری سے نقل کرتے ہیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبودیت اور عشق حق کا کچھ درجہ بھی معلوم ہو سکے گا۔ اصل حدیث یہ ہے۔

عن المغیرۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیقوم اولیصلی حتی ترم قدماہ اوساقاہ فیقال لہ فیقول افلا اکون عبدا شکورا	حضرت مغیرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے یا یہ کہا کہ نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ کے دونوں پیر ورم کر آتے تھے یا یہ کہا کہ دونوں پنڈلیاں ورم کر آتی تھیں۔ آپ سے اس کے متعلق عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

فتح الباری میں ہے

فی حدیث عائشۃ افلا احب ان اکون عبدا شکورا، وزادت فیہ فلما کثر لحمہ صلی جالسا الحدیث والفاء	حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، کہ فرمایا تو کیا میں یہ نہ چاہوں کہ خدا کا شکر گذار بندہ بنوں۔ نیز اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ ہے کہ جب حضور کے جسم مبارک

گوشت بھر گیا اور جسم بھاری ہو گیا تو آپ بیٹھ کر نمازیں پڑھنے لگے

في قوله افلا اكون للسببية وهي عن محذوف تقديره اترك تهجدي فلا اكون عبدا شكورا"۔

"افلا اکون" میں (ف) سبب کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ کیا میں تہجد پڑھنا چھوڑ دوں تب میں شکر گذار بندہ نہ بن سکوں گا۔

والمعنى ان المغفرة سبب لكون التهجد شكرا فكيف اتركه"

اور حضور کا منشا یہ تھا کہ چونکہ تہجد کو مغفرت ملنے پر خدا کے شکر کیلئے پڑھتا ہوں تو اسے کیسے چھوڑ دوں۔

قال ابن بطال في هذا الحديث اخذ الانسان على نفسه بالشدة في العبادة وان اضر ذلك ببدنه لانه صلى الله عليه وسلم اذا فعل ذلك مع علمه بما سبق له فكيف بمن لم يعلم بذلك فضلا عمن لم يامن انه استحق النار (انتهى)

(۱) ابن بطال کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ انسان کو عبادت میں اپنے اوپر ذرا جبر اور سختی بھی سہنا چاہیئے اگرچہ اس سے اس کے بدن کو نقصان پہونچے کیونکہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جانتے ہوئے کہ آپ کیلئے (مغفرت کا) وعدہ ہو چکا ہے پھر بھی عبادت میں مشقت اٹھائی تو وہ شخص کیوں نہ کرے جسے اسکا علم نہ ہو، چہ جائیکہ وہ شخص جو آگ کے مستحق ہونے سے مامون بھی نہ ہو۔

ومحل ذلك ما اذا لم يفض الى الملال لان حال النبي صلى الله عليه وسلم كانت اكمل الاحوال فكان لا يمل من عبادة ربه وان اضر ذلك ببدنه بل صح انه قال وجعلت قرة عيني في الصلاة كما اخرجه النسائي من حديث انس رض فاما غيره صلى الله عليه وسلم فاذا خشي الملل لا ينبغي له ان يكره نفسه عليه يحمل قوله صلى الله عليه وسلم خذوا من الاعمال ما تطيقون فان الله لا يمل حتى تملوا۔

ہاں اس مشقت کا موقع وہ ہے کہ انسان اس مشقت پر اکتانے نہ لگے یعنی اکتا کر چھوڑ نہ بیٹھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سب سے کامل تھی پس آپ اپنے رب کی عبادت سے ملول نہ ہوتے تھے۔ اگرچہ اسکی وجہ سے آپ کے جسم مبارک کو کچھ تکلیف ہی کیوں نہ پہونچ جائے بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ آپنے یہ فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے جیسا کہ نسائی نے حضرت انس رض سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے کا حکم ہے کہ جب کلال و ملال کا خوف کرے تو اس کے لئے اپنے نفس پر تشدید جائز نہیں اور اسی پر محمول کیا جائیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اعمال میں سے انھیں کو لو جن کی تم طاقت رکھو اس لئے اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتے جب تک کہ تم اکتا نہ جاؤ۔

وفيه مشروعية الصلوة للشكر وفيه ان الشكر يكون بالعمل كما

نیز اس میں اشارہ ہے کہ نماز شکر کے لئے بھی مشروع ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ شکر جس طرح زبان سے کیا جاتا ہے اسی طرح عمل

یکون باللسان کما قال اللہ تعالیٰ اعملوا آل داود شکرا سے بھی کہا جاتا ہے اور کرنا چاہیئے۔ جیسا قرآن میں ہے "اے آلِ داؤد شکر گزاری کے کام کیا کرو"۔ (فتح الباری صـ ج ۱)

محافظت علی الاعمال کے متعلق ریاض الصالحین سے چند آیات واحادیث ہم نقل کرتے ہیں۔

(۱) الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم۔ کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دینِ حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنکو ان کے قبل کتاب ملی تھی۔ پھر ان پر ایک زمانہ گزر گیا پھر ان کے دل سخت ہو گئے۔

---

(۲) ورھبانیۃ ن ابتدعوھا ما کتبنا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا۔ (ترجمہ) اور انھوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا۔ ہم نے ان پر اس کو واجب کیا تھا لیکن انھوں نے حق تعالیٰ کی رضا کیواسطے اسکو اختیار کیا تھا۔ سو انھوں نے اسکی پوری رعایت نہ کی۔

(۳) ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃٍ انکاثا۔ تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے بوٹی بوٹی کرکے نوچ ڈالا۔

(۴) واعبد ربک حتی یاتیک الیقین۔ اور اپ رب کی عبادت کرتے رہیئے یہانتک کہ آپ کو موت آجائے۔

(ریاض الصالحین صـ۷)

نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے فرمایا کہ

(۵) یا عبد اللہ لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترک قیام اللیل۔ (متفق علیہ) اے عبداللہ دیکھو تم فلاں شخص کی طرح نہ بنجانا کہ وہ پہلے تو راتوں کو اٹھ کر نماز پڑھتا تھا پھر اس نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔

یہاں تک محافظت علی الاعمال کا مضمون ختم ہوا اب ہم اعتصام بالسنۃ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو بھی بیان کر دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہ سنت کی اعلیٰ فرد ہے اور یہ بھی بیان کر دینا چاہتے ہیں کہ اخلاق کی فضیلت اور اس کے متعلق کیا کیا ترغیبیں آئی ہیں، کنز العمال سے اخلاق کی فضیلت نقل کرتے ہیں اس کے بعد یہ بیان کریں گے کہ خلق کا مفہوم کیا ہے اور اس کا متعلق کیا ہے۔

الباب الاول فی الاخلاق المحمودة

(ونعنی بالاخلاق ما هو من اعمال القلوب والافعال ما هو من اعمال الجوارح، وفیہ فصلان)

الفصل الاول فی الترغیب

(۱) مکارم الاخلاق من اعمال الجنة — اچھے اخلاق جنت کے اعمال میں سے ہیں۔

(۲) اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائهم۔ — کامل ترین مومن وہ ہے جو سب میں زیادہ اچھے اخلاق والا ہو اور تم میں سب اچھا وہ شخص ہے جو تم میں اپنی عورتوں کیلئے (از روئے اخلاق کے) سب سے اچھا ہے۔

(۳) الخلق الحسن یذیب الخطایا کما یذیب الماء الجلید و الخلق السوء یفسد العمل کما یفسد الخل العسل۔ — اچھی خصلت گناہوں کو اس طرح پگھلا دیتی ہے (بہا دیتی ہے) جس طرح پانی برف کو پگھلا دیتا ہے اور بری خصلت عمل کو اس طرح فاسد (خراب) کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو فاسد (خراب) کر دیتا ہے۔

(۴) ان الرجل لیدرک بحسن خلقه درجة القائم باللیل الظامی بالهواجر۔ — بیشک آدمی اپنے حسن خلق کی وجہ سے (عبادت میں) شب بیداری کرنے والے اور گرم دنوں میں روزہ رکھنے والے کے درجہ کو پالیتا ہے۔

(۵) ان المسلم المسدد لیدرک درجة الصوام القوام بایات الله بحسن خلقه وکرم ضریبته۔ — بیشک ٹھیک اخلاق والا مسلمان اپنے حسن خلق اور اپنی طبیعت کی خوبی کی وجہ سے روزہ رکھنے والوں اور رات میں نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تلاوت کرنے والوں کے درجہ کو پالیتا ہے

(۶) ان العبد لیبلغ بحسن خلقه عظم درجات — بیشک بندہ اپنے اخلاق کی خوبی کی وجہ سے آخرت کے بڑے بڑے درجوں

ف۵ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اکابر طریق جو اخلاق کی اصلاح پر زور دیتے ہیں وہ کس قدر متمسک بالسنۃ ہیں۔ انکا ماخذ اسی قسم کی احادیث ہیں۔ اسی حدیث کو سامنے رکھئے اور پھر عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ حضرات کتنے بڑے متبع سنت ہوئے ہیں فرماتے ہیں: "عاصی کہ دست بردارد بہ از عابد کہ در سر دارد۔ بیت

"سرہنگ لطیف خوے دلدار — بہتر ز فقیہ مردم آزار"

پس اس حدیث میں کس قدر زجر ہے ان عابدوں کے لئے جو محض اپنی عبادت پر اکتفا کرتے ہیں اور اخلاق کی درستی کا اہتمام نہیں کرتے یہانتک کہ بعض کو اس کا غرہ ہوتا ہے ؎

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ — رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما (از ناقل)

الآخرة وشرف المنازل وانه لضعيف العبادة - وانه ليبلغ بسوء خلقه اسفل درك جهنم وانه لعابد

اور بڑے مرتبوں کو پہونچ جاتا ہے حالانکہ وہ عبادت میں ضعیف ہوتا ہے اور بیشک وہ اپنے برے اخلاق کی وجہ سے جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں پہونچ جاتا ہے حالانکہ وہ دنیا میں عبادت گذار ہوتا ہے۔

(۷) ما من شیء یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق فان صاحب حسن الخلق لیبلغ به درجة صاحب الصوم والصلٰوة

میزان (عمل) میں جتنی چیزیں رکھی جائینگی ان میں کوئی شے حسن خلق سے زیادہ وزنی نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اچھے اخلاق والا اپنے حسن خلق کیوجہ سے روزہ رکھنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے درجہ کو پہونچ جائیگا

(۸) ان محاسن الاخلاق مخزونة عند الله تعالیٰ فاذا احب الله عبدا منحه خلقا حسنا

بیشک اچھے اخلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک (بطور خزانہ کے) جمع ہیں پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو پسند کر لیتے ہیں تو اسکو حسن خلق عطا فرما دیتے ہیں۔

(۹) ان هذه الاخلاق من الله تعالیٰ فمن اراد الله به خیرا منحه خلقا ومن اراد به سوءا منحه سیئا۔

بیشک یہ اخلاق اللہ تعالیٰ کی طرف سے (عطیہ) ہیں پس جب کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو حسن خلق عطا فرما دیتے ہیں اور جس کے ساتھ (اسکے گناہوں کی وجہ سے) برائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اسکو برے اخلاق دیدیتے ہیں۔

---

(۱۰) ان من احبکم الیّ احسنکم اخلاقا۔

بیشک تم میں کا سب سے زیادہ محبوب مرے نزدیک (وہ شخص ہے جو) تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو۔

(۱۱) ان احبکم الیّ واقربکم منی فی الآخرة مجالس محاسنکم اخلاقا وان ابغضکم الیّ وابعدکم منی فی الآخرة مساویکم اخلاقا الثرثارون المتفیهقون المتشدقون۔

بیشک تم میں کا سب سے زیادہ محبوب مرے نزدیک اور تم میں سب سے زیادہ قریب مجھ سے ازروئے مجلس کے آخرت میں (وہ شخص ہوگا جو) تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو اور تم میں کا سب سے زیادہ محبوب مرے نزدیک اور تم میں سب سے زیادہ دور مجھ سے آخرت میں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ برے اخلاق والا ہو جو زیادہ (لغویات) بولنے والا بے احتیاط اور چبا چبا کر باتیں بنانے والا ہے۔

---

(۱۲) انك امرؤ قد احسن الله خلقك فاحسن خلقك

بیشک تم ایسے شخص ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری صورت اچھی بنائی ہے تو تم اپنے اخلاق بھی اچھے بناؤ۔ (ایک آدمی کو خطاب کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا)

---

(۱۳) انکم لا تسعون الناس باموالکم ولکن یسعهم منکم بسط الوجه وحسن الخلق

بیشک اموال میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ سب کو دے سکو لیکن کشادہ روئی اور حسن اخلاق میں اتنی وسعت ہے کہ وہ سب کو پہونچ سکتی ہے۔

(۱۴) اوحی اللہ تعالیٰ الی ابراھیم یاخلیلی حسن خلقك ولو مع الکفار تدخل مداخل الابرار فان کلمتی سبقت لمن حسن خلقه ان اظله فی عرشی وان اسکنه حظیرة قدسی وان ادنیه من جواری۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب وحی بھیجی کہ اے میرے خلیل اپنے اخلاق کو اچھا کرو اگرچہ کفار کے ساتھ کیوں نہ ہو تو تم ابرار کے مرتبہ میں داخل ہو جاؤ گے اس لئے کہ میرا کلمہ سابق ہو چکا ہے اس شخص کے متعلق جس نے اپنے اخلاق اچھے کر لئے کہ میں اسکو اپنے عرش کے سایہ میں رکھونگا اور اسکو اپنے احاطۂ قدس میں جگہ دونگا اور اسکو اپنے پڑوس میں قریب کروں گا۔

(۱۵) الا اخبرکم بمن تحرم علیه النار غدا علی کل هین لین قریب سهل۔
کیا نہ خبر دیدوں میں تم کو ان لوگوں کی جن پر کل کو (دوزخ کی) آگ حرام ہوگی اور وہ (وہ لوگ ہیں جو) نرم آسان قریب ہیں۔

(۱۶) البر حسن الخلق والاثم ما حاك فی صدرك وکرهت ان یطلع علیه الناس
نیکی حسن خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمھارے سینہ میں کھٹکے اور مکروہ سمجھو تم (اس کے بارہ میں) اس بات کو کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔

(۱۷) الجمال فی الرجل اللسان۔
زینت مردوں میں (بس) زبان ہے۔

(۱۸) خیارکم احاسنکم اخلاقا الموطئون اکنافا وشرارکم الثرثارون المتفیهقون المتشدقون۔
تم میں کے سب سے اچھے (وہ لوگ ہیں جو) تم میں کے سب سے اچھے ہیں اخلاق کے اعتبار سے (یعنی) وہ رجال جو نرم خو ہیں اور تم میں کے سب سے بدتر (وہ لوگ ہیں جو) زیادہ کلام کرنے والے بے احتیاط چبا چبا کر باتیں بنانے والے ہیں۔

---

(۱۹) خیر ما اعطی الرجل المؤمن خلق حسن وشر ما اعطی الرجل قلب سوء فی صورة حسنة
ان چیزوں میں سے جو مومن دیا گیا ہے سب سے اچھی چیز حسن خلق ہے اور بدترین چیز جو ایک انسان دیا جائے برا قلب ہے اچھی صورت کے اندر

(۲۰) رأس العقل بعد الدین التودد الی الناس واصطناع الخیر الی کل بر وفاجر
عقل کا سرمایہ دین کے بعد لوگوں سے محبت کرنا ہے اور ہر نیک و بُرے کے ساتھ بھلائی کا برتاؤ کرنا ہے۔

(۲۱) اثقل شئ فی میزان المومن خلق حسن ان اللہ یبغض الفاحش المتفحش البذی۔
مومن کی میزان میں سب سے وزنی خلق حسن ہے بیشک اللہ تعالیٰ عادۃً بدگوئی کرنے والے اور زیادہ بولنے والے کو مبغوض رکھتے ہیں۔

(۲۲) اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا الموطئون اکنافا الذین یالفون ویولفون ولا خیر فیمن لا یالف ولا یولف۔
مومنین میں سے کامل الایمان وہ شخص ہے جو ان میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو یعنی جو لوگ کہ اپنی جانب کو پست کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو الفت کرتے ہیں اور جن سے الفت کیجاتی ہے اور اس شخص میں بالکل خیر نہیں جو نہ خود الفت کرتا ہے اور نہ اس سے کوئی الفت کرتا ہے۔

(۲۳) ان اللہ یحب معالی الاخلاق یکره
بیشک اللہ تعالیٰ بلند اخلاق کو پسند فرماتے ہیں اور ردی اخلاق

سفسافها۔ | کو ناپسند۔

(۲۴) لا تکونوا عون الشیطان علی اخیکم | اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔

(۲۵) علیک بحسن الخلق فان احسن الناس خلقا احسنھم دینا۔ | اپنے اوپر حسن خلق کو لازم پکڑو اس لئے کہ جس کے اخلاق اچھے ہونگے اس کا دین اچھا ہوگا۔

(۲۶) علیک بحسن الخلق وطول الصمت فو الذی نفسی بیدہ ما تجمل الخلائق بمثلھا۔ | اپنے اوپر حسن خلق کو اور طویل سکوت کو لازم پکڑو۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ مخلوق نے ان جیسی کسی اور چیز سے تجمل حاصل نہیں کیا۔

(۲۷) علیک بحسن الکلام وبذل الطعام | اپنے اوپر حسن کلام اور کھانا کھلانے کو لازم پکڑو۔

(۲۸) اللھم کما حسنت خلقی فحسن خلقی | اے اللہ جیسے کہ آپ نے میری صورت اچھی بنائی ہے (ویسے ہی) میرے اخلاق بھی اچھے بنا دیجئے۔

یہاں تک ترغیب[۵] اخلاق سے متعلق احادیث کا بیان ختم ہوا اب اس کے بعد فصل ثانی سے تعدیل اخلاق محمودہ کے متعلق احادیث نقل کرنا چاہتے ہیں۔

---

[۵] حضرت والا دامت برکاتہم نے ترغیب اخلاق کے سلسلے میں یہاں ۲۸ احادیث ذکر فرمائی ہیں اور اس کے بعد تعدیل اخلاق سے متعلق بھی ۲۸ حدیثیں بیان فرمائی ہیں تاکہ ناظرین کے سامنے فی الجملہ کچھ نمونہ اس کا بھی آجائے باقی اخلاق کے متعلق تمام روایات کا بیان احاطہ مقصود نہیں ہے۔ اس کے لئے ایک مستقل رسالہ کی تالیف زیر تجویز ہے جس میں اخلاق محمودہ اور مذمومہ پر انشاء اللہ تعالیٰ مفصل بحث کیجائے گی۔ (از ناقل)

الفصل الثانی فی تعدیل الاخلاق المحمودۃ

(۱) الاحسان ان تعمل للہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک فاذا فعلت ذلک فقد احسنت

احسان اس کو کہتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح عمل کرو کہ گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو اور اگر (یہ خیال) نہ (کر سکو کہ) تم اسے دیکھ رہے ہو تو (یہ تو خیال کرو کہ) وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور جب تم ایسا کرلو تو سمجھو کہ تم نے احسان کو پالیا۔

---

(۲) اخلص دینک یکفیک القلیل من العمل

اپنے دین میں اخلاص پیدا کرلو تو تمھیں تھوڑا سا بھی عمل کافی ہو جائیگا۔

(۳) ان اللہ تعالیٰ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن انما ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔

بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتے بلکہ تمھارے قلوب اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

(۴) انما الاعمال کالوعاء اذا طاب اسفلہ طاب اعلاہ واذا فسد اسفلہ فسد اعلاہ۔

بلاشبہ اعمال کی مثال برتن کی سی ہے کہ جب اسکے نیچے کا حصہ ٹھیک ہوتا ہے تو اوپر کا بھی درست ہوتا ہے اور جب نیچے کا حصہ خراب ہو جاتا ہے تو اوپر کا بھی خراب ہو جاتا ہے۔

(۵) ان العبد اذا صلی فی العلانیۃ فاحسن وصلی فی السر فاحسن قال اللہ تعالیٰ ہذا عبدی حقا۔

بیشک جب بندہ علانیہ نماز پڑھتا ہے اور اچھی طرح پڑھتا ہے پھر پوشیدہ پڑھتا ہے تب بھی اچھی طرح پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا سچا مخلص بندہ ہے۔

(۶) تمام البر ان تعمل فی السر عمل العلانیۃ

کمال نیکی یہ ہے کہ تم جو عمل علانیہ کرتے ہو اسکو پوشیدہ طور پر بھی کرو۔

(۷) صلوٰۃ الرجل تطوعا حین لا یراہ الناس تعدل صلاتہ علی عین الناس خمسا وعشرین

انسان کا (ایک) نفل نماز پڑھنا جب کہ اس کو کوئی نہ دیکھ رہا ہو (یہ) لوگوں کے سامنے پچیس نمازیں پڑھنے کے برابر ہے۔

(۸) طوبیٰ للمخلصین اولئک مصابیح الھدیٰ تنجلی عنھم کل فتنۃ ظلماء

بشارت ہو مخلصین کے لئے یہ لوگ ہدایت کے چراغ ہیں جن سے تاریک سے تاریک فتنے ختم ہو جاتے ہیں۔

(۹) ما تقرب العبد الی اللہ بشیء افضل من سجود خفی۔

بندہ نے مخفی سجدہ سے بڑھ کر کسی اور چیز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب نہیں حاصل کیا۔

(۱۰) من اراد منکم ان لا یحول بلنیہ وبین قلبہ احدٌ فلیفعل۔

جو شخص تم میں سے یہ چاہے کہ اسکے قلب اور اللہ تعالیٰ کے مابین کوئی حائل نہ ہو تو چاہیے کہ (ایسا) کرلے۔

(۱۱) السر افضل من العلانية والعلانية لمن اراد الاقتداء ـ
سر افضل ہے علانیہ سے اور علانیہ (افضل ہے) اس شخص کے لئے جو (دوسروں کیلئے) اقتدار کا ارادہ کرے ـ

(۱۲) لوان احدكم يعمل في صخرة صماء ليس لها باب ولا كوة لخرج عمله للناس كائنا ما كان ـ
اگر تم میں سے کوئی شخص کسی بند پتھر کے اندر گھس کر بھی جسمیں کوئی دروازہ اور سوراخ نہ ہو کوئی عمل کرے تب بھی اس کا عمل لوگوں میں مشہور ہو جائیگا جیسا کچھ بھی عمل ہو (اچھا ہو یا بُرا)

(۱۳) ما اسر عبد سريرة الا البسه الله رداءها ان خيرا فخير، وان شرا فشر ـ
کسی بندہ نے کوئی کام پوشیدہ طور پر نہیں کیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کو اس عمل کی چادر پہنا دیتے ہیں۔ اگر اچھا عمل ہوا تو اچھی اور اگر برا ہوا تو بُری۔

(۱۴) من احسن فيما بينه وبين الله كفاه الله ما بينه وبين الناس ومن اصلح سريرته اصلح الله علانيته ـ
جس شخص نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے مابین معاملہ کو اچھا کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور مخلوق کے مابین معاملات (کی درستگی) میں اس کی کفایت فرماتے ہیں اور جس شخص نے اپنا باطن درست کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کی بھی اصلاح فرما دیتے ہیں ـ

"اب اس کے بعد ہم خلق کا مفہوم اور اس کا متعلق بیان کرنا چاہتے ہیں لہٰذا گوشِ ہوش سے سنیئے"

ایک اعمال و افعال ہیں، دوسرے اخلاق ہیں

ونعني بالاخلاق ما هو من اعمال القلوب الخ
اخلاق سے اعمال قلوب مراد ہوتے ہیں، اور قلب بغیر شرکت جوارح اور اعضاء ظاہرہ کے ان کا مرتکب ہو کر گنہگار ہوتا رہتا ہے۔ اور ارادہ و اختیار سے ہوتا ہے یہ قلبی معاصی کہلاتے ہیں۔ آثم قلبہ کا مصداق یہی اعمال ہیں ـ

(کنز العمال صـ ۲ـ ج ۲)

یہ تقریر بعینہٖ اخلاق حمیدہ میں بھی جاری ہوتی ہے یعنی اخلاق حمیدہ اعمال قلوب ہیں جو بغیر شرکت جوارح اور اعضاء ظاہرہ کے صادر ہوتے ہیں اور ان کا فاعل اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور یہ سب اختیار وارادہ سے ہوتا ہے یہ قلب کی مستقل طاعات ہیں اور باطنی کہلاتی ہیں۔ یہ معنی ہیں اخلاق کے اعمال قلوب ہونے کے گو اس کا ظہور گاہے گاہے جوارح سے بھی ہوتا ہے کیونکہ جو چیز قلب میں ہوگی وہ ضرور ظاہر ہوگی مگر یہ اس کے اعمال قلوب ہونے کے منافی نہیں۔ ہماری غرض اس سے یہ ہے کہ آج کل جن اخلاق کی مدح کی جاتی ہے ان کا تعلق قلب سے نہیں ہوتا وہ اخلاق نہیں۔ اخلاق کی نقل بلکہ ریاء و تصنع ہے ـ

اسی طرح جو بری چیزیں اعضاء ولسان سے صادر ہوتی ہیں ان سب کا منشا قلبی اخلاق ہیں۔
حسن اخلاق کا جو لفظ اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ ترمذی شریف کی اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے

عن ابی هریرة رض سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن اکثر ما یدخل الناس الجنة قال تقوی الله وحسن الخلق الخ — حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا وہ کونسی چیز ہے کہ جسکے ذریعہ لوگ جنت میں زیادہ داخل ہونگے آپ نے (جواب میں) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور اچھے اخلاق

قال ابن قیم جمع بینهما لان التقوی صلحہ ما بین عبد و ربه وحسن الخلق ما بین عبد والناس۔ — (علامہ) ابن قیم (اس کے تحت) فرماتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے دونوں (یعنی تقویٰ اور حسن خلق) کے درمیان اس لئے جمع فرمایا کہ تقویٰ ان معاملات کی درستگی کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہیں۔ اور حُسن خلق ان معاملات کی درستگی کا نام ہے جو بندے اور لوگوں کے درمیان ہیں۔

امام ترمذی اور علامہ ابن قیم کی شرح سے معلوم ہوا کہ حُسن خلق مخلوق کے ساتھ برتاؤ کا نام ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دخول جنت کے لئے جیسے تقویٰ ضروری ہے حُسن خلق بھی ضروری ہے۔ علماء نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ صالح وہ شخص کہا جاتا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا پابند ہو۔
فتح الباری میں ہے،

الاشهر فی تفسیر الصالح انه القائم بما یجب علیه من حقوق الله وحقوق عباده — صالح کی تفسیر میں مشہور تر قول یہ ہے کہ (صالح) اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندوں (دونوں) کے حقوق کو جو اس پر واجب ہیں ادا کرنے کا پابند ہو (اور جو شخص ان میں سے کسی میں اخلال کرے وہ صالح نہیں)

(فتح الباری ص۲۱۳ ج ۲)

جب یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو گئی تو ہم ان اخلاق نبوی کو جو مخلوق کے ساتھ تھے اب آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کو اس کی ضرورت معلوم ہو اور اس پر عمل کرنا آسان ہو۔

---

۵۷ فرمایا کہ علامہ ابن قیمؒ کی تحقیق کے موافق حسن خلق مخلوق کے ساتھ خاص معلوم ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ جب تک اخلاق درست نہیں ہوتے مثلاً کبر ہے تو وصول الی اللہ اور تقویٰ تک رسائی نہیں ہو سکتی تو حُسن خلق کا دخل جس طرح مخلوق کے تعلق استوار کرنے میں ہے اسی طرح خالق کے صحیح تعلق میں بھی ہوا۔ هذا من افاضات شیخنا ادام الله فیوضہم (از ناقل)

بلغ العلیٰ بکمالہ، کشف الدجیٰ بجمالہ ، حسنت جمیع خصالہ ، صلوا علیہ وآلہ

شیم الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم	شمّ الطیب	
(۱) یسوق اصحابہ	آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو چلنے میں آگے فرما دیتے۔	ف راعی و محافظ کی یہی شان ہوتی ہے
ویبدء من لقیہ بالسلام	اور جس سے ملتے خود ابتداء بالسلام فرماتے۔	ف غایت درجہ تواضع و انکسار ہے حدیث میں ہے جس نے ابتداء بالسلام کیا اپنے سے کبر کی نفی کردی انکسار و تواضع پیدا کرنیکا کیا سہل طریق ہے۔
(صـ۱۲۲)		
(۲) ویکرم کریم کل قوم	اور ہر قوم کے آبرودار آدمی کی آبرو کرتے تھے۔	ف کیا عمدہ معیار ہے ایسے شخص سے شرفاء کو کیا عار کا موقع ہے۔
ویولیہ علیہم	اور ایسے آدمی کو اس قوم پر سردار مقرر فرما دیتے تھے	ف۔ سبحان اللہ کیا فطرت سلیمہ ہے۔
ویحذر الناس	اور لوگوں کو (امور مضرہ سے) حذر رکھنے کی تاکید فرماتے تھے۔	ف۔ حذر اور احتیاط کی تعلیم ہے۔
ویحترس منہم	اور ان (کے شر) سے اپنا بھی بچاؤ رکھتے تھے۔	ف۔ یہ عقل و دانائی ہے۔
من غیر ان یطوی عن احد بشرہ وخلقہ (صـ۱۲۶)	مگر کسی شخص سے کشادہ روئی اور خوشخوئی میں کمی نہ فرماتے تھے۔	ف۔ یہ کمال ہے کہ احتراس کے ساتھ کشادہ روئی و خوشخوئی میں کمی نہ ہو۔
(۳) واذا انتہی الی القوم جلس حیث ینتہی بہ المجلس	اور جب کسی مجمع میں تشریف لیجاتے تو جس جگہ مجلس ختم ہوتی وہاں ہی بیٹھ جاتے	ف۔ تواضع اس کا منشاء ہے۔
و یامر بذلک	اور دوسروں کو بھی یہی حکم فرماتے تھے۔	ف۔ تواضع کا سبق سکھانا ہے۔
یعطی کل جلسائہ نصیبہ حتی لایحسب جلیسہ ان احدا اکرم علیہ منہ	اپنے جلیسوں میں سے ہر شخص کو اس کا حصہ اپنے خطاب و توجہ سے دیتے (یعنی سب سے جداجدا متوجہ ہو کر خطاب فرماتے) یہانتک کہ آپ کا ہر جلیس یوں سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ آپ کو کسی کی خاطر عزیز نہیں۔	ف۔ دلداری خلق کس قدر کمال ہے۔
من جالسہ او فاوضہ لحاجۃ صابرہ حتی یکون ہو المنصرف	جو شخص کسی ضرورت کیلئے آپکے ساتھ بیٹھ جاتا یا آپ کو کھڑا کرتا آپ اسکے ساتھ رہتے یہاں تک کہ وہ خود لوٹ جاتا۔	ف۔ یہاں بھی کس قدر شفقت و ترحم علیٰ عباد اللہ ہے۔
(صـ۱۲۷)		
(۴) من سالہ حاجۃ لم یردہ	جو شخص آپ سے کچھ چاہتا تو یا تو حاجت ہی پوری فرما دیتے	

الا بها او بميسور من القول
قد وسع الناس بسطه و
وخلقه فصار لهم اباً (ص۱۲۸)

یا نرمی سے کوئی بات فرما دیتے۔
آپکی کشادہ روئی اور خوشخوئی تمام لوگوں کیلئے عام تھی۔
گویا آپ بجائے ان کے باپ کے ہو گئے۔

ف۔ سبحان اللہ کیا خلق عظیم ہے۔
ف۔ وسعت اخلاق ظاہر ہے۔

(۵) کان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم دائم البشر سهل
الخلق لین الجانب لیس
بفظ ولا غلیظ ولا صخاب
ولا فحاش ولا عیاب ولا مداح
ویتغافل عما لا یشتهی و
لا یوئس منه (ص۱۲۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کشادہ رو رہتے۔ نرم
اخلاق تھے آسانی سے موافق ہو جاتے تھے نہ سخت خو تھے
نہ درشت گو تھے نہ چلا کر بولتے تھے اور نہ نامناسب بات فرماتے
نہ کسی کا عیب بیان کرتے اور نہ (مبالغہ کیساتھ) مدح فرماتے
تھے جو بات (یعنی خواہش کسی شخص کی) آپکی طبیعت کے خلاف
ہوتی اس سے تغافل فرما جاتے (یعنی اس پر گرفت نہ فرماتے) اور
(تصریحاً) اس سے مایوس (بھی) نہ فرماتے (بلکہ خاموش ہو جاتے)

ف۔ ماشاء اللہ کیا شان احمدی کا ظہور ہے۔
ف۔ کس قدر صبر و تحمل ہے۔

(۶) وترك الناس عن ثلاث
کان لا یذم احدا ولا
یعیره ولا یطلب عورته
(ص۱۲۹)

اور آپ نے تین چیزوں سے دوسرے آدمیوں کو بچا رکھا
تھا کسی کی مذمت فرماتے کسی کو عار نہ دلاتے اور نہ
کسی کا عیب تلاش کرتے۔

ف گنہگاروں پر کس قدر شفقت ہے۔

(۷) ویصبر للغریب علی الجفوة
فی المنطق ویقول اذا رأیتم
صاحب الحاجة یطلبها
فارفدوه (ص۱۳۰)

اور پردیسی آدمی کی بے تمیزی کی گفتگو پر تحمل فرماتے
اور فرمایا کرتے جب کسی صاحب حاجت کو طلب حاجت
میں دیکھو تو اس کی اعانت کرو۔

ف۔ کس قدر رعایت و نگہداشت ہے اہل حق کی۔

(۸) روی عن قیلة رضی انها لما
رأته ارعدت من الفرق
فقال یا مسکینة
علیك بالسکینة (ص۱۳۱)

حضرت قیلہ رض سے روایت ہے کہ انھوں نے جب آپکو دیکھا
تو ہیبت کے مارے کانپنے لگیں آپ نے فرمایا اے غریب
دل کو برقرار رکھ (یعنی مت ڈر)

(۹) وعن ابن مسعود رض انه قام
بین یدیه عقبة بن عمرو
فارعد فقال هون علیك
فانی لست بملك جبار

اور حضرت ابن مسعود رض سے روایت ہے کہ آپ کے روبرو
عقبہ ابن عمر کھڑے ہوئے تو خوف سے کانپنے لگے آپنے فرمایا
کہ طبیعت پر آسانی کرو میں کوئی جابر بادشاہ نہیں
اور آپ کو تمام خزائن روئے زمین کے اور تمام شہروں کی

ف۔ کس قدر تواضع ہے اور اس کا سبب بھی بیان فرما دیا۔

ولقد اوتی خزائن الارض ومفاتیح کنجیاں (عالم کشف میں) عطا کیگئی تھیں اور آپکی حیات

البلاد وفتح علیہ فی حیاتہ بلاد الحجاز والیمن وجمیع جزیرۃ العرب وحوالی الشام والعراق وجلبت الیہ الاخماس والصدقات والاعشار واھدیت من الملوک ھدایا فصرف کلھا لوجہ اللہ واغنی بہ المسلمین وقال ما یسرنی ان احداً ذھبا یبیت عندی منہ دینار الا دینارا ارصدہ لدینی ص ۱۴۱ ت ۱۴۲

میں بلاد حجاز اور یمن اور تمام جزیرہ عرب اور نواحی شام وعراق فتح ہو گئے تھے اور آپکے حضور میں خمس اور صدقات اور عشر حاضر کئے جاتے تھے اور سلاطین کی طرف سے ہدایا بھی پیش ہوتے تھے ان سب کو آپنے لوجہ اللہ صرف فرمایا اور مسلمانوں کو غنی کردیا جسطرح سبکو واصل الی اللہ کردیا) اور فرمایا کہ مجھکو یہ بات خوش نہیں آتی کہ میرے لئے کوہ احد سونا بنجائے اور پھر رات کو اسمیں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہے بجز ایسے دینار کے جس کو کسی واجب مطالبہ کیلئے روک رکھوں۔

ف۔ جود وسخاوت وایثار

ف۔ زہد عن الدنیا اور دوسرے حقوق کا لحاظ ہے

(۱۰) ما ضرب بیدہ شیئا قط الا ان یجاھد فی سبیل اللہ وما ضرب امرأۃ ولا خادما (ص ۱۴۲)

آپ نے کبھی کسی چیز کو (یعنی آدمی یا جانور کو) اپنے ہاتھ سے نہیں مارا البتہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو جہاد کیا وہ اور بات ہے اور نہ کسی عورت کو مارا نہ خادم کو۔

ف۔ سبحان اللہ کس قدر تحمل وضبط نفس ہے اللہ تعالیٰ کی تائید ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلئے کسی کو نہیں مارا کہ انبیاء علیہم السلام کی مار اللہ تعالیٰ کی مار ہے۔ کقولہ تعالیٰ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک تھپیڑ مار دیا تو وہ ختم ہی ہو گیا کوئی نہایت شقی اور بدبخت ہوگا جن پر یہ حضرات ہاتھ اٹھاویں اور جہاد میں تو اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں اسلئے اتباع ضروری ہے جیسے اگر کوئی خادم آپس کے معاملات میں صبر و نرمی اور تواضع وغیرہ کرتا ہے تو وہ بیشک خوش خلق ہے مگر آقا اسکو حکم دے کہ فلاں کو مار تو اسکے جواب میں کہے کہ اس کو میں نہیں مارونگا کیونکہ یہ بد اخلاقی ہے تو کیا اب وہ خوش اخلاق کہے جانیکا مستحق رہگیا ہرگز نہیں بلکہ وہ مالک کا نافرمان اور غیر مطیع غلام سمجھا جاویگا۔

(۱۱) وروی عن جابر رض ما سئل شیئا فقال لا

اور حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ سے کوئی چیز نہیں مانگی گئی جس پر انکار فرمادیا ہو۔

ولنعم ما قیل ؎

کسی نے خوب کہا ہے (یہ فرزدق کا شعر ہے جس کا ترجمہ فارسی میں یہ ہے ؎ نہ رفت لا بزبان مبارکش ہرگز مگر در اشھد ان لا الہ الا اللہ)

ما قال لا قط الا فی تشھدہ لولا التشھد کانت لاءہ نعم

(یعنی آپنے سوا تشہد کے لا کے اپنی زبان مبارک سے کبھی لا نہیں فرمایا اگر تشہد نہ ہوتا تو ہمیشہ لا کی جگہ آپ نعم ہی فرماتے۔

[illegible]

(۱۲) وکان یحمل الکل ویکسب — اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم درماندوں کا بوجھ اٹھا لیتے تھے۔
للمعدوم ویقری الضیف — اور نادار کو مال دیتے یا دلوا دیتے تھے اور مہمان کی مہمانی
ویعین فی نوائب الحق کما — کرتے اور حق کے معاملات میں اعانت فرماتے۔

ف۔ حسن معاملہ مع الخلق

فی صحیح البخاری (صـ۴۲۱)

(۱۳) روی الترمذی انہ اتی الیہ — امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ آپ کے پاس
تسعون الف درہم علی حصیر — ایک دفعہ نوے ہزار درہم آئے (جو تقریباً پچیس ہزار روپیہ
فما ردھا سائلا حتی فرغ — ہوتا ہے) اور ایک بوریے پر رکھے گئے سو آپ نے کسی سائل سے
منھا فجاءہ رجل فسالہ — عذر نہیں فرمایا یہاں تک سب ختم کر کے فارغ ہو گئے پھر
فقال لیس عندی شیء لکن ابتع — آپ کے پاس ایک شخص اور آیا اور کچھ مانگا آپ نے فرمایا کہ
علی فاذا جاءنا قضینا — میرے پاس کچھ باقی نہیں رہا (جو تجھ کو دے سکوں) لیکن تو
فقال عمرؓ ما کلف اللہ — میرے نام سے (ضرورت کی چیز) خرید لے جب ہمارے پاس
ما لا تقدر علیہ فکرہ النبی — کچھ آوے گا ادا کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا جو چیز آپ کی
صلی اللہ علیہ وسلم ذلک — قدرت میں ہو حق تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف نہیں فرمایا۔
فقال رجل من الانصار — (پھر آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں) پیغمبر صلی اللہ
یا رسول اللہ انفق ولا — علیہ وسلم کو یہ بات خوش نہیں معلوم ہوئی۔ پھر انصار میں سے
تخف من ذی العرش — ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اقلالا فتبسم ورأی — آپ خوب خرچ کیجئے اور مالک عرش سے کمی کا اندیشہ نہ
البشر فی وجہہ وقال بھذا — فرمائیے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرہ مبارک پر
اُمرت — بشاشت نمایاں ہوئی اور فرمایا میں اسی کا مامور ہوں۔

ف۔ وہ امر اس آیت میں ہے واما تعرضن عنھم ابتغاء رحمۃ من ربك ترجوھا فقل لھم قولا میسورا

(صـ۱۴۵)

(۱۴) لا یشافہ احد ابما یکرھہ۔ — اور کسی شخص کو روبرو ناگوار بات نہ فرماتے۔

ف۔ یہ حسن خلق کا مفہوم ہے: معاملتک مع کل احد بما یسرہ۔

(۱۵) وعن عائشۃ رضؓ لم یکن — اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نہ آپ بروئے عادت
فاحشا ولا متفحشا ولا — سخت گو تھے اور نہ بتکلف سخت گو بنتے تھے اور نہ
صخابا بالاسواق ولا — بازاروں میں خلاف وقار باتیں کرنے والے تھے اور
یجزی السیئۃ بالسیئۃ ولکن یعفو — برائی کا عوض برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے۔ صـ۱۴۶

ف۔ یہ عفو اخلاق خداوندی سے ہے۔

(١٦) وعن علی کرم کان اوسع — اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ سب سے بڑھ کر دل کے کشادہ
الناس صدراً واصدقهم — تھے بات کے سچے تھے طبیعت کے نرم تھے معاشرت میں
لهجة والينهم عريكة واكرمهم — نہایت کریم تھے اور جو شخص آپ کی دعوت کرتا اسکی دعوت
عشيرة وكان يجيب من دعاه — منظور فرماتے اور ہدیہ قبول فرماتے اگرچہ وہ (ہدیہ یا طعام)
ويقبل الهدية ولو كان كراعا — دعوت) گائے یا بکری کا پایہ ہی ہوتا اور دعوت غلام کی اور
ويجيب دعوة العبد والحر والامة — آزاد کی اور لونڈی کی اور غریب کی سب کی قبول فرمالیتے۔ — ف. سبحان اللہ کسقدر لین جانب و خفض جناح ہے
والمسكين ويعود المرضى في — اور مدینہ کی انتہا آبادی پر بھی (اگر) مریض (ہوتا اس) کی — ف کس قدر حق شناسی ہے۔
اقصى المدينة ويقبل عذر — عیادت فرماتے اور معذرت کرنے والے کا عذر قبول فرماتے — ف. کس قدر نرمی و انکسار ہے۔
المعتذر ويبدء اصحابه — اور اپنے اصحاب سے ابتداءً مصافحہ کی فرماتے اور کبھی اپنے — ف. کس قدر محبت و شفقت ہے۔
بالمصافحة ولم ير ماداً — اصحاب میں پاؤں پھیلاتے ہوئے نہیں دیکھے گئے جس سے — ف. کس قدر تواضع ہے۔
رجليه بين اصحابه حتى — اوروں پر جگہ تنگ ہو جائے اور جو آپ کے پاس آتا اسکی خاطر کرتے — ف. کس قدر اکرام زائر و تطییب قلب ہے۔
يضيق بها على احد و — اور بعض اوقات اپنا کپڑا بچھا دیتے اور گدا تکیہ خود چھوڑ کر — ف. کس قدر کرم ہے۔
يكرم من يدخل عليه و — اسکو دیدیتے اور کسی شخص کی بات بیچ میں نہ کاٹتے اور — ف. یہ کرم ہے۔
ربما بسط ثوبه ويؤثره بالوسادة — بعض اوقات فرستادوں کی خدمت خود فرماتے جیسے نجاشی — ف. کس قدر خفض جناح ہے۔
ولا يقطع على احد حديثه — بادشاہ کے فرستادے آئے تھے۔
وكان يخدم الوفود بنفسه احيانا كوفود النجاشي ص ١٤٦

(١٧) ويردف خلفه ويعود — اور آپ (کبھی) اپنے پیچھے بھی کسی کو بٹھا لیتے اور غریبوں — ف. یہ حق شناسی ہے۔
المساكين ويجالس الفقراء — کی عیادت فرماتے اور محتاجوں کے پاس بیٹھا کرتے اور — ف. یہ ان کی رعایت ہے۔
ويفلي ثوبه — اپنے کپڑوں میں خود جوں دیکھ لیتے (اور دیکھنا اس خیال سے تھا کہ کسی اور کی — ف. یہ تواضع ہے۔
ويحلب شاته — نہ چڑھ گئی ہوں) اور اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور — ف. یہ کمال عبدیت ہے
ويرقع ثوبه ويخصف نعاله — اپنے کپڑے میں خود پیوند لگا لیتے اور اپنے پاپوش خود سیا کرتے
ويخدم لنفسه واهله — اور اپنا اور گھر والوں کا کام کر لیا کرتے اور گھر میں — ف. یہاں بھی وہی مضمون ہے۔
ويقم البيت ياكل مع الخادم — جھاڑو دے لیا کرتے اور خدمتگار کے ساتھ کھانا کھا لیا — ف. یہ ظاہر ہے۔
ويعجن معه — کرتے۔ اور اس کے ساتھ ملکر آٹا گوندھوا لیتے اور اپنا سودا — ف. کمال تواضع و عبدیت۔
ويحمل بضاعته من — بازار سے خود لاتے۔
السوق (ص ١٤٧)

(١٨) وكان صلى الله عليه وسلم من امن الناس واعدل الناس واعف الناس واصدقهم قولا حتى ان اباجهل بن هشام لعنه الله مع كمال عداوته لما ساله الاخنس ابن شريق يوم بدر فقال يا ابا الحكم ليس هنا غيري وغيرك يسمع كلامنا تخبرني عن محمد صادق ام كاذب فقال ابوجهل والله ان محمداً لصادق وما كذب محمد قط

اور آپ سب سے زیادہ بڑھ کر احسان کرنے والے اور عدل کرنے والے اور عفیف اور سچ بولنے والے تھے حتیٰ کہ ابوجہل ابن ہشام لعنہ اللہ باوجود اس کے کہ آپ کا کامل دشمن تھا مگر اخنس ابن شریق نے بدر کے دن جب اس سے پوچھا کہ اے ابوالحکم یہاں تو میرے اور تیرے سوا کوئی موجود نہیں جو ہماری بات سن لیگا تو مجھ کو یہ تبلا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں یا (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں ابوجہل نے کہا کہ واللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں۔

ف، الفضل ما شهدت به الاعداء

ص ١٤٧، ١٤٨

(١٩) وكان صلى الله عليه وسلم حليما ولم يكن سابا ولا فحاشا ولا لعانا وكان صلى الله عليه وسلم يبسط وجهه للكافر والعدو رجاء ائتلافه ويصبر للجاهل ويتولى في منزله مهنة اهله ويتسمت في ملائه حتى لا يبدو منه شيء من اطرافه وقد وسع الناس بشره وعدله ولا يستفزه الغضب ولا يبطن على جلسائه.

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت حلیم تھے اور نہ کسی کو دشنام دیتے تھے نہ سخت بات فرماتے تھے اور نہ لعنت کی بد دعا دیتے تھے اور آپ کافر اور دشمن سے بھی اس کے تالیف قلب کی توقع پر کشادہ روئی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور جاہل کی (بے تمیزی) کی بات پر صبر فرماتے اور اپنے گھر میں آکر گھر والوں کے کاموں کا انتظام فرماتے اور چادر اوڑھنے میں بہت اہتمام فرماتے کہ اس میں سے ہاتھ پاؤں کچھ ظاہر نہ ہو، اور آپ کی کشادہ روئی اور انصاف سب کیلئے عام تھا اور غصہ آپ کو بیتاب نہیں کرتا اور اپنے جلیسوں سے کوئی بات خلاف ظاہر دل میں نہ رکھتے تھے۔

ف، سبحان اللہ کیا خلق عظیم ہے اور کس قدر گنہگاروں پر کرم ہے۔

ف، تالیف قلب کس قدر کمال ہے

ف، تحمل،

ف، حسن انتظام اور انجام دہی امور دنیا

ف، یہ بھی ایک انتظام ہے۔

ف، سبحان اللہ نبی کے اخلاق ایسے ہی ہونے چاہئیں

ف، سبحان اللہ کس قدر حلم ہے۔

ف، نفاق سے کس قدر بُعد ہے۔

(ص ١٥١ از ١٥٢)

(٢٠) عن خارجة ابن زيد ابن ثابت قال دخل نفر على زيد ابن ثابت فقالوا له حدثنا

حضرت خارجہ ابن زید ابن ثابت رضی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ کچھ لوگ زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو ان لوگوں نے حضرت زید سے کہا

احادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ماذا احدثکم کنت جارہٗ فکان اذا نزل علیہ الوحی بعث الی فکتبتہٗ لہ فکنا اذا ذکرنا الدنیا ذکرہا معنا واذا ذکرنا الاخرۃ ذکرہا معنا و اذا ذکرنا الطعام ذکرہ معنا نکل ھذا احدثکم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(شمائل ترمذی ص۲۵)

کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں بیان فرمایئے تو فرمایا کہ میں کیا تم سے بیان کروں میں آپ کا پڑوسی تھا جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو میرے پاس آدمی بھیجتے تو میں جاکر) اس کو آپ کے لئے لکھ دیتا پس جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر فرماتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر فرماتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی اس کا ذکر کرتے پس میں ہر ایک کو تم لوگوں سے حضور سے نقل کر رہا ہوں۔

ف۔ یہ حسن عشرت ہے اور کمال تواضع ہے۔

(۲۱) عن عمرو بن العاص قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل بوجھہ وحدیثہ علی اشر القوم یتالفھم بذالک فکان یقبل بوجھہ وحدیثہ علی حتی ظننت انی خیر القوم فقلت یا رسول اللہ انا خیر او ابوبکر فقال ابوبکر فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا خیر ام عمر فقال عمر فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا خیر ام عثمان فقال عثمان فلما سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصدقنی فلوددت انی لم اکن سألتہ (شمائل ترمذی ص۲۵)

عمرو بن العاص سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے شریر ترین آدمی پر بھی اپنے چہرہ مبارک اور توجہ سے توجہ فرماتے تھے اس (موا جہت اور گفتگو) سے ان کی تالیف قلوب کرتے تھے پس آپ اپنے کلام مبارک اور چہرہ مبارک سے مجھ پر بھی متوجہ ہوتے تھے حتی کہ میں نے گمان کر لیا کہ میں سب (قوم) میں بہتر ہوں پس میں نے کہا یا رسول اللہ میں بہتر ہوں یا حضرت ابوبکر آپ نے فرمایا ابوبکر پھر میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہتر ہوں۔ یا عمر آپ نے فرمایا عمر پھر میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہتر ہوں یا حضرت عثمان آپ نے فرمایا عثمان پس جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور آپ نے مجھے بتایا تو میں پسند کرنے کرنے لگا اس (بات) کو کہ (کاش) میں حضور سے اس (چیز) کو پوچھے ہی نہ ہوتا۔ (شمائل ترمذی ص۲۵)

ف۔ کسی کی بات پر توجہ کرنا یا اپنے چہرہ کو اسکی طرف کرنا اور اس سے اعراض نہ کرنا یہ تالیف قلب کیلئے اور حسن عشرت کیلئے ہوتا ہے (اور ایسا مشائخ بھی کرتے ہیں) اس سے کسی کے مرتبہ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا احمق خیال کرتے ہیں۔

ف، اگر دریافت نہ کئے ہوتے تو یہ سمجھتے کہ ان سب سے افضل میں ہی ہوں اور یہ سمجھنا محض آپکے برتاؤ سے تھا۔

(۲۲) عن الربیع بنت معوذ بن عفراء قالت اتیت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم بقناع من رطب و اجرزغب فاعطانی ملاء کفہ حلیاً او ذہباً۔

ربیع بنت معوذ بن عفرا رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک طبق تر کھجوریں اور چھوٹی ککڑیاں لائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو (اس کے صلہ میں) اپنے ہاتھ بھر کر زیور یا سونا دیا۔

(شمائل ترمذی) صـ۲۶

ف۔ اس ہدیہ تطییب قلب مسلم ہے کہ کس قدر تھوڑی و کم قدر چیز خوشی سے قبول فرمائی اور پھر اس پر مکافات یہ دوسرا خلق ہے۔

بلغ العلیٰ بکمالہ، کشف الدجیٰ بجمالہ، حسنت جمیع خصالہ، صلوا علیہ و آلہ

اب ہم چند اور احادیث جو عصاۃ مؤمنین کے بارے میں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا ان لوگوں کے ساتھ پتہ چلتا ہے، لکھتے ہیں:۔

---

(۲۳) خالد بن الجحاج عن ابیہ کنا نعمل بالسوق فمرت امرأۃ مع صبی فثار الناس فثرت معھم فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لھا من ابو ھذا فسکتت فقال شاب ھو ابنی یا رسول اللہ فطھرنی فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برجمہ ثم جاء شیخ یسال عنہ فاتینا بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا ان ھذا یسال عن ذلک الخبیث الذی رجم الیوم فقال لا تقولوا لہ خبیث فوالذی نفسی بیدہ لھو الآن فی الجنۃ

حضرت خالد ابن الجحاج اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ بازاروں میں کام کرتے تھے کہ ایک عورت (اپنا) بچہ لئے گذری تو لوگ (اس کے پیچھے) چلے تو میں بھی لوگوں کے ساتھ چلا پس وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی آپ نے فرمایا کہ اس (لڑکے) کا باپ کون ہے، تو وہ چپ ہی تو ایک جوان نے کہا کہ وہ میرا بیٹا ہے پس آپ مجھ کو پاک کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کا حکم فرمایا۔ پھر ایک بڈھا آیا جو اس کے بارے میں سوال کرتا تھا پس ہم لوگ اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے پس ہم نے کہا کہ یہ سوال کرتا ہے اس خبیث کے بارے میں جس کو آج رجم کیا گیا ہے (یہ سنکر) آپ نے فرمایا (خبردار) اس کو خبیث نہ کہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ اس وقت جنت میں ہے۔

(جمع الفوائد صـ۲۸۶ ج۱)

ف۔ ظاہر حال سے برا کہنے کی ممانعت نکلی مدعی سست گواہ چست ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔

(۲۴) عن ابی نجید بضم النون فتح الجیم عمران بن الحصین الخزاعی رضی اللہ عنہما ان امرأۃ من جہینۃ اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی حبلی من الزنا فقالت انی اصبت حدا فاقمہ علی فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیہا فقال احسن الیہا فاذا وضعت فائتنی ففعل فامر بہا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشدت علیہا ثیابہا ثم امر بہا فرجمت ثم صلی علیہا فقال عمر تصلی علیہا یا رسول اللہ وقد زنت قال لقد تابت توبۃ لو قسمت بین سبعین من اھل المدینۃ لوسعتھم وھل وجدت افضل من ان جادت بنفسہا للہ عز وجل (رواہ مسلم از ریاض الصالحین)

اور حضرت ابو نجید عمران ابن حصین خزاعی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت قبیلہ جہینہ کی آئی جس کو زنا کا حمل تھا پس اس نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) میں نے حد جاری کیے جانیکا کام کرلیا ہے لہذا مجھ پر حد جاری فرمائیے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولی کو بلوایا اور کہا کہ اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور جب وضع حمل ہو جائے تو میرے پاس لے آنا اس نے ایسا ہی کیا (یعنی بعد وضع حمل حضور کی خدمت میں لے آیا) تو اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس کے کپڑے اس کے اوپر باندھ دیئے جائیں پھر اس کے رجم کیے جانے کا حکم فرمایا چنانچہ وہ رجم کردی گئی پھر آپ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی (یہ دیکھ کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے آپ نے فرمایا اے عمر اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کردیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے اور کیا تم نے اس سے بڑھ کر بھی کوئی بات پائی ہے۔ کہ اس نے اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کے لئے نثار کردیا۔

ف۔ جیسے غزاۃ فی سبیل اللہ اپنی جانوں کا جود کرتے ہیں یہ ویسا ہی جود ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

(۲۵) وللشیخین و ابی داؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الاسلمی فشھد علی نفسہ انہ اصاب امرأۃ

بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ ایک اسلمی (شخص کا ذکر ہے) کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے اوپر چار شہادتیں دیں کہ میں نے ایک عورت سے حرام کا ارتکاب کیا ہے آپ ہر مرتبہ ان سے اعراض

حراماً اربع شهادات كل
ذلك يعرض عنه فاقبل
فى الخامسة عليه فقال
انكتها قال نعم قال صلى الله
عليه وسلم غاب ذاك منك فى ذا
منها قال نعم قال كما يغيب
الميل فى المكحلة والرشاء فى
البئر قال نعم قال هل تدرى
ما الزناء قال نعم اتيت منها
حراماً ما ياتى الرجل من اهله
حلالاً قال فما تريد بهذا
القول فقال انى اريد ان
تطهرنى فامر به فرجمه فسمع
صلى الله عليه وسلم رجلين
من اصحابه يقول احدهما
لصاحبه انظروا الى
هذا الذى ستر الله عليه
فلم تدعه نفسه حتى رجم رجم
الكلب فسكت عنهما وسار ساعة حتى
مر بجيفة حمار شائل رجله فقال
اين فلان وفلان فقالا نحن
ذان يا رسول الله فقال
كلا من جيفة هذا
الحمار فقالا يا نبى الله
من يا كل من هذا قال
فما نلتما من عرض

فرماتے رہے پھر آپ ان پر متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا
تم نے اس سے جماع کیا ہے انھوں نے جواب میں فرمایا
ہاں آپ نے پوچھا کیا تمھاری وہ چیز، اس کی اس چیز
میں غائب ہوگئی تھی (کنایہ فرمایا ہے تھے دخول سے)
انھوں نے (جواب میں) کہا ہاں فرمایا کیا اس طرح
غائب ہوگئی تھی جس طرح کہ سلائی سرمہ دانی اور رسی
کنویں میں غائب ہو جاتی ہے۔ اسلمی نے (جواب میں) کہا
کہ ہاں (پھر آپ نے سوال فرمایا) کہ کیا تم جانتے ہو کہ زنا
کیا چیز ہے انھوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے اس سے ایسے
حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے کہ آدمی اس کو اپنے اہل
(یعنی بیوی) کے ساتھ حلال جان کر کرتا ہے پھر آپ
(یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا کہ تم اپنے اس
قول سے کیا چاہتے ہو انھوں نے (جواب میں) کہا کہ یہ
چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو پاک فرما دیجئے تو آپ نے حکم
دے دیا اور وہ رجم کیا گیا پھر آپ نے اپنے اصحاب میں سے
دو آدمیوں کو سنا کہ ایک اپنے دوسرے ساتھی سے کہہ
رہا ہے کہ ذرا اس کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ستاری
فرمائی اور اس کو اسکی جان نے نہیں چھوڑا جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ کتے کی طرح رجم کر دیا گیا آپ نے ان دونوں
سے (یہ سن کر) سکوت فرمایا اور کچھ دور چلے یہاں تک
کہ ایک مردار گدھے پر گذر فرمایا جس کا پیر (پھولنے کے
سبب) اٹھ گیا تھا تو آپ نے فرمایا فلاں فلاں (یعنی طعن
کرنے والے) کہاں ہیں ان دونوں (حضرات) نے (جلدی
سے جواب میں) کہا کہ یا رسول اللہ یہ کیا ہم دونوں ہیں
آپ نے فرمایا (اچھا تو) تم دونوں اس مردار گدھے کو کھاؤ
تو (اب دونوں نے متحیر ہو کر) پوچھا کہ اے اللہ کے نبی

اخیکما انفا اشد من اکل منہ والذی نفسی بیدہ انہ الآن لفی انہار الجنۃ ینغمس فیہا۔

(بھلا) یہ مردار کون کھائیگا۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی ابھی جو تم دونوں نے اپنے ایک بھائی کی آبروریزی کی ہے اس (گدھے) کے کھانے سے بڑھ کر ہے قسم ہے اس ذات (پاک) کی جس کے قبضہ (قدرت) میں میری جان ہے وہ (بلاشک) اس وقت جنت کے نہروں میں غوطہ لگا رہے ہیں۔

(جمع الفوائد ص۲۵۵)

ف۔ ایسے گنہگار لوگوں کی بھی آبرو معصوم ہے انکی ہتک جائز نہیں جیسا کہ آجکل کے پرہیزگار لوگ جائز سمجھتے ہیں۔

(۲۶) عن بریدۃ رضؓ قال جاء ماعزؓ بن مالک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ طہرنی فقال ویحک ارجع فاستغفر اللہ وتب الیہ قال فرجع غیر بعید ثم جاء فقال یارسول اللہ طہرنی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل ذلک حتی اذا کانت الرابعۃ قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیم اطہرک قال من الزنا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابہ جنون فاخبر انہ لیس بمجنون فقال اشرب خمرا فقام رجل فاستنکہہ فلم یجد منہ ریح خمر فقال ازنیت قال نعم فامر بہ

حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ ماعز ابن مالک رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے پاک فرمایئے تو آپ نے فرمایا کہ ارے تم کو کیا ہو گیا ہے۔ جاؤ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور توبہ کرو۔ حضرت بریدہ رضؓ فرماتے ہیں (حضور کے اس کہنے سے) تھوڑی دور لوٹ کر گئے (اور) پھر آکر کہنے لگے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاک فرما دیجئے (دوبارہ) پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح (یعنی مثل سابق) ان کو جواب دیکر (ہٹا دیا) یہانتک کہ جب (یوں ہی لوٹتے لوٹتے) چوتھی بار کی نوبت آگئی تو ان سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر ترجیحاً یہ سوال فرمایا) کہ آخر کس چیز سے تمھیں پاک کردوں (مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اب بھی لوٹ جائیں مگر وہ نہ مانے) اور (جواب میں فرمایا کہ) زنا سے (اس جانبازی پر آپ کو حیرت ہوگئی اور) آپنے (لوگوں سے) پوچھا کہ انہیں جنون تو نہیں ہے آپ کو بتایا گیا کہ نہیں انھیں جنون (تو) نہیں ہے پھر آپنے فرمایا (تو) کیا شراب پیئے ہوئے ہیں (اس پر) ایک آدمی نے اٹھکر منھ سونگھا لیکن ان کے

ف۔ حد کا بالکل آخیر درجہ ہے حتی الوسع اس کو دفع کیا جاتا ہے۔

فرجم فلبث ثلاثة ايومين او ثلثة ثم جاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال استغفروا لماعز بن مالك لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم الخ

(منہ سے بالکل) شراب کی بو کا اثر نہ ملا (یہ سب ہونے کے بعد) پھر آپ نے پوچھا کیا تم نے زنا کیا ہے عرض کیا ہاں اب آپ نے حکم فرما دیا اور ان کو رجم کیا گیا اس کے دو تین دن کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ ماعز ابن مالک کے لئے مغفرت کی دعا کرو (اس لئے کہ) انھوں نے بلا شک ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک جماعت (عظیم) پر تقسیم کر دی جائے تو اسے کفایت کر جائے گی۔

(مشکوٰۃ شریف کتاب الحدود صفحہ ۳۱۰)

(۲۷) اجتنبوا هذه القاذورات التي نهى الله تعالى عنها فمن الم بشئ منها فليستتر بستر الله وليتب الى الله فانه من يبد لنا صفحته نقم عليه كتاب الله (ك حق) عن ابن عمر۔

(یعنی) گناہوں سے حق سبحانہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے (اچھی طرح) پرہیز کرو (اور اگر) کسی نے (اپنی شامت اعمال کے سبب ان گناہوں میں سے) کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا (اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی ستاری فرمائی تو چاہیئے کہ اس کی قدر کرے) اور اللہ تعالیٰ کے (اس) ستر سے (اپنے گناہ کو) چھپائے اور حق تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرے (اور اگر ایسا نہ کیا بلکہ ظاہر کر دیا) تو بے شک جو شخص ہمارے سامنے اپنا چہرہ ظاہر کرے گا (یعنی اپنے وہ گناہ ظاہر کر دیگا جو کہ واجب الحد ہیں) تو ہم اس پر کتاب اللہ (یعنی اس گناہ کے بارے میں جو حکم ہوگا) جاری کرینگے (کیونکہ امر خداوندی کے سبب اب ہمیں چھوڑ دینے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہا)

ف۔ اس حدیث سے ستر کی مطلوبیت مفہوم ہوتی ہے حدود وغیرہ قائم کرنے کا معاملہ اظہار کی صورت میں ہے۔

(الجزء الاول من الجامع الصغیر صفحہ ۲)

(۲۸) مالك) بلغه۔ از علی جمع الفوائد جلد ثانی صفحہ ۲۷ کتاب الخوف والرقائق

بن مریم کان یقول لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فتقسو قلوبکم فان القلب القاسی بعید من اللہ ولکن لا تعلمون	میں سے ایک حدیث نقل ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا (دوسرے) کلام کی کثرت نہ کرو ورنہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جائینگے اور قلب قاسی اللہ تعالیٰ سے بڑی دور ہو جاتا ہے لیکن (چونکہ یہ یعنی قرب اور بُعد ایک امر معنوی ہے اس لئے) تمھیں اس کا علم (کبھی) نہ ہوگا۔
ولا تنظروا فی ذنوب الناس کانکم ارباب ۔	اور لوگوں کے (یعنی اہل ذنوب کے) گناہوں کو اس طرح نہ دیکھو گویا تم (ہی) خدا ہو (یعنی اسطرح نظر نہ کرو جس کا منشا کبر و تحقیر ہو)
انظروا فی ذنوبکم کانکم عبید فانما الناس مبتلی ومعافی فارحموا اہل البلاء واحمدوا اللہ علی العافیۃ ۔	اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھو کہ گویا تم بندے خطا دار ہو (اور یہ) اس لئے کہ لوگ مبتلا (معاصی بھی) ہیں اور اہل عافیت بھی (یعنی اہل طاعت و حفاظت بھی) پس تم کو چاہیئے کہ اہل بلا پر رحم کرو اور (اپنی) عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔

ف ۔ اس حدیث میں اہل عصیان پر کبر کرنے کی ممانعت نکلی بلکہ ترحم کی فضیلت ثابت ہوئی یہ خلق ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا پس ان کے متبعین کو اس خلق سے انحراف کا کیا حق ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الدعاء

اس سے قبل ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اخلاق حسنہ کا بیان کیا ہے جو مخلوق خدا کے ساتھ تھے اب ان اخلاق کا بیان کیا جاتا ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ تھے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کو عبد فرمایا ہے عبدیت جناب سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی کمال تھا یہ سب جانتے ہیں اس پر سب اہل حق کا اتفاق ہے۔ اس عبدیت کا جس چیز سے کمال ظہور ہوا ہے اس کو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں ہمارا یہ یقین ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات باری سے جو نسبت عبودیت تھی اس کا تو کوئی فرد بشر احاطہ کر ہی نہیں سکتا ہاں احادیث سے جو دعائیں ثابت ہیں اس سے البتہ اس کا کچھ پتہ چلایا جا سکتا ہے اس کو ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کل شعبوں کی تکمیل فرمائی اور شعبۂ اخلاق کی تکمیل تو ایسی فرمائی کہ دنیا نے نئی زندگی پائی اور جس طرح خدا سے رابطہ و تعلق کو استوار فرما دیا اسی طرح حسن اخلاق کے ذریعہ مخلوق کے باہم تعلق کو بھی صحیح و درست فرما دیا۔ چنانچہ صاحب روح المعانی تحت آیت هو الذی ايدك بنصره وبالمؤمنين والف بين قلوبهم تحریر فرماتے ہیں:۔

مع ما جبلوا عليه كسائر العرب من الحمية والعصبية والانطواء على الضغينة والتهالك على الانتقام بحيث لا يكاد يأتلف فيهم قلبان حتى صاروا بتوفيقه تعالى كنفس واحدة۔

(اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں الفت پیدا کر دی) باوجودیکہ یہ لوگ جبلی طور پر تمام عرب کی طرح حمیت اور تعصب اور کینہ وری اور انتقام لینے میں ہلاک و برباد ہو گئے تھے اس حد تک کہ دو شخص میں بھی باہم الفت قلبی نہ تھی مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں) سب کے سب مثل ذات واحد کے رشیرو شکر ہو گئے۔

اس عبارت میں ہمارے مضمون کی تائید ہے کہ بعد بعثت سرور کائنات دنیا نے ائتلاف و محبت کی نئی زندگی پائی۔ بہرکیف جس طرح اور شعبوں کی تکمیل فرمائی اسی طرح ایک اور شعبہ کی بھی تکمیل فرمائی وہ شعبہ دعا و تعوذ ہے۔ یہ شعبہ ایک بحر زخار ناپیدا کنار ہے اس کا احصار طاقت بشری سے باہر

ہے عبدیت کے لئے کمال افتقار و احتیاج لازم ہے۔ ان اُدعیہ و تعوذات سے کمال افتقار پر واضح دلالت ہے۔

عقائد۔ عبادات۔ اخلاق۔ معاملات۔ معاشرات۔ دین و دنیا معاش و معاد ظاہر و باطن کی کوئی خیر و شر ایسی نہیں چھوڑی جس کے لئے دُعا و تعوذ نہ کیا ہو۔ اس میں جس طرح عبدیت کی تکمیل ہے اُمت کو تعلیم بھی ہے۔

بخاری شریف میں ہے:۔

أَحَبُّ الصَّلٰوۃِ الی اللّٰہ صلوٰۃُ داوٗد علیہ السلام واحب الصیام الی اللّٰہ صیام داوٗد کان ینام نصف اللیل ویقوم ثلثہ وینام سدسہ

سب سے زیادہ پسندیدہ نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت داوٗد علیہ السلام کی نماز ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ روزہ حضرت داوٗد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نصف رات تک سوتے تھے پھر ایک تہائی رات (نماز میں) قیام فرماتے تھے اور (اسکے بعد پھر) ایک چھٹاں حصہ رات کا سوتے تھے۔

صاحب فتح الباری اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:۔

قال المہلب کان داوٗد علیہ السلام یجم نفسہ بنوم اول اللیل ثم یقوم فی الوقت الذی ینادی اللّٰہ فیہ ھل من سائل فاعطیہ سؤلہ یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسالنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ۔

مہلب فرماتے ہیں کہ حضرت داوٗد علیہ السلام اپنے نفس کا حق ادا کرتے تھے اول رات میں سو کر پھر قیام فرماتے تھے اُس وقت جبکہ منادی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کہ کیا کوئی سائل ہے کہ میں اُس کا سوال اس کو دوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کون مجھ سے دعا کر رہا ہے کہ میں اسکی دعا قبول کروں۔ کون مجھ سے سوال کر رہا ہے کہ میں اسکو دوں کون مجھ سے مغفرت طلب کر رہا ہے کہ میں اسکی مغفرت کردوں۔

اس حدیث میں داوٗد علیہ السلام کے نصف شب کے بعد قیام کرنے کی وجہ یہ مہلب نے بیان کی ہے کہ نصف شب تک اپنے نفس کے حق کو دیتے تھے جس میں وہ وقت آجاتا تھا جس میں اللہ تعالیٰ ندا دیتے ہیں کہ کوئی سائل ہے کہ میں اس کی اجابت کروں، کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کروں اس وقت قیام فرمانے تھے کہ تاکہ اس وقت کو اور اس کی برکت کو پالیں سوال و دعا و مغفرت طلب کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص وقت میں اپنی رحمت وعنایت اپنے بندوں پر مبذول فرماکر یہ فرماتے ہیں کہ کوئی سائل ہے کہ میں اس کو دوں، اللہ تعالیٰ سائل کو طلب فرمارہے ہیں اور

سوال مطلوب ہو رہا ہے کیا ممکن تھا کہ وہ ذات جو مجسم افتقار و سراپا احتیاج تھی اس وقت خاموش رہتی اس لئے سوالات کا ایک وسیع باب مفتوح فرما دیا اور سوال کے لفظ سے غایت خشوع و نہایت ابتہال سے بجناب واہب العطیات درخواستیں پیش کرنی شروع کر دیں (غایت خشوع و نہایت ابتہال ہی کی وجہ سے دعا مخ العبادة ہے ۱۲) اور ہزاروں ہزار پیش کر دیں اور ساری عمر پیش کرتے رہے اور سب مقبول[۵] ہوئیں۔ بہت سی وہ ادعیہ جن میں سوال کا لفظ ہے اور ہم کو معلوم ہیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

عـ۵ اور جو بعض دعائیں مثل اتفاق امت وغیرہ کی قبول نہیں ہوئیں وہ بہت شاذ و نادر ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انا نسألك عزائم مغفرتك ومنجيات امرك والسلامة من كل اثم والغنيمة من كل برّ والفوز بالجنة والنجاة من النار

ہم مانگتے ہیں تجھ سے تیری مغفرت کے اسباب اور نجات دینے والے کام اور بچا رہنا ہر گناہ سے اور لوٹ ہر نیکی کی اور کامیابی بہشت کی اور نجات دوزخ سے

اسألك علمًا نافعًا۔

میں مانگتا ہوں تجھ سے علم کارآمد

اللهم انی اسألك الهدیٰ والتقیٰ والعفاف والغنیٰ۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ہدایت اور پرہیزگاری اور پارسائی اور سیرچشمی۔

اللهم انی اسألك الثبات فی الامر واسألك عزیمة الرشد واسألك شكر نعمتك وحسن عبادتك واسألك لسانًا صادقًا وقلبًا سلیمًا وخلقًا مستقیمًا واسألك من خیر ما تعلم واستغفرك مما تعلم انك انت علام الغیوب

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ثابت قدمی امر دین میں اور مانگتا ہوں میں تجھ سے اعلیٰ درجہ کی صلاحیت اور مانگتا ہوں میں تجھ سے تیری نعمت کا شکر اور تیری عبادت کی خوبی اور مانگتا ہوں میں تجھ سے زبان سچی اور قلب سلیم اور اخلاق متین اور مانگتا ہوں میں تجھ سے وہ بھلائی جس کو تو جانتا ہے اور معافی چاہتا ہوں اس گناہ سے جس کو تو جانتا ہے تو ہی چھپی ہوئی چیزوں کا جاننے والا ہے۔

اسأل الله العافیة فی الدنیا والاخرة

مانگتا ہوں میں خدائے تعالیٰ سے امن دنیا وآخرت میں

اللهم انی اسألك فعل الخیرات وترك المنكرات وحب المساكین وان تغفر لی وترحمنی واذا اردت بقوم فتنة فتوفنی غیر مفتون واسألك حبك وحب من یحبك وحب عمل یقرب الی حبك اللهم انی اسألك ایمانًا لا یرتد ونعیمًا لا ینفد ومرافقة نبینا محمد صلی الله علیه وسلم فی اعلیٰ درجة الجنة جنة الخلد

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق نیک کاموں کے کرنے کی اور برائیوں کے چھوڑنے کی اور محبت غریبوں کی اور یہ کہ بخش تو مجھے اور رحم کرے تو مجھ پر اور جب ارادہ کرے تو کسی قوم پر بلا نازل کرنے کا تو اٹھا لینا مجھے قبل اس کے کہ اس بلا میں پڑوں اور مانگتا ہوں میں تجھ سے تیری محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھتا ہو اور اس عمل کی محبت جو قریب کرے تیری محبت سے

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ایسا ایمان کہ پھر نہ پھرے اور ایسی نعمت کہ ختم نہ ہو اور رفاقت اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برترین مقام جنت میں یعنی جنت الخلد میں۔

اللّٰھم انی اسألک صحۃ فی ایمان و ایماناً فی حسن خلق ونجاحاً تتبعہ فلاحاً ورحمۃ منک وعافیۃ ومغفرۃ منک ورضواناً

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے تندرستی ایمان کے ساتھ اور ایمان حسن خلق کے ساتھ اور کامیابی جس کے پیچھے فلاح بھی دے اور رحمت تیری طرف سے اور امن اور بخشش تیری طرف سے اور خوشنودی

واسالک خشیتک فی الغیب والشہادۃ وکلمۃ الاخلاص فی الرضا والغضب

اور مانگتا ہوں میں تجھ سے تیرا ڈر غائب اور حاضر میں اور کلمہ اخلاص کا عیش اور طیش میں

واسالک نعیماً لاینفد وقرۃ عین لا تنقطع۔

اور مانگتا ہوں میں تجھ سے ایسی نعمت کہ ختم نہو اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک کہ جاتی نہ رہے۔

واسالک الرضا بالقضاء وبرد العیش بعد الموت ولذۃ النظر الی وجھک والشوق الی لقائک

اور مانگتا ہوں میں تجھ سے رضامندی تیرے حکم پر اور خوش عیشی موت کے بعد اور مزہ تیرے دیدار کا اور تڑپ تیرے وصال کی۔

اللّٰھم انی اسألک من الخیر کلہ عاجلہ و اٰجلہ ما علمت منہ ومالم اعلم

اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی سب کی سب موجود اور آئندہ کی اس میں سے جس کا مجھکو علم ہے اور جس کا نہیں۔

اللھم انی اسالک من خیر ما سالک عبدک ونبیک اللھم انی اسالک الجنۃ وما قرب الیھا من قول او عمل واسالک ان تجعل کل قضاء لی خیرا۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے وہ سب بھلائی جس کو مانگا ہے تجھ سے تیرے بندے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے جنت اور جو چیز اس کی طرف قریب کرنے والی قول ہو یا عمل اور مانگتا ہوں میں تجھ سے یہ کہ کردے ہر اپنے حکم کو میرے حق میں بہتر۔

واسالک ما قضیت لی من امر ان تجعل عاقبتہ رشدا

اور مانگتا ہوں میں تجھ سے جو کچھ جاری کرے تو میرے حق میں کوئی بات کہ کرے تو انجام اس کا بھلائی

اللّٰھم اسألک من کل خیر خزائنہ بیدک۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے سب بھلائیاں جکے خزانے تیرے قبضہ قدرت میں ہیں

واسالک من الخیر الذی ھو بیدک کلہ

اور مانگتا ہوں تجھ سے وہ سب کی سب بھلائی کہ وہ تیرے قبضے میں ہے

اللھم انی اسألک عیشۃ نقیۃ ومیتۃ سویۃ ومردا غیر مخزی ولا فاضح

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے زندگی صاف اور موت ڈھنگ کی اور انتقال جس میں رسوائی اور فضیحت نہ ہو۔

اللھم انی اسالک خیر المسالۃ وخیر الدعاء وخیر النجاح وخیر العمل وخیر الثواب

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے سب سے اچھا سوال اور سب سے اچھی دعا اور سب سے اچھی کامیابی اور سب سے اچھا عمل اور سب سے اچھا ثواب

وخیر الحیوۃ وخیر الممات وثبتنی وثقل موازینی وحقق ایمانی وارفع درجتی وتقبل صلوتی۔

اور سب سے اچھی زندگی اور سب سے اچھی موت اور ثابت قدم رکھ مجھے اور بھاری کر میرے نیکیوں کا پلہ اور سچا کردے میرے ایمان کو اور بلند کر میرا درجہ اور قبول کر میری نماز

واسألك الدرجات العلی من الجنۃ آمین

اور مانگتا ہوں میں تجھ سے بلند درجے جنت کے آمین

اللھم انی اسألك فواتح الخیر وخواتمہ وجوامعہ واولہ وآخرہ وظاھرہ وباطنہ

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی کی ابتدائیں اور انتہائیں اور اس کی جامع چیزیں اور اس کا اول اور اس کا آخر اور اس کا ظاہر اور اس کا باطن

اللھم اسألك خیر ما آتی وخیر ما افعل وخیر ما اعمل وخیر ما بطن وخیر ما ظھر۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ان چیزوں کی بھلائی جو کروں شروع میں اور اس کی بھلائی جو عمل میں لاؤں اور اسکی بھلائی جو پوشیدہ ہے اور اس کی بھلائی جو ظاہر ہے۔

اسألك غنای وغنا موالی رب

یا اللہ مانگتا ہوں میں تجھ سے اپنی سیرچشمی اور اپنے متعلقین کی سیرچشمی

اسألك خیر ما فی ھذا الیوم وخیر ما بعدہ

اے رب میں مانگتا ہوں تجھ سے اس چیز کی بھلائی جو اس دن میں ہو اور اس چیز کی بھلائی جو اس کے بعد ہو

اللھم انی اسألك خیر ھذا الیوم وفتحہ ونصرہ ونورہ وبرکتہ وھداہ۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی اس دن کی اور فتح اس کی اور ظفر اس کی اور نور اس کا اور برکت اس کی اور ہدایت اسکی

اللھم انی اسألك العفو والعافیۃ فی دینی ودنیای واھلی ومالی۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے معافی اور امن اپنے دین اور اپنی دنیا میں اور اپنے اہل و مال میں

اسألك بنور وجھك الذی اشرقت لہ السموات والارض وبکل حق ھو لك وبحق السائلین علیك ان تقیلنی وان تجیرنی من النار بقدرتك ۔

مانگتا ہوں میں تجھ سے بحق تیرے اس نور ذات کے کہ اس سے روشن ہیں سب آسمان اور زمین اور صدقہ ہر اس حق کا جو تیرا ہے اور بذریعہ اس حق کے جو مانگنے والوں کا تجھ پر ہے یہ کہ درگذر کرے تو مجھ سے اور یہ کہ پناہ دے تو مجھے دوزخ سے اپنی قدرت سے

اللھم اسألك من فضلك۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے تیرا فضل

اللھم انی اسألك رزقا طیبا وعلما نافعا وعملا متقبلا

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے رزق پاکیزہ اور علم کارآمد اور عمل مقبول۔

اسألك مسئلۃ المسکین وابتھل الیك ابتھال المذنب الذلیل۔

سوال کرتا ہوں تجھ سے سوال بیکس کا سا اور گڑگڑاتا ہوں تیرے سامنے گڑگڑانا گنہگار ذلیل کا سا۔

اللّٰھم انا نسالك قلوبًا اوّاھۃ مخبتۃ منیبۃ فی سبیلك

یا اللہ ہم مانگتے ہیں تجھ سے ایسے دل جو متاثر ہوں اور عاجزی کرنے والے ہوں اور رجوع ہونے والے ہوں تیری راہ میں۔

اللّٰھم انی اسالك ایمانًا یباشر قلبی و یقینًا صادقًا حتی اعلم انہ لا یصیبنی الّا ما کتبت لی و رضیً من المعیشۃ بما قسمت لی۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ایمان کہ پیوست ہو جائے میرے دل میں اور یقین سچا یہاں تک کہ جان لوں یہ کہ نہیں پہونچ سکتا ہے مجھ کو مگر جو کچھ کہ تو لکھ چکا ہے میرے لئے اور رضا اس چیز کے ساتھ کہ مقسوم میں لکھی تو نے میرے معاش میں سے۔

اللّٰھم انی اسالك من خیر ما تجیٔ بہ الریاح +

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی ان چیزوں کی جو ہوائیں لاتی ہیں۔

اللّٰھم انی اسالك الصحۃ والعفۃ والامانۃ وحسن الخلق والرضا بالقدر

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے تندرستی اور پارسائی اور امانت اور حسن خلق اور رضا مقدر پر

اللّٰھم انی اسالك التوفیق لمحابك من الاعمال وصدق التوکل علیك و حسن الظن بك۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق تیرے پسندیدہ اعمال کی اور سچے توکل کی تجھ پر اور نیک گمان کی تیرے ساتھ

و اسالك الیسر و المعافاۃ فی الدنیا والاٰخرۃ +

اور مانگتا ہوں میں تجھ سے سہولت اور معافی دنیا اور آخرت میں۔

اللّٰھم انی اسالك من فجاءۃ الخیر واعوذ بك من فجاءۃ الشر۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے غیر مترقب بھلائی اور پناہ چاہتا ہوں تیری ناگہانی برائی سے

اسالك یا ذا الجلال والاکرام ان تستجیب لنا دعوتنا و ان تعطینا رغبتنا ان تغنینا عمن اغنیتہ عنا من خلقك

میں مانگتا ہوں تجھ سے اے جلال و اکرام والے یہ کہ قبول کرلے ہمارے حق میں ہماری دعا اور یہ کہ دے ہمیں ہماری خواہش اور یہ کہ بے پرواہ کردے ہمیں ان سے جن کو مالدار کیا ہے تو نے اپنی مخلوق میں سے

اللّٰھم انی اسالك رحمۃً من عندك تھدی بھا قلبی وتجمع بھا امری و تلم بھا شعثی وتصلح بھا دینی و تقضی بھا دینی وتحفظ بھا غائبی وترفع بھا شاھدی وتبیض بھا وجھی

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے خاص رحمت تیری کہ جس سے ہدایت کردے تو میرے دل کو اور جمعیت دے اس سے میرے کاموں کو اور اس سے میری ابتری کو اور درست کردے اس سے میرے دین کو اور ادا کردے اس سے میرے قرض کو اور حفاظت رکھے بذریعہ اس کے میری غائب چیزوں کی اور رفعت دے اس سے

وتزکی بها عملی وتلهمنی بها رشدی وترد بها الفتی وتعصمنی بها من کل سوء +

میری حاضر چیزوں کو اور نورانی کردے اس سے چہرہ میرا اور پاکیزہ کردے اس سے عمل میرا اور دل میں ڈالدے میرے اس سے ہدایت میری اور لوٹا دے اس سے میری الفت اور بچا رکھے مجھے اس کے ذریعہ ہر برائی سے۔

اللهم انی اسألك الفوز فی القضاء ونزل الشهداء وعیش السعداء و مرافقة الانبیاء والنصر علی الاعداء انك سمیع الدعاء +

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے کامیابی قسمت میں اور مہمانی شہداء کی اور عیش نیک بختوں کا ساتھ اور ساتھ انبیاء علیہم السلام کا اور فتح دشمنوں پر کیونکہ تو سننے والا ہے دعا کا۔

اللهم ذا الحبل الشدید والامر الرشید اسألك الامن یوم الوعید والجنة یوم الخلود مع المقربین الشهود الرکع السجود الموفین بالعهود انك رحیم ودود وانك تفعل ما ترید +

اے اللہ مضبوط ڈور والے اور درست حکم والے مانگتا ہوں میں تجھ سے امن یوم وعید میں اور جنت یوم الخلود میں ان لوگوں کے ساتھ جو مقرب ہیں حاضر باش رکوع اور سجدہ میں رہنے والے اپنے اقراروں کو پورا کرنے والے کیونکہ تو مہربان اور شفقت والا ہے اور تو کرسکتا ہے جو چاہے

اللهم انی اسألك تمام الوضوء وتمام الصلوٰة وتمام رضوانك وتمام مغفرتك

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے وضو کا کمال اور نماز کا کمال اور تیری خوشنودی کا کمال اور تیری مغفرت کا کمال۔

یارب اسألك من الخیر کله یارب افتح لی بخیر واختم لی بخیر وقنی السیئات ومن تق السیئات یومئذ فقد رحمته وذلك هو الفوز العظیم +

اے رب میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی سب کی سب اے رب آغاز کر میرا خیر کے ساتھ اور خاتمہ کر میرا خیر کے ساتھ اور بچا مجھے برائیوں سے .... اور جس کو تو بچالے اس دن برائیوں سے تو بیشک اوس پر تونے رحم کیا اور یہی تو ہے بڑی کامیابی

اللهم الهی واله ابراهیم واسحٰق و یعقوب واله جبرئیل ومیکائیل و اسرافیل اسألك ان تستجیب دعوتی فانا مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب

اے اللہ معبود میرے اور معبود ابراہیم کے اور اسحٰق کے اور یعقوب کے اور معبود جبرئیل اور میکائیل کے اور اسرافیل کے میں سوال کرتا ہوں تجھ سے یہ کہ قبول کرلے میری دعا کیونکہ میں بیقرار ہوں اور محفوظ رکھے تو مجھے میرے دین میں کیونکہ میں بلا میں پڑا ہوا ہوں اور شامل حال کرنا

وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن

میرے اپنی رحمت کیونکہ میں گنہگار ہوں اور دور کردے مجھ سے محتاجی کہ میں بیکس ہوں۔

اللّٰھم انی اسألك بحق السائلین علیك فان للسائل علیك حقاً ایما عبد او امة من اهل البر والبحر تقبلت دعوتهم واستجبت دعاءهم ان تشرکنا فی صالح ما یدعونك فیه وان تشرکهم فی صالح ما ندعوك فیه وان تعافینا وایاهم وان تقبل منا ومنهم وان تجاوز عنا وعنهم فانا اٰمنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاهدین۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے اس حق کے ذریعہ سے جو سائلوں کو تجھ پر حاصل ہے کیونکہ سائلوں کا تجھ پر حق ہے کہ جونسا غلام یا لونڈی خشکی یا تری والوں میں سے کہ قبول کی ہو تو نے دعا اون کی اور ستجاب الدعوات کیا ہو انھیں یہ کہ شریک کردے تو ہمیں اونکو ان اچھی دعاؤں میں کہ مانگیں وہ اور ہم تجھ سے اور رکھ عافیت دے تو ہمیں اور ان کو اور یہ کہ قبول کرے تو ہم سے اور ان سے اور یہ کہ درگذر کرے ہم سے اور ان سے کیونکہ ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے اتارا اور پیروی کی ہم نے رسول کی پس لکھ ہمیں شہادت دینے والوں میں۔

اللّٰھم انی اسألك توفیق اهل الهدٰی واعمال اهل الیقین ومناصحة اهل التوبة وعزم اهل الصبر وجد اهل الخشیة وطلب اهل الرغبة وتعبد اهل الورع وعرفان اهل العلم حتی القاك

اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق اہل ہدایت کی سی اور اعمال اہل یقین کے سے اور اخلاص اہل توبہ کا سا اور ہمت اہل صبر کی سی اور کوشش اہل خوف کی سی اور طلب اہل شوق کی سی اور عبادت اہل تقویٰ کی سی اور معرفت اہل علم کی سی یہاں تک کہ ملوں میں تجھ سے۔

اللّٰھم انی اسألك مخافة تحجزنی عن معاصیك حتی اعمل بطاعتك عملاً استحق به رضاك وحتی اناصحك بالتوبة خوفاً منك وحتی اخلص لك النصیحة حیاءً منك وحتی اتوکل علیك فی الامور کلها وحسن ظن بك سبحان خالق النور

اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ایسا خوف کہ روکدے مجھے تیری نافرمانیوں سے تاکہ عمل کروں میں تیری طاعت کے ایسے عمل کہ مستحق ہوجاؤں ان سے تیری خوشنودی کا اور تاکہ خالص کردوں میں تیرے سامنے توبہ ڈر کر تجھ سے اور تاکہ صاف کروں تیرے سامنے خلوص کو شرما کر تجھ سے اور تاکہ بھروسہ کروں تجھ پر کل کاموں میں اور مانگتا ہوں نیک گمان کو تیرے ساتھ پاک ہے پیدا کرنے والا نور کا۔

اللّٰھم انی اسألك بمحمد نبیك وابراهیم خلیلك وموسٰی نجیك وعیسٰی روحك وکلمتك وبکلام

یا اللہ میں مانگتا ہوں بطفیل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تیرے نبی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو تیرے خلیل ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو تیرے

موسیٰ وانجیل عیسیٰ وزبور داؤد و
فرقان محمد صلی اللہ علیہ وسلم و
بکل وحی اوحیتہ وقضاء قضیتہ
اوسائل اعطیتہ اوفقیرا غنیتہ
اوغنی افقرتہ اوضال ھدیتہ

کلیم ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو روح اللہ اور کلمۃ اللہ
ہیں اور بطفیل کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور انجیل حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام کے اور
قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بطفیل ہر وحی کے جس
کو تونے بھیجا ہو اور ہر حکم سے جس کو تو نے جاری کیا ہو اور بذریعہ
ہر سائل کے جس کو تو نے دیا ہو اور ہر محتاج کے جس کو تو نے تونگر
کیا ہو اور ہر تونگر کے جس کو تو نے محتاج کر دیا ہو اور ہر گمراہ کے
جس کو تو نے ہدایت کی ہو۔

واسالک باسمک الذی وضعتہ علی
الارض فاستقرت وعلی السموات
فاستقلت وعلی الجبال فرست

اور مانگتا ہوں میں تجھ سے بطفیل تیرے اس نام کے جس کو
زمین پر رکھا تو ٹھہر گئی اور آسمانوں پر رکھا تو تھم گئے
اور پہاڑوں پر رکھا تو جم گئے۔

واسالک باسمک الذی استقرّ بہ
عرشک۔

اور سوال کرتا ہوں میں تجھ سے بطفیل اس تیرے نام کے کہ
ٹھہرا ہوا ہے اس سے عرش تیرا

واسالک باسمک الطاهر المطهر
المنزل فی کتابک من لدنک وباسمک
الذی وضعتہ علی النهار فاستنار
وعلی اللیل فاظلم وبعظمتک و
کبریائک وبنور وجهک ان ترزقنی
القرآن العظیم وتخلطہ بلحمی
ودمی وسمعی وبصری وتستعمل بہ
جسدی بحولک وقوتک فانہ لا
حول ولا قوۃ الا بک۔

اور سوال کرتا ہوں میں تجھ سے بطفیل اس تیرے نام کے کہ پاک
ہے اور ستھرا ہے جو تیری کتاب میں تیرے یہاں سے اتارا گیا
ہے اور بطفیل اس تیرے نام کے جس کو تو نے دن پر رکھا تو
روشن ہوگیا اور رات پر رکھا تو اندھیری ہوگئی اور بطفیل
تیری عظمت کے اور تیری بڑائی کے اور بطفیل تیرے نور ذات
کے یہ کہ نصیب کرے تو مجھے قرآن عظیم اور پیوست کر دے تو
اسے میرے گوشت میں اور میرے خون میں اور میری شنوائی
میں اور میری بینائی میں اور اس پر عامل بنائے میرے جسم کو
اپنی قدرت اور قوت سے کیونکہ نہیں ہے پھرنا معصیت سے
اور قوت عبادت کی مگر تیرے ذریعہ سے۔

اللهم انی اسألک تعجیل عافیتک
ودفع بلائک وخروجا من الدنیا
الی رحمتک یا من یکفی عن کل احد

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے تیری عافیت عاجلہ اور تیری بلاء
کا دفعیہ اور نکلنا — دنیا سے تیری رحمت کی طرف اے وہ کہ
کافی ہے سب کے عوض اور نہیں کافی ہے اس کے عوض میں

ولا یکفی منه احد یا احد من لا احد له یا سند
من لا سند له انقطع الرجاء الا منک نجنی
مما انا فیه واعنی علی ما انا علیه مما نزل
بی بجاه وجهک الکریم وبحق محمد علیک امین
اسالک ان تصلی علی محمد وعلی ال محمد
وبک ادرء فی نحور الاعداء والجبابرة

کوئی اے بکیس بکیوں کے لیے سہارے بے سہاروں کے نقطع ہوگئی امید
مگر تجھ سے نجات دے اس حال سے کہ میں اس میں ہوں اور مدد کر
میری بلا نازل شدہ پر صدقہ اپنی ذات پاک کا اور بطفیل حق حضرت
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تجھ پر ہے آمین۔
سوال کرتا ہوں میں تجھ سے کہ رحمت کاملہ نازل کرے حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آل پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور
تیرے ہی زور پر بھڑ جاتا ہوں دشمنوں اور زورآوروں کے مقابلہ میں۔

اسالک فرجا قریبا وصبرا جمیلا ورزقا
واسعا والعافیة من جمیع البلاء واسالک
تمام العافیة واسالک دوام العافیة
واسالک الشکر علی العافیة واسالک
الغنی عن الناس ولا حول ولا قوة الا
باللہ العلی العظیم۔

مانگتا ہوں میں تجھ سے کشایش فوری اور صبر جمیل اور رزق واسع
اور امن جملہ بلاؤں سے اور مانگتا ہوں میں تجھ سے پورا امن اور
اور مانگتا ہوں میں تجھ سے بقاء امن کی اور مانگتا ہوں میں تجھ سے
شکر امن پر اور مانگتا ہوں میں تجھ سے سیرچشمی آدمیوں سے اور
نہیں ہے پھرنا گناہوں سے اور نہ قوت عبادت کی مگر ساتھ اللہ برتر
و بزرگ کے۔

اللھم انی اسالک من صالح ما تؤتی الناس
من المال والاهل والولد غیر ضال ولا مضل

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے وہ اچھی چیز جو تو لوگوں کو دے
مال ہو یا بی بی یا اولاد کہ نہ گمراہ ہوں میں اور نہ گمراہ کرنے والا

اللھم انی اسالک نفسا بک مطمئنة
تؤمن بلقائک وترضی بقضائک و
تقنع بعطائک +

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ایسا نفس جو تجھ پر اطمینان رکھے
جو تیرے ملنے کا یقین رکھے اور تیرے حکم پر راضی رہے اور
تیرے عطیہ پر قناعت رکھے۔

اللھم انی اسالک تمام العافیة فی
الاشیاء کلھا والشکر لک علیھا حتی ترضی
وبعد الرضی الخیرة فی جمیع ما یکون فیه الخیرة
وبجمیع میسور الامور کلھا لا بمعسورھا یا کریم

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے نعمت کا پورا ہونا جملہ چیزوں میں
اور تیرا شکر ان پر یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور بعد راضی ہونے
کے انتخاب کر تمام ایسی چیزوں میں جن میں انتخاب ہوتا ہے اور
انتخاب سب ہی اچھے کاموں کا نہ برے کاموں کا اے کریم۔

اللھم انی اسالک ایمانا دائما واسالک
قلبا خاشعا واسالک یقینا صادقا و
اسالک دینا قیما واسالک دوام العافیة
واسالک الشکر علی العافیة واسالک

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ایمان ہمیشہ رہنے والا اور مانگتا
ہوں میں تجھ سے دل خشوع کرنے والا اور مانگتا ہوں تجھ سے
یقین سچا اور مانگتا ہوں میں تجھ سے دین راست اور مانگتا
ہوں میں تجھ سے امن ہر بلا سے اور مانگتا ہوں میں تجھ سے

الغنی عن الناس | ہمیشہ رہنا امن کا اور مانگتا ہوں میں تجھ سے بے پرواہی لوگوں سے۔

اللّٰھم انی اسالک ثواب الشاکرین ونزل المقربین ومرافقۃ النبیین ویقین الصدیقین وذلۃ المتقین واخبات الموقنین حتی توفانی علی ذلک یا ارحم الراحمین۔ | یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ثواب شکر کرنیوالوں کا سا اور مہمانی مقربین کی سی اور ہمراہی انبیا علیہم السلام کی اور یقین صدیقوں کا سا اور تواضع متقین کی سی اور خشوع یقین والوں کا سا یہاں تک کہ وفات دے تو مجھے اس حال پر اے ارحم الرحمین۔

اللّٰھم انی اسالک بنعمتک السابقۃ علیّ وبلائک الحسن الذی ابتلیتنی بہ وفضلک الذی فضلت علیّ ان تدخلنی الجنۃ بمنک وفضلک ورحمتک | یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے بوجہ تیرے سابق انعام کے مجھ پر اور بوسیلہ اوس اچھے امتحان کے جس سے امتحان لیا ہو تو نے میرا اور بوسیلہ تیرے اس فضل کے جو تو نے فضل کیا ہو مجھ پر کہ داخل کر مجھے جنت میں اپنے احسان اور فضل اور رحمت سے۔

اللّٰھم انی اسالک ایمانا دائما وھدی قیما وعلما نافعا + | اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ایمان ہمیشہ رہنے والا اور ہدایت مستحکم اور علم نافع۔

واسالک عملا متقبلا وعلما نجیحا وسعیا مشکورا وتجارۃ لن تبور + | اور مانگتا ہوں میں تجھ سے عمل مقبول اور کارآمد علم اور سعی مشکور اور تجارت جس میں گھاٹا نہ ہو۔

اللّٰھم انی اسالک فکاک رقبتی من النار | یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے اپنی جاں بخشی دوزخ سے۔

حضرت مولنا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ حجۃ اللہ البالغہ باب الاذکار وما یتعلق بہا صفحہ جلد ۲ میں تحریر فرماتے ہیں

ومنھا سوال ما ینفعہ فی بدنہ او نفسہ باعتبار خلقہ او باعتبار حصول السکینۃ او تدبیر منزلہ ومالہ وجاھہ وتعوذہ عما یضرہ کذلک والسر فیہ مشاھدۃ تاثیر الحق فی العالم ونفی الحول والقوۃ عن غیرہ۔ ومن اجمع ما سنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الباب اللھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمۃ امری واصلح لی دنیای التی فیھا | ان اذکار میں سے وہ دعائیں بھی ہیں جو بدن واعضاء کے نفع کے متعلق ہوتی ہیں یا سکینہ کے حاصل ہونے کی یا تدبیر منزل یا مال وجاہ کی یا جو چیزیں ان میں مضر ہوتی ہیں ان سے تعوذ اور راز اس میں (علاوہ تحصیل حاجت کے) اللہ تعالی کے تاثیر کا مشاہدہ عالم میں اور نفی حول اور قوت کی غیر اللہ سے۔ اور اس باب میں جامع ترین دعائیں جو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون کی ہیں وہ ذیل میں درج ہیں۔ اے اللہ درست رکھ میرا دین جو میرے حق میں بچاؤ ہو اور درست رکھ

معاشی واصلح لی اٰخرتی التی فیھا معادی واجعل الحیٰوۃ زیادۃ لی فی کل خیر واجعل الموت راحۃ لی من کل شر

میری دنیا جس میں میری معاش ہے اور درست رکھ میری آخرت جہاں مجھے لوٹنا ہے اور کر زندگی کو میرے لئے ترقی ہر بھلائی میں اور کر موت کو میرے لئے چین ہر برائی سے۔

اللّٰھم انی اسئلک الھدیٰ والتقیٰ والعفاف والغنی۔

اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ہدایت اور پرہیزگاری اور پارسائی اور سیر چشمی۔

اللّٰھم اھدنی وسددنی وقال اذکر بالھدیٰ ھدایتک الطریق و بالسداد سداد السھم

اے اللہ میری ہدایت کر اور مجھے استوار رکھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جب میں اھدنی کہتا ہوں اس وقت) آپ کے راستے کی ہدایت یاد کرتا ہوں اور جب سددنی کہتا ہوں تو تیر کی طرح سداد (سیدھا پن) مراد لیتا ہوں۔

اللّٰھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی وارزقنی۔

اے اللہ بخش دے مجھے اور رحم کر مجھ پر اور ہدایت دے مجھے اور امن دے مجھے اور رزق دے مجھے۔

اللّٰھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ رب اعنّی ولا تعن علیّ وانصرنی ولا تنصر علیّ وامکر لی ولا تمکر علیّ واھدنی ویسر الھدیٰ لی وانصرنی علیٰ من بغیٰ علیّ رب اجعلنی لک شاکرًا لک ذکرًا لک راھبًا لک مطواعًا لک مخبتًا الیک اوّاھًا منیبا۔

اے اللہ اے رب ہمارے دے ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہمیں دوزخ کے عذاب سے اے رب مدد کر میری اور میرے مقابلہ میں کسی کی مدد نہ کر اور فتح دے مجھے اور میرے اوپر کسی کو فتح نہ دے اور تدبیر کر میرے لئے اور میرے اوپر کسی کی تدبیر نہ چلا اور ہدایت کر مجھے اور آسان کر ہدایت کو میرے لئے اور مجھ کو مدد دے اس پر جو مجھ پر زیادتی کرے اے رب کر دے مجھے ایسا کہ میں تیرا شکر کیا کروں تجھے یاد کیا کروں۔ تجھ سے ڈرا کروں تیری فرمانبرداری کیا کروں تجھی سے سکون پانیوالا تیری ہی طرف متوجہ ہونے والا رجوع رہنے والا۔

رب تقبل توبتی واغسل حوبتی واجب دعوتی وثبت حجتی وسدد لسانی واھد قلبی واسلل سخیمۃ صدری۔

اے رب قبول کر میری توبہ اور دھو دے میرے گناہ اور قبول کر میری دعا اور قائم رکھ میری حجت اور راست رکھ میری زبان اور ہدایت دے میرے دل کو اور نکال دے میرے سینہ کی کدورت۔

اللّٰھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی

یا اللہ نصیب کر مجھے اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جس کی محبت

حبه عندك اللهم فكما رزقتني مما احب
فاجعله قوة لي فيما تحب اللهم وما
زويت عني مما احب فاجعله
فراغاً لي فيما تحب اللهم اقسم لنا
من خشيتك ما تحول به بيننا و
بين معاصيك ومن طاعتك ما
تبلغنا به جنتك ومن اليقين ما
تهون به علينا مصيبات الدنيا
ومتعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا
ما احييتنا واجعله الوارث منا
واجعل ثأرنا على من ظلمنا وانصرنا
على من عادانا ولا تجعل مصيبتنا
في ديننا ولا تجعل الدنيا اكبر همنا
ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علينا
من لا يرحمنا ـ

تیرے نزدیک کارآمد ہو۔ اے اللہ جس طرح دیا ہے تو نے مجھے
جو کچھ مجھے پسند ہے تو کر دے اسے معین میرا اس کام میں جو تجھے
پسند ہے یا اللہ اور جو کچھ دور کیا تو نے مجھ سے ان چیزوں میں
سے جو مجھ کو پسند ہیں تو کر دے تو اُسے میرے حق میں فراغ ان
چیزوں کے لئے جو تجھے پسند ہیں یا اللہ حصہ دے ہمیں اپنے
خوف سے اتنا کہ حائل ہو جائے ہم میں اور تیرے گناہوں میں
اور اپنی عبادت سے اتنا کہ پہونچا دے تو ہمیں بذریعہ اس کے
اپنی جنت میں اور یقین سے اتنا کہ سہل کر دے اوس سے ہم
پر دنیا کی مصیبتیں۔ اور کارآمد رکھ ہماری شنوائیاں۔
اور ہماری بینائیاں اور ہماری قوت جب تک ہمیں زندہ رکھے اور
کرنا اسکی خیر کو باقی بعد ہمارے اور ہمارا انتقام لے اس سے جو
ہم پر ظلم کرے اور مدد دے ہمیں اس پر جو ہم سے دشمنی کرے
اور مت کر مصیبت ہماری ہمارے دین میں اور مت کر دنیا کو
مقصود اعظم ہمارا اور نہ انتہا ہمارے معلومات کی اور نہ انتہا
ہمارے رغبت کی اور نہ مسلط کر ہم پر اس کو جو ہم پر رحم
کرے۔

واعلم ان الدعوات التي امرنا بها
النبي صلى الله عليه وسلم على قسمين
احدهما ما يكون المقصود منه ان
تملأ قوى الفكرية بملاحظة جلال
الله وعظمته او تحصل حالة الخضوع
والاخبات فان لتعبير اللسان عما
يناسب هذه الحالة اثراً عظيماً
في تنبيه النفس لها واقبالها عليها
والثاني ما يكون فيه الرغبة في خير الدنيا

جان لو وہ دعائیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم
کو امر فرمایا ہے دو قسم کی ہیں۔
ایک وہ جن کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے قوی فکریہ اللہ تعالیٰ
کے عظمت وجلال کے ملاحظہ سے پُر ہو جائیں یا خضوع وخشوع
کی حالت حاصل ہو جائے کیونکہ زبان سے ان باتوں کی تعبیر
جو اس حالت (خضوع وخشوع) کے مناسب ہے۔ اس کو
نفس کے تنبہ اور اس حالت کی جانب متوجہ کرنے میں بڑا اثر
ودخل ہے۔
دوسری قسم وہ دعا ہے جس میں دنیا وآخرت کی خیر کی

والاٰخرۃ والتعوّذ من شرھما لان ھمۃ النفس وتاکد عزیمتھا فی طلب شیٔ یقرع باب الجود بمنزلۃ اعداد مقدمات الدلیل لفیضان النتیجۃ وایضًا فان الحاجۃ اللذ اعۃ لقلبہ توجّھہٗ الی المناجات وتجعل جلال اللّٰہ حاضرًا بین عینیہ وتصرف ھمتہ الیہ فتلك الحالۃ غنیمۃ المحسن

رغبت اوران دونوں کے شرسے تعوذ ہے اس لئے کہ نفس کی توجہ اوراس کی پختہ عزیمت کسی شے کی طلب میں جودوسخا کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے دلیل کے مقدمات کی تیاری نتیجہ کے فیضان کے لئے نیز یہ کہ ایسی حاجت جو قلب میں سوزش پیداکرتی ہے وہ اسکو مناجات کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے (عظمت) وجلال کو اس کے سامنے کردیتی ہے اوراس کی توجہ کو اس طرف پھیردیتی ہے۔ یہ حالت محسن کے لئے (غنیمت اکبری ہے)

یہاں تک تو دعا کا بیان تھا اب آگے تعوذ کا بیان کیا جاتا ہے دعا وتعوذ میں فرق یہ ہے کہ جوچیزیں دین ودنیا میں مرغوب ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کو دعا کہتے ہیں۔ اور جوچیزیں مکروہ ہیں ان سے نجات کے لئے سوال کرنے کو تعوذ کہتے ہیں۔

رب اعوذبك من ھمزات الشیٰطین واعوذ بك رب ان یحضرون +

اے رب میں پناہ چاہتا ہوں تیری شیطانوں کی چھیڑسے اورپناہ چاہتا ہوں تیری اے رب اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔

اللّٰھمّ انی اعوذبك من العجز والکسل والجبن والھرم والمغرم والماثم ومن عذاب النار وفتنۃ النار وفتنۃ القبر وعذاب القبر وشر فتنۃ الغنی وشر فتنۃ الفقر ومن شر فتنۃ المسیح الدجال ومن فتنۃ المحیا والممات ومن القسوۃ والغفلۃ والعیلۃ والذلۃ والمسکنۃ والکفر والفسوق والشقاق والسمعۃ والریاء ومن الصمم والبکم والجنون والجذام وسیّئ الاسقام وضلع الدین ومن الھم والحزن والبخل وغلبۃ الرجال ومن ان اردّ الی ارذل العمر وفتنۃ الدنیا ومن علم لاینفع وقلب لایخشع

یا اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں کم ہمتی سے اور سستی سے اور بزدلی سے اور بہت بوڑھاپے سے اور قرض سے اور گناہ سے اور دوزخ کے عذاب سے اور دوزخ کے فتنے سے اور قبر کے فتنے سے اور قبر کے عذاب سے اور مالداری کے برے فتنے سے اور محتاجی کے برے فتنے سے اور مسیح دجال کے برے فتنے سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور سخت دلی سے اور غفلت سے اور تنگدستی سے اور ذلت سے اور خواری سے اور کفر سے اور فسق سے اور ضدا ضدی سے اور سنانے سے اور دکھانے سے اور بہرا ہونے سے اور گونگے ہونے سے اور جنون سے اور جذام سے اور بری بیماریوں سے اور بار قرضہ سے اور فکر سے اور غم سے اور بخل سے اور لوگوں کے دبالینے سے اور اس سے کہ ناکارہ عمر تک پہونچوں اور دنیا کے فتنے سے اور اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جس میں خشوع نہ ہو۔ اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے

ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لا يستجاب لها۔ جو مقبول نہ ہو۔

اللّٰهم انی اعوذ بك من سوء العمر و
فتنة الصدر واعوذ بعزتك لا اله الا
انت ان تضلنی ومن جهد البلاء ودرك
الشقاء وسوء القضاء وشماتة الاعداء
ومن شر ما عملت ومن شر ما لم اعمل ومن شر ما علمت
ومن شر ما لم اعلم ومن زوال نعمتك وتحول
عافيتك وفجاءة نقمتك وجميع سخطك
ومن شر سمعی ومن شر بصری ومن شر
لسانی ومن شر قلبی ومن شر منيتی ومن
الفاقة ومن ان اظلم او اظلم ومن الهدم
ومن التردی ومن الغرق والحرق و
ان يتخبطنی الشيطان عند الموت
ومن ان اموت فی سبيلك مدبرا
وان اموت لديغا +

یا اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں بری عمر سے اور دل کے فتنے
سے اور پناہ مانگتا ہوں میں بوسیلہ تیری عزت کے نہیں ہے
کوئی معبود سوائے تیرے اس سے کہ گمراہ کرے تو مجھے اور بلاء
کی مشقت سے اور بدبختی کے پالینے سے اور بری تقدیر سے
اور دشمنوں کے طعنوں سے اور اس کام کی برائی سے جو میں نے کیا اور جو
میں نے نہیں کیا اور اس چیز کی برائی سے جو مجھے معلوم ہے اور جو معلوم نہیں اور
تیری رحمت کے جاتے رہنے سے اور تیرے امن کے پلٹ
جانے سے اور تیرے عذاب کے ناگہاں آجانے سے اور تیرے
تمام غصوں سے اور اپنی شنوائی کی برائی سے اور اپنی بینائی
کی برائی سے اور اپنی زبان کی برائی سے اور اپنے دل کی برائی
سے اور اپنی منی کی برائی سے اور فاقہ سے اور اس سے کہ میں
ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے اور کسی چیز کے میرے اوپر گر جانے
سے اور کسی چیز پر سے گر پڑنے سے اور ڈوب جانے سے اور
جل جانے سے اور اس سے کہ گڑبڑ میں ڈالدے مجھے شیطان
موت کے وقت اور اس سے کہ مروں میں جہاد سے بھاگ کر
اور اس سے کہ مروں میں زہریلے جانور کے کاٹ لینے سے۔

اللهم انی اعوذ بك من منكرات الاخلاق
والاعمال والاهواء والادواء نعوذ بك
من شر ما استعاذ منه نبيك محمد
صلی الله عليه وسلم وجار السوء
فی دار المقامة فان جار البادية
يتحول وغلبة العدو وشماتة الاعداء
ومن الجوع فانه بئس الضجيع ومن
الخيانة فبئست البطانة وان نرجع
علی اعقابنا او نفتن عن ديننا ومن

یا اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال
اور نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے پناہ چاہتے ہیں ہم تیری
ان بری چیزوں سے جن سے پناہ مانگی ہے تیرے نبی محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نے اور برے پڑوس سے قیام جگہ میں
کیونکہ سفر کا ساتھی تو چل ہی دیتا ہے اور دشمن کے غلبہ اور
مخالفین کے طعنہ سے اور بھوک سے کہ وہ برا ہمخواب ہے
اور خیانت سے کہ وہ برا ہمراز ہے اور اس سے کہ پچھلے پیروں
لوٹیں ہم یا اپنے دین سے الگ ہو کر فتنہ میں پڑیں ہم اور تمام
فتنوں سے جو ظاہری ہیں ان میں سے اور جو باطنی ہیں اور

الفتن ما ظاهر منها وما بطن ومن يوم السوء ومن ليلة السوء وساعة السوء ومن صاحب السوء

برے دن سے اور بری رات سے اور بری گھڑی سے اور برے ساتھی سے۔

اللهم انی اعوذبك من البرص ومن الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق ومن شر ما نعلم اعوذ بالله من حال اهل النار ومن النار وما قرب اليها من قول او عمل ومن شر ما انت اخذ بناصيته واعوذبك من شر ما فی هذا اليوم وشر ما بعده ومن شر نفسی وشر الشيطان وشركه وان نقترف على انفسنا سوءا او نجره الى مسلم او اكتسب خطيئة او ذنبا لا تغفره ومن ضيق المقام يوم القيامة۔

یا اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں برص سے اور ضد اضدی سے اور نفاق سے اور برے اخلاق سے اور اس چیز کی برائی سے جسے تو جانتا ہے پناہ پکڑتا ہوں میں اللہ کی اہل دوزخ کے حال سے اور دوزخ سے اور اس چیز سے کہ قریب کرے اس سے قول ہو یا عمل اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے قبضے میں ہے اور پناہ چاہتا ہوں میں تیری اس چیز کی برائی سے جو اس دن میں ہے اور اس چیز کی برائی سے جو اس کے بعد ہے اور اپنے نفس کی برائی سے اور شیطان کی برائی سے اور اس کے شرک سے اور اس سے کہ حاصل کریں ہم اپنی جان پر کسی برائی کو یا اس کو کسی مسلمان کی طرف پہونچائیں یا کروں میں کوئی ایسی خطا یا گناہ جسے تو نہ بخشے اور مقام کی تنگی سے قیامت کے دن۔

اللهم انی اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذبك منك لا احصی ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك اللهم انا نعوذ بك من ان نزل او نزل او نضل او نظلم او نظلم علينا او نجهل او يجهل علينا او اضل او اضل اعوذ بنور وجهك الكريم الذی اضاءت له السموات واشرقت له الظلمات وصلح عليه امر الدنيا والاخرة ان تحل علی غضبك وتنزل علی سخطك ولك العتبى حتى ترضى ولا حول ولا قوة الا بك اللهم

یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری رضا کے ساتھ تیری ناخوشی سے اور تیرے عفو کے ساتھ تیری عقوبت سے اور پناہ چاہتا ہوں تیری تجھ سے نہیں کر سکتا ہوں میں تعریف تیری تو ایسی تعریف کے لائق ہے کہ خود کی ہے تو نے اپنی یا اللہ ہم پناہ چاہتے ہیں تیری اس سے کہ ہم ڈگ جائیں یا کسی کو ڈگائیں یا ہم کسی کو گمراہ کریں یا ہم کسی پر ظلم کریں یا ہم پر ظلم کیا جائے یا ہم جہالت کریں یا ہم پر جہالت کی جائے یا گمراہ ہوں میں یا گمراہ کیا جاؤں چاہتا ہوں میں پناہ تیری ذات گرامی کے نور کی جس سے روشن ہیں آسمان اور چمک رہی ہیں اس سے ظلمتیں اور درست ہیں اس سے کام دنیا اور آخرت کے اس سے کہ اتارے تو مجھ پر غصہ اپنا اور نازل کرے تو مجھ پر ناخوشی اپنی اور تیرا ہی حق ہے تجھ کو منانا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور نہیں ہے پھرنا گناہ

واقیۃ کواقیۃ الولید اللھم انی اعوذبک
من شر الاعمیین السیل والبعیر
الصؤل +
اللھم انی اعوذبک من خلیل ماکر عینہ
ترانی وقلبہ یرعانی ان رأی حسنۃ
دفنھا وان رأی سیئۃ .. اذاعھا
اللھم انی اعوذبک من البؤس والتباؤس
اللھم انی اعوذبک من ابلیس وجنودہ
اللھم انی اعوذبک من فتنۃ النساء اللھم
انی اعوذبک من ان تصدّ عنی وجھک
یوم القیامۃ اللھم انی اعوذبک من
کلّ عمل یخزینی واعوذبک من کل صاحب
یؤذینی واعوذبک من کل امل یلھینی
واعوذبک من کل فقر ینسینی و
اعوذبک من کل غنی یطغینی اللھم
انی اعوذبک من موت الھم واعوذبک
من موت الغمّ +
اللھم انی اعوذبک من ان اشرک بک
شیئا وانا اعلم واستغفرک لما لا اعلم
بہ واعوذبک ان یدّعو علیّ رحم
قطعتھا اللّھم انی اعوذبک من
شر من یمشی علی بطنہ ومن شر من
یمشی علی رجلین ومن شر من یمشی
علی اربع اللھم انی اعوذبک من امرأۃ
تشیبنی قبل المشیب واعوذبک من
ولد یکون علیّ وبالا واعوذبک من

سے اور طاقت عبادت کی کہ تیری مدد ہے یا اللہ میں چاہتا
ہوں نگہبانی مثل نگہبانی بچے کے یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں
تیری برائی سے دو اندھوں یعنی رَو اور حملہ آور اونٹ کی ۔
یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری مکار دوست سے کہ آنکھیں
تو اس کی مجھے دیکھتی ہوں اور دل اس کا مجھے چرے لیتا ہو گر
دیکھے بھلائی تو دبا دے اور اگر دیکھے برائی تو فاش کر دے
اُسے ۔ اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری شدت فقر
اور بہت محتاجی سے یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری شیطان
سے اور اس کے لشکروں سے یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری
عورتوں کے فتنے سے یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری اس
سے کہ منہ پھیرے تو مجھ سے قیامت کے دن یا اللہ میں پناہ
چاہتا ہوں تیری ہر اس عمل سے کہ رسوا کر دے مجھے اور پناہ
چاہتا ہوں تیری ہر اس ساتھی سے کہ تکلیف دے مجھے اور
پناہ چاہتا ہوں میں تیری ہر ایسے منصوبہ سے کہ غافل کر دے
مجھے اور پناہ چاہتا ہوں تیری ہر اس مالداری سے کہ دماغ
پھلا دے میرا یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں فکر کی موت سے ۔
اور پناہ چاہتا ہوں میں غم کی موت سے ۔
یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری اس سے
کہ تیرے ساتھ کچھ بھی شریک کروں اور اس کو میں
جانتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں میں تجھ سے اس
کی کہ نہیں جانتا ہوں ۔ اور پناہ چاہتا
ہوں تیری کہ بددعا دے مجھے کوئی رشتہ
دار جس سے میں نے قطع رحم کیا ہو ۔ یا اللہ میں پناہ
چاہتا ہوں تیری اس حیوان کی برائی سے کہ پیٹ کے
بل چلتا ہے اور اس حیوان کی برائی سے کہ دو پیر سے چلتا
ہے اور اس حیوان کی برائی سے کہ چار پیروں سے چلتا ہے ۔

مال یکون علی عذابًا اللّٰھم انی اعوذ بک من الشک فی الحق بعد الیقین واعوذ بک من الشیطان الرجیم واعوذ بک من شر یوم الدین اللّٰھم انی اعوذ بک من موت الفجاءۃ ومن لدغ الحیّۃ ومن السّبع ومن الغرق ومن الحرق ومن ان اخرّ علی شیٔ ومن القتل عند فرار الزحف

اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری ایسی عورت سے کہ بوڑھا کر دے مجھے بوڑھاپے سے پہلے اور پناہ چاہتا ہوں تیری ایسی اولاد سے کہ ہو مجھ پر وبال اور پناہ چاہتا ہوں تیری ایسے مال سے کہ ہو مجھ پر عذاب یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری شک لانے سے حق میں بعد یقین کے اور پناہ چاہتا ہوں تیری شیطان مردود سے اور پناہ چاہتا ہوں تیری سختی روز جزا سے یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری ناگہانی موت سے اور سانپ کے کاٹنے سے اور درندے سے اور ڈوبنے سے اور جل جانے سے اور اس سے کہ گر پڑوں کسی چیز پر اور مارے جانے سے لشکر کے بھاگنے کے وقت

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

ان ادعیہ اور تعوذات سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ کوئی ضروری دعا اور تعوذ متروک نہیں ہوا ہے۔ ہمارے تمام منافع اور مضار کو پیش نظر رکھ کر یہ عمل میں آیا ہے جو شخص اپنے منافع کو حاصل کرنا چاہے اور مضار سے بچنا چاہے ان کو صدق دل سے اپنا معمول بنائے کیونکہ ظاہر ہے کہ سب نفع وضرر اللہ تعالیٰ کے اختیار اور ان کے قبضۂ قدرت میں ہے بغیر ان سے التجا کے نہ کوئی نفع حاصل ہوسکتا ہے اور نہ کسی ضرر سے آدمی بچ سکتا ہے بڑا سخت حرمان ہے کہ ان کو معمول بہا نہ بنایا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم سنت کا اتباع نہ کیا جائے۔ تمام مسلمانوں کو عموماً اور سالکین راہ خداوندی کو خصوصاً ان کو اپنا حرز جان بنا لینا نہایت ضروری ہے، واللہ اسئال ان یمن بقبولہ وان یجعلنا عندہ من حزبہ المفلحین وحزب رسولہ امین انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئٍ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ۔

عہ قرآن وحدیث کی دعاؤں کا ایک نادر مجموعہ مناجات مقبول جمع فرمودۂ حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمۃ اللہ ہے اسکا کریمی ایڈیشن بہترین ہے - قیمت عہ/ - ملنے کا پتہ جامی واخوانہٗ حسن منزل - الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ
ضمیمہ تلاوت قرآن

(از مرتب)

ناظرین کو معلوم ہوگا کہ حضرت مصلح الامۃؒ اپنے پاس آنے جانے والوں کو تلاوتِ قرآن پر بہت زور دیا کرتے تھے عالم کو بھی اور عامی کو بھی، اور یہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا اعلیٰ ترین ذریعہ یہی قرآن حکیم ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی وہ حبل متین ہے جس کا ایک سرا تو خدا تعالیٰ کے پاس ہے اور دوسرا سرا بندوں کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے لئے یہی سبب تسلی ہے ؂

گفت معشوق نام لیلیٰ می کنم　　خاطر خود را تسلی می دہم

یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں نے ہر زمانہ میں اس کے ساتھ شغف رکھا ہے یہی تلاوتِ قرآن، باطنی ترقی کا عمدہ ذریعہ ہے اور ایمان و ایقان کے بڑھانے کا آزمودہ طریق ہے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ فہم معنی کو نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ نفس تلاوت کے یہ فضائل ہیں جو کہ صمیم قلب اور حسن نیت کے ساتھ ہو کیونکہ کتاب اللہ تمام عالم کے لئے ہدایت اور رحمت بنکر آئی ہے اگر اس سے حصے کا ملنا فہم معنی پر موقوف ہو جائے تو اس سے تو پھر صرف علماء ہی بہرہ ور ہو سکیں گے اور عوام کے لئے جنکی ہر زمانہ میں غالب اکثریت رہی ہے اور رہیگی گویا قرآن کی ہدایت میں سے کوئی نصیب نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تامہ اور حکمت عامہ سے بعید بات ہے۔ ہاں تلاوت کا درجہ ایک عامی بھی حاصل کر سکتا ہے اور اسکے ذریعہ قرآن کریم سے فیض اور اللہ تعالیٰ کے فضل عامہ سے وہ بھی فیضیاب ہو سکتا ہے۔

اس لئے اسکی جانب راغب کرنے کیلئے حضرت والاؒ نے تلاوت پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے

اور امت کو سمجھا دیا ہے کہ یہ ایک نہایت ہی ضروری چیز ہے مسلمانوں کو لازم ہے کہ اسکی جانب اعتنا کریں، چنانچہ حضرت والا کے ان ارشادات کا ایک مجموعہ "تلاوت قرآن" کے نام سے تین چار بار شائع بھی ہو چکا ہے۔ ان دنوں قدیم مسودات میں ایک ذخیرہ تلاوت کے سلسلہ میں حضرت اقدسؒ کا ارشاد فرمایا ہوا اور ملا اگرچہ بعض باتیں ان میں ایسی بھی تھیں جو کتاب یا رسالہ میں طبع ہو چکی ہیں لیکن یکجا ہونے کی وجہ سے انکو درمیان سے جدا نہیں کیا گیا بلکہ سارے کا سارا اس ضمیمہ میں پیش نظر ہے، اور دینی مضامین کے اس نوع کے تکرار سے گھبرانا بھی نہیں چاہیئے آخر جددوا ایمانکم بقول لاالہ الا اللہ میں ایمان کی بار بار تجدید مطلوب ہی ہے، اور قند مکرر سے اپنے کام و دہن کو آشنا کرنا ہر زمانہ میں طریقۂ ارباب فرح وانبساط رہا ہی ہے اور ہمیشہ قرآن حکیم میں مضامین کے تکرار سے اہل محبت نے کیف وحال کا لطف حاصل کیا ہے اور عشاق مجازی نے تو اپنے محبوب کی زبان سے کلام کو مکرر سننے کی خاطر اپنے کو بہرا تک بنالیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ ؎

بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات

سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

اس لئے امید ہے کہ ناظرین کو بھی اس ضمیمہ میں آیا ہوا تکرار (اگر کہیں آگیا ہو تو وہ بھی) ناگوار اور خاطر عاطر پر بار نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ! حضرت اقدسؒ کی قبر کو نور سے معمور فرمادے کہ انھوں نے ہمارے لئے ان مضامین کے جمع کرنے میں بڑا تعب اٹھایا اور ہم سب کے قلوب کو تلاوت کلام اللہ کے نور سے بھردے اور اس خدمت کو ہم سے قبول فرمائے۔ آمین۔

والسلام ناچیز جامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضمیمہ تلاوتِ قرآن

فرمایا کہ ــــ تلاوت قرآن اور اسکی فضیلت کے بارے میں چند احادیث سنئے:۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے

عن ابی موسیٰ الاشعریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المؤمن الذی یقرأ القرآن مثل الاترجہ ریحہا طیب وطعمہا طیب ومثل المؤمن الذی لایقرأ القرآن مثل التمرۃ لاریح لہا وطعمہا حلو۔ ومثل المنافق الذی لایقرأ القرآن کمثل الحنظلہ لیس لہا ریح وطعمہا مر ومثل المنافق الذی یقرأ القران مثل الریحانہ ریحہا طیب وطعمہا مر (متفق علیہ)

کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس مؤمن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے نارنگی جیسی ہے کہ خوشبو بھی اسکی عمدہ اور مزہ بھی اسکا اچھا اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہ پڑھتا ہو ایسی ہے جیسے کھجور کہ اس میں خوشبو تو ہوتی نہیں مگر مزہ اسکا شیریں ہوتا ہے۔ اسی طرح اس منافق کی مثال جو قرآن شریف تلاوت نہیں کرتا ایسی ہے جیسے حنظل کہ اسمیں خوشبو بھی نہیں اور مزہ بھی نہایت کڑوا اور مثال اس منافق کی جو قرآن پڑھتا ہے مانند ریحانہ کے ہے کہ خوشبو تو بہت عمدہ لیکن چکھنے میں کڑوی۔

وفی روایۃ ــ المؤمن الذی یقرأ القرآن ویعمل بہ کالاترجہ والمؤمن الذی لا یقرأ القرآن ویعمل بہ کالتمرۃ۔

ایک اور روایت میں ہے کہ وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے اسکی مثال نارنگی جیسی ہے اور جو قرآن تو نہیں پڑھتا لیکن اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال ثمرہ جیسی ہے۔

صاحب مرقاۃ اسکی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وفی القاموس الاترج والاترجه والترنج والترنجه معروف وهی احسن الثمار الشجریة وانفسها عند العرب لحسن منظرها صفراء فاقع لونها تسر الناظرین -

قاموس میں ہے کہ اترج اور اترجہ اور ترنج اور ترنجہ مشہور پھل ہے (یعنی نارنگی) اور درخت کے پھلوں میں عرب کے نزدیک اس سے عمدہ اور اس سے نفیس کوئی پھل نہیں ہے اس لئے کہ اسکا ظاہری رنگ بھی نہایت ہی اچھا اور خوشنما ہوتا ہے یعنی تیز زرد جو کہ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتا ہے۔

(ریحها طیب و طعمها طیب) قال ابن الملك یفید طیب النکهة ودباغ المعدہ وقوۃ الهضم ومنافعها کثیرة مکتوبة فی کتب الطب فکذلك المؤمن القاری طیب الطعم لثبوت الایمان فی قلبه وطیب الریح لان الناس یسترحون بقراءته ویحوزون الثواب بالاستماع الیه ویتعلمون القرآن منه -

(اور یہ جو فرمایا کہ خوشبو بھی اسکی عمدہ اور مزہ بھی نہایت لذیذ) تو ابن ملک کہتے ہیں کہ نارنگی کی خوبی اور عمدگی یہ ہے کہ منہ میں عمدہ خوشبو پیدا کر دیتی ہے۔ معدہ میں صفائی پیدا کرتی ہے اور قوت ہاضمہ کو بڑھاتی ہے اور بھی اس میں بہت سے فوائد ہیں جو کتب طب میں مذکور ہیں اسی طرح سے وہ مومن جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے وہ بھی خوش مزہ ہو جاتا ہے کیونکہ ایمان اسکے قلب میں راسخ ہو جاتا ہے اور خوشگوار خوشبو والا ہو جاتا ہے کیونکہ دوسرے لوگ اسکی قرأت سے راحت پاتے ہیں اور اسکی قرأت کی جانب کان لگانے کیوجہ سے اجر و ثواب سمیٹتے ہیں اور اس سے قرآن سیکھتے ہیں۔

(ومثل المؤمن الخ)... ثم ان کلام الله تعالیٰ له تاثیر فی باطن العبد و ظاهره وان العباد متفاوتون فی ذلك فمنهم من له النصیب الاوفر من ذلك التاثیر و هو المؤمن القاری۔

اور آگے مومن غیر قاری کی مثال کا بیان ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کیلئے انسان (قاری) کے باطن میں بھی تاثیر ہوتی ہے اور اس کے ظاہر میں بھی چنانچہ لوگ اس باب میں مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ پس بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ انکو اس تاثیر سے حظ وافر ملا ہوتا ہے اور یہی مومن قاری ہے۔

ومنهم من لانصيب له البتة وهو المنافق الحقيقي۔ ومنهم من تأثر ظاهره دون باطنه وهو المرائي وبالعكس وهو المؤمن الذي لايقرأ	اور بعض ایسے بدنصیب ہوتے ہیں کہ انکو اس چیز سے مطلق حصہ نہیں ملا ہوتا نہ ظاہری اور نہ باطنی یہی شخص منافق حقیقی ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ انکے ظاہر میں تو اسکا اثر ہے مگر باطن میں کچھ نہیں یہ ریاکار ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انکے ظاہر میں تو کوئی اثر نہیں مگر باطن متأثر ہوتا ہے یہ وہ مومن
وابراز هذه المعاني وتصويرها الى المحسوسات ما هومذكور في الحديث ولم يوجد مايوافقها ويلائمها اقرب ولا احسن ولا اجمع من ذلك لان المشبهات والمشبه بها وارد على تقسيم الحاصل لان الناس اما مؤمن او غير مؤمن والثاني اما منافق صرف او ملحق به والاول اما مواظب على القراءة اوغير مواظب عليها فقس الاثمار المشبه بها	عامل ہے جو تلاوت سے عاری ہے (جب یہ تقسیم (اور حصر عقلی) ذہن نشین ہوگئی تو اب سمجھو کہ) ایسی معانی کا اظہار اور اس امر عقلی کو محسوس مثالوں سے حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ان سے زیادہ مناسب، اور فق اقرب، احسن اور اجمع امثلہ متصور نہیں اسلئے کہ قاری قرآن کی اقسام اور انکی امثلہ مذکورہ بالا تقسیم کے عین مطابق ہیں کیونکہ لوگ مؤمن ہیں یا غیر مومن پھر غیر مؤمن یا خالص منافق ہوگا یا شبیہ بالمنافق اور مؤمن یا تو مداوم علی القراۃ ہوگا یا غیر مداوم۔ اسی قیاس پر مثالوں کو بھی سمجھ لیا جائے (کہ یا تو پھل ظاہر و باطن ہر دو لحاظ سے عمدہ ہوگا یا دونوں لحاظ سے خراب۔ یا ظاہر اچھا باطن خراب یا بالعکس)۔
(وفي رواية المؤمن الذي يقرأ القرآن ويعمل به كالاترجه)	اور ایک روایت میں ہے کہ وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ مثل نارنگی کے ہے۔
قيل لايدخل الجن بيتا فيه اترج ومنه يظهر زيادة حكمة تشبيه قاري القرآن	صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جس مکان میں نارنگی ہوتی ہے وہاں جن کا گذر نہیں ہوتا اس سے قاری قرآن کو نارنگی کے ساتھ تشبیہ دینے کی حکمت اور بھی ظاہر ہو جاتی ہے (یعنی جس گھر میں قرآن کی تلاوت کیجائیگی وہ جن اور شیطان کے اثر سے محفوظ رہے گا واللہ تعالیٰ اعلم)
وقال ابن الرومي سه	

كل خلال التي فيكم محاسنكم
تشابهت فيكم الاخلاق والخلق
كانكم شجر الاترج طاب معاً
حملا و نوراً وطاب العود والورق
(مرقات ص۵۵ ج۷)

اس تشبیہ کی خوبی ابن رومی کے اس شعر سے بھی ظاہر ہے۔

(ترجمہ) تمھارے اندر جتنے بھی خلق ہیں سب عمدہ اور بہتر ہیں (صورت اور سیرت ہر دو کی خوبی کی وجہ سے) تمھارے خلق اور خُلق باہم مشابہ ہوگئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نارنگی کے درخت ہو جو کہ سراپا خوشگوار ہی خوشگوار ہے کہ پھل بھی اسکے نہایت خوبصورت، کلیاں بھی اسکی سبحان اللہ کیا کہنا حتیٰ کہ لکڑی اور پتے بھی اسکے نہایت ہی بہتر اور عمدہ ہوتے ہیں۔

دوسری حدیث سنئے:۔

عن عائشةؓ قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذي يقرء القرآن ويتتعتع فيه وهو عليه شاق له اجران

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن میں ماہر ہو وہ رسل و ملائکہ کے ساتھ ہوگا اور جو شخص کہ قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہو اور اس طرح سے پڑھنا اسکو دشوار بھی معلوم ہوتا ہو تو اسکے لئے دُہرا اجر ہے۔

دیکھئے اس حدیث میں ماہر بالقرآن کی کسقدر فضیلت آئی ہے کہ وہ انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین کے سلک میں منسلک ہوگا اسکی وجہ یہی ہے کہ جس طرح سے انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام نے اس قرآن کو حق تعالیٰ کے یہاں سے لاکر مؤمنین تک پہونچایا ہے اسی طرح سے ماہر قرآن بھی کرتا ہے کہ اسکو یاد کرکے اور اسکی تلاوت کرکے دوسرے مسلمانوں کو بھی اس سے مستفید کرتا ہے۔ ماہر کے متعلق صاحب مرقاۃ نے علامہ طیبی وغیرہ کا نہایت عمدہ کلام نقل فرمایا ہے اسکو بعینہ درج کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں کہ:۔

وقالت طيبي هو الكامل الحفظ الذي لا يتوقف في القراءة ولا يشق عليه قال الجعبري في وصف ائمة القراءة كل من

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ ماہر اسکو کہتے ہیں جو حفظ میں کامل ہو اور قراءۃ میں رکتا اور اٹکتا نہ ہو اور نہ یہ اس پر دشوار ہو۔ علامہ جعبری ائمہ قرأت کے وصف میں فرماتے ہیں کہ۔ ہر وہ شخص ہے جس نے حفظ قرآن کو

اتقن حفظ القرآن واد من درسه
واحكم تجويد الفاظه وعلم مباديه
ومقاطعه وضبط رواية قرائته
وفهم وجوه اعرابه ولغاته
ووقف على اشتقاقه وتصريفه
ورسخ فى ناسخه ومنسوخه
واخذ حظا وافراً من تفسيره
وتاويله وصان نقله
عن الراى وتجافى عن مقاليس
العربية ووسعته السنة
وجلله الوقار وغمره الحياء
وكان عدلا متيقظاً ورعاً
معرضا عن الدنيا مقبلا
عن الآخرة قريبًا من الله فهو
الامام الذى يرجع اليه ويعول عليه و
ويقتدى باقواله ويهتدى بافعاله

نہایت مستحکم کرلیا ہو اور اسکی تلاوت پر مداوم ہو اسکے الفاظ کی تجوید
کو خوب درست کیا ہو اسکے مبادی اور مقاطع کا علم رکھتا ہو (یعنی یہ کہ
کہاں سے ابتدا ہو اور کہاں پر وقف کیا جائے اسکو جانتا ہو) اسکی قرأت
کی روایت سے واقف ہو، وجوہ اعراب اور اختلاف روایات کا
شناسا ہو، حقیقت اشتقاق اور تصریفات کلمہ کو جانتا ہو اسکے ناسخ
اور منسوخ کا علم رکھتا ہو۔ نیز آیات کی تفسیر و تاویل سے اسکو حظ وافر
حاصل ہو اسکی نقل رائے سے خالی ہو۔ عربیت کے قیاسات سے
اجتناب کرنیوالا ہو۔ سنت کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ حیا کی چادر
اور وقار کا جُل (یعنی جھول) اسپر پڑا ہوا ہو۔ عادل ہو متیقظ اور
بیدار مغز ہو۔ پرہیزگار ہو۔ دنیا سے اعراض کرنے والا ہو
آخرت کی جانب توجہ کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے قریب
ہو جس کی یہ شان ہو وہ (ماہر اور) امام ہے اس کی
جانب رجوع کیا جاتا ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے
اور ایسے ہی شخص کے اقوال کی اقتدار کیجاتی اور اسی
کے افعال سے ہدایت حاصل کیجاتی ہے

۳۔ ایک اور حدیث سنئے :۔

عن جابر قال خرج علينا
رسول الله صلى الله عليه وسلم
ونحن نقرء القرآن وفينا الاعرابى
والعجمى فقال اقرؤا فكل
حسن وسيجئ اقوام يقيمونه
كما يقام القدح يتعجلونه

حضرت جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے درآنحالیکہ ہم سب قرآن شریف
پڑھ رہے تھے اور ہم میں عرب کے دیہاتی اور اہل عجم بھی تھے (جو کہ
قرآن اپنے اپنے لہجہ میں پڑھ رہے تھے) آپنے فرمایا پڑھو سب ٹھیک
ٹھیک پڑھ رہے ہو۔ عنقریب ایک قوم ایسی آئیگی جو اسکے الفاظ
کو تو اس طرح سے درست کریگی جیسے تیر کو سیدھا اور درست کیا جاتا ہے

ولا یتأجلونہ -

مگر وہ لوگ اسکا نفع دنیا ہی میں حاصل کرنا چاہیں گے اور انکو آخرت کے ثواب کی فکر نہ ہوگی -

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ :-

(فقال اقرؤا فکل حسن) ای فکل واحدۃ من قرأتکم حسنۃ مرجوۃ للثواب اذا آثرتم الاجلۃ علی العاجلۃ ولا علیکم ان لا تقیموا السنتکم اقامۃ القدح وھو السھم قبل ان یراش (وسیجئ اقوام یقیمونہ) ای یصلحون الفاظہ وکلماتہ ویتکلفون فی مراعاۃ مخارجہ وصفاتہ (کما یقام القدح) ای یبالغون فی عمل القرأۃ کمال المبالغۃ لاجل الریاء والسمعۃ والمباھات والشھرۃ ...

(آپ نے یہ جو فرمایا کہ پڑھو سب ٹھیک ہے) اسکا مطلب یہ کہ تم میں سے ہر ایک کی قرأت ٹھیک ہے اور سب پر ثواب کی امید ہے جبکہ تم لوگ دنیا پر آخرت کو ترجیح دو۔ اور تم پر کچھ ملامت نہیں اس بات پر کہ تم اپنی زبانوں کو مانند تیر کے سیدھا اور درست نکرو۔ اور قدح تیر کی لکڑی کو کہتے ہیں جب تک اس میں پر نہ لگا ہو (آئندہ کچھ لوگ ایسے ہونگے جو اسکو درست تو کرلیں گے) یعنی اسکے الفاظ اور کلمات کی اصلاح کرلیں گے اور اسکے حروف کو ان کے مخارج اور صفات کے ساتھ ادا کرنے میں تکلف سے کام لیں گے اور قرأت میں کمال مبالغہ کریں گے اور مقصد اس سے محض ریاء و سمعہ - فخر و مباہات شہرت و ناموری ہوتی ہے -

قال الطیبی وفی الحدیث رفع الحرج وبناء الامر علی المساھلۃ وتحری الحسبۃ والاخلاص فی العمل والتفکر فی معانی القرآن والغوص فی عجائب امرہ

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ امت سے حرج مرفوع ہے اور امر کی بنا ر مساہلۃ پر ہے اور یہ کہ عمل کو اخلاص کے ساتھ طلب ثواب کی نیت سے کرنا چاہیے نیز یہ کہ قرآن شریف کے معانی میں تفکر اور اسکے عجائب میں گھسنے اور غوطہ لگا کر معانی عجیبہ کے نکالنے کی ترغیب ہے -

واما قول ابن حجر ومع ذلك هم مذمومون لانهم راعوا هذا الامر السهل وزادوا في القبح انهم ضموا الى هذه الغفلة انهم يقرءونه لاجل حطام الدنيا وغير محمود اذ ليس الذم على مبالغتهم في مراعاة الامر السهل بل الذم من جهة ترك الامر المهم (يتعجلونه) اى ثوابه في الدنيا (ولا يتأجلونه) بطلب الاجر في العقبى بل يؤثرون العاجلة على الآجلة ويتأكلون ولا يتوكلون۔

باقی ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ — اس طرح سے الفاظ قرآن کو عمدہ پڑھنے کے باوجود ان لوگوں کی جو مذمت کی گئی ہے تو اس لئے کہ انھوں نے سہل کی رعایت کی اور انکی قبح میں مزید اضافہ اس سے ہوجاتا ہے کہ انھوں نے اپنی اس غفلت کے ساتھ ساتھ یہ بھی کیا کہ اسکو حطام دنیا کے لئے پڑھنے لگے — یہ پسندیدہ نہیں ہے اس لئے کہ انکی مذمت انکے امر سہل کی رعایت میں مبالغہ کرنے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مذمت اس پر ہے کہ ان لوگوں نے امر مہم کو ترک کردیا تھا قرآن شریف کی تلاوت کو دنیا بنالیا تھا کہ اس سے مقصود صرف دنیا کی تعریف وغیرہ چاہنا رہ گیا تھا، تاجیل یعنی اجر کو آخرت میں لینا یہ مد نظر نہیں تھا بلکہ دنیا ہی کو آخرت پر ترجیح دیتے تھے اور اس سے تاکل کرتے تھے اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں کرتے تھے۔

(مرقات ص۱۱۶ ج ۲)

اسوقت آپ کے سامنے تلاوت قرآن سے متعلق تین احادیث بیان کی گئیں، ایک وہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کرنے والوں کی چار قسمیں فرماکر ہر ایک کی مثال بھی بیان فرمائی۔ دوسری وہ جسمیں ماہر بالقرآن کو درجہ میں سفرہ کرام کے ارشاد فرمایا ہے اور تیسری وہ روایت جس میں ایمان واخلاص اور قلب کی شرکت کے ساتھ جو تلاوت ہو اسکی تحسین فرمائی ہے اور صرف زبان صاف کرلینے اور محض الفاظ درست کرکے پڑھنے والوں پر نکیر فرمائی ہے جبکہ وہ فہم وتدبر اور قلب کی شرکت سے عاری ہو اور محض ریاء اور سمعۃ ہو۔

جب آپ نے ان روایات کو مع انکی شرح کے ملاحظہ فرمالیا تو اب یہ سمجھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاری قرآن کی جو یہ تقسیم فرمائی اور پھر ماہر قرآن کی مدح و تعریف فرمائی اور آئندہ آنیوالی ایک قوم کی اسکی لسانی قرأت پر نکیر فرمائی غرض امر قرأت اور تلاوت قرآن کو اسقدر اہتمام کے ساتھ جو بیان فرمایا تو اسی لئے کہ اس سے بتلانا منظور ہے کہ ـــــ تمام ترقیات مؤمن ومسلم کی نظر شارع میں تلاوت قرآن ہی سے وابستہ ہے ـــــ دین کی سعادت کا اسپر موقوف ہونا تو ظاہر ہی ہے، دنیوی زندگی میں بھی راحت وآرام چین وسکون اگر میسر ہو سکتا ہے تو بھی اسی سے کیونکہ تلاوت قرآن میں وہی معتبر ہے جو دل سے ہو یعنی تدبر اور فکر کے ساتھ ہو، اور ظاہر ہے کہ جب اس طرح سے کلام اللہ کی تلاوت کیجائیگی جو کہ افضل الذکر ہے تو اس سے طمانیت قلب حاصل ہوگی جو کہ ساری راحتوں کی اصل ہے چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت ابو بکر جصاص رازیؒ نے اپنی کتاب احکام القرآن باب وجوب ذکر اللہ تعالیٰ میں ذکر کی ایک قسم فکر کو بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

ذکرہ بالفکر فی دلائلہ وآیاتہ وقدرتہ وعظمتہ وھذا افضل الذکر وسائر وجوہ الذکر مبنیۃ علیہ وتابعۃ لہ وبہ یصح معناھا لان الیقین والطمانینۃ بہ تکون قال اللہ تعالیٰ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی واللہ اعلم ذکر القلب الذی ھو الفکر فی دلائل اللہ تعالےٰ وحججہ وآیاتہ وبیناتہ وکلما ازددت فیہا فکراً ازددت طمانینۃ وسکوناً

ایک صورت ذکر کی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے دلائل اور اسکی نشانیوں میں نیز اسکی قدرت اور عظمت میں تفکر کرے اور یہ سب انواع ذکر سے افضل ہے کیونکہ بقیہ تمام وجوہ ذکر اسی پر مبنی ہیں اور اسی کے تابع ہیں بلکہ اسی سے ان کے معنی کی صحت وابستہ ہے اس لئے کہ یقین اور طمانینت کا حصول اسی سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ سن لو! اللہ ہی کے ذکر سے قلوب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ (حقیقت حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے بظاہر) اس ذکر سے مراد ذکر قلبی ہی ہے جس کا دوسرا نام اللہ تعالیٰ کے دلائل میں تفکر اور اسکی حجج اور آیات اور بیّنات میں تدبر کرنا ہے۔ چنانچہ تم جس قدر بھی ان امور میں اپنے تفکر کو زیادہ کروگے اپنے قلبی سکون اور اطمینان کو

وهذا هو افضل الذكر لان سائر الاذكار انما يصح ويثبت حكمها بثبوته

پڑھتا ہوا پاؤ گے اور یہ سب ذکروں سے افضل ہے اسلئے کہ دیگر اذکار کی صحت اور ان کے حکم کا ثبوت اسی پر موقوف ہے۔ (احکام القرآن ص۶۳ ج۲)

دیکھئے امام کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ طمانینت قلب اسی ذکر سے حاصل ہوتی ہے جو قلب سے ہو اس لئے قرآن شریف بھی جو ذکر کا اعلیٰ و افضل فرد ہے وہ بھی جب دل سے یعنی فہم و تدبر کے ساتھ پڑھا جائے گا جب ہی مثمر نفع و برکات ہوگا۔ باقی رہی یہ بحث کہ آیا محض لسانی تلاوت اور ذکر کسی درجہ میں بھی مفید ہے یا نہیں اس پر ہم آگے کلام کریں گے۔ اسوقت صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تلاوت میں اصل وہی ہے جو دل سے ہو یعنی جو اپنے قاری کے قلب کو رنگین کردے چنانچہ تکرار تلاوت کا یہی فائدہ علماء نے بیان فرمایا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح نے جنھیں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رح حکیم الامۃ کہتے تھے اپنی کتاب الفوز الکبیر میں اسی مضمون کو نہایت ہی بلیغ عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ ایک سلسلہ کلام میں فرماتے ہیں:۔

آنچہ خواہم کہ سامع را افادہ نمائم دو قسم باشد یکے آنکہ مقصود آنجا مجرد تعلیم مالا یعلم بود پس مخاطب حکم را نمی دانست و ذہن او ادراک آں نہ کردہ بود و باستماع ایں کلام مجہول معلوم میشود و آں نادانستہ دانستہ گردد۔

جب ہم مخاطب کو کسی بات کا افادہ چاہتے ہیں تو اسکی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں' ایک تو یہ کہ ہمارا مقصد صرف اسقدر ہوتا ہے کہ جس بات سے وہ ناواقف ہے اسکی ہم اسکو تعلیم کردیں پس مخاطب چونکہ پہلے سے کچھ جانتا نہیں بلکہ اسکا ذہن بالکل خالی ہوتا ہے اسلئے ہمارے اس کلام کے سنتے ہی سے اسکا جہل مبدل بہ علم ہوجاتا ہے اور نہ جانی ہوئی بات اسکو معلوم ہوجاتی ہے۔

و دیگر آنکہ مقصود اظہار صورت آں علم در مدرکہ او باشد تا ازاں لذت فراواں گیرد و قوائے قلبیہ و ادراکیہ دراں علم فانی شوند و رنگ ایں علم بر ہمہ غالب آید چنانچہ معنی شعر را کہ ما آنرا دانستہ مکرر می گوئیم و ہر بار لذت می یابیم و برائے

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود صرف تعلیم ہی نہ ہو بلکہ اس علم کی صورت اسکی قوت مدرکہ میں مستحضر کرانا منظور ہو تاکہ وہ اس سے خوب لذت حاصل کرے اور اسکے ادراک اور قلب کے قوی اسمیں فنا ہوجائیں اور اس علم کا رنگ اسکے تمام قویٰ پر غالب آجائے بالکل اسطرح جیسے کسی شعر کے معنی و مطلب

این لذت تکرار آں دوست میداریم
و قرآن عظیم بہ نسبت ہر یک
مطالب فنون خمسہ ہر دو قسم افادہ ارادہ
فرمود۔ تعلیم مالایعلم بہ نسبت جاہل
و رنگین ساختن ہاں علوم بہ سبب تکرار
بہ نسبت عالم اللہم الا اکثر مباحث
احکام کہ تکرار دراں حاصل نہ شود
زیراکہ افادہ دوم آنجا مطلوب نہ بود
لہذا در شریعت بتکرار تلاوت امر فرمودند
بمجرد فہم اکتفاء نہ فرمودند۔
(الفوز الکبیر ص۳۷)

جاننے سمجھنے کے باوجود ہم کبھی اسکو بار بار پڑھتے ہیں
اور اس سے ہر بار لطف اندوز ہوتے ہیں بلکہ اسی لذت
اور لطف کیلئے اسکے بار بار پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔ الغرض افادہ
کی ان دونوں ہی صورتوں کا قرآن عظیم نے اپنے بیان کئے ہوئے
فنون خمسہ میں ارادہ فرمایا ہے یعنی تعلیم مالایعلم بھی مقصود ہے
مگر یہ جاہل کے اعتبار سے، اور نفوس کو ان علوم کے ساتھ انکے
تکرار بیان کے ذریعہ رنگین کرنا بھی منظور ہوا ور یہ عالم کے اعتبار
سے ہاں یہ ضرور ہے کہ (فنون خمسہ میں سے) احکام کے باحث
کو تکرار کے ساتھ نہیں بیان فرمایا گیا وہ اسلئے کہ افادہ کی قسم ثانی
یعنی باطن کو یہاں رنگین کرنا نہیں مقصود ہوتا۔ مگر اور جگہوں میں
چونکہ وہ بھی مقصود ہوا اسلئے شریعت میں بار بار تلاوت کرنیکا
حکم وارد ہے اور صرف فہم معنی پر اکتفا نہیں فرمایا گیا۔

دیکھئے شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کے نزول کا اہم مقصد قلوب کو اسکے مضامین سے رنگین کرنا ہے اور اسکا ذریعہ یہی تلاوت ہے جبکہ لسان کے ساتھ ساتھ قلب کی بھی شرکت ہو، کیونکہ قرآن شریف کی تلاوت کا صحیح فائدہ جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ آدمی اس سے دل پر اثر لے اور اسکے معنی میں تدبر کرے کہ یہی اسکا بطن ہے اور صرف لسانی قرأت اسکا ظہر ہے۔ اسی طرح سے اوپر قرآن شریف کے افادے کے دو درجات جو بیان ہوئے ہیں تعلیم مالم یعلم یہ اسکا ظہر ہے اور دوسرا یہ کہ علم کے رنگ سے رنگین کرنا یہ اسکا بطن ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے الفوز الکبیر میں مضامین قرآن کے ظہر اور بطن کے متعلق خوب عمدہ کلام فرمایا ہے اسکو یہاں بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ

باید دانست کہ ظہر ایں علوم
پنجگانہ چیزی نیست کہ مدلول کلام و منطوق
آں باشد و بطن در تذکیر بآلاء اللہ

جاننا چاہئے کہ جن علوم خمسہ کا ذکر قرآن شریف میں
آیا ہے انکا ظہر تو وہی ہے جو ان کلاموں کے مدلولات اور
انکے صریح مفہومات ہیں مگر بطن ہر ایک کا جدا ہے۔ چنانچہ

تفکر است در آلاء، و مراقبہ حق اُست
و در تذکیر بایام اللہ معرفت مناط مدح و
ذم و ثواب و عذاب است از آں قصص
پند پذیرفتن و در تذکیر بالجنۃ و النار
ظہور خوف و رجا و آں امور را بعین ساختن
و در آیات احکام استنباط احکام
خفیہ بفحاوی و ایماءات۔ و در مخاصمت
فرق ضالہ معرفت اصل آں قبائح و لاحق
ساختن مثل آں بآں۔ و مطلع ظہر معرفت
لسان عرب و آثار متعلقہ بفن تفسیر
و مطلع بطن لطف ذہن و استقامت
فہم بانور باطن و حالت سکینہ است
واللہ اعلم۔ (الفوز الکبیر ص۴۶)

تذکیر بآلاء اللہ کا بطن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر اور حق تعالیٰ
کا مراقبہ ہے۔ اور تذکیر بایام اللہ کا بطن مدح و ذم اور ثواب و عذاب
کے مناشی اور اسباب کی معرفت اور ان قصص سے عبرت و نصیحت
حاصل کرنا ہے اور جنت و دوزخ کے ذکر کا بطن ان امور کے مشاہد طور پر خوف و رجاء
کا پیدا ہو جانا ہے اور آیات احکام کا بطن مضمون کلام اور اشارات سے
مخفی اور پوشیدہ احکام کا استنباط کرنا ہے۔
فرق ضالہ کیساتھ مخاصمہ جو کیا گیا ہے اسکا بطن ان قبائح کی اصل
اور انکے بواعث کا سمجھنا ہے جنمیں وہ مبتلا تھے تاکہ ان جیسے دوسرے
افعال و عقائد کو انکے ساتھ حکم میں لاحق کر دے (یہ) تو شرح تھی
لکل آیۃ منہا ظہر و بطن کی اب لکل حد مطلع کو سمجھئے کہ) ظہر کا مطلع تو
یہ ہے کہ عرب کی زبان اور ان آثار سے واقف ہو جائے جو فن تفسیر سے
متعلق ہیں اور بطن کا مطلع یہ ہے کہ ذہن کو لطف اور فہم کو استقامت
حاصل ہو جائے نور باطن اور سکینہ کے ساتھ۔ واللہ اعلم

مقصد اس بیان سے یہ ہے کہ آپ اس بات کو سمجھ لیں کہ تلاوت کے درجات مختلف ہیں اور میں نے یہ جو کہا ہے کہ "نظر شارع میں مؤمن و مسلم کی تمام ترقیات تلاوت قرآن سے وابستہ ہیں" تو اس سے مراد محض لسانی تلاوت اور زبانی قرأت نہیں ہے بلکہ حقیقی، اصلی، باطنی اور قلبی تلاوت ہے۔ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کے اعتبار سے انسانوں کے چار درجات قائم فرمائے ہیں۔

ایک تو مومن باعمل کی قرأت ہے جو کہ ظاہر سے بھی ہوتی ہے اور باطن سے بھی یعنی یہ شخص لسان سے بھی تلاوت کرتا ہے اور دل سے بھی اسکے مضامین و مفاہیم کی تصدیق کرتا جاتا ہے اور اپنے جوارح کو اسکے مطابق کام میں لگائے جاتا ہے یہی اسکی باطنی تلاوت ہے اور ایسا اسلئے ہوتا ہے کہ مؤمن کیلئے جس طرح سے ایک زبان اسکے جسم میں ہوتی ہے اسی طرح سے ایک زبان اسکے قلب میں بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ظاہری لسان اسی قلبی لسان

کی ترجمان ہوتی ہے دیکھئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ لا یزال لسانک رطباً من ذکر اللہ اسکی شرح میں صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ لسانک ای القالبی او القلبی یعنی یہ جو فرمایا کہ تمہاری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے تو مراد اس سے دونوں ہیں یعنی خواہ وہ قالبی زبان ہو یا قلبی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن کی ایک لسان اسکے قلب میں بھی ہوتی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ منافق کا قلب اسکی زبان پر ہوتا ہے (یعنی اسکے بس زبان ہی زبان ہوتی ہے دل گویا ہوتا ہی نہیں)

چنانچہ اس مومن قاری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اترجہ یعنی نارنگی کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ اسکا ظاہر بھی خوش رنگ اور خوشبودار ہوتا ہے اور باطن بھی نہایت ہی خوش ذائقہ، گویا یہ اپنے مزے اور رنگ کے اعتبار سے خود بھی کامل ہے اور اپنی خوشبو کا فیض چونکہ دوسروں کو بھی پہونچاتا ہے اسلئے مکمل بھی ہے۔ دوسرا درجہ اس مومن عامل کا ہے جو تلاوت نہیں کرتا اسکو حدیث شریف میں تمرہ سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی مزہ تو اسکا شیریں ہے مگر خوشبو اس میں کچھ نہیں ہے۔ اس مثال میں اسکی مدح بھی ہے اور اس کے ایک نقص کا بھی بیان ہے اس طور پر کہ اس نے اپنے باطن کو چونکہ قرآن کے علم سے آراستہ کر رکھا ہے چنانچہ اسکے حرام و حلال پر عامل بھی ہے اسکی وجہ سے اسکو ایمان کی حلاوت اور عمل کی لذت تو نصیب ہے مگر تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے قرآن شریف کی خوشبو سے وہ محروم ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو تمر کے ساتھ تشبیہ دی کہ وہ بھی ظاہراً وصف سے خالی ہوتا ہے کہ اس میں خوشبو وغیرہ کچھ نہیں ہوتی مگر باطن کے اعتبار سے عمدہ ہوتا ہے کہ نہایت شیریں اور بہت لذیذ ہوتا ہے۔

قاریٔ قرآن میں خوشبو کا ہونا اور غیر قاری کا اس سے محروم رہنا بایں وجہ ہے کہ خوشبو تلاوت ہی کا اثر و برکت اور اسکا ثمرہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو ثمرہ کسی شئے کا ہوتا ہے وہ بدون اس شئے کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے قاعدہ ہے کہ جو برکت جس عمل کی ہوتی ہے وہ اسی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور جب اس عمل کو نہ کیا جائے گا تو اس برکت سے محرومی یقینی ہے۔

آپ خود دیکھئے کہ صبر کی یا حلم کی مثلاً جو برکتیں ہیں وہ صبر اور حلم ہی سے حاصل ہوتی ہیں اسی طرح سے نماز روزہ کی جو برکات ہیں وہ ان اعمال کے کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں لہٰذا جو شخص اس عمل کو کرتا ہے اسی کو وہ برکتیں نصیب ہوتی ہیں اور جسے نصیب ہوتی ہیں وہی ان برکتوں کو جانتا اور سمجھتا بھی ہے۔ چنانچہ اس باب میں اسی کا قول معتبر ہے اور جو شخص کوئی عمل ہی نہیں کرتا تو وہ اسکی برکتوں سے بھی محروم رہتا ہے بلکہ اسکو اس کا علم تک نہیں ہوتا اسلئے اسکے بارے میں اسکی بات کا بھی اعتبار نہیں۔ غرض وہ مؤمن جو باطن میں قرآن کے احکام پر عامل ہے لیکن اسکی تلاوت کا تارک ہے تو اس اعتبار سے وہ بلاشبہ پہلے درجہ والے سے کم ہے اور یہ اتنا نقص اس میں ضرور موجود ہے اسلئے اسکو یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ کامل تو ہے مگر مکمل نہیں ہے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مشک کا ڈبہ ہو مگر اس پر کاگ (یعنی ڈاٹ بھی) خوب کس کر لگی ہوئی ہو کہ وہ خوشبو کی چیز سے لبریز تو ہے مگر منہ بند ہونے کی وجہ سے دوسروں کو اسکی خوشبو نہیں پہونچتی بخلاف مؤمن قاری کے کہ اسکی مثال اس ڈبہ جیسی ہے جو مشک سے بھرا ہوا ہو اور منھ بھی اسکا کھلا ہو جسکی وجہ سے خوشبو پھوٹتی ہو اور دوسرں تک پہونچتی ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ان دونوں شخصوں کی یہی مثال آئی ہے ہم وہ حدیث اور مرقاۃ سے اسکی شرح نقل کرتے ہیں:۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تعلموا القرآن فاقرأوہ فان مثل القران لمن تعلم فقرأ و قام بہ کمثل جراب محشو مسکًا تفوح ریحہ کل مکان	رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن سیکھو اور اسکی تلاوت کرو اس لئے کہ قرآن کی مثال اس شخص کے اعتبار سے جو اسے سیکھے اور نماز وغیرہ میں اسکو پڑھے اور اس پر عمل کرے ایسی ہے جیسے کوئی مشکیزہ مُشک سے لبریز ہو جس میں اسکی خوشبو نکل نکلکر تمام جگہ کو معطر کردے اور اس شخص کی مثال جس نے قرآن سیکھا تو مگر اپنے سینے ہی میں لیکر اسکو سو رہا (یعنی شب
و مثل من تعلمہ فرقد وھو فی جوفہ کمثل جراب اوکی علی مسک ۔	و روز کی گھڑیوں میں اسکی تلاوت نہیں کی) ایسی ہے جیسے مُشک سے بھرا تھیلا ہو اور اوپر سے اسکے منھ کو رسی سے باندھ دیا گیا ہو ظاہر ہے کہ پھر اسکی خوشبو باہر نہ نکل سکے گی

اس ارشاد کی وضاحت فرماتے ہوئے علامہ مظہر فرماتے ہیں :۔

من قرأ یصل برکتہ منہ الی بیتہ والی السامعین ویحصل استراحۃ وثواب الی حیث یصل صوتہ فھو کجراب مملو من المسک اذا فتح رأسہ تصل رائحتہ الی کل مکان حولہ۔ ومن تعلم القرآن ولم یقرأ لم یصل برکتہ منہ لا الی نفسہ ولا الی غیرہ فیکون کجراب مشدود راسہ وفیہ مسک فلا یصل رائحتہ منہ الی احد (مرقات ص۵۹۹ ج۲)

مطلب کہ جس شخص نے قرآن کی تلاوت کی تو اسکی وجہ سے اسکی برکت قاری سے متجاوز ہو کر اسکے گھر کو بھی پہونچی اور اور اسکے سننے والوں کو بھی پہونچی اور اسکے عمل کا ثواب اور اس سے راحت وہاں تک کے لوگوں کو پہونچی جہانتک اسکی آواز گئی پس شخص گویا مشکیزہ ہوا جو کہ مشک سے پُر ہے کہ اسکا منھ کھولا جائے تو اسکی بھی خوشبو آس پاس کے سب مقامات تک پہونچتی ہے۔ اور جس شخص نے قرآن پڑھا مگر اسکی تلاوت نہیں کی تو اسکی برکت نہ خود اسکو ملی اور نہ غیر کو لہٰذا یہ شخص اس تھیلے کے مثل ہوا جس میں مشک تو ہو مگر اسکا منھ اوپر سے رسی وغیرہ سے خوب بند ہو جسکی وجہ سے اندر کی خوشبو باہر کسی کو نہیں پہونچتی۔

دیکھئے کس قدر وضاحت کے ساتھ ان دونوں شخصوں کا فرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایک دوسری مثال کے ذریعہ ذہن نشین فرما دیا کہ قرآن کو مُشک سے تشبیہ دی مومن کو ڈبہ یا برتن سے جس میں مشک بھرا ہوا اور اسکے تلاوت کو جو ظاہر ہے منھ کھلنے ہی سے ہو سکتی ہے ڈبہ کے منہ کے کھلے ہونے سے اور اسکی عدم قرأت کو کہ اس حالت میں لب بند ہوتے ہیں ڈبہ کے بند ہونے سے یا تھیلے کے رسی وغیرہ سے بندھے ہونے سے تشبیہ دی اور یہ فرمایا کہ تلاوت کرے گا تو اسکی برکات خود اسکو بھی ملینگی اور دوسرے بھی اس سے فیضیاب ہونگے اور نہ کرے گا تو خوشبو سے محروم رہے گا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قاری جب تلاوت کرتا ہے تو خود بھی محظوظ ہوتا ہے اور دوسرے سننے والوں کو بھی بیخود بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اسی امر کا اظہار اپنے اس شعر میں فرماتے ہیں کہ ؎

نغمۂ سرمدی سنا کے ہمیں مست و بیخود بنا دیا کس نے

بلا شبہ کلام اللہ نغمۂ سرمدی ہی ہے اور اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کی وجہ سے اسکا بھی مصداق ہے کہ ؎

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد برنگ اصحاب ظاہر را بہو ارباب معنی را
(اسکے حسن کی بہار (ہر شخص کے) دل وجاں کو تازہ رکھتی ہے اہل ظاہر کو تو اپنے رنگ سے اور اہل باطن کو اپنی خوشبو سے (لطف اندوز) کرتی ہے)

اور جیسا کہ کسی شاعر نے اپنے کسی ممدوح کے متعلق کہا تھا کہ

کانکہ شجر الاترج طاب معاً حملاً ونوراً وطاب العود والورق

(یعنی) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نارنگی کے ایک درخت ہو جو سراپا خوشگوار ہے کہ پھل بھی اسکے خوبصورت، کلیاں بھی اسکی بارونق حتیٰ کہ لکڑی اور پتے بھی اسکے نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کے ظاہر و باطن کو دیکھکر یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

(یعنی) سر سے لیکر پاؤں تک جہاں سے بھی اسکو دیکھتا ہوں حسین ہی معلوم ہوتا ہے مگر اسکا ناز و انداز دل کے دامن کو اپنی جانب کھینچتا ہے کہ مجھے تو دیکھو اصل دیکھنے کی چیز یہیں ہوں۔

بہرحال مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہوا کہ تلاوت کا بھی شریعت میں ایک مرتبہ ہے اور آپ نے دیکھا کہ یہ لوگوں کی باطنی ترقی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسی لئے علماء نے نہ صرف قرآن شریف ہی کی تلاوت پر امت کو تحریض کی بلکہ حدیث شریف کے ورد رکھنے پر بھی آمادہ کیا ہے۔ کیونکہ جس طرح سے قرآن شریف کی تلاوت سے ایمان کی ترقی ہوتی ہے اور اس کے مضامین ذہن نشین ہوتے ہیں اسی طرح سے حدیث شریف کا ورد رکھنا بھی دینی احکام کے مستحضر رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ اسلئے کہ قرآن شریف ہی کی شرح حدیث شریف ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اپنے وصایا میں فرماتے ہیں کہ :-

اول وصیت ایں فقیر فی النصیحۃ	سب سے پہلی اس فقیر کی کتاب و سنت کے متعلق
والوصیۃ بکتاب سنت در اعتقاد و عمل	وصیت و نصیحت ہے کہ اعتقاد و عمل کو اسکے مطابق رکھیں
و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن	اور اسکے ساتھ ساتھ یکہ تدبیر اور فکر کے ساتھ ان دونوں میں
و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن و اگر	(یعنی قرآن و حدیث میں) مشغول ہوں، اور روزانہ ہر دو سے

طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقے ہردو شنیدن۔ ودرعقائد مذہب قدماء اہلسنت اختیار کردن واز تفصیل وتفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردند اعراض نمودن وتبشکیکات معقولیان خام التفات نکردند ودرفرع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن ودائما تفریعات فقہیہ را برکتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد درحیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن۔ امت را دہیچ وقت از عرض مجتہدات برکتاب وسنت استغنار حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ نہ شنیدن وبدیشاں التفات نکردن وقربت خدا جستن بدوری ایناں۔

کچھ کچھ مقدار تلاوت کیا کریں اور اگر خود نہ پڑھ سکیں تو دونوں کا ایک ایک ورق کسی دوسرے سے سن ہی لیا کریں اور عقائد کے باب میں قدماء اہلسنت کا مسلک اختیار کریں اور اسلاف نے جن امور کی تفصیل وتفتیش نہیں کی ہے اسکی تفتیش میں نہ پڑیں اور معقولیان خام کی تشکیکات خام کی جانب اصلا التفات نکریں اور فروعی مسائل میں محدثین علماء کا اتباع کریں اسلئے کہ یہ حضرات فقہ وحدیث کے جامع ہیں اور ہمیشہ فقہی تفریعات کو کتاب وسنت پر پیش کرتے رہیں جو انکے مطابق ہو اسکو تو قبول کریں اور جو خلاف ہو اسکو رد کردیں۔ غرض امت کو کسی وقت بھی اپنی مجتہدات کو کتاب وسنت پر پیش کرنے سے چارہ نہیں ہے اور ان متقشف (غالی علماء) کی باتوں کو نہ سنے جنھوں نے کہ ایک عالم کی تقلید کو بس دستاویز بنا کر اتباع سنت کو بس بالائے طاق رکھدیا ہے۔ چنانچہ انکی جانب قطعی التفات نکریں بلکہ حق تعالے کے تقرب کو ان سے دور ہی رہنے میں سمجھیں۔

۴ـ ایک اور حدیث سنئے:۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاحسد الا علی اثنین رجل آتاہ اللہ القرآن فھو یقوم بہ آناء اللیل وآناء النھار ورجل آتاہ اللہ مالا فھو ینفق منہ آناء اللیل وآناء النھار (متفق علیہ)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد جائز نہیں ہے مگر دو شخصوں پر ایک تو وہ شخص جسے اللہ تعالے نے قرآن شریف عطا فرمایا یعنی اسکے یاد کرنے کی توفیق دی پس وہ اسے رات کی گھڑیوں میں اور دن کی ساعات میں تلاوت کرتا رہتا ہے، اور دوسرا وہ شخص جسکو اللہ تعالے نے مال نوازا ہو اور وہ اسکو شب وروز مصارف خیر میں صرف کرتا رہتا ہے

صاحب مرقاۃ اسکی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

(فهو يقوم) اى يتلاوته وحفظ مبانيه او بالتامل في احكامه ومعانيه او بالعمل باوامره و مناهيه او يصلى به ....

یقوم بہ کے معنی یہ ہیں کہ اسکی تلاوت کرتا ہے اس کے الفاظ کو حفظ کئے ہوئے ہے یا اسکے احکام اور معانی میں غور و خوض کرتا ہے یا اسکے اوامر پر عمل کرتا ہے اور اسکے مناہی سے باز رہتا ہے یا اسکو نماز میں پڑھتا ہے اور اسکے آداب سے خود کو آراستہ کئے ہوئے ہے۔

قال ميرك الحسد قسمان حقيقي ومجازي فالحقيقي تمني زوال النعمة عن صاحبها وهو حرام باجماع المسلمين مع النصوص الصريحة الصحيحة و اما المجازي فهو الغبط وهي تمني مثل النعمة التى على الغير من غير تمني زوال عن صاحبها فان كانت من امور الدنيا كانت مباحة وان كانت طاعة فهي مستحبة

میرک فرماتے ہیں کہ حسد کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور مجازی۔ حقیقی تو اسکو کہتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت کے زوال کی تمنا کرنے لگے یہ باتفاق جمیع مسلمین حرام ہے اور اسکی حرمت نصوص صریحہ صحیحہ سے ثابت ہے اور حسد مجازی غبطہ کو کہتے ہیں جس میں غیر کی نعمت جیسی نعمت کی خود اپنے خود اپنے لئے تمنا تو کرتا ہو لیکن اس سے زوال کی خواہش نہیں ہوتی اسکا حکم یہ ہے کہ اگر دنیوی امور میں ہو تو مباح ہے اور اگر طاعت میں ہو تو مستحب ہے

والمراد في الحديث لا غبطة محمودة الا في هاتين الخصلتين۔ قال المظهر لا ينبغي ان يتمنى الرجل ان يكون له مثل صاحب نعمة الا ان تكون النعمة مما يتقرب الى الله تعالى كتلاوة القرآن وتصدق بالمال وغيرها من الخيرات

اور حدیث میں یہ مراد ہے کہ غبطہ محمودہ بھی بجز ان دو چیزوں کے اور کسی میں نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ انسان کو نہ چاہیئے کہ یوں تمنا کرنے لگے کہ میں فلاں صاحب نعمت جیسا ہو جاؤں مگر اسوقت جبکہ وہ نعمت اس قبیل سے ہو جس کے ذریعہ حق تعالیٰ کا قرب ڈھونڈھا جاتا ہے مثلاً تلاوت قرآن یا تصدق بالمال یا اور دوسری حسنات اور اعمال خیر۔

۵۔ عن عمر رضـ بن الخطاب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کتاب (قرآن)

ان الله یرفع بهذا الکتاب اقواما ویضع به آخرین

کے ذریعہ بہت سی اقوام کو رفعت اور بلندی بخشیں گے اور کتنی قوموں کو اسی کیوجہ سے پست فرمادیں گے۔

اسکے تحت صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ:۔

(بهذا الکتاب) ای بالایمان و تعظیم شانه والعمل به والمراد بالکتاب القرآن البالغ فی الشرف وظهور البرهان (اقواما) ای درجة جماعات کثیرة فی الدنیا والآخرة بان یحییهم حیوة طیبة فی الدنیا ویجعلهم من الذین انعم الله علیهم فی العقبیٰ۔ (ویضع به آخرین) ای الذین کانوا علی خلاف ذلك عن مراتب الکاملین الی اسفل السافلین قال الله تعالیٰ یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا فهو ماء للمحبوبین ودماء للمحجوبین وقال عزوجل وننزل من القرآن ماهو شفاء ورحمة للمؤمنین ولا یزید الظلمین الا خسارا قال الطیبی

(اس کتاب کے ذریعہ) یعنی اسپر ایمان لانے اسکی تعظیم وتکریم کرنے اور اسکے احکام پر عمل کرنے کیوجہ سے اور کتاب سے مراد قرآن شریف ہے جو شرف وکرامت اور ظہور برہان کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہے۔

(اقوام کو رفعت بخشیں گے) یعنی ایک کثیر جماعت کو اسکی وجہ سے دین ودنیا میں بڑے بڑے مراتب ملیں گے اس طرح سے کہ دنیا میں انکو حیوۃ طیبہ عطا فرمادیں گے اور آخرت میں ان حضرات کے زمرہ میں شامل فرمادیں گے جن پر حق تعالیٰ کا خاص فضل وانعام ہوگا۔ اور جو لوگ ایسے نہونگے یعنی قرآن سے تعلق نہ رکھیں گے نہ علماً نہ عملاً نہ فہماً نہ تلاوۃً وہ کاملین کے مراتب سے اسفل السافلین میں گرادیئے جائیں گے اور یہ قرآن کا دو مختلف عمل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسکے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت بخشتا ہے۔ الغرض یہ قرآن محبوبین کیلئے ماء (پانی) ہے اور محجوبین کیلئے دماء (یعنی خون) چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم قرآن میں ایسی چیز نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفا ورحمت ہے اور ناانصافوں کو اس سے اور الٹا نقصان بڑھتا ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اسکو پڑھا اور اس پر اخلاص کے ساتھ

فمن قرأہ وعمل بہ مخلصاً رفعہ	عمل کیا اللہ تعالیٰ اسکو رفعت بخشیں گے اور جو شخص ریاکاری
اللہ ومن قرأہ مرائیاً غیر عامل	کے لئے تلاوت کریگا اور عمل بھی اس پر نکرے گا۔
وضعہ اللہ (مرقات ص۵۸۳ ج۲)	اللہ تعالیٰ اسکو پست فرمادیں گے۔
۲ — عن عبد اللہ بن عمرو	حضرت عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ
قال قال رسول اللہ صلی اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت میں) قاریٔ قرآن سے
علیہ وسلم یقال لصاحب القرآن	کہا جائے گا کہ تلاوت کرتے جاؤ اور درجات پر چڑھتے جاؤ
اقرأ وارتق ورتل کما کنت	اور اسی طرح ترتیل کے ساتھ پڑھو جس طرح دنیا میں تم پڑھتے
ترتل فی الدنیا فان منزلک	تھے اسلئے کہ تمھارا آخری مقام وہی ہوگا جہاں تمھاری
عند آخر آیۃ تقرأھا۔	آخری آیت ہو۔

صاحب مرقات اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ:۔

(یقال) ای عند	(اس سے کہا جائیگا) یعنی بوقت داخلۂ جنت کے
دخول الجنۃ وتوجہ	جس وقت کہ سب عالمین اپنے اپنے عمل کے بقدر مراتب
العالمین الی مراتبھم	پا کر اسکی جانب متوجہ ہو رہے ہوں۔ اسوقت صاحب قرآن
علی حسب مکاسبھم (لصاحب	سے یہ کہا جائیگا۔ اور صاحب قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو
القرآن) ای من یلازمہ بالتلاوۃ	اسکی تلاوت پر مداوم رہا ہو اور اسپر عامل ہو نہ وہ شخص جو
والعمل لامن یقرءہ وھو یلعنہ	قرآن کو اس طرح پڑھتا ہو کہ خود قرآن اس پر لعنت کرتا ہو۔
(اقرأ وارتق) ای الی درجات	(پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ) یعنی جنت کے درجات اور
الجنۃ ومراتب القرب (ورتل)	قرب کے مراتب کی جانب (ورتل) یعنی ترتیل سے
ای لاتستعجل فی قراءتک فی	پڑھو اور جلدی نکرو بالخصوص جنت میں کہ یہ مقام تو محض
الجنۃ التی ھی لمجرد التلذذ	تلذذ ہی کیلئے اور خالق اکبر کے مشاہدہ کے لئے ہے جیسے
والشھود الاکبر کعبادۃ الملائکۃ	فرشتوں کی عبادت کہ اس سے یہی مقصود ہے۔
(کما کنت ترتل) ای قرأتک وفیہ	(جسطرح دنیا میں پڑھتے تھے) مطلب یہ کہ ٹھیر ٹھیر کر پڑھو
اشارۃ الی ان الجزاء علی وفق الاعمال	اس سے معلوم ہوا کہ جزا بھی اعمال ہی کے مطابق ملے گی

كمية وكيفية ـــــ (في الدنيا) من تجويد الحروف ومعرفة الوقوف الناشي عن علوم القرآن و معارف الفرقان ـ

کمیت کے اعتبار سے بھی اور کیفیت کے اعتبار سے بھی۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں تجوید کے ساتھ اور وقوف کے قواعد کی رعایت کرکے انسان پڑھتا ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب دنیا میں تلاوت کرے اور علوم قرآنیہ اور معارف فرقانیہ سے واقف ہو

قال الطيبي وقيل المراد ان الترقي يكون دائماً فكما ان قرأته في حال الاختتام استدعت الافتتاح الذي لاانقطاع له كذالك هذه القرأة والترقي في المنازل التي لاتتناهي وهذه القرأة لهم كالتسبيح للملائكة لاتشغلهم من مستلذاتهم بل هي اعظم مستلذاتهم (مرقات ص۵۸ ج۹)

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام کی شرح میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکی ترقی دائماً ہوتی رہے گی جس طرح سے کہ جب اسکی قرأت اور تلاوت دنیا میں ختم ہو جاتی تھی تو وہ دوبارہ شروع کرلیتا تھا اور اسمیں انقطاع نہ ہوتا تھا بلکہ یکے بعد دیگرے وہ مسلسل پڑھتا ہی رہتا تھا اسی طرح سے قیامت میں اسکی قرأت اور درجات کی ترقی غیر متناہی مدارج تک ہوتی رہیگی اور یہ قرأت انکے لئے بمنزلہ تسبیح ملائکہ کے ہوگی کہ کوئی دوسری لذیذ شئے اس میں مانع نہ ہوگی بلکہ اس سے بڑھکر ان کے نزدیک کوئی شئے لذیذ ہی نہ ہوگی۔

۷ ـ ایک اور حدیث سنیئے :-

عن ابي سعيدؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الرب تبارك وتعالى من شغله القرآن عن ذكري ومسئلتي اعطيته افضل ما اعطي السائلين وفضل كلام الله على

حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے اور حدیث قدسی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو قرآن میری یاد سے اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کردے یعنی اسکو قرآن میں مشغولی کیوجہ سے میرے ذکر کی اور مجھ سے سوال کرنے کی نوبت اور موقع ہی نہ آئے تو میں اسکو اس سے کہیں بہتر اور بڑھکر دونگا جو اپنے سے سوال کرنیوالوں کو دیتا ہوں

سائر الکلام کفضل اللہ علیٰ خلقہٖ۔ — اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو اور دوسرے کلاموں پر ویسی شرف و برتری حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی خلق پر ہے۔

صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ :۔

(من شغلہ القرآن) ای حفظہٗ و علم مبانیہ و تدبر معانیہ والعمل بما فیہ (افضل ما اعطی السائلین) قیل شغل القرآن القیام بمواجبہ و حقوقہ ومسئلتی عطف تفسیری ای لایظن المشغول بہ انہ اذا لم یسأل لم یعط حوائجہ علی اکمل العطاء فانہ من کان للہ کان اللہ لہ۔

(قرآن مشغول کرلے) یعنی اسکا حفظ اسکے الفاظ کی تلاوت اسکے معانی کا تدبر اور اسکے احکام پر عمل ان امور میں منہمک ہونے کی وجہ سے ذکر اور دعا نہ کرسکے ایک قول یہ بھی ہے کہ شغل قرآن سے مراد اسکے تقاضے پر عمل اور اسکے حقوق کی ادائیگی ہے اور مسئلتی عطف تفسیری ہے۔ مطلب یہ کہ جو شخص قرآن شریف میں مشغول ہو وہ یہ خیال نہ کرے کہ جب تک وہ سوال نہ کریگا خاطر خواہ اسکی حوائج پوری نہ ہوں گی ایسا نہیں ہے بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے (جیسا کہ یہ شخص) تو اللہ تعالیٰ بھی اسکے ہو جاتے ہیں یعنی بدون سوال کے اسکی حاجات کی کفالت فرماتے ہیں۔

وعن الشیخ العارف ابی عبد اللہ بن خفیف قدس اللہ سرہ شغل القرآن القیام بموجباتہ من اقامۃ فرائضہ والاجتناب عن محارمہ فان الرجل اذا اطاع اللہ ذکرہ وان قلت صلاتہ وصومہ واذا عصاہ فقد نسیہ وان کثرت صلاتہٗ وصومہٗ

اور شیخ عارف ابو عبد اللہ بن خفیف قدس اللہ سرہ سے منقول ہے کہ قرآن شریف کے ساتھ مشغولی یہ ہے کہ انسان اسکے موجبات کے ساتھ قائم ہو یعنی اسکے فرائض پر عامل ہو اور اسکے محارم سے مجتنب ہو کیونکہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے تو گویا اسکا ذکر ہی کرتا ہے اگرچہ ظاہری اعمال و اذکار نماز و روزہ اسکے کم ہی کیوں نہ ہوں اور اسکی نافرمانی کرتا ہے تو یہ نسیان و غفلت ہے اگرچہ اسکا نماز روزہ زیادہ ہو۔

(کفضل اللہ علیٰ خلقہٖ) — اور جسطرح سے کہ کلام اللہ کو دیگر کلام پر ایسی فضیلت

ای وکن الک فضل الاشتغال	ہے جیسی کہ اللہ تعالیٰ کو اسکی مخلوقات پر ۔ اسی طرح سے
والمشتغل بہ علیٰ	کلام اللہ کے ساتھ شغل یعنی تلاوت اور عمل کو نیز کلام اللہ
غیرہ ۔ کان وجہ الاستغناء	کے ساتھ شاغل یعنی قاری اور عالم کو بھی غیر پر ایسا ہی
عن ذکر الذاکرین بذکر	شرف ہے ۔ پہلے فرمایا تھا" عن ذکری ومسئلتی" مگر
السائلین انھم من جملتھم	بعد میں صرف سائلین کا ذکر فرمایا اور ذاکرین کا تذکرہ نہیں
من حیث انھم سائلون	لائے، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ سائلین میں ذاکرین بھی داخل
بالفعل او القوۃ اذ لسان	ہیں اسلئے کہ ذاکرین یا تو بالفعل سوال کرنے والے ہیں
حال کل مخلوق ناطق	اور یا نہیں تو بالقوہ سائل ہیں ہی اسلئے کہ تمام مخلوق بہ لسان
بالافتقار الی نعم الحق و امدادہ	حال اپنے فقر اور حق تعالیٰ کی نعمتوں کی جانب اپنی احتیاج
بعد ایجادہ (مرقات ۵۹۰ ج ۲)	کی مظہر اور پیدا کرنے کے بعد اسکی امداد کی طالب ہے

۸ ۔ ایک اور حدیث سنیئے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود قرآن شریف کے اوصاف بیان فرماتے ہیں ۔

عن الحارث الاعور رضؓ	حضرت حارث اعور رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے
قال مررت فی المسجد فاذا	ہیں کہ میرا گذر مسجد میں ہوا دیکھا کہ لوگ ادھر ادھر کی بیکار باتوں
الناس یخوضون فی الاحادیث	اور قصہ کہانیوں میں مشغول ہیں یہ منظر دیکھکر میں حضرت علی رضؓ
فدخلت علی علی رضؓ فاخبرتہ	کیخدمت میں حاضر ہوا اور اسکی اطلاع کردی ۔ فرمایا
فقال اوقد فعلوھا قلت نعم	کیا واقعی لوگ ایسا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں ۔ فرمایا کہ
قال اما انی سمعت رسول اللہ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے
صلی اللہ علیہ وسلم یقول	کہ لوگو! سن لو کہ عنقریب فتنۂ عظیم ہونے والا ہے ۔ میں نے
الا انھا ستکون فتنۃ قلت	عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت اس سے خلاصی کی کیا
ما المخرج منھا یارسول اللہ	صورت ہوگی؟ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی کتاب" (ہی میں
قال کتاب اللہ ۔ فیہ نبأ	اسکی خلاصی ہے) اسلئے کہ اسکے اندر پہلے لوگوں کی خبریں
ما قبلکم وخبر ما بعدکم	ہیں اور آنے والوں کے حالات ہیں ۔ تمھارے آپس کے

وحكم ما بينكم هو الفصل ليس بالهزل۔ من تركه من جبار قصمه الله ومن ابتغى الهدى في غيره اضله الله وهو حبل الله المتين وهو الذكر الحكيم وهو الصراط المستقيم هو الذي لا تزيغ به الاهواء ولا تلتبس به الالسنة ولا يشبع منه العلماء ولا يخلق عن كثرة الرد ولا ينقضي عجائبه وهو الذي لم تنته الجن اذ سمعته حتى قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا يهدي الى الرشد فآمنا به۔ من قال به صدق ومن عمل به اجر ومن حكم به عدل ومن دعا اليه هدي الى صراط مستقيم

اختلافات کا حل اور فیصلہ ہے وہ ایک قطعی اور یقینی چیز ہے لغو اور ہزل نہیں ہے۔ جو جابر اسکو چھوڑ یگا اللہ تعالیٰ اسکو توڑ دیں گے اور جو شخص ہدایت کو اسکے غیر میں تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسکو گمراہ فرما دیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مستحکم رسی ہے اور اسکا ذکر حکیم ہے وہی صراط مستقیم ہے اور ایک ایسی چیز ہے کہ اسکی موافقت کی وجہ سے خواہشات میں کجی نہیں واقع ہو سکتی اور اسکے ساتھ زبانیں تلبیس نہیں ہو سکتیں علماء کو اس سے سیری اور سیرابی نہیں حاصل ہوتی اور نہ یہ کثرت تکرار سے کبھی پرانا ہی ہوتا ہے اور اسکے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ یہی وہ کلام ہے جسکو سنکر جن بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے۔ جس شخص نے اسکے ذریعہ کوئی بات کہی اس نے سچ کہا۔ جس نے اس پر عمل کیا وہ اجر دیا گیا اور جس نے اسکے ساتھ حکم کیا اس نے عدل کیا اور جس نے اسکی جانب دعوت دی وہ سیدھے رستہ کی جانب ہدایت کیا گیا۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ کیا اوصاف بیان فرمائے ہیں قرآن شریف کے بیشک وہ ایسا ہی ہے۔ ہمارے اسلاف نے اسکو ایسا ہی سمجھا تھا اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی قدر و منزلت کی تھی جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انکو معزز کیا اور آج ہم نے اپنے اسلاف کا یہ سبق بھلا دیا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کی بھی نظر اعتبار سے ساقط ہو گئے ہیں۔

روایات سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن شرعاً مطلوب اور ایک امر محمود ہے وہیں یہ بھی روایتوں میں آتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کرکے دنیا کمانے والے پر حق تعالیٰ کی نہایت درجہ ناراضگی ہے اور وہ شخص مورد سخط ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

عن بریدہؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن یتأکل بہ الناس جاء یوم القیامۃ ووجہہ عظم لیس علیہ لحم

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں قرآن کو لوگوں سے کھانا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا تو قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اسکے چہرہ پر گوشت نہ ہوگا

اور اسکی وجہ صاحب مرقات نے بہت عمدہ بیان فرمائی ہے سنیئے فرماتے ہیں کہ:

لما جعل اشرف الاشیاء واعظم الاعضاء وسیلۃ الی ادناھا وذریعۃ الی اردئھا جاء یوم القیامۃ فی اقبح صورۃ واسوء حالۃ۔

جب کہ اس شخص نے اپنے اشرف اعضاء اور اعلیٰ ترین عضو کو ادنیٰ اور ردی شئے کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ بنایا تو (اسکی یہ سزا ہوگی کہ) یہ شخص قیامت میں بدترین شکل اور نہایت ہی مذموم حالت میں آئے گا۔

قال بعض العلماء استجرار الجیفۃ بالمعازف اھون من استجرارھا بالمصاحف۔ وفی الاخبار من طلب بالعلم المال کان کمن مسح اسفل مداسہ ونعلہ بمحاسنہ لینظفہ

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ گا بجا کر مردار دنیا کا حاصل کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے انسان دنیا کمائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے علم کے ذریعہ سے مال کمایا تو وہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنے جوتے کے تلے کو اپنی ریش سے صاف کرے۔

وروی عن الحسن البصری انہ قال البھلوان الذی یلعب فوق الحبال احسن من الذین یمیلون الی المال لانہ یأکل الدنیا بالدنیا وھولاء یاکلون الدنیا بالدین فیصدق علیھم قولہ تعالیٰ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ وہ نٹ یا مداری جو رسی پر چلکر (کھیل دکھاتا پھرتا ہے) ان علماء سے کہیں اچھا ہے جو کہ (علم کے ذریعہ سے) دنیا کماتے ہیں اسلئے کہ وہ تو دنیا کو دنیا کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور یہ لوگ دنیا کو دین کے ذریعہ کماتے ہیں پس ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بالکل صادق آتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے سو سودمند نہوئی انکو یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے۔ اور علامہ شاطبی نے

وقد مدح الشاطبی القراء السبعۃ و

قراء سبعہ اور انکے رُواۃ کی اسی وصف کے ساتھ مدح

رواتهم بقوله ؎
تخيرهم نقادهم كل بارع
وليس على قرآنه متاكلا

فرمائی ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ ۔ " انکے ناقد نے ان حضرات کو ہر ماہر پر ترجیح دی اور سب سے بڑی بات جو اس جماعت میں تھی وہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے قرآن کو کھانا نہیں بنایا تھا۔

ایک دوسری حدیث سنیئے :۔

عن عمران بن حصين انه مر على قاص يقرأ ثم يسئل فاسترجع ثم قال سمعت رسول الله صلى عليه وسلم يقول من قرأ القرآن فليسأل الله به فانه سيجئ اقوام يقرأون القرآن يسألون به الناس ۔

حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ وہ ایک واعظ (قصہ گو) کے پاس سے گذرے جو قرآن پڑھکر لوگوں سے سوال کرتا تھا آپ نے یہ حال دیکھکر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور یہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ یہ فرماتے تھے کہ جو شخص قرآن پڑھے اسکو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے اس لئے کہ آئندہ زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو قرآن پڑھے گی اور اسکے ذریعہ سے لوگوں سے سوال کرے گی

اس کے تحت صاحب مرقات لکھتے ہیں :۔

فاسترجع اى عمران يعنى قال انا لله وانا اليه راجعون لانه بدعة وظهور معصية وامارة القيامة ۔

"فاسترجع" یعنی حضرت عمران نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اسلئے کہ یہ طریقہ بدعت تھا اور اظہار معصیت تھا اور علامات قیامت میں سے تھا

(من يقرأ القرآن فليسئل الله به) اى فليطلب من الله تعالى بالقرآن ما شاء من امور الدنيا والآخرة لا من الناس

"فلیسئل اللہ بہ" یعنی قرآن پڑھو تو اسکے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہی سے اپنی دینی اور دنیوی حاجات طلب کرو لوگوں سے مت طلب کرو

او المراد انه اذا مر باية رحمة فليسألها من الله تعالى او باية عقوبة فيتعوذ اليه بها منها ۔

یا مراد یہ ہے کہ جب آیت رحمت پر گذرے تو اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرے اور جب عقوبت کی آیات پر گذر ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس آیۃ کے ذریعہ پناہ مانگے

واما ان يدعو الله عقيب القراءة بالادعية الماثورة ۔

یا مطلب یہ ہے کہ تلاوت ختم کرنے کے بعد منقول دعاؤں کے ساتھ دعا مانگے ۔

. وینبغی ان یکون الدعاء فی امر الآخرۃ واصلاح المسلمین فی معاشھم ومعادھم ۔ اور مناسب ہے کہ دعا آخرت کے امور اور عام مسلمین کی اصلاح معاش و معاد سے متعلق ہو۔

دیکھئے اس حدیث میں صاف ارشاد فرما رہے ہیں تلاوت قرآن کر کے انسان کو چاہئے کہ اپنی دینی و دنیوی جملہ حوائج کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرے اللہ تعالیٰ سے اس ہمکلامی کے بعد غالب یہی ہے کہ انسان جو بھی دعا کرے وہ قبول ہوگی۔ اور اسکو کس قدر نا پسند فرما رہے ہیں کہ آدمی خدا تعالیٰ کا تو کلام پڑھے اور اپنی حاجات کسی دوسرے سے طلب کرے۔

اب اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو کیسا ذریعہ مرحمت فرما دیا ہے اس پر بھی اگر ہم اُدھر متوجہ نہوں تو یہ ہماری انتہائی بدنصیبی ہے۔

ایک اور حدیث سنئے :۔

عن عبیدۃ الملیکی وکانت لہ صحبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اھل القرآن لاتتوسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہ من اناء اللیل والنھار وافشوہ وتغنوہ وتدبروا مافیہ لعلکم تفلحون ولا تعجلوا ثوابہ فان لہ ثوابًا۔ حضرت عبیدہ ملیکی سے روایت ہے اور یہ صحابی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل قرآن! قرآن کو تکیہ نہ بنا لینا بلکہ اسکو تلاوت کرنا دن اور رات کی گھڑیوں میں اور اسکی اشاعت کرنا اور اسکے ذریعہ غیر سے مستغنی ہو جانا اور اسکے مضامین میں تدبر کرنا شاید کہ تمکو فلاح نصیب ہو جائے اور اسکا ثواب دنیا ہی میں نہ طلب کرنے لگنا اس لئے کہ اسکے لئے اجر ہے اور اسکی جگہ آخرت ہے۔

قال الطیبی لاتتوسدوا یحتمل وجھین احدھما ان یکون کنایۃ رمزیۃ عن التکاسل ای لاتجعلوہ وسادۃ تنامو بل قوموا واتلوہ اناء اللیل واطراف النھار وھذا معنی قولہ فاتلوہ حق تلاوتہ وثانیھما ان یکون کنایۃ تلویحیۃ عن التغافل علامہ طیبی کہتے ہیں کہ لا تتوسدوا جو فرمایا تو اسکے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کنایہ رمزیہ ہو تکاسل سے یعنی اسکو تکیہ نہ بناؤ کہ جس پر سوؤ بلکہ اسکے ساتھ قیام کرو اور رات دن کی ساعات میں اسکی تلاوت کرو یہی معنی ہیں فاتلوہ حق تلاوتہ کے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہو تغافل سے۔

فان من جعل القرآن وسادة یلزم منه النوم فیلزم منه الغفلة یعنی لاتغفلوا عن تدبر معانیه وکشف اسراره ولاتتوانوا فی العمل بمقتضاه والاخلاص فیه وھذا معنی قوله حق تلاوته

مطلب یہ کہ اسکے معانی میں تدبر کرنے اور اسرار کے کشف کرنے سے غافل نہ ہو اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنے سے سست نہ ہو۔ اور اس میں اخلاص کے ساتھ لگے یہی معنی ہیں حق تلاوتہ کے۔

(وافشوه) ای بالجھر والتعظیم۔

اور وافشوہ کے معنی ہیں کہ اسکی جہراً تلاوت کرو اور دوسروں کو پڑھا کر اسکی اشاعت کرو اسپر عمل کرو اسکو لکھو اور چھاپو اور اس کی تعظیم کرو۔

(ولاتعجلوا) ای لاتستعجلوا ثوابه۔ قال الطیبی ای لاتجعلوا من الحظوظ العاجلة (فان له ثوابا) ای ثبوته عظیمة اجلة

اور اسکے ثواب کی جلدی مت کرو۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ اسکو دنیوی حظوظ نہ بنا لو بلکہ اسکو ذخیرۂ آخرت بناؤ کیونکہ آخرت میں اسکے لئے بڑا اجر ہے۔

جس تلاوت کا مطالبہ مسلمانوں سے ہے وہ وہ ہے جو قلب کی شرکت کے ساتھ ہو محض لسانی قرأت اور لہجہ کا درست کرنا اور قلب کا غافل رہنا یہ شارع کے نزدیک نہایت ہی ناپسندیدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ

اقرؤا القرآن بلحون العرب واصواتھا وایاکم ولحون اھل العشق ولحون اھل الکتابین وسیجئ بعدی قوم یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والنوح لایجاوز حناجرھم مفتونة قلوبھم وقلوب الذین یعجبھم شانھم

قرآن کو عرب کے لہجہ اور انکی آواز اور طرز سے پڑھا کرو اور اہل عشق اور یہود و نصاریٰ کے لہجوں سے بچو۔ میرے بعد ایک ایسی قوم آئیگی جو قرآن کو گانے اور نوحہ کے طور پر منہ میں گنگنائے گی مگر وہ ان کے گلے سے آگے نہ تجاوز کرے گا۔ ان لوگوں کے قلوب بھی مفتون ہونگے اور ان کے بھی جنکو انکا پڑھنا اچھا معلوم ہوگا اور شوق سے اسکو سنیں گے۔

قال الطیبی لحون جمع

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ لحون لحن کی جمع ہے

لحن وھو التطریب و ترجیع الصوت۔ قال صاحب جامع الاصول ویشبہ ان یکون مایفعلہ القرّاء فی زماننا بین یدی الوعاظ من اللحون العجمیۃ فی القرآن مانھی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جس کے معنی گانے اور آواز کو منہ میں لوٹانے کے ہیں صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں کہ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیساکہ ہمارے زمانہ کے قاری صاحبان (جلسہ وغیرہ میں) واعظوں کے وعظ سے پہلے عجمی لہجہ میں قرآن کو گا گا کر پڑھتے ہیں اور گلا پھاڑ پھاڑ کر آواز نکالتے ہیں اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

(لایجاوز حناجرھم) قال الطیبی ای لایصعد عنھا الی السماء ولایقبلہ اللہ منھم ولاینحدر عنھا الی قلوبھم لیتدبروا آیاتہ ویعملوا بمقتضاہ۔

لایجاوز حناجرھم۔ طیبی کہتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ انکی یہ قرأت آسمان کی جانب نہ چڑھے گی یعنی اللہ تعالیٰ اسکو انسے قبول نہ فرمائیں گے اور نہ اثر کرنے کیلئے ان کے قلوب ہی کے اندر اترتی ہے کہ وہ تدبر کریں اور اسکے مقتضیٰ پر عمل کریں۔

(مفتونۃ) ای مبتلی بحب الدنیا وتحسین الناس۔

مفتون ہیں یعنی حب دنیا میں اور تعریف پسندی میں یہ لوگ مبتلا کردیئے گئے ہیں۔

(یعجبھم شأنھم) ای یستحسنون قرأتھم ویستمعون تلاوتھم۔

یعجبھم شأنھم یعنی جنکو انکی قرأت اچھی لگے اور جو لوگ انکی قرأت کو سنیں ان سب کا وہی حال ہوگا جو خود انکا ہوگا کہ سب مفتون القلب ہوں گے۔

باقی تلاوت یوں اگر ان منکرات سے خالی ہو تو اسکو حسن صوت سے پڑھنا یہ امر مطلوب ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ:۔

حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنًا۔

تلاوت قرآن کو اپنی آواز کے ساتھ زینت دو یعنی اچھی آواز سے اسکو پڑھو اس لئے کہ اچھی آواز سے قرآن کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے۔

دیکھئے کس قدر اعتدال ہے کہ اہل عشق اور اہل کتاب کے نغمہ سے پڑھنے کو منع فرمایا لیکن اہل عرب کے لہجہ کے ساتھ پڑھنے کا امر فرمایا اور خوش آوازی کے ساتھ قرأت

کرنے کو قرآن کا زیور بھی فرمایا۔

اس مقام پر ایک بات یہ بھی یاد رکھئے کہ تلاوت کی اسقدر فضیلت سننے کے بعد جی تو یہ چاہتا ہوگا کہ ہر وقت تلاوت ہی کرتا رہے لیکن دنیوی مشاغل سے چھٹکارا نہیں ملتا اسلئے ہم کرتے یہ ہیں کہ جب زیادہ نہیں کر پاتے تو کم کو بھی ترک کر دیتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے لوگوں کی نیز ضعفاء اور کم پڑھے لکھے لوگوں کی بھی رعایت فرمادی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولا یستطیع احدکم ان یقرأ الف آیۃ فی کل یوم قالوا ومن یستطیع ان یقرأ الف آیۃ فی کل یوم قال اما یستطیع احدکم ان یقرأ الھٰکم التکاثر۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم لوگ اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں تلاوت کر لیا کرو، صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں کون روزانہ ایک ہزار آیات تلاوت کر سکتا ہے (یہ تو بہت زیادہ ہے) آپ نے فرمایا کیا تم لوگ اتنی بھی استطاعت نہیں رکھتے کہ (ہر روز) الھٰکم التکاثر پڑھ لیا کرو۔

اس قسم کی بہت روایتیں ہیں نمونہ کے لئے ہم ایک اور روایت لکھتے ہیں

عن سعید بن المسیب مرسلاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ قل ھو اللہ احد عشر مرات بنی لہ بہا قصر فی الجنۃ ومن قرأ عشرین مرۃ بنی لہ بہا قصران فی الجنۃ فقال عمر بن الخطاب واللہ یا رسول اللہ اذا لنکثرن قصورنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اوسع من ذلک

حضرت سعیدؓ بن مسیب سے مرسلاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قل ھو اللہ احد دس مرتبہ پڑھ لیا تو اسکے عوض اس کیلئے جنت میں محل بنایا جائے گا اور جس شخص نے بیس دفعہ اسکو پڑھا اسکے لئے جنت میں دو محل بنائے جائیں گے یہ سنکر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس صورت میں تو ہم بہت سے محل بنالیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں کمی کیا ہے؟ وہ تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔

اور سنئے :-

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء قیل یارسول اللہ وما جلاءھا قال کثرت ذکر الموت وتلاوۃ القرآن

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قلوب کو بھی کبھی زنگ لگ جایا کرتا ہے جس طرح کہ لوہا پانی لگ جانے کی وجہ سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ پھر اسکی صفائی کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن شریف کی تلاوت کرنا۔

دیکھئے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن کو قلب کا زنگ دور کرنے والی چیز فرما رہے ہیں چنانچہ آج مشاہدہ ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو دین سے جو بعد ہے اور جاننے اور سمجھنے کے بعد بھی دین اختیار کرنا انکے لئے جو موت ہے تو وہ اسی زنگ کا اثر ہے جسکی خبر صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور یہ آپؐ کا غایت کرم ہے کہ ایسی شدید بیماری کا کیسا سہل علاج بھی بیان فرما دیا اب کوئی شخص خود زہر ہی کھائے اور تریاق بھی نہ استعمال کرے تو اس کا کیا علاج ؟ اللہ و رسول نے تو طرح طرح سے ہم کو ضلالت اور پستی سے نکالا ہے مگر ہم ان ارشادات ہی پہ کان نہ دھریں تو یہ ہماری بے عقلی ہے۔ اب جو لوگ کہ دین سے دور ہیں وہ تو دور ہی ہیں مگر جو لوگ کہ دیندار سمجھے جاتے ہیں دیکھا جاتا ہے کہ حدیث و قرآن نہ جاننے کی وجہ سے وہ بھی بڑی حد تک گمراہی کا شکار رہتے ہیں۔ کسی بزرگ کے پاس گئے تو وظیفہ کا مطالبہ کیا اور اوراد کے چکر میں پڑ گئے، لیکن اللہ و رسول نے جو اوراد بتائے ان سے اصلاً ناواقف ہیں یا یہ کہا جائے کہ واقف ہیں اور اعتقاد نہیں ہے۔ سنئے قرأۃ قرآن کے متعلق کیا فرماتے ہیں :-

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قرأۃ القرآن فی الصلوٰۃ افضل من قرأۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ وقرأۃ القران

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں قرآن کا پڑھنا خارج نماز میں پڑھنے سے افضل ہے۔ اور خارج نماز میں قرآن کا پڑھنا تسبیح، تکبیر سے بڑھکر ہے

فی غیر الصلوٰۃ افضل من التسبیح والتکبیر	اور تسبیح افضل ہے صدقہ سے اور صدقہ کرنا افضل
والتسبیح افضل من الصدقۃ والصدقۃ	ہے روزہ رکھنے سے، اور روزہ دوزخ
افضل من الصوم والصوم جنۃ من النار	کے لئے بمنزلہ ڈھال کے ہے۔

(مرقات ص۱۰۳ ج ۲)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ :-

(وقراءۃ القرآن فی غیر الصلاۃ	یہ جو فرمایا کہ قراءۃ القرآن خارج صلوٰۃ
افضل من التسبیح والتکبیر) ای	میں تسبیح وتکبیر سے افضل ہے تو مراد
وامثالهما من سائر الاذکار والدعوات	یہ ہے کہ تسبیح وتکبیر سے اور ان جیسے دیگر اذکار و
لکون القرآن کلامه و فیه حکمه	دعوات سب سے افضل ہے، اسلئے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے
واحکامه	اور اسمیں اسکی حکمتیں اور اسکے احکام ہیں۔
(والصدقۃ افضل من الصوم)	اور یہ جو فرمایا کہ صدقہ افضل ہے صوم سے
ای النفل لانها نفع متعد وهو قاصر	تو مراد یہ ہے کہ نفل روزہ سے بڑھکر ہے اور یہ اسلئے
(والصوم جنۃ) ای وقایۃ من النار	کہ صدقہ کا نفع متعدی ہے اور صوم ایسا نہیں ہے
ای مما یجرالیها فی الدنیا و من	(والصوم جنۃ) یعنی وقایہ اور بچاؤ ہے دوزخ سے
عذاب اللہ فی العقبیٰ۔	یعنی دنیا میں وقایہ ہو دوزخ میں لیجانیوالے اسباب سے اور
واذا کان هذا من فوائد الصوم	آخرت میں وقایہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔ اور جب
المفضول فما بالک بالصدقۃ التی	ایسی فضیلت روزہ کی ہے جو کہ صدقہ سے کم ہے تو اسی
هی افضل منه۔	سے اندازہ کیجئے کہ خود صدقہ کی فضیلت کیسی کچھ
(مرقات ص۱۰۳ ج ۲)	ہوگی جو کہ اس سے افضل ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ جب صدقہ کا اجر و ثواب اسقدر ہے تو تمام اذکار کا کیا حال ہوگا جو کہ صدقہ سے افضل ہیں اور پھر تلاوت کا کیا کچھ درجہ ہوگا کیونکہ وہ سارے اذکار سے بڑھکر ہے۔

اسی کو میں کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت صاف اور

واضح طریقہ سے بیان فرمایا ہو کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ ان سب اذکار سے بڑھکر ذکر جسکو سلطان الاذکار اور افضل الذکر کہنا چاہیئے تلاوت قرآن شریف ہے۔ پھر اب اسکے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ وظیفے کے لئے کیوں اس قدر پریشان ہوتے ہیں؟ یہی کہا جا سکتا ہے کہ علم ہی نہیں ہے۔ یا معاذ اللہ پیر صاحب کے وظیفے پر ایمان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمائے پر ایمان نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کا اتنا آسان ذریعہ اور مسلمانوں کی اس سے اسقدر غفلت اور بے اعتنائی کس قدر افسوس کی بات ہے۔ اسی امر کے پیش نظر کہ ہمارے پاس ایسی بڑی دولت موجود اور ہماری نظر دوسری چیزوں پر ہے، فلاح دارین کی کلید موجود اور ہم در بدر ٹھوکریں کھا رہے ہیں، میں نے تلاوت قرآن کا مضمون طول طویل بیان کیا ہے تاکہ لوگوں کو اسکی جانب رغبت ہو اور اہل اسلام اپنا صحیح راستہ پکڑ سکیں۔ قرآن شریف سے مناسبت پیدا کریں اسکو یاد کریں اسکی تلاوت کریں اسکو سمجھیں اور اس پر عمل کرکے سعادت دارین حاصل کریں اور اپنے قلب کو منور کریں اور آباد کریں کیونکہ جس کے دل میں قرآن نہ ہو اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ویران گھر" فرمایا۔ ارشاد ہے:۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ علیہ وسلم ان الذی لیس فی جوفہ شیٔ من القرآن کالبیت الخرب۔	حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے باطن میں قرآن کا کچھ حصہ نہیں وہ مانند ویران گھر کے ہے۔

صاحب مرقاۃ اسکی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

لان عمارۃ القلوب بالایمان وقراءۃ القرآن وزینۃ الباطن بالاعتقادات الحقۃ والتفکر فی نعماء اللہ تعالے	یہ ویرانی اسلئے ہے کہ قلوب کی آبادی ایمان اور تلاوت قرآن سے ہوتی ہے اور باطن کی رونق اعتقادات حقہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرنا ہوکر قلبی تلاوت ہوا اور جب قلب ان دونوں سے خالی ہوگا تو ویرانی رہگئی ہے

فضائل تلاوت قرآن از احیاء العلوم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن ثم رای ان احداً اوتی افضل مما اوتی فقد استصغر ما عظمہ اللہ تعالیٰ وقال صلی اللہ علیہ وسلم ما من شفیع افضل منزلۃً عند اللہ تعالیٰ من القرآن لانبی ولاملک ولاغیرہ۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم ایضاً ان اللہ عزوجل قرأ طٰہٰ ویٰس قبل ان یخلق الخلق بالف عام فلما سمعت الملائکۃ القرآن قالت طوبیٰ لامۃ ینزل علیہم ھذا وطوبیٰ لاجواف تحمل ھذا وطوبیٰ لالسنۃ تنطق بھذا وقال صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تبارک وتعالیٰ من شغلہ قرأۃ القرآن عن دعائی ومسئلتی اعطیتہ افضل ثواب الشاکرین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی قرآن پڑھا ہوا ور پھر یہ سمجھے کہ دوسرا کوئی اس سے افضل شے دیا گیا ہے تو اس نے تحقیر کی اور کم جانا اس چیز کو جسے اللہ تعالیٰ نے بڑا گردانا ہے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن سے بڑے رتبہ کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی سفارشی نہیں ہے نہ کوئی نبی نہ کوئی فرشتہ نہ کوئی اور۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے طٰہٰ اور یٰس کو خلق کے پیدا کرنے سے ایک ہزار برس قبل پڑھا تو جب فرشتوں نے اسے سنا تو کہا کہ خوش خبری ہو اس امت کے لئے جس پر یہ نازل ہوگا اور خوشخبری ہو اس سینہ کیلئے جو اسکا حامل ہوگا۔ اور خوش خبری ہو اس زبان کے لئے جو اسکی تلاوت کرے گی۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآن کو پڑھیں اور اسکو پڑھائیں۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس کو تلاوت قرآن نے مجھ سے دعاء اور سوال کرنے سے روک دیا تو میں اسکو شاکرین سے بڑھکر اجر عطا کروں گا۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم اهل القرآن اهل الله وخاصته
وقال صلی اللہ علیہ وسلم ان القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد فقيل يارسول وماجلاؤها فقال تلاوة القرآن وذكر الموت
وقال صلی اللہ علیہ وسلم لله اشد اذنا الى قارئ القرآن من صاحب القينة الى قينته۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اہل قرآن اہل اللہ اور اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قلوب میں بھی زنگ لگ جایا کرتا ہے جس طرح سے کہ لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ پھر اس میں صفائی اور چمک کسطرح حاصل ہو فرمایا قرآن اور موت کو یاد کرکے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ البتہ اللہ تعالیٰ قاری قرآن کی جانب اس سے زیادہ کان لگاتے ہیں جتنا کوئی شخص اپنے گانے والی باندی کے گانے کیطرف۔

(الآثار)

(آثار بسلسلۂ تلاوت قرآن)

قال ابوامامة الباهلي اقرأوا القرآن ولا تغرنكم هذه المصاحف المعلقة فان الله لايعذب قلبا هو وعاء للقرآن
وقال ابن مسعود اذا اردتم العلم فانثروا القرآن فان فيه علم الاولين والآخرين۔

حضرت ابو امامہ باہلی نے ارشاد فرمایا کہ قرآن پڑھو اور تمکو ان مصاحف کا (گھروں میں) لٹکا ہوا ہونا دھوکے میں نہ ڈال دے (کہ اسی پر قناعت کرلو) اسلئے کہ اللہ تعالےٰ اس قلب کو عذاب نہیں دیتے جو کہ قرآن کا ظرف ہو یعنی جسمیں قرآن موجود ہو (فقط گھر میں موجود ہونا کافی نہیں) اور فرمایا حضرت ابن مسعودؓ نے جب تم علم کا ارادہ کرو تو قرآن کی تعلیم کو عام کرو اسلئے کہ اس میں اولین اور آخرین کا علم موجود ہے۔

وقال ايضا اقرأوا القرآن فانكم توجرون عليه بكل حرف منه عشر حسنات اما انى لا اقول الحرف الٓمٓ ولكن الالف حرف واللام حرف والميم حرف

نیز فرمایا کہ قرآن شریف کو پڑھو تمکو ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیوں کا اجر دیا جائے گا اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ اتنا ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے۔ لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے۔ پس یہ کل تین حرف ہوئے جس پر تیس نیکی ملیگی

وقال ایضاً لا یسئل احدکم عن نفسہ الا القرآن فان کان یحب القرآن ویعجبہ فھو یحب اللہ سبحانہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کان یبغض القرآن فھو یبغض اللہ سبحانہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نیز فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے سے بجز قرآن کے اور کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے اگر وہ قرآن سے محبت کرے گا اور وہ اس کو اچھا معلوم ہوتا ہو گا تو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا محب ہے اور اگر قرآن سے خدانخواستہ اس کو بغض ہو گا تو اللہ سے اور اسکے رسول سے گویا اسکو بغض ہے۔

وقال عمرو بن العاص کل آیۃ فی القرآن درجۃ فی الجنۃ ومصباح فی بیوتکم وقال ایضاً من قرأ القرآن فقد ادرجت النبوۃ بین جنبیہ الا انہ لا یوحی الیہ

حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا کہ قرآن شریف کی ہر ہر آیۃ (کی تلاوت) جنت میں ایک درجہ ملنے کا ذریعہ بنے گی اور (دنیا) میں تمہارے گھروں کیلئے بمنزلہ چراغ کے ہے۔ نیز فرمایا کہ جسنے قرآن پڑھا تو یوں سمجھو کہ اسکے پہلو میں نبوت آداخل ہوئی بس فرق یہ ہے کہ اسپر وحی نہیں نازل ہوتی (وہ تلاوت اور اشاعت قرآن تو کار نبوت ہی ہے جس میں یہ لگا ہے)

وقال ابوھریرۃ ان البیت الذی یتلی فیہ القرآن اتسع باھلہ وکثر خیرہ وحضرتہ الملائکۃ وخرجت منہ الشیاطین وان البیت الذی لا یتلی فیہ کتاب اللہ عزوجل ضاق باھلہ وقل خیرہ وخرجت منہ الملائکۃ وحضرتہ الشیاطین

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ جس کے گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس کے اہل میں وسعت ہوتی ہے۔ خیر کی زیادتی ہوتی ہے۔ اس میں فرشتے آتے ہیں۔ شیاطین وہاں سے بھاگ جاتے ہیں برخلاف اسکے جس گھر میں قرآن نہیں پڑھا جاتا تو گھر والوں پر تنگی تُرشی رہتی ہے خیر کی کمی ہو جاتی ہے، ملائکہ وہاں سے چلے جاتے ہیں شیاطین کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

وقال احمد بن حنبلؒ رأیت اللہ عزوجل فی المنام

حضرت امام احمد حنبل نے فرمایا کہ میں نے اللہ عزوجل کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ اے رب آپ کا تقرب

فقلت یا ربّ! ما افضل ما تقرب به المتقربون الیك قال بکلامی یا احمد! قال قلت یا رب بفهم او بغیر فهم قال بفهم وبغیر فهم۔

حاصل کرنے والوں نے جن چیزوں سے آپ کا تقرب حاصل کیا ان میں سے سب سے افضل کون سی شے ہے؟ فرمایا میرا کلام اے احمد! سب سے افضل ذریعۂ تقرب یہی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے رب۔ سمجھ کر یا بغیر سمجھے فرمایا سمجھ کر ہو یا بغیر سمجھے ہو دونوں طرح مقصد تک رسائی ہو جائے گی۔

بس تلاوت قرآن سے متعلق یہی وہ مضامین شتّیٰ تھے جو ذخیرۂ مسودات میں منتشر طور پر ملے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ ہمارے قلوب کے انتشار کو جمع فرما دے ناظرین کرام سے اپنے لئے فلاح دارین کی دعا کی درخواست ہے۔ والسلام

ناکارہ مرتب جامی عفی عنہ

وصیۃ الاخلاق حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد۔ ایک عرصہ سے جی چاہتا تھا کہ اخلاق رذیلہ[ع] پر اردو میں کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جسمیں ہر ہر خلق کی حقیقت اور اسکے علاج پر۔ نہایت ہی سہل۔ عام فہم اور مفصل بحث ہو۔ لیکن کچھ اسباب ایسے پیش آگئے کہ اسمیں تاخیر ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اب اسکو شروع کردیتا ہوں اللہ تعالےٰ میری مدد فرمائے آمین۔ وماتوفیقی الا باللہ۔

جی چاہتا ہے کہ مضمون کی ابتدا اپنے اکابر کے کلام سے کروں تاکہ انکی برکت بھی نصیب ہو اور بعد میں جو کچھ کہوں وہ اسی کی شرح اور توضیح شمار ہو۔ چنانچہ پہلے میں صراط مستقیم سے مولانا دہلویؒ کا کلام نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں :۔

ع۔ رذیلہ کے ساتھ اس لئے خاص کیا کہ اس زمانہ میں ان میں ابتلا زیادہ ہے۔ اور مسلمانوں کے دین و دنیا کے فساد کا سبب انکا اخلاق مذمومہ ہی کے ساتھ متصف ہونا ہے۔ لہٰذا انکا بیان اہم اور مقدم ہے یوں ہوسکتا ہے کہ ضمناً اخلاق محمودہ پر بھی کچھ کلام ہوجائے۔ ۱۲ منہ

(فصل دوم در تہذیب اخلاق)

(ہدایت اولیٰ)

در ذکر اخلاق محمودہ و مذمومہ اجمالاً
وآں مشتمل بر سہ تمہید و پنج افادہ است۔

تمہید ۱۔ از قوی ترین موانع نزولِ فیض
رحمانی و ورود عنایات یزدانی بر سالکین
راہِ حق تلوث نفوس بہیمیۂ ایشاں است
برذائل اخلاق مثل بخل و حسد و کبر و حرام و
غیبت و کینہ و ریا و کذب و طمع و حرص۔
سلف صالح تزکیۂ ازیں رذائل مقدم تر
واہم تر میدانستند وآنرا صرف بنا بر رضا جوئی
حق از دل خود منقلع و منقمع می کردہ اند تا اثرے
ازاں باقی نمی ماند ودلہائے ایشاں مصفّٰی می
گردید لہٰذا مورد عنایات بے غایات میشدند
وبہمیں تصفیہ کہ ارضاءً للّٰہ تعالیٰ بعمل می
آوردند مقبول می گشتند۔

(دوسری فصل اخلاق کی درستگی کے بیان میں)

(پہلی ہدایت)

اجمالی طور پر اخلاق محمودہ اور مذمومہ کے بیان میں.
اور یہ تین تمہیدات اور پانچ افادات پر مشتمل ہے۔

تمہید اول: سالکین راہ حق پر حق تعالیٰ کے فیض کے
نزول اور عنایات کے ورود کے موانع میں سے ایک بڑا
مانع انکے نفوس بہیمیہ کا رذائل اخلاق مثلاً بخل، حسد، کبر
حرام، غیبت[ع۵]، کینہ، ریا، کذب[ع۵]، اور طمع و حرص وغیرہ
کے ساتھ آلودہ ہونا بھی ہے۔

چنانچہ سلف صالحین ان رذائل سے تصفیہ کو سب
چیزوں سے مقدم تر اور اہم تر سمجھتے تھے اور انکی اصلاح کیلئے
محض حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے قلب سے انکا ایسا خاتمہ
کر لیتے تھے کہ پھر انکا کچھ بھی اثر باقی نہ رہ جاتا تھا اور ان کے
قلوب بالکل پاک و صاف ہو جاتے تھے جسکی وجہ سے
اللہ تعالیٰ کی بیشمار عنایات واکرامات کے مورد بنتے تھے اور اسی
تصفیۂ باطن کی بدولت جسے ان حضرات نے محض اللہ تعالیٰ کی
خوشنودی کے لئے اختیار کیا یہ لوگ مقبول ہوئے۔

بعد میں اسدرجہ انکی ضرورت اذہان میں باقی نہ رہی اسلئے علماء ربانیین نے بالہام
خداوندی کتابیں تصنیف کر کے ان علوم کا احیاء کیا اور بعض کا نام احیاء علوم الدین رکھا تاکہ

ع۵۔ کذب اور غیبت کو امام غزالیؒ نے آفات لسان میں شمار فرمایا ہے۔ پھر اسکو اخلاق قلبیہ میں بیان فرمانا
باعتبار ملکہ اور عادت کے ہے۔ یعنی کذب اور غیبت جسکی عادت ہوگئی ہو، اور ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے
یہ قلب ہی کی صفت ہے۔ ۱۲ منہ

یہ علم بالکل فنا نہ ہو جائے۔ (آگے فرماتے ہیں کہ):-

دہر کہ باوجود طی مراتب سلوک منضبط آثار وعنایات نشو وآثار این ہمہ رذائل یا بعض آں دروی البتہ محسوس خواہد بود۔ پس وجود این رذائل مانع ورود عنایات الٰہی است	اور جو شخص کہ باوجود سلوک کے مقررہ مدارج طے کر لینے کے آثار وعنایات حق کا مورد نہ بنتے تو سمجھو کہ ان تمام رذائل کے یا ان میں سے بعض کے آثار ابھی اسکے اندر موجود ہیں اور انھیں کا وجود اس پر عنایات الٰہی کے نازل ہونے کے لئے مانع بنا ہوا ہے۔

اس سے زیادہ اسکی مانعیت کیا ہوگی کہ اہل سلوک فیض رحمانی کے نزول سے اسی سبب سے محروم رہے۔ سلوک بھی ختم ہو گیا پھر بھی عنایات یزدانی سے دوچار نہ ہوئے۔ اس لئے رذائل اخلاق پر گفتگو علماء ربانیین نے ہر زمانہ میں ضروری سمجھی ہے تاکہ اسکی ضرورت کا علم لوگوں کو ہو جائے اگرچہ جس درجہ یہ ضروری ہے اتنا احساس لوگوں کو نہ ہوا سو جہ سے طرح طرح کے مفاسد میں مبتلا ہوئے۔ اور صرف یہی نہیں ہوا کہ اسکی وجہ سے لوگ آخرت کے خسارہ میں پڑے بلکہ میں تو بصیرت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ آج مسلمانوں کی دنیوی تباہی اور فلاح دنیا سے بھی انکی محرومی کا سبب انکا اسی رذائل اخلاق کے ساتھ متصف ہونا ہے۔

رہا یہ کہ یہ رذائل کیوں سبب بنتے ہیں دنیا اور آخرت کے خسارہ اور اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کے پھر جانے کا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ سب صفات کفار کے ہیں جو کہ اعداء اللہ اور بغضاء اللہ ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی صفات رکھکر کوئی شخص اپنے کو اُن افضال اور اکرام کا مستحق کیونکر بنا سکتا ہے جو اولیاء اللہ پر ہوا کرتے ہیں اور استحقاق تو بڑی چیز ہے ایسا شخص اسکی توقع اور اسکی ہمت کیسے کرتا ہے کہ ان حالات کے ساتھ عنایات یزدانی کی امید بھی رکھے

اب سنئے کہ یہ امور کفار کی صفات کس طرح ہیں۔ سارے رذائل کی اصل کبر ہے اسکے متعلق تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ کافر کی صفت ہے مؤمن میں کبر نہیں ہوتا۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت میں رائی کے لایدخل الجنۃ مثقال ذرۃ من کبر دانہ کے برابر کبر (والا) بھی نہ داخل ہوگا۔

ولا یدخل النار مثقال ذرۃ من ایمان (الحدیث) — اور دوزخ میں رائی کے دانے کے برابر ایمان (والا) داخل نہ ہوگا۔

قلت: وجہ مقابلۃ الکبر بالایمان فی الحدیث ان المؤمن یری وجودہ وما استتبعہ من الکمالات مستعارۃ من اللہ تعالیٰ حتی یری نفسہ عاریۃ عنھا فلا یستکبر والکافر یری وجودہ وتوابعہ من نفسہ فیری نفسہ کبیرًا و ینسی الکبیر المتعال۔ (مظہری ص۱۲ پ ۱۴) — میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں کبر کے مقابلہ میں ایمان کے لانے کی وجہ یہ ہے کہ مؤمن تو اپنے وجود اور اسکے ضمن میں جتنے کمالات اسمیں ہوتے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مستعار سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو ان سب سے بالکل خالی سمجھتا ہے اسلئے تکبر نہیں کرتا۔ اور کافر اپنے وجود اور اسکے ضمن میں جو کچھ صفات ہیں انکو اپنا ذاتی کمال سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور اس ذات کو جو برتر و عالی ہے بھول جاتا ہے۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ الآیۃ کے تحت مولانا تھانویؒ "مسائل السلوک" میں تحریر فرماتے ہیں کہ

قولہ تعالیٰ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ الخ۔ فی الروح نھی المؤمنین ان یکونوا امثالھم فی البطر والریاء وامرھم بان یکونوا اھل التقوی والاخلاص وفیہ عن بعضھم حذر اللہ تعالیٰ بھذہ الآیۃ اولیاءہ عن مشابھۃ اعداءہ — اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔ اور ان لوگوں کے مشابہ مت ہونا جو کہ اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے (اسکے متعلق) روح المعانی میں ہے کہ اسمیں مسلمانوں کو بطر اور ریا میں انکے مشابہ ہونے سے نہی کیگئی ہے اور انکو حکم کیا ہے کہ اہل تقویٰ اور اہل اخلاص بنیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس آیۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اپنے اعداء کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔

(بیان القرآن ص۸ ج۴)

دیکھئے ان تصریحات میں ہمارے مدعا کا ثبوت موجود ہے۔ یعنی یہ کہ ام الرذائل مثلاً کبر۔ بطر اور ریاء وغیرہ یہ سب صفات کفار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان رذائل اور خصائل

کے ہوتے ہوئے مورد عنایات ربانی و فضل رحمانی نہیں ہوسکتے جیسا کہ مولانا دہلویؒ نے بیان فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مولاناؒ نے یہ بات بہت عمدہ بیان فرمائی اور مولاناؒ کی یہ بات مؤید بالقرآن بھی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ:۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيِیْ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ۝	فرعون سرزمین میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ انہیں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور انکی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا واقعی وہ بڑا مفسد تھا اور ہمکو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین میں زور گھٹایا جارہا ہے ان پر ہم احسان کریں اور اور انکو پیشوا بنائیں اور انکو مالک بنائیں اور انکو زمین میں حکومت دیں اور فرعون وہامان اور اسکے تابعین کو انکی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔
(قصص پ ۲۰)	(بیان القرآن ص۱۰ جلد ۸)

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اللہ تعالےٰ کے ارشاد وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ الخ کے تحت مسائل السلوک میں ارقام فرمایا ہے کہ:۔

دل علی ان زوال الکبر رفع لموانع الفضل الالٰہی الذی افضل افرادہ الامامۃ فی الدین کما قال تعالےٰ فی ھذہ الایۃ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً	اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ہم کو یہ منظور تھا الخ اسپر دلالت کرتا ہے کہ کبر کا زوال رفع ہے فضل الٰہی کے موانع کا جس کا ایک اعلیٰ فرد امامت فی الدین ہے جیسا کہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بھی منظور تھا کہ ہم انکو پیشوا بنائیں۔
(مسائل السلوک)	

دیکھئے! حضرت مولانا تھانویؒ نے بھی اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد سے وہی مسئلہ

مستنبط فرمایا جسے مولانا دہلویؒ نے ابھی تمہید اول میں بیان فرمایا ہے کیونکہ حضرت تھانوی یہ فرما رہے ہیں کہ کسی سے کبر زائل ہونا گویا فضل الٰہی کے مانع کا اس سے زائل ہو جانا ہے یعنی کسی قوم سے اخلاق رذیلہ کا زوال اور عدم اس طرح سے کہ وہ اخلاق حمیدہ (مثلاً تواضع وغیرہ) کے ساتھ متصف ہوں فضل الٰہی کے نزول کا باعث ہے نُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ سے فضل الٰہی کا قرب نزول اور المستضعفین سے اسکے مانع کا زوال مفہوم ہوتا ہے۔

اور حضرت دہلویؒ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ نزول فیض رحمانی اور ورود عنایات ربانی کا قوی ترین مانع، نفوس کا اخلاق ذمیمہ سے ملوث ہونا ہے۔ غرض حضرت مولانا دہلویؒ اور حضرت مولانا تھانویؒ کی عبارت کا حاصل ایک ہی ہے مولانا دہلویؒ کی عبارت مانعیت کو بتلا رہی ہے کہ رذائل کا وجود مانع ہے عنایات ربانی سے اور حضرت تھانویؒ کی عبارت یہ بتلا رہی ہے کہ انکا زوال فضل الٰہی کے مانع کا رفع اور زوال ہے۔ تأمل کے بعد دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

اب آگے پھر حضرت دہلویؒ کا کلام نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

تمہید ۲۔ سلف صالح را بتوفیق ایزدی در تزکیۂ نفس از رذائل اخلاق، ہمیں اعمال صالحہ اسلامیہ و مصاحبت با مقتدایان خود کافی بود۔

(تمہید دوم) سلف صالحین کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے رذائل اخلاق سے نفس کے تزکیہ میں یہی اعمال صالحہ اسلامیہ یعنی نماز روزہ، ذکر و تلاوت اور اپنے اکابر کی صحبت ہی کافی ہو جاتی تھی۔

دیکھئے یہاں مولانا کسقدر ضروری بات پر تنبیہ فرما رہے ہیں یعنی یہ کہ سلف صالحین اور متاخرین کے طریق کار میں جو فرق ہوگیا ہے اسکی وجہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ یہ متاخرین نے امراض کے علامات، اسباب اور پھر ہر ایک رذیلہ کے معالجات پر جو کتابیں لکھی ہیں اور ان سے انکا مقصد یہ تھا کہ لوگ انکے ذریعہ سے اپنے امراض قلبیہ پر واقف ہو کر اس کی اصلاح کریں تو مولاناؒ یہ فرماتے ہیں کہ اصلاح نفس اور رذائل کے ازالہ کے باب میں سلف صالحین کا یہ طور نہیں تھا جو رائج ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور انکی اعانت سے رذائل نفس کے تزکیہ کے سلسلہ میں ان حضرات کے لئے صرف اپنے اعمال صالحہ اور اپنے اکابر کی صحبت

ہی کافی ہوجاتی تھی ـــــ اور یہ نہیں کہ انکے اندر رذائل ہوتے ہی نہ تھے بلکہ ہوتے تھے اور وہ حضرات ان سے تزکیہ کو مقدم تر اور اہم تر بھی سمجھتے تھے مگر اول تو خود انکی طلب صادق اور انکا قلبی اخلاص اسدرجہ بڑھا ہوا تھا کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے وہ حضرات اپنے قلب سے اسکا قلع قمع کردیتے تھے اور دوسرے یہ کہ ان حضرات کو اپنے اکابر اور سلف صالحین کی جو صحبت حاصل ہوتی تھی اسکی برکت اور ان حضرات کا فیض صحبت بھی اسقدر قوی ہوتا تھا جسکی وجہ سے انکا اخلاص دو بالا ہوجاتا تھا اور یہی دونوں چیزیں یعنی انکا اخلاص کے ساتھ کیا ہوا اپنا عمل صالح اور بزرگوں کی صحبت کی برکت ان کے اصلاح کے لئے کافی ہوجاتی تھی اسلئے ان لوگوں کو اسکے بعد پھر کسی مجاہدہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی ۔

اور بعد میں جب لوگوں کے اخلاص میں بھی کمی ہوگئی اور صحبت کی ضرورت اور اہمیت بھی اسدرجہ اذہان میں باقی نہ رہی تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ رذائل سے اجتناب تو کیا کرتے خود ان رذائل کا علم بھی ان سے ختم ہوگیا اسلئے علماء نے ضرورت سمجھکر فن میں کتابیں مدون فرمائیں ۔ لیکن راستہ چونکہ یہی صحبت اور اخلاص ہی تھا اور یہ امور ظاہر ہے کہ کتابوں سے حاصل ہو نہ سکتے تھے اسلئے باوجود شدت وضوح کے بھی اصلاح کے باب میں ان کتب نے کفایت نہ کی جیسا کہ آگے مولانا رحؒ خود فرماتے ہیں کہ :-

وارباب این فن علامات واسباب ومعالجات آنرا بطور طب تحقیق وتنقیح کردہ کتب ساختہ اند۔ لیکن آن بیان باوجود شدت وضوح کفایت نمی کرد۔ بلکہ ارباب ہمم قاصرہ بمطالعۂ آن صحف متطاولہ می پندارند کہ این حال رجالے است کہ گذشتند وبہ حظیرۃ القدس پیوستند وحقیقتے دیگر داشتند کہ باعمال کثیرہ ومشاقِ عسیرہ قیام ورزیدند وخود را

لیکن بعد میں اس فن کے اکابر یعنی علماء طریق نے تمام رذائل نفس کی علامات، اسباب اور اسکے معالجات کی اسطرح سے تحقیق وتنقیح کرکے کتابوں میں اسکو ایسا لکھدیا جیسے طب کی باتیں کتابوں میں مدون ہیں مگر اس بیان نے باوجود بہت زیادہ واضح ہونے کے بھی کفایت نہیں کی بلکہ جو لوگ کم ہمت تھے ان پر تو ان طویل کتب کے مطالعہ سے یہ اثر مرتب ہوا کہ ایک یاس کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ سب حالات تو ایسے لوگوں کے تھے جو گذر گئے اور اللہ تعالیٰ سے جا ملے اور انکی حقیقت بھی شاید ہم سے مختلف تھی کہ انھوں نے ان اعمال کثیرہ

بمحل بعید ازاں می انگارند۔ و بعضے بغلط فہمی خود را متخلی ازاں رذائل و متحلی باضداد آں کہ فضائل محضہ اند میدانند۔

پس مناسب حال ابنائے روزگار ایں است کہ چنانکہ اشغال و مراقبات بنا بر وصول بمعرفت الٰہی می نمایند ہمچنیں مراقبہ برائے ایں امور ہم پیش گیرند و بدون آں وصول را ببارگاہ قبولیت غیر ممکن انگارند ہر چند بمقام معرفت میرسند لیکن از باب عنایات و راہ قبول نمی رسند بلکہ از باب دیگر آنجا رسیدہ اند کہ پرسش مقبول و نامقبول آنجا نیست۔

اور ایسے ایسے دشوار گذار امور کو اختیار کیا اور ان پر عمل کیا۔ اور یہ سمجھا کہ ہم سے تو یہ سب باتیں نبھنے والی نہیں ہیں کیونکہ ہم میں اور ان امور میں بہت دور کا فاصلہ ہے۔ اور ایک جماعت کو ان کتب کے مطالعہ سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ اپنے خود کو ان رذائل سے پاک و صاف جانا اور یہ سمجھا کہ ہم تو انکی ضد یعنی فضائل سے متصف ہیں۔

لہٰذا ابنار زمانہ کے اب اسوقت مناسب حال یہ ہے کہ جسطرح سے یہ لوگ اشغال اور مراقبات حق تعالیٰ کی معرفت کے حصول کے لئے کرتے ہیں اسیطرح سے ان امور کیلئے (یعنی رذائل نفس کیلئے) بھی مراقبہ کیا کریں اور یہ سمجھ لیں کہ بدون اسکے کہ رذائل دور ہوں باب قبولیت تک رسائی ناممکن ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ مقام معرفت تک انکی رسائی ہو جائے لیکن یہ رسائی عنایات کے باب اور قبولیت کی راہ سے نہیں ہو گی بلکہ دوسرے دروازہ سے وہاں پہونچیں گے جہاں مقبول اور غیر مقبول کی کچھ پرسش نہیں ہے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت شہیدؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ وصول کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو راہ قبول سے ہو اور دوسری وہ جو راہ نامقبول سے ہو۔ پس اسکا حاصل یہ ہوا کہ مقصود وصول نہیں ہے بلکہ قبول ہے۔ اس مسئلہ کو حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ نے نہایت ہی مفصل اور مدلل بیان فرمایا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کا وہ ملفوظ ہی بعینہ یہاں نقل کر دیا جائے نہایت ضروری مضمون ہے اور اس غلط فہمی میں فی زمانہ عام ابتلا بھی ہے۔ وہو ہذا۔

(نقل ملفوظ حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمہ از رسالہ "الاحسان" الہ آباد)

فرمایا کہ ——— اس طریق باطن میں مقصود اعمال ہیں۔ باقی رہے حالات اور مکاشفات سو یہ مقصود نہیں۔ نہ انکا حصول اختیاری ہے اور نہ انکے عدم حصول سے سالک کا کچھ ضرر۔ بس اصل چیز اعمال ہیں کہ بغیر انکے ایک قدم بھی راستہ طے نہیں ہو سکتا۔

پھر اسی ارشاد کی تائید میں حضرت حکیم الامتؒ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ بعض اولیاء اللہ ایسے بھی گذرے ہیں کہ خواب میں یا حالت غیبت میں روزمرہ انکو دربار نبوی میں حاضری کی دولت نصیب ہوتی تھی۔ ایسے حضرات صاحب حضوری کہلاتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ہیں کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضوری تھے انکا ایک قصہ ہے کہ جب شیخ کو ہندوستان آنے کا حکم ہوا تو انھوں نے عرض کیا کہ مجھکو مفارقت گوارا نہیں۔ حکم ہوا کہ پریشان مت ہو تم کو روزانہ زیارت ہوا کریگی اسپر مطمئن ہو کر جب مدینہ منورہ سے ہندوستان آنے لگے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انکو ارشاد ہوا کہ غریبانِ ہند پر نظر عنایت رکھنا۔ اسکا حضرت شیخ پر بہت اثر ہوا چنانچہ جب ہندوستان تشریف لے آئے تو اسوقت سے شیخ نے اپنا یہ معمول کرلیا کہ جب سنتے کہ فلاں مقام پر کوئی باخدا درویش وفقیر ہے تو اسکی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے ملاقات کرتے۔ ایک بار انھوں نے سنا کہ فلاں جگہ ایک درویش رہتا ہے تو یہ وہاں بھی تشریف لے گئے تو جب شیخ اس درویش کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ اس کے پاس ایک بڑا مجمع ہے اور بہت لوگ اسکے معتقد ہیں اس درویش نے حضرت شیخ سے ملاقات کی اور حضرت شیخ کی خاطر و مدارات کی اور اسی سلسلہ میں شیخ کیخدمت میں شراب کا پیالہ پیش کیا کہ یہ بھی نوش کیجئے۔ اس وقت انکو معلوم ہوا کہ یہ درویش شراب نوش ہے تو حضرت شیخ نے شراب کے پینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ تو حرام ہے میں نہیں پی سکتا۔ اس درویش نے کہا کچھ بھی ہو یہ تو پینی پڑیگی۔ حضرت شیخ نے پھر انکار فرمایا تو کہنے لگا کہ اگر نہ پیجئے گا تو پچھتا یئے گا۔ شیخ نے جوابدیا کہ ہرگز نہیں جو شریعت پر عمل کریگا وہ کبھی نہیں پچھتائیگا اور یہ کہکر اس درویش کے پاس سے چلے آئے۔ شب کو حسب معمول حضرت شیخ کو دربار نبوی میں جب حضوری ہوئی تو انھوں نے دیکھا کہ جس مکانِ مبارک میں حضورؐ تشریف فرما ہیں اس مکان کے دروازہ پر وہ درویش کھڑا ہے اور پہرہ دے رہا ہے جب شیخ نے اندر دربار نبوی حاضر ہونا چاہا تو شیخ کو اس درویش نے روکدیا اور کہا کہ جب تک تم میرا کہنا نہ مانو گے اسوقت تک اندر نہ جانے دونگا۔ خیر یہ مجبور ہو گئے۔ صبح کو شیخ پھر اس درویش کے پاس گئے تو وہ درویش ظالم صاحب کشف بھی اس درجہ کا تھا کہ شیخ کے پہنچتے ہی قبل اسکے کہ شیخ اس سے شب کا واقعہ بیان کریں خود ہی شیخ سے کہنے لگا کہ کیوں دیکھا ہمارا کہنا نہ ماننے کا یہ نتیجہ ہوا کہ

حاضری سے محروم رہے۔ اگر ہمارا کہنا مان لیتے اور شراب کا پیالہ پی لیتے تو کیوں محروم رہتے۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر حاضری سے محروم رہا تو کیا مضائقہ ہے حضورؐ مجھ سے راضی تو ہیں اور اگر میں شراب کا پیالہ پی لیتا تو گو مجھ کو حاضری نصیب ہو جاتی مگر حضورؐ تو مجھ سے ناراض ہو جاتے اسلئے کہ حاضری فرض بھی اور شراب کا نہ پینا فرض تھا کیونکہ شراب حرام ہے پس اگر میں شراب پی لیتا تو فرض ترک ہوتا اور فرض کے ترک پر حضورؐ کی ناراضی یقینی تھی اور حضرت شیخ نے اس سے یہ بھی کہا کہ تو جو اپنے ایسے تصرفات دکھا کر یہ چاہتا ہو کہ میں تیرے دھوکہ میں آجاؤں تو یہ نہیں ہو سکتا بلکہ ان تصرفات سے اگر زیادہ تصرفات بھی تیرے دیکھ لونگا تب بھی میں شریعت کے احکام کو نہیں چھوڑ سکتا اسکے بعد دوسری شب پھر یہی قصہ ہوا کہ شیخ نے دربار نبوی میں جب حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر اس درویش کو دیکھا تو جب شیخ نے اندر جانا چاہا تو اس درویش نے کل کیطرح پھر حضرت شیخ کو اندر جانے سے روکدیا صبح کو پھر اس درویش کے پاس گئے تو اس نے پھر شیخ سے وہی کہا کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے کہ شراب پی لو ورنہ پچھتاؤ گے تو شیخ نے پھر وہی جوابدیا جو کل دیا تھا۔ تیسرے دن بھی شب کیوقت جب شیخ نے دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر درویش نے پھر روکدیا اب شیخ حیران ہوئے کہ کیا تدبیر کیجاوے کہ حاضری نصیب ہو کہ اسیوقت شیخ نے سنا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ کیا بات ہے دو دن سے عبدالحق نہیں آئے بس حضرت شیخ نے جو یہ سنا فوراً چیخ کر عرض کیا کہ حضورؐ یہ شخص مجھکو اندر نہیں آنے دیتا۔ بس حضورؐ نے اس درویش کیطرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اخسأ یا کلب یعنی دور ہو اے کتے اور حضرات صحابہؓ کو حکم دیا کہ اس شخص کو یہاں سے نکالدو چنانچہ اسکو نکالدیا گیا اور شیخ اندر حاضر ہو گئے۔ صبح کو پھر شیخ اس درویش کے پاس تشریف لے گئے تو وہاں اس درویش کے پاس بڑا مجمع رہتا تھا تو وہ تو سب لوگ وہاں موجود تھے مگر وہ درویش نہ تھا انھوں نے خادموں سے دریافت کیا کہ تمھارے مرشد کہاں ہیں خادموں نے کہا کہ حجرہ میں ہیں دریافت کیا کہ آج باہر کیوں نہیں آئے کہا کہ معلوم نہیں کیا بات ہوئی ہم خود اسکے منتظر ہیں شیخ حجرہ پر پہونچے اور جا کر آواز دی مگر کوئی جواب نہ آیا تب شیخ حجرہ کے اندر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں تو خادموں سے پھر دریافت کیا تو خادموں نے حجرہ میں آکر دیکھا تب بھی نہ پایا تو اب تو خدام بڑے حیران ہوئے کہ آخر وہ گئے کہاں! پھر حضرت نے ان خدام سے دریافت کیا کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ تم نے اس مکان میں سے کسی کو بھی نکلتے دیکھا تھا تو خدام نے کہا کہ آج ایک کتے کو بیشک یہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔ ہم سمجھے کہ باہر سے گھس آیا ہوگا۔ تب حضرت شیخ نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ کتا وہی درویش تھا۔ اسکی صورت کو کتے کیصورت میں مسخ کر دیا گیا ہے اور شب کا سارا قصہ اپنا اور اس درویش کا بیان فرمایا۔

اس قصہ کو سنکر لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور اس درویش کے تمام خادموں نے توبہ کی اور حضرت شیخ سے بیعت ہو گئے پھر حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا کہ ایک بات یہاں قابل غور ہے کہ درویش کے خدام تو درویش کے دھوکہ میں آ گئے اور حضرت شیخ اس درویش کے دھوکہ میں نہ آئے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ اس درویش کے خدام تو کیفیات اور مکاشفات اور تصرفات کو مقصود سمجھتے تھے اور انھیں چیزوں کے طالب تھے اور یہ چیزیں اس درویش کے اندر موجود تھیں اور اعمال جو کہ اصل چیز ہے اسکو یہ لوگ مقصود نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا جب یہ مکاشفات وغیرہ ان لوگوں نے اس درویش کے اندر دیکھے تو اسکو کافی سمجھا اور اسکے معتقد ہو گئے اور شیخ اعمال کو مقصود سمجھتے تھے اسلئے شیخ نے جب اسکو خلاف شریعت دیکھا تو پھر اسکے مکاشفات اور تصرفات کا کچھ اعتبار نہیں کیا اور اس کے معتقد نہ ہوئے پھر حاضرین میں سے ایک صاحب نے حضرت حکیم الامۃ دام ظلہ العالی سے عرض کیا کہ حضرت باوجود فسق و فجور کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار تک اس درویش کی رسائی کیونکر ہو گئی؟ تو ارشاد فرمایا کہ وہ درویش تو دربار کے باہر ہی کھڑا تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تو کفار اور مشرکین تک حاضر ہوا کرتے تھے، لیکن اس حاضری کے بعد بھی وہ کفار و مشرکین ویسے ہی مبغوض رہتے تھے جیسے حاضری سے قبل تھے ایسی حاضری اور رسائی کی جو مبغوضیت کے ساتھ ہو ایسی مثال ہے کہ جیسے بعض مرتبہ ایک چور کی (جب وہ بادشاہ کے یہاں چوری کرنے کی نیت سے نکلتا ہے) ایوان شاہی تک رسائی ہو جاتی ہے مگر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اطلاع ہوتی ہے تو اس چور کے جوتیاں لگتی ہیں۔ تو ایسی رسائی جو کہ مبغوضیت کے ساتھ تھی درویش کے کیا کام آ سکتی تھی اور یہ رسائی اس درویش کی مقبولیت کی دلیل کیسے ہو سکتی تھی۔ بس اصل بات یہ ہے جو نہایت کام کی ہے کہ وصول مقصود نہیں بلکہ قبول مقصود ہے اور قبول بغیر اعمال کے ہوتا نہیں۔ لہٰذا اصل چیز اعمال ہوئے بس انکی فکر میں لگنا چاہیے۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے اس واقعہ سے وصول اور قبول کا فرق کس قدر واضح ہو جاتا ہے اور یہ کہ اس بارہ میں آج لوگ کس قدر جہالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ بس

یہاں مقصود تو صرف اسی بات کو بتانا تھا کہ ہر وصول معتبر اور مفید نہیں ہے بلکہ قابل اعتبار قبول ہے لہٰذا اسکے ساتھ ساتھ جو وصول ہو وہی اصل ہے اور صحیح ہے۔ لیکن آگے حضرت تھانویؒ نے ایک اور نہایت عمدہ بات اسی سلسلہ کی ارشاد فرمائی ہے اسکو بھی سن لیجئے):-

فرمایا کہ جو لوگ واردات وکیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں یہ لوگ جاہل درویشوں کے معتقد تو ہو ہی جاتے ہیں مگر اس سے زیادہ اس میں خطرے کی ایک بات یہ ہے کہ محققین نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ دجال کے دھوکے میں بھی آجائیں گے۔ اور وجہ اس دھوکہ میں آجانے کی یہ ہوگی کہ دجال کے اوپر ایک قسم کا سکر اور غیبت اور بے خودی اور مدہوشی سی طاری ہوگی جیساکہ مجاذیب پر حالات باطنی کے سبب سے سکر اور غیبت طاری ہو جاتی ہے تو اس وجہ سے دجال کی حالت بظاہر مجاذیب کے مشابہ ہو جائیگی تو ایسے لوگ جو کیفیات ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اسکو مجذوب سمجھکر اسکے معتقد ہو جائیں گے اور اسکی خلاف شرع باتوں کی تاویل کریں گے۔ پھر آخر کار اسکی باتوں سے متاثر ہو کر اسکا اتباع کرنے لگیں گے اور گمراہ ہوں گے۔

اور دجال پر جو یہ حالات مثل سکر اور غیبت اور بے خودی کے طاری ہوں گے حالانکہ دجال کوئی صاحب باطن نہ ہوگا بلکہ کافر ہوگا۔ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ حالات کبھی کبھی کسی باطنی سبب سے طاری ہوتے ہیں، اسی طرح جن لوگوں کے پاس شیاطین کی آمد و رفت ہوتی ہے تو ان شیاطین کے اثر کے غلبہ سے بھی اس شخص پر یہ حالات طاری ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کاہنان عرب کے متعلق جو لکھا ہے کہ ان پر ایک قسم کی مدہوشی سی طاری رہتی تھی تو اسکی وجہ بھی وہی شیاطین کے اثر کا غلبہ تھا۔ اور کاہنوں کا تو شیاطین سے خاص تعلق ہوتا ہے کیونکہ وہ شیاطین ہی سے ادہر ادہر کی خبریں دریافت کرتے ہیں۔ تو چونکہ دجال کے پاس بھی شیاطین کی آمد و رفت ہوگی اسلئے اس پر بھی شیاطین کے اثر کا غلبہ ہوگا۔ اس وجہ سے دجال پر بھی ایک قسم کا سکر اور بے خودی سی طاری ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب اسکے بعد پھر حضرت دہلویؒ کا کلام پیشِ خدمت ہے، فرمایا کہ :-

وشیطان ونفس کہ سگ ودربان بارگاہ قبولیت اند ایشاں را نمی گذارند کہ دراں مقام واصل شوند، ومحفوظ از شرور شیطان ونفس رسیدن ممکن نیست مگر بوسیلۂ اعمال صالحہ وتخلی از رذائل مذکورہ۔ وتحلی بفضائل وتخلی از رذائل بمنزلۂ چوبدار ونقیب است کہ خود بخود انسان را بمقام مقصود رساند واحیاناً اجتباءے ازاں بارگاہ میرسد کہ بدون مزاولتِ اعمال ومقاسات تکالیف شاق اورا فائز بقبولیت سازد۔

دریں قسم بندگان برگزیدہ حاجت بہ تربیتی وتلقینی ندارند۔ خدا خود مربی ایشاں میشود وتحلی بفضائل وتخلی از رذائل بدون امتنان احدی از مخلوقات وبدون کشیدن تکلیفات ایشان را ارزانی می فرماید۔

(صراط مستقیم ص۶۵)

اور نفس وشیطان جو کہ بارگاہ قبولیت حق کیلئے بمنزلہ کتے اور دربان کے ہیں یہ دونوں ان لوگوں کو وہاں تک پہونچنے ہی نہیں دیں گے۔ اور شیطان اور نفس کے شرور سے بچکر وہاں پہونچنا بجز اعمال صالحہ کی وساطت کے اور بجز مذکورہ رذائل کے ازالہ کے ممکن نہیں ہے اور فضائل سے آراستہ ہونا اور رذائل سے خالی ہونا یہ دونوں چیزیں بمنزلہ چوبدار اور نقیب کے ہیں کہ انسان کو خود بخود مقام مقصود تک پہونچا دیتی ہیں۔ یوں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ہی کی جانب سے اجتباء یعنی جذب ہو جاتا ہے، اسوقت بغیر کچھ کیے ہوا اور بدون تکلیف ومشقت اٹھائے ہوئے ہی اجتباء اسکو مقبولیت کے مقام پر فائز کردیتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کیلئے تربیت اور تلقین کی بھی حاجت نہیں رہ جاتی بلکہ خدا تعالیٰ ہی خود انکا مربی ہو جاتا ہے اور فضائل سے آراستہ ہوتے اور رذائل سے خالی ہونے میں ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کا ممنون احسان بھی نہیں فرماتا اور نہ انکو اس سلسلہ میں مشقت ہی اٹھانی پڑتی ہے۔

ناظرین کے افادہ اور تتمیم فائدہ کے لئے ہم نے یہاں صراط مستقیم کی یہ طویل عبارت پوری کی پوری لکھدی ورنہ مقصد صرف اسکے بعض ہی اجزاء پر کلام کرنا تھا اور وہ چند مقامات ہیں۔ ایک تو یہ کہ مولانا نے علماء طریق کی ان کتابوں کے متعلق جن میں رذائل کے اسباب اور معالجات کا مفصل بیان ہے یہ جو فرمایا کہ "لیکن آں باوجود شدت وضوح کفایت نمی کرد" تو اسکا کیا مطلب ہے؟ دوسرے یہ کہ ان کتب متطاولہ کے مطالعہ سے

ایک طبقہ پر یاس کی جو کیفیت ہوئی تو اسکا منشا کیا تھا؟ ـــــــ اور جن لوگوں نے اپنے آپ کو اصلاح سے بے نیاز سمجھ لیا اور یہ خیال کیا کہ اُن میں سب فضائل ہی فضائل ہیں رذائل سے وہ بالکلیہ خالی ہیں انکا خیال کہاں تک صحیح ہے؟ اور انکو یہ خیال کیوں پیدا ہوا؟ ـــــــ اب میں ان سب امور پر مفصل کلام کرتا ہوں۔ غور سے سنئے۔

(۱) پہلی بات یعنی یہ کہ مولانا دہلویؒ کا علمارِ اخلاق اور علمارِ تصوف کی ان کتابوں کے متعلق (جن میں انھوں نے ہر ہر رذیلہ کی علامات، اسباب اور اسکے معالجات پر نہایت محققانہ اور بسیط کلام فرمایا ہے) یہ فرمانا کہ "آں با وجود شدت وضوح کفایت نمی کرد" اسکا کیا مطلب ہے؟ ـــــــ تو اسکے متعلق عرض کرتا ہوں کہ ایک عرصہ تک میں خود اسی میں غلطاں و پیچاں رہا کہ آخر حضرت دہلویؒ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ دیکھتا تھا کہ مثلاً احیار العلوم میں امام غزالیؒ جیسے محقق نے اخلاق پر نہایت ہی مفصل گفتگو فرمائی ہے اور اس سے بہت سے اللہ کے بندوں کو نفع بھی ہوا ہے تو پھر مولانا دہلوی کا اس قسم کی کتابوں کے متعلق یہ فرمانا کہ کفایت نمی کرد" یعنی کافی نہیں ہوتی تھیں" اسکا مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ خیال ہوتا تھا کہ امام کی ایسی عظیم الشان خدمت بھی جب کافی نہیں ہوئی تو پھر آخر کافی کیا چیز ہوگی۔ نیز یہ کہ خود مولاناؒ بھی اسکے وضوح بلکہ شدت وضوح کے معترف ہیں، مگر اسکے باوجود کسی چیز کا کفایت نکرنا ابتداءً سمجھ میں نہ آیا تھا لیکن بعد میں اسکی ایک توجیہ الحمدللہ ذہن میں آگئی۔ آپ بھی اسکو سنکر کہیں گے کہ ہاں مولاناؒ کا یہی مطلب ہے ـــــــ وہ یہ کہ مولانا نے ان کتب کے متعلق یہ نہیں فرمایا ہے کہ وہ بیکار یا غلط ہیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ باوجود شدت وضوح کے کافی نہیں ہوتی ہیں۔ تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ایک تو ہوتا ہے کسی چیز کا علم، اور ایک ہوتا ہے اسکے ساتھ اتصاف۔ تو کوئی شخص مثلاً احیار العلوم کو حفظ ہی کیوں نہ کرلے تو اس سے کیا ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ اسکو قواعد کلیہ کے طور پر رذائل نفس کا علم ہو جائے گا لیکن اسکے اصلاح نفس کیلئے محض قواعد کلیہ کا علم تو کافی نہیں ہے۔ اصلاح تو اس سے ہوگی کہ آدمی کسی رذیلہ کو جانے اور اسکے متعلق یہ جانے کہ یہ رذیلہ میرے اندر بھی موجود ہے۔ چنانچہ اسکی علامات اور اسباب کی

روسے اسکا اپنے اندر پایا جانا اس پر خوب واضح ہو جائے۔ جب ایسا ہوگا تب ہی اسکی
اصلاح ہوگی ورنہ صرف مذمت اور برائی تو بہت سے رذائل کی ہر شخص ہی جانتا ہے
بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم تک جانتے ہیں کہ تکبر بری شے ہے۔ غصہ کرنا
اچھا نہیں ہے۔ نفاق بدترین خصلت ہے۔ وعدہ خلافی عیب کی بات ہے اور کسی پر ظلم
نہیں کرنا چاہئے وغیرہ وغیرہ

پس میرے خیال میں مولاناؒ یہاں اسی کو فرما رہے ہیں کہ امام غزالیؒ نے مثلاً یا اور
جن اکابرین فن نے رذائل پر مبسوط کتابیں لکھی ہیں اور واقعی انکی وضاحت کے سلسلے میں جیسے
کہتے ہیں بال کی کھال نکالکر رکھدیا ہے تو اس سے کسی کو صرف ان رذائل کا علم ہی تو ہو سکتا
ہے اور انسان کو رذائل سے باز رکھنے اور فضائل سے اسکو آراستہ کرنے کیلئے ہی اتنا
کافی نہیں ہے گو علم کے درجہ میں یہ بیان بہت ہی زیادہ واضح کیوں نہ سمجھا جائے بلکہ رذائل سے
اجتناب اور فضائل سے اتصاف کے لئے ان کتب کے بیان کے علاوہ اور بھی کسی چیز کی
ضرورت ہے جسکو مولانا دہلویؒ آگے خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ :-

پس مناسب حال ابنائے روزگار	پس ابنا زمانہ کے مناسب حال یہ ہے کہ
ایں است کہ چنانکہ اشغال و مراقبات	جس طرح سے معرفت الٰہی کے حصول کی خاطر اشغال و مراقبات
بنا بر وصول بمعرفت الٰہی می نمایند ہمچنیں	کرتے ہیں اسی طرح سے خود ان رذائل کیلئے بھی مراقبہ کیا کریں یعنی
مراقبہ برائے ایں امور ہم پیش گیرند۔	انکا اپنے اندر ہونا غور و فکر کے ذریعہ دریافت کریں۔

مولاناؒ کے یہ الفاظ نص ہیں اس امر میں کہ مولانا کی اس عبارت کا کہ "لیکن آن بیان
باوجود شدت وضوح کفایت نمی کرد" وہی مطلب ہے جو میں عرض کر رہا ہوں۔ باقی مولاناؒ
نے اسکے عدم کفایت کی کمی کو ان اخلاق رذیلہ کے مراقبہ سے پورا فرمایا۔ اور میں کہتا ہوں
کہ اسکے لئے کسی شیخ کامل سے مراجعت کی حاجت ہے اسلئے کہ کتاب کا کام تو صرف یہ ہے
کہ وہ قواعد کلیہ کا علم کرا دے۔ رہی یہ بات کہ آدمی میں کون کون سے رذائل موجود ہیں، اسکی
وجہ سے اس سے کن کن افعال، اقوال اور احوال کا صدور ہو رہا ہے اور ان سب کا منشاء
اسکا کون سا باطنی رذیلہ ہے ؟ اسکی جانب تو رہنمائی کوئی شیخ کامل ہی کر سکتا ہے۔

یہ کام کتاب کا نہیں ہے نہ مرید کے بس کی چیز ہے الا ما شاء اللہ۔ اسلئے کہ اگر کتاب ہی اسکے لئے کافی ہوتی تو کتاب اللہ سے بڑھکر تو دوسری کوئی کتاب نہیں ہوسکتی تھی اسکے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ نہ قائم فرمایا جاتا۔ اور طب کی کتابیں جن میں مرض کی حقیقت، اسباب علامات اور معالجات بالتفصیل بیان ہوتے ہیں تنہا وہی مریض کے لئے کافی ہوجاتیں اور انکے بعد پھر کسی طبیب کی ضرورت باقی نہ رہ جاتی۔

پس جسطرح سے قرآن شریف کے بعد بھی جسکی شان یہ ہے کہ ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن ٭ تقاصر عنہ افہام الرجال

(یعنی قرآن شریف میں تمام ہی علوم موجود ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں)

اسکے باوجود ہم عمل بالقرآن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کی سنت کے محتاج ہیں اسی طرح سے تصوف کی کوئی کتاب بھی خواہ وہ کتنی ہی واضح کیوں نہو تنہا ازالۂ مرض اور اتصاف بالفضائل کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ اسکے بعد بھی شیخ کامل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ کتابوں کے ذریعہ سے صرف علم حاصل ہوتا ہے اور کسی چیز کے عالم ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ آدمی اس چیز سے متصف اور اسپر عامل بھی ہو اس مقام پر جی چاہتا ہے کہ بوعلی سینا کا ایک واقعہ بیان کردوں جو ہمارے مدعا کے اثبات کے لئے نہایت واضح دلیل ہے۔

بوعلی سینا ایک بزرگ سے ملنے گیا جب واپس آنے لگا تو اپنا ایک آدمی چھوڑ آیا اور اس سے کہا کہ شیخ میرے متعلق جو کچھ کہیں تم مجھکو اس سے مطلع کرنا۔ حضرت نے کچھ بھی نہیں فرمایا پھر بوعلی سینا نے اسکو لکھا کہ شیخ سے میرے بارے میں تم از خود پوچھو پھر جو فرمائیں مجھے لکھو چنانچہ اس نے ایک دن شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ بوعلی سینا کیسا شخص ہے فرمایا بوعلی عالم ہے فاضل ہے" و لے اخلاق ندارد" اس نے بوعلی سینا کے پاس لکھکر بھیجدیا کہ شیخ نے ایسا ایسا فرمایا ہے۔ یہ سنکر بوعلی سینا نے علم اخلاق میں ایک مبسوط کتاب لکھی جسمیں رذائل کے اسباب، علامات اور معالجات سے مفصل بحث کی اور لکھکر اسی شخص کے واسطہ سے شیخ کے پاس بھیجا۔ شیخ سمجھ گئے کہ یہ میری اس بات کا جواب ہے۔

فرمایا کہ "من نہ گفتہ بودم کہ اخلاق نداند بلکہ گفتہ بودم کہ اخلاق ندارد" یعنی میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اخلاق جانتا نہیں اور اسکا اسکو علم نہیں ہے بلکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ اخلاق رکھتا نہیں۔

دیکھا آپ نے شیخ نے بوعلی سینا کی ساری تصنیف کا جواب دو لفظوں میں دیدیا اس سے معلوم ہوا کہ باوجود اس قدر علم وفضل کے بھی، بوعلی کو دانستن اور داشتن کا فرق بھی ملحوظ نہیں تھا۔ بوعلی سینا نے اپنے دانستن کو ثابت کرنا چاہا اور شیخ نے اسکے داشتن کا انکار فرمایا۔ اس واقعہ سے خوب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ کسی چیز کا علم ہو جانا اور بات ہے اور اسکے ساتھ متصف ہونا اور بات ہے۔ پس یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کسی چیز کو جانتا ہو مگر اسکے ساتھ متصف نہو —— اب مولانا دہلویؒ کے کلام کا مفہوم بھی اس سے صاف ہو گیا کہ علمائے فن کی ان مبسوط کتابوں میں باوجودیکہ رذائل کی بحث نہایت واضح طور پر موجود ہے مگر اصلاح کیلئے کافی نہیں ہے اور انکی اصلاح کے ساتھ متصف ہونے کے لئے کسی شیخ کامل کی حاجت باقی رہجاتی ہے۔ اس تقریر سے آپ نے بھی سمجھ لیا ہو گا کہ واقعی مولاناؒ کا وہی مطلب ہے جو میں عرض کر رہا ہوں۔

(۲) دوسری بات مولانا دہلویؒ نے یہ جو فرمایا کہ "ارباب ہمم قاصرہ" یعنے کم ہمتوں پر ان طول طویل تصنیفات کا یہ اثر پڑا کہ اصلاح رذائل سے انکو یاس ہو گئی اور انکی تفصیلات کو دیکھکر گھبرا گئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ دوسرے ہی لوگ تھے جنھوں نے یہ سب کیا ہم سے تو یہ سب نبھنے والا نہیں، اسلئے وہ تو اصلاح ہی کی جانب سے مایوس ہو گئے تو اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں اور ان پر واقعی یہی اثر پڑا جو مولاناؒ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ مجھے بھی بتحقیق ایسے افراد کا علم ہے کہ انکے شیخ نے انکو احیاء العلوم کے مطالعہ کا مشورہ دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسکے مطالعہ کے بعد طریق ہی سے بھاگ نکلے لیکن اسکی حقیقی وجہ کیا تھی اسپر میں آئندہ سطور میں مفصل کلام کروں گا۔

(۳) اور تیسری بات مولاناؒ نے یہ جو فرمائی کہ ایک جماعت ایسی بھی ہوئی ہے کہ اس نے خود کو ان رذائل سے خالی اور انکی اضداد سے متصف گمان کر کے یہ سمجھ لیا کہ ان کو اصلاح کی ضرورت ہی نہیں ہے اسلئے کہ وہ محاسن سے متصف اور رذائل سے خالی ہیں۔

اسکے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس جماعت کے اس سمجھنے میں ان کتابوں کا تو کوئی قصور ہے نہیں ہے بلکہ یہ تو خود انکی فہم کا فتور اور قصور ہے کہ ان لوگوں نے نصوص قرآن و حدیث کے خلاف یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم میں کوئی عیب ہی نہیں ہے۔ جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔ اس میں تصریح ہے کہ نفس اپنی ذات کے اعتبار سے تو امارہ بالسوء ہی ہے باقی جس کے شامل حال فضل خداوندی ہی ہو جائے اور مجاہدہ کے ذریعہ اسکو لوامہ اور مطمئنہ کر لے تو یہ الگ بات ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

اسلئے یہ لوگ تو بالکل ہی گئے گذرے ہیں اور اس قابل بھی نہیں کہ ان سے خطاب کیا جائے بلکہ مناسب ہے کہ انکو اپنے خیال ہی میں سرمست چھوڑ دیا جائے تاکہ جب ذرا غبار دور ہو تو انکو اپنا انجام خود بخود معلوم ہو جائے ؎

فسوف ترىٰ اذا انكشف الغبار افرسٌ تحت رجلك ام حمار

(عنقریب تم بھی دیکھ لوگے جب ذرا غبار چھٹ جائیگا کہ تمھارے قدموں تلے گھوڑا ہے یا تم گدھے پر سوار ہو)

البتہ وہ لوگ جنھوں نے علمار تصوف کی کتابوں کو دیکھکر اپنے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ ہم سے یہ راہ نہ چلی جائے گی انکو میں ان لوگوں سے غنیمت سمجھتا ہوں۔ کیونکہ انکے اندر فی الجملہ تو تدین پایا جاتا ہے اسلئے کہ یہ لوگ اپنے کو باعیب سمجھتے ہیں لیکن حوصلہ کی کمی کیوجہ سے راستہ چلنے کی ہمت نہیں ہوتی باقی چاہتے ہیں کہ اگر راہ سہل ہوتی تو ضرور اسپر چلتے۔

اسی پر میں ذرا مفصل گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دو جماعتیں کیوں بنیں اور اس میں قصور آیا ان علمار کا ہے جنھوں نے ایسی ایسی بسیط کتابیں لکھدی ہیں یا الزام خود انھیں لوگوں کے سر ہے۔ تو میرا خیال ہے کہ مولانا دہلویؒ نے یہ بالکل صحیح فرمایا کہ ایک طبقہ نے ان کتابوں سے یاس ہی کا اثر لیا مگر آپ کے سامنے مدلل بیان کرتا ہوں کہ اسکا منشا درحقیقت وہ کتب اور انکا بیان نہ تھا بلکہ اسکا سبب خود ان سمجھنے والوں اور اثر لینے والوں کے اندر موجود تھا اور انکا اسکی جانب سے صرفِ نظر کرکے اپنے یاس کی نسبت ان کتابوں کی جانب کرنا بالکل اسکا مصداق ہے کہ ؎ خود فراموشی کند تہمت دہد استاد را۔

اب سنئے اسکا اصل منشا کیا ہوا اور لوگ طریق سے کیوں بھاگ نکلے؟ بات یہ ہے کہ نفس کی معرفت اور نفس کے رذائل کی معرفت کچھ آسان نہیں ہے اور اسکی اصلاح کرنا کوئی کھیل نہیں ہے بلکہ نفس کی اصلاح کرنا لوہے کے چنے چبانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی جس کے شامل حال ہو جائے وہی تو اس وادی میں قدم رکھ سکتا ہے اور اسی پر تو کچھ اپنے نفس کے عیوب کھلتے ہیں ورنہ تو بالعموم لوگ اس میدان سے بھاگ ہی نکلتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنے کا یہ راستہ ہے جسکی پہلی شرط اخلاص ہے۔ اسی سے عیوب کی بصیرت ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

اعلم ان اللہ عزوجل اذا اراد بعبد خیرًا بصرہ بعیوب نفسہ فمن کانت بصیرتہ نافذۃ لم تخف علیہ عیوبہ فاذا عرف العیوب امکنہ العلاج ولکن اکثر الخلق جاھلون بعیوب انفسھم یری احدھم القذیٰ فی عین اخیہ ولا یری الجذع فی عین نفسہ	جان لو کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسکے نفس کے عیوب کی معرفت عطا فرما دیتے ہیں پس جسکی بصیرت ہی تیز ہو جاتی ہے تو اسکے عیوب اس پر پوشیدہ نہیں رہتے اور جب کسی نے اپنے عیوب ہی کو جان لیا تو پھر اسکے لئے علاج بھی سہل ہو جاتا ہے۔ لیکن عام طور سے لوگ اپنے عیوب نفس ہی سے جاہل ہوتے ہیں چنانچہ ہر شخص کو اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا تو نظر آتا ہے مگر خود اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دکھائی دیتا

(احیاء ص۶۵ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو اپنے نفوس کے عیوب کا علم ہی نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص فضل نہ ہو جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انسان اصلاح رذائل اسی وقت کر سکتا ہے جبکہ پہلے سے اسکو ان امراض اور انکی قباحت کی معرفت ہو اور طبیعت میں انکی جانب سے ایک کراہت اور نفرت پیدا ہو چکی ہو اسلئے کہ انسان کا باطن خود اسپر بھی پوشیدہ رہتا ہے۔ یہ کام شیخ کا ہے کہ وہ اسکے باطن کو اسپر ظاہر کرتا ہے اور جب باطن اسپر کھل جاتا ہے اور ظاہر ہو جاتا ہے تو اسکی اصلاح آسان ہوتی ہے ورنہ تو جب تک کسی کو علم ہی نہ ہوگا اور اس پر اپنے نفس کے عیوب کھلیں گے ہی نہیں تو وہ اصلاح

آخر کس چیز کی کرے گا۔

پس وہ طبقہ جو یہ کہتا ہے کہ ہمارے اندر رذائل ہی نہیں ہیں بس فضائل ہی فضائل ہیں اسلئے ہمکو اصلاح کی ضرورت ہی نہیں ہے تو امام غزالیؒ کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ اسی منزل میں ہیں یعنی مسلوب الخیر اور مسلوب التوفیق ہیں اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا۔

اور جن حضرات پر نفس کے عیوب کچھ کھل بھی جاتے ہیں تو بعض مرتبہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھی اصلاح سے قاصر رہتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ نفس کی اصلاح اس سے دشمنی کرنے کے مرادف ہے جب تک آدمی خود اپنے نفس کا دشمن نہیں ہو جاتا اسکی اصلاح نہیں کر سکتا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ غصہ کی مثال ایسی ہے جیسے شکاری کتا جب تک اسکو نفس پر چھوڑا نہیں جائے گا نفس پر قابو پایا نہیں جا سکتا۔

میں کہتا ہوں یہی وجہ ہوئی جو لوگوں کی اصلاح نہیں ہوئی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا چاہا کیا۔ اور حالات و کیفیات کے درپے جو لوگ ہوئے تو کچھ نہ کچھ حالات بھی انکو حاصل ہو ہی گئے۔ اسی طرح ذکر و وظائف کی پابندی کی تو قلب میں کچھ سرور اور لذت بھی انکو ملی لیکن نفس کی اصلاح کیجانب چونکہ توجہ نہیں کی گئی یا یوں کہہ لیجئے کہ بہت ہی کم کی گئی اسلئے اصلاح نفس نہیں ہوئی۔ آدمی جب کسی کام کا ارادہ ہی نکرے گا تو وہ کام خود بخود کیسے ہو جائے گا۔ لوگوں نے جس کام کو کیا ہے اسمیں کامیاب رہے ہیں اور جسکو نہیں کیا وہ کچھ بھی نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کو ضروری سمجھا گیا تو کیا ہر شخص جنیدؒ و شبلیؒ ہی ہو گیا ایسا تو نہیں ہوا بلکہ لوگوں کو بقدر انکی ہمت اور عمل کے ہی مرتبہ ملا۔ اسی طرح سے اگر لوگ اصلاح نفس کی جانب بھی توجہ کرتے تو مانا کہ رومیؒ و غزالیؒ نہ بھی ہو جاتے تاہم کچھ نہ کچھ تو نفس کی اصلاح ہو ہی جاتی۔ پھر اب خود اپنے نکرنے کا الزام ان حضرات کے سر کیوں رکھا جائے کہ انھوں نے ایسی کتابیں لکھدی ہیں اسلئے لوگ کچھ نہیں ہوئے۔ میرا یہ خیال ہے کہ آپ بھی اب یہ فرمائیں گے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

علماء و مشائخ نے جسطرح سے ہر زمانہ میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق

اور ان سے محبت پیدا کرنا چاہئے، اسیطرح سے پکار پکار کر ہر زمانہ میں مصلحین امت نے یہ بھی کہا کہ نفس کی طرف توجہ بہت ضروری ہے۔ اسکا مارنا فرض ہے۔ اسکی جانب سے غافل نہ رہو۔ یہ مارِ آستین ہے۔ اسی نے شیطان کو بہکایا لیکن لوگوں نے انکی بات کو سنا تک نہیں اور یہ کچھ اسی زمانہ کا حال نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں اسکے جواب میں زبانِ قال سے اور زبانِ حال سے یہی کہکر بات کو ختم کر دیا کہ ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان سے تعلق کرنے کی فکر کی لیکن اسطرف دھیان تک نہیں دیا اور یہ بھی نہ سمجھا کہ اس تعلق کے لئے بھی سب سے بڑا روڑا خود ہمارا نفس ہے لہٰذا پہلے اسکی اصلاح کرنی چاہئے اور عجب نہیں کہ یہی وجہ رہی ہو امام غزالیؒ وغیرہ جیسے مصلحین امت نے ایسی مبسوط کتابیں لکھنے کی کہ انھوں نے دیکھا ہو کہ نفس کا علم اور اسکی اصلاح کی فکر نے عوام تو عوام اہل علم اور خواص بھی کتراتے ہیں اسلئے انھوں نے اللہ کے لئے اسی خدمت کو سب سے زیادہ اہم اور ضروری جانا اور نفس کے سب آنتے پرتے کھول کر رکھدیئے۔ تاریخ شاہد ہے اور آپ نے بھی سنا ہوگا کہ بہت سے فضلائے وقت کو امام کی یہ خدمت کچھ پسند نہ آئی، یہانتک کہ انکی عداوت میں احیاء العلوم جلائی گئی، لیکن جہاں یہ ہوا وہیں دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ پھر وہی کتاب دوبارہ سونے کے پانی سے لکھوائی گئی۔

الغرض اہل حق نے ہر دور میں امت کو نفس کی اصلاح کی جانب متوجہ کیا ہے مگر امراض قلبیہ کا علاج اور مجاہدہ کی کڑواہٹ ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اسکو برداشت کرنا آسان نہیں ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہی ہو اور جس شخص نے اپنے کو نفس کا جانی دشمن بنا لیا ہو اور اسکے مقابلہ کے لئے میدان میں سر بکف آگیا ہو، بس وہی تو کچھ کام کر سکتا ہے ورنہ معاملہ بڑا مشکل ہے۔ اسی کو کسی نے خوب کہا ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

اسی مرض کی شدت اور علاج کی مرارت (کڑواہٹ) کے متعلق امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وکما انہ لابد من الاحتمال مرارۃ الدواء وشدۃ الصبر عن المشتہیات لعلاج الابدان المریضۃ فکذلک لابد من احتمال مرارۃ المجاھدۃ والصبر لمداواۃ مرض القلب بل اولیٰ فان مرض البدن یخلص منہ بالموت ومرض القلب والعیاذ باللہ تعالیٰ مرض یدوم بعد الموت ابد الآباد (احیاء ص۶۵ ج ۳)

اور جس طرح سے امراض بدن کے علاج کے لئے دوا کی کڑواہٹ اور خواہشات سے سختی کے ساتھ صبر کرنا ضروری ہے اسی طرح سے قلب کی بیماریوں کے علاج کے لئے مجاہدہ کی تلخی اور خواہشات نفس سے صبر کرنا لازمی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر ہے اسلئے کہ بدن کا مرض تو ایسا ہوتا ہے کہ اس سے خلاصی مر کر بھی حاصل کیجا سکتی ہے لیکن قلب کے امراض (اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے) ایسے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ہمیشہ ہمیش باقی ہی رہیں گے اور ساتھ رہیں گے۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ قلب سے رذائل دور کرنے اور نفس کا علاج کرنے کے لئے بھی مثل علاج ظاہری کے دوا اور پرہیز ضروری ہے بلکہ اس سے زیادہ اہم ہے اور یہاں باطنی علاج میں مجاہدہ بمنزلہ دوا کے ہے جو نہایت ہی تلخ ہوتا ہے۔ اور خواہشات سے صبر کرنا اس میں بمنزلہ پرہیز کے ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں اب نہ مجاہدات ہی اختیار کئے جاتے ہیں اور نہ خواہشات نفسانی ہی سے صبر کیا جاتا ہے۔ جب دوا اور پرہیز دونوں ہی متروک ہوگئے تو مرض جس درجہ میں بھی ترقی نہ کر جائے کم ہے۔ ایسی صورت میں اصلاح کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ وجہ ہے اس زمانہ میں اصلاح نہ ہونے کی اور یہی دوا کی تلخی سبب ہے اہل نفس کے طریق سے بھاگ نکلنے کا۔

یہاں تک تو صراط مستقیم کے جن چند مقامات پر کلام کرنے کیلئے عرض کیا تھا وہ تمام ہوا اب یہ کہنا ہوں کہ خیر دوا کی تلخی اور پرہیز کی سختی تو سبب بنی ہی لوگوں کے بھاگنے کا لیکن آج طریق کی جانب سے عام طور سے جو بے اعتنائی ہو رہی ہے تو اسکی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ تلخی کیوجہ سے لوگوں نے اسکو چھوڑ رکھا ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس عموم ترک کی ایک بڑی وجہ اس زمانہ میں لوگوں کی طریق سے ناواقفیت اور

جہل بھی ہے۔ یعنی لوگ اسلئے اسکی طرف نہیں آتے کہ اسکی حقیقت اور اسکی اہمیت و نافعیت ہی کا انکو علم نہیں ہے ورنہ تو ایک طبقہ اگر اپنی کم ہمتی کی وجہ سے اسکو دشوار سمجھکر اس سے بھاگ نکلتا ہے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ تو اللہ کے بندے ایسے باہمت اور طالب صادق ضرور نکلتے جو اس وادی پرخطر اور پرُ خار میں بھی قدم رکھ ہی دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طلب سے ایک جماعت اگرچہ غافل رہے تاہم ایک جماعت گو وہ اقل قلیل ہو ہر زمانہ میں ایسی ضرور موجود ہوگی اور قیامت تک انشاء اللہ تعالیٰ موجود رہیگی جسے اس سے صبر نہیں ہو سکتا اور اسکا اس باب میں یہ مسلک ہوتا ہے کہ ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

(یعنی اے دل یہی بہتر ہے کہ تو سرخ شراب کا جام پی کر بدمست ہو جائے اور بدون مال و زر اور خزانہ ہی کے تجھے قارون جیسی صد حشمت حاصل ہو جائے)

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(وصال لیلیٰ حاصل کرنے میں اگرچہ ہلاکت جان تک کا اندیشہ ہے لیکن سب سے پہلی شرط اسکے لئے یہ ہے کہ تم پہلے مجنوں بنو)

(راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طلب اور تعلق کے باب میں لوگوں کی اس تقسیم کا تذکرہ صاحب ترصیع الجواہر المکیہ نے بھی اپنی کتاب کے شروع مقدمہ ہی میں فرمایا ہے، بڑا ہی نفیس اور بڑا ہی لذیذ ہے اسلئے طالبین کے لطف کے خیال سے اسکو یہاں نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ :-

"تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے توفیق دیکر سالکین کیلئے تہذیب اخلاق کو آسان فرمادیا اور انکو طالبین کے زمرہ میں داخل کرکے اپنی خدمت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی اجازت عطا فرمائی اور انکے قلوب کو ہدایت کے نور کے ذریعہ گمراہی کی تاریکیوں سے محفوظ فرمایا اور انکی بصیرتوں کو عبرت کا سرمہ لگایا جسکی وجہ سے انھوں نے حضرت جلال کا مشاہدہ کیا اور انکے قلوب کو ماسوا اللہ کی جانب التفات کرنے سے پاک فرمادیا اور ان کے باطن کو غیر اللہ کی جانب توجہ کرنے سے پھیردیا پھر انکے لئے اپنے انوار جمال کے اوائل کو اور اپنے قرب اور وصال کی ابتدائی جھلک کو منکشف فرمادیا جسکی وجہ سے یہ لوگ ہمہ تن اسکی جانب متوجہ ہو گئے اور اسکے آگے بساط خدمت پر پوری ہمت اور تندہی سے لگ گئے۔

پھر جب حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ اپنے انھیں بندوں میں سے کچھ ایسوں کا انتخاب فرمائے جو اسکے اسرار کا مخزن اور اسکے انوار کا مظہر بنیں (اور یہاں یہ حال تھا کہ ان میں قوی بھی تھے اور ضعیف بھی تیز گام بھی تھے اور سست رفتار بھی) (تو سب سے پہلے امتحاناً) انکو انوار و مقامات کے مشاہدہ کا تحفہ عطا فرمایا اور کرامات کی دلہن انکے سامنے نمودار فرمائی (جسکا انجام یہ ہوا کہ) طالب مقامات، مقامات ہی میں پھنسکر رہ گئے اور محب کرامات اسی میں الجھ گئے۔ تاہم کچھ تھوڑے سے اللہ کے بندے ایسے بھی ہوئے جو اس گھاٹی کو پار کر گئے اور انھوں نے غیر کی جانب التفات تک نہیں کیا اور باوجود خواہشات کے کسی کی طرف مائل نہیں ہوئے (پھر جب یہ لوگ اس امتحان میں کامیاب ہوگئے تو حق تعالیٰ نے انکو آزمائش کے جالوت کے مقابلہ میں لا ڈالا اور طرح طرح کی آزمائشوں سے انکا امتحان کیا اور تپایا (جس طرح سے کہ سنار برتن میں معدنیات کو رکھکر آگ میں تپاتا ہے) چنانچہ ان آلام و مصائب کی کٹھالی (گھریا) میں پڑکر جسکو پگھلنا تھا پگھل گیا۔ مگر جو لوگ کہ عالی ہمت اور یاقوت مزاج (یعنی پختہ اور ٹھوس قسم کے) تھے وہ بدستور قائم رہے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں انھیں جو کچھ بھی پیش آیا اسکی وجہ سے وہ سست گام نہیں ہوئے اور نہ اسکے امتحان و آزمائش کے برداشت کرنے میں انکے قدموں کو ذرا بھی لغزش ہوئی، اور ان میں ایک ممتاز جماعت تو ایسی بھی ہوئی جس نے اپنے رب اور اسکے فیصلہ کی محبت کی خاطر ان آزمائشوں میں لذت و راحت محسوس کی (اور بزبان حال یہ کہا) کہ اگر تمھاری خوشی اسی میں ہے کہ میں تمھارے عشق و محبت میں ہلاک ہو جاؤں اور تمھارے لئے بقا ہے تو بس مجھے اس ہلاکت ہی میں مزا اور راحت ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی محبت میں راسخ القدم اور ثابت القدم پایا اور یہ دیکھا کہ انکا تعلق اپنے مالک حقیقی کے ساتھ بالکل ماں اور بچے کا سا ہو گیا ہے۔ وہ ماں جسکی جانب سے بچہ ہمیشہ خیر ہی دیکھتا رہا ہے حتیٰ کہ اگر وہ دھکے بھی دیتی ہے تو یہ پھر اسی پر ٹوٹ کر گرتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اسکی نگاہوں میں اسکے سوا کوئی دوسرا ہوتا ہی نہیں تو حق تعالیٰ نے بھی اپنے اجتبار کا باب انکے لئے کھولدیا اور ولا اور دوستی کے دربار میں انکو داخل فرمایا۔ (جذب)

اور پھر انکو اپنے انس کے فرش پر بٹھایا اور اپنی شراب قدس کا گھونٹ پلایا جسکی وجہ سے کچھ لوگ تو مست ہو کر بہکی بہکی باتیں کرنے لگے اور صبر کا دامن انکے ہاتھوں سے چھوٹ گیا بس وجد اور شوق کی باتوں کو بطور کنایہ اشعار میں اور شہود و مشاہدہ کی باتوں کو پردے پردے میں بیان کرنے لگے۔

مگر کچھ لوگ ان ہی میں ایسے بھی ہوئے جنھوں نے راز محبوب کو پوشیدہ ہی رکھا اور زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن یہ کیا کہ اپنے قلب کا گریبان چاک کر لیا اور حق تعالیٰ کے شہود سے ٹکرا کر خود کو پارہ پارہ کر لیا مگر غیر محبوب سے سر محبوب کچھ بیان نہیں کیا اور اپنے اس حال پر نہایت درجہ مستحکم رہے اور ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ تو تم ان پہاڑوں کو ٹھہرا ہوا خیال کرتے ہوگے حالانکہ یہ بادلوں کی مانند اڑتے پھر رہے ہیں (یعنی انھیں قرار نہیں ہے۔ کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی تھے)۔

تو اللہ تعالیٰ انھیں ظہور و خفاء، فنا اور بقا دونوں ہی راہوں سے لے چلے اسطرح سے کہ ان میں باہوش بھی تھے اور مدہوش بھی۔ بعضوں کے چلنے میں رسوخ تھا اور بعضوں کے اندر حیرانی و سرگردانی۔ تاہم سب ہی کو انکے مقامات پر متمکن فرما دیا۔ کسی کو معروف و مشہور کر کے اور کسی کو مخفی و مستور کر کے (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ) ہم سب کی مدد کرتے ہیں آپ کے رب کے عطا کے ساتھ اُنکی بھی اور اِنکی بھی۔ اور آپ کے رب کا عطیہ لوگوں سے ممنوع یعنی روکا ہوا نہیں ہے۔

چنانچہ اسکے فضل کے جھونکوں سے ان کے قلوب میں تقویت آگئی کہ وہ لوگ حامل اسرار الٰہی بن گئے اور اسکی توفیق کی برکت سے اس کی چوکھٹ پر انکی رضا کی گردن اپنے تدبیر و اختیار کے جوئے کو پھینک کر اس سے دست بردار ہوگئی (یعنی سمجھ لیا کہ بس اسی کی جانب سے عطا ہے اور اسی کی طرف سے بدلہ ملتا ہے اور اسی کے قبضہ میں نزدیک کرنا اور دور کرنا ہے)۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے صاحب ترصیع کا یہ مضمون، سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے طالبین کا امتحان اور دیوانگانِ عشق کا اپنے مولا کی طلب میں سر و جان

کی بازی لگا دینے کو کس قدر موثر طریق سے بیان فرمایا ہے۔ یہی ہمارے حضرتؒ کے فرمانے کا بھی حاصل ہے کہ اگر لوگوں کے لئے صرف تلخیٔ راہ ہی مانع بنتی تو کوئی بھی اس راہ میں قدم نہ رکھتا لیکن بہت سے اللہ والوں نے جبکہ غایت نشاط اور نہایت شوق سے اس راہ میں قدم رکھا ہے تو معلوم ہوا کہ اور دوسروں پر اسکی اہمیت اور نافعیت ہی خاطر خواہ نہ کھل سکی اور لوگ اس سے ناواقف اور جاہل ہی رہے اسلئے اسکی جانب کم آئے۔ واللہ اعلم۔ از ناقل عفی عنہٗ)۔

اب آگے پھر حضرت والاؒ کا ارشاد عرض کرتا ہوں فرمایا کہ :۔

اور میرا یہ خیال کہ عدم اصلاح کا سبب جہل ہے کچھ اپنی جانب سے نہیں ہے بلکہ ابھی آپ نے امام غزالیؒ کے کلام میں ملاحظہ فرمایا کہ " اکثر الخلق جاہلون بعیوب انفسہم یعنی عام طور سے لوگ اپنے نفس کے عیبوں سے جاہل ہیں۔

آج دنیوی اعتبار سے لوگوں نے چاہے جتنی ترقی کرلی ہو لیکن دین کے اعتبار سے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ زمانہ بہت پیچھے ہوگیا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اس دور میں جہاں اور سب چیزوں میں ترقی ہوئی اسی طرح سے جہل میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ بالخصوص طریق کی باتوں سے لوگ اجنبی ہوگئے ہیں اور دینی فہم اور بصیرت ایمانی کا تو گویا خاتمہ ہی ہوگیا ہے اسی لئے امامؒ نے فرمایا ہے کہ لوگ اپنے عیوب سے ایسے جاہل ہیں کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکا تو دیکھ لیتے ہیں اور اپنی آنکھ کا شہتیر تک انکو نظر نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ سب علم ہی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے یا جہل کے لوازم سے یہ سب باتیں ہیں۔

پھر جب جہل مسلم ہوگیا تو جاننا چاہئے کہ اس کے ازالہ کا طریقہ علم ہے اور انسان علم و ادب یا تو بزرگوں کی صحبت سے سیکھتا ہے (اور اصل اس باب میں یہی ہے) اور یا پھر بزرگوں کی کتابوں اور انکے حالات کے پڑھنے سے حاصل کرتا ہے۔

اب اس زمانہ میں نہ تو اس کثرت سے بزرگ ہی موجود ہیں کہ ہر جگہ کے لوگ انکی صحبت سے مستفید اور مستفیض ہوکر علم حاصل کریں اور اگر کہیں کوئی موجود بھی ہوا تو انکار کے شیوع۔ قلت ادب اور فقدان اخلاص کیوجہ سے انکو پہچاننا بھی دشوار ہی ہے اسلئے

جبتک کسی کی رسائی کسی کامل شیخ تک نہو سکے اسکے لئے علمائے معتبرین کی تصنیفات محققین کے حالات۔ واقعات اور ملفوظات کا مطالعہ دین پیدا کرنے کے لئے متعین ہے۔ اسکے خلاف اگر کوئی مضمون کسی محقق کا بھی مشہور ہے تو وہ مُأوَّل ہے۔ مثال کے طور پر اکبرالہ آبادی کا ایک شعر نقل کرتا ہوں اور پھر اپنی فہم کے مطابق اسکی توجیہ کر کے اسکا مطلب بھی بیان کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں ؎

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ بہت ہی مشہور ہے اور زبان زد خاص و عام ہے۔ لیکن اگر آپ اسکے ظاہری لفظوں سے جو مطلب مفہوم ہوتا ہے اسکو لیجئے گا تو کتابوں کی اہمیت اور عظمت کا قصر یکسر منہدم ہو جائے گا۔ کیونکہ بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دین پیدا ہونے کا ذریعہ ایک ہے اور صرف ایک ہے اور وہ ہے بزرگوں کی نظر اور اس سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ پھر تو کتابوں کے یہ ذخیرے، کتب خانے دارالمطالعے اور مدارس وغیرہ یہ سب چیزیں بالکل بیکار اور معطل محض ہو جاتی ہیں کیونکہ جب دین پیدا کرنے میں انکو کچھ دخل ہی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ کوئی انکی جانب توجہ کیوں کرے اور کسی دیندار کے لئے ان امور میں خوشی کا کون سا پہلو رہ جاتا ہے۔

اس غلط فہمی کے پیش نظر اس کلام میں تاویل کی ضرورت پیش آئی میں نے اسکو یوں سمجھا ہے کہ ایک تو دین ہے اور دوسرے تدین ہے۔ دین تو کتابوں میں ہی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ حدیث شریف کا علم حدیث کی کتابوں میں ہے اور فقہی مسائل کا علم فقہ کی کتابوں میں ہے۔ یہ تو دین کے متعلق عرض ہے۔ باقی تدین یعنی دین کا عملی طور پر عامل کے اندر آجانا یہ متدین کی صحبت سے ہوتا ہے اور متدین اسکو کہتے ہیں جو دین کو اپنے اندر عملی طور پر پیدا کرے تو یہ تدین بغیر متدین کے نہیں ہوسکتا۔ تدین کتاب کی صفت نہیں ہے، متدین کی صفت ہے پس قائل نے یہاں دین کا لفظ جو استعمال کیا ہے وہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے بلکہ تدین کے معنی میں ہے۔ اب اسکے بعد یہ کلام ایک درجہ میں صحیح بھی ہے قائل کا یہ کہنا کہ باوجود کثرت کتب علم کے جو دین لوگوں میں نہیں ہے اسکا

سبب یہ ہے کہ دین یعنی تدین کتاب سے حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ (یعنی تدین) دیندار (یعنی متدین) سے حاصل کرنے کی چیز ہے، اور یہ بالکل صحیح ہے اور میں یہاں ایک بات اور کہتا ہوں کہ تدین تو متدین کی صفت ہے ہی دین کا صحیح علم بھی کتابوں سے نہیں آسکتا۔ ہمارے استاد حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ محض کتاب دیکھکر کسی کو رکوع کرنا بھی نہیں آسکتا تھا۔ صرف کتاب سے اگر لوگ اسکو عمل میں لاتے تو باہم سخت اختلاف ہوتا کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا۔ اسکے حد کے اندر سخت اختلاف ہوتا اب تعامل امت سے یہ سب چیزیں آسان ہوگئی ہیں۔

کتاب کی ضرورت مسلم ہے۔ کتاب میں قانون ہوتا ہے اور اسکا علم قانون داں کو ہوتا ہے۔ تدین تو بجائے خود رہا علم بھی کسی کتاب کا یا کسی قانون کا اسکے عالم ہی کے پاس ہوتا ہے اسلئے نہ کتاب سے استغنا رہو سکتا ہے اور نہ اہل علم سے۔ کتاب سے تو ہم اسلئے مستغنی نہیں ہوتے کہ علوم مدون اور منضبط جو ہیں تو وہ کتابوں ہی میں ہیں اور عالم سے اسلئے مستغنی نہیں ہیں کہ علم کتاب کی صفت نہیں ہے بلکہ عالم کی صفت ہے یعنی اسکا وصف ہے جو اسکے اندر ہوتا ہے اسلئے علم کی بھی تحصیل کیلئے اہل علم کی صحبت اور علماء سے استفادہ ناگزیر ہے۔

میں نے مذکورہ بالا شعر کی جو توجیہ پیش کی ہے اس سے مقصد صرف یہ تھا کہ کہیں لوگ اسکو بے محل نہ استعمال کرنے لگیں اور اس سے معاذ اللہ کتابوں کی عدم ضرورت اور عدم افادیت پر نہ استدلال کرنے لگ جائیں۔

لیکن اس توجیہ سے میری غرض یہ بھی نہیں ہے کہ کتاب ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جائے اور اسکی وجہ سے لوگ اہل علم کی صحبت سے خود کو مستغنی تصور کرنے لگیں۔ کیونکہ دونوں خیالات غالی از افراط و تفریط نہیں اسلئے قابل اصلاح ہیں صحیح اور اعدل الاقوال یہ ہے کہ ہم کتاب کے بھی محتاج ہیں اور علماء کے بھی۔

بہرحال میں کہہ یہ رہا تھا کہ آج اصلاح جو نہیں ہو رہی ہے تو اسکا اصل سبب جہل ہے اور اسکے ازالہ کا ذریعہ بزرگوں کی صحبت یا اسکے میسر نہ آنے کی صورت

ہیں انکی کتاب کا مطالعہ ہے۔ چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر جی چاہا کہ اخلاق رذیلہ میں سے ایک ایک پر کلام کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو انکا علم تو ہو جائے کیونکہ عمل فرع ہے علم کی جب کسی بات کا علم ہی نہ ہوگا تو اس پر وہ عمل کیا کریگا۔ میں نے برکت کے خیال سے اپنے مضمون کی ابتدا اپنے بعض اکابر کے کلام سے کی ہے، چنانچہ الحمدللہ اسکی تشریح کے سلسلہ میں آپ کے سامنے بہت سی معلومات آگئیں۔ اب اسکے بعد اصل مقصد پر گفتگو کرتا ہوں اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے اخلاق کی تقسیم کرتا ہوں اور پھر اسکے معنی بیان کرونگا۔ سنیئے:۔

اخلاق جمع ہے خُلق کی ہم اسکی تقسیم کا بیان پہلے اسلئے کریں گے کہ اسی تقسیم سے خُلق کے مفہوم کی بھی تعیین ہو جائے گی خُلق کی دو قسمیں ہیں ایک خُلق حسن۔ دوسرا خُلق سئی یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ ایک خلق محمود دوسرا خلق مذموم۔ یہ خلق افعال اور اقوال کے علاوہ ایک باطنی چیز اور قلب کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ ظاہری اقوال و افعال اسی کے تابع اور فرع ہیں۔ یہ خلق اگر حَسَن ہوا تو انسان کا ایک بہت بڑا کمال ہے۔ اسی لئے شریعت میں اخلاق حمیدہ کی مدح اور اخلاق رذیلہ کی مذمت افعال ظاہری سے زیادہ بیان ہوئی ہے۔ جس شخص کے اخلاق جتنے زیادہ اچھے ہوں گے اتنا ہی وہ شخص بڑا سمجھا جائے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یعنی مخلوق کے نزدیک بھی اور خالق کے نزدیک بھی اور یہ جو کہا گیا ہے کہ خُلق قلب کی صفت ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلق کا اثر ظاہر پر پڑتا ہی نہیں۔ قلبی اخلاق کا اثر ظاہر پر بھی پڑتا ہے چنانچہ جس کے باطن میں خُلق حَسَن ہوتا ہے تو اسکا ظاہر بھی اچھا ہوتا ہے اور جس کا باطن خراب ہوتا ہے تو اسکا اثر ظاہر میں بھی نظر آتا ہے ——— بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف اسی کا نام اخلاق نہیں ہے۔ اور ان ظاہری اقوال اور احوال کو جو خُلق کہا جاتا ہے تو یہ اسلئے کہ اسکا منشا کوئی باطنی خلق ہوتا ہے اور اگر کسی کا ظاہر صرف اچھا ہے اور باطن میں اس کا منشا موجود نہیں ہے بلکہ اسکی ضد موجود ہے تو پھر یہ یا تو نفاق ہے یا ریاکاری کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کے قلب میں تو کوئی خلق موجود نہو لیکن وہ اپنے ظاہر کو اچھا بنالے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل خلق قلب ہی میں ہوتا ہے

اور یہ قلب ہی کی صفت ہے۔

اس تقسیم کے بعد اب اسکی تعریف سنئے۔ منہج العمال میں ہے کہ

اعلم ان حسن الخلق هو معاملتك مع كل احد بما يسره الا فيما يخالف الشرع ۔	جانو کہ حسن خلق نام ہے ہر ایک کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کا جو اسکو خوش کردے بجز ان چیزوں میں جو خلاف شرع ہوں (کہ انکو کرکے خوش کرنا جائز نہیں)۔

اور حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ الخلق معناه معاملة المخلوق حسب رضاء الخالق یعنی مخلوق کے ساتھ اسطرح معاملہ کرنا جو خالق کی رضاء کے موافق ہو۔ نیز حضرتؒ ہی سے اسکے یہ معنی بھی منقول ہیں کہ الخلق ہو المعاملة بالخالق والمخلوق حسبما یرضی به الخالق یعنی خالق و مخلوق سب کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جو خالق کے منشاء اور رضاء کے مطابق ہو تو اس معنی کر تو خلق کا مفہوم تمام شریعت ہی یعنی جملہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو حاوی ہو جائیگا۔

اور یہ جو کہا گیا ہے "الا فیما یخالف الشرع" تو میرے نزدیک شمائل ترمذی کی یہ حدیث اسکی اصل ہے

عن عائشه قالت ما ضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده شيئا قط الا ان يجاهد فى سبيل الله ولا ضرب خادمًا ولا امرأةً ۔	حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کسیکو کبھی نہیں مارا مگر اللہ تعالیٰ کے راستہ کا جہاد اس سے مستثنیٰ ہے، اور نہ کسی خادم کو مارا نہ کسی عورت پر ہاتھ اٹھایا۔

شامی میں خُلق کے معنی الفة کے بیان کئے گئے ہیں۔ "باب الاحق بالامامة" میں لکھتے ہیں کہ ثم الاحسن خُلُقًا بالضم ای الفة بالناس۔ یعنی پھر جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ یعنی لوگوں سے میل محبت اور الفت اسکی زیادہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ جس طرح سے خلق کے یہ سب معنی آتے ہیں اسی طرح سے اسکے معنے سیرت اور خصلت کے بھی آتے ہیں جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کان خُلقهُ القرآن تو یہاں خلق کے معنی سیرت ہی کے ہیں۔ چنانچہ حضرت مصلح الدین شیرازیؒ بھی فرماتے ہیں کہ "مراد از نزول قرآن تحصیل سیرت خوب است"

عہ۔ قرآن شریف کے نازل فرمانے سے غرض حسن سیرت کی تحصیل ہے۔

زیر تیل سور مکتوب ؑ۔ پس یہ سیرت، خلق ہی کا ترجمہ ہے۔ اور سیرت جس طرح سے اچھی ہوتی ہے بُری بھی ہوتی ہے۔ یہ خلق کا مصداق ہوا یعنی یہ کہ خلق کا اطلاق سیرت پر کیا جاتا ہے چاہے خلق حَسَن ہو یا خلق سیئ۔

اب خُلق کا مفہوم بیان کرتا ہوں۔ چونکہ اخلاق کے مصادیق بہت ہیں لہٰذا ہر خُلق کی تعریف بھی الگ الگ ہے، خواہ اخلاق محمودہ ہوں یا مذمومہ ہوں۔ مثلاً تواضع۔ قناعت صبر و رضا وغیرہ یہ سب خُلق حَسَن ہیں ان سب کی تعریف جدا جدا ہے۔ اور مثلاً تکبر۔ حسد غضب وغیرہ یہ سب خلق سیئ کہلاتے ہیں ان سب کی تعریفیں الگ الگ ہیں اسلئے خلق کی جامع تعریف جو سب کو شامل ہو کرنا آسان نہیں مگر میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور بزرگوں کی فیض صحبت سے اسکی جامع تعریف کرتا ہوں۔ سنیئے

خلق حَسَن کے معنی یہ ہیں کہ وہ خلق جو اپنی ذات میں اچھا ہو یعنی اسکی وضع ہی اچھائی کے لئے ہو اور ذات میں اچھے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ سب لوگ اسکو اچھا سمجھتے ہوں کیونکہ وہ موضوع ہی ہے اچھائی کے لئے مثلاً کوئی حسین شخص ہے تو سب ہی لوگ اسکو اچھا سمجھیں گے کیونکہ حسن صفت حسین کی ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی عالم ہے تو سب اسکو اچھا سمجھتے ہیں۔ یا مثلاً کوئی پہلوان ہے تو سب لوگ اسکی شجاعت سے خوش ہوتے ہیں اور ان ہی صفات کیوجہ سے اس صفت والے کو بھی لوگ اچھا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح خلق کا بھی حال ہے کہ اصل میں تو وہ خلق محبوب ہوتا ہے چنانچہ حُسن، خلق ہی کی صفت ہے۔ کہا جاتا ہے حُسنُ الخُلق لیکن اسکے واسطے سے لوگ صاحب خلق کو بھی اچھا سمجھتے ہیں اب یہ تعریف تمام اخلاق حمیدہ پر کلی طور پر صادق آجاتی ہے چنانچہ بعض حضرات نے حسن خُلق کی یہ جو تعریف فرمائی ہے کہ هو معاملتك مع كلّ احد بما يسرّه تو اس میں اسی مفہوم کو ادا کیا گیا ہے جو میں عرض کر رہا ہوں۔

اسی طرح خُلق سیئ کو بھی سمجھ لیجئے کہ خلق سیئ اسکو کہتے ہیں جو اپنی ذات کے اعتبار سے بُرا ہو یعنی اسکی وضع ہی بُرائی کیلئے ہو تو جب وہ بُرا ہے تو جو شخص بھی اسکو دیکھے گا بُرا سمجھے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ بری چیز کو بُرا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اب دیکھ لیجئے کہ یہ تعریف

ؑ یعنی ذکر کی ہوئی سورتوں کا مصحف پڑھنا۔

ہر خلق مذموم پر صادق آتی ہے۔ چنانچہ جتنے خلق مذموم ہیں کلی طور پر اس تعریف میں سب داخل ہیں اب خلق محمود اور خلق مذموم دونوں کی یہاں مع تعریف ہوگئی ہے۔

اسکے بعد یہ سمجھئے کہ جس طرح سے خلق مذموم ہو یا محمود اپنی ذات کے اعتبار سے وہ مذموم یا محمود ہوتا ہے اسی طرح سے وہ اپنے اثر کے لحاظ سے بھی محمود یا مذموم ہوا کرتا ہے یعنی ایک خلق محمود سے بہت سے اچھے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے ایک خلق سیئ سے بہت سی بُری باتیں ظہور میں آتی ہیں۔ چنانچہ اخلاق حسنہ سے مصالح پیدا ہوتے ہیں اور اخلاق سیئہ سے مفاسد۔ اب اسکے بعد یہ سمجھئے کہ

سارے اخلاق محمودہ کی اصل تواضع ہے اور اخلاق مذمومہ کی کبر بلکہ اعجاب کیونکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ کبر کا منشا عُجب ہی ہوتا ہے یعنی عجب ہی سے کبر ہوتا ہے پس اخلاق محمودہ میں سب سے بڑا مرتبہ تواضع کا ہے اور بقیہ سب اسی پر دائر ہوتے اور اخلاق مذمومہ میں سب سے بڑا درجہ کبر کا ہے اور بقیہ سب رذائل اسی پر دائر ہوتے ہیں جیسا کہ منہج العمال میں ہے کہ

اعلم الاخلاق الحميدة كثيرة واصلها التواضع والبواقي تدور عليه۔ والاخلاق الذميمة كثيرة واصلها التكبر والبواقي تدور عليه	جان لو کہ اخلاق حمیدہ بہت سے ہیں لیکن ان سب کی اصل تواضع ہے اور باقی سب اسی پر دائر ہوتے ہیں اسی طرح سے اخلاق مذمومہ بھی بکثرت ہیں مگر ان سب کی اصل تکبر ہے اور بقیہ اسی پر دائر ہوتے ہیں۔

(منہج العمال)

اسلئے سب سے پہلے ہم کبر ہی کا بیان کرتے ہیں:۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم ربع المہلکات میں تکبر کے بواعث اور اس کے اسباب مہیجہ پر کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

اعلم ان الكبر خلق باطن واما ما يظهر من الاخلاق والافعال فهي ثمرة ونتيجة وينبغي ان يسمى تكبرًا	جانو کہ کبر ایک باطنی یعنی قلبی خلق ہے اور متکبر شخص سے جو اخلاق (اقوال و احوال) اور افعال ظاہر ہوتے ہیں وہ اسی خلق باطنی کا ثمرہ اور اسکا نتیجہ ہوتا ہے اور مناسب

ويخص اسم الكبر بالمعنى الباطن الذي هو استعظام النفس و روية قدرها فوق قدر الغير وهذا الباطن له موجب واحد وهو العجب الذي يتعلق بالمتكبر فانه اذا اعجب بنفسه وبعلمه و بعمله او شيء من اسبابه استعظم نفسه و تكبر
(احياء العلوم ص۳۵۵ ج ۳)

ہے کہ اسکو تکبر کہا جاوے اور کبر کو خاص کر دیا جائے اسی باطنی خلق کے ساتھ کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اپنے آپکو بڑا سمجھے اور اپنی قدر کو دوسروں کی قدر سے زیادہ سمجھے اور اس باطنی خلق کا منشا تو صرف ایک چیز ہوتی ہے یعنی عُجب و خود پسندی جو متکبر کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اسلئے جب کسی شخص کی نظر خود اپنے پر یا اپنے علم پر یا اپنے عمل یا اسباب عجب میں سے کسی چیز پر پڑتی ہے تو وہ اپنے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے اور دوسروں پر تکبر کرنے لگتا ہے۔

اس مقام پر میرے غرض کے مناسب تو صرف اتنی ہی عبارت تھی جو پیش کی گئی لیکن امامؒ نے اسکے آگے آخر بیان تک جو امور ذکر فرمائے ہیں وہ بھی خالی از نفع نہیں اسلئے تتمیماً للفائدہ ہم یہاں پورا بیان نقل کرتے ہیں۔ وھو ھذا۔

واما تكبر الظاهر فاسبابه ثلاثة سبب في المتكبر و سبب في المتكبر عليه وسبب يتعلق بغيرهما۔ اما السبب الذي في المتكبر فهو العجب والذي يتعلق بالمتكبر عليه هو الحقد والحسد والذي يتعلق بغيرهما هو الرياء فتصير الاسباب بهذا الاعتبار اربعة العجب والحقد والحسد و الرياء۔

بہر حال تکبر جو کہ ظاہری چیز کا نام ہے پس اسکے تین اسباب ہیں ایک سبب متکبر میں ہوتا ہے اور ایک اس شخص میں ہوتا ہے جس پر تکبر کیا جاتا ہے اور ایک ان دونوں کے غیر میں ہوتا ہے چنانچہ وہ سبب جو کہ خود تکبر کرنیوالے میں ہوتا ہے وہ عُجب ہے اور وہ سبب جو متکبر علیہ سے تعلق رکھتا ہے وہ حقد اور حسد ہے اور وہ سبب جسکا تعلق ان دونوں کے غیر سے ہوتا ہے وہ ریاء ہے۔ پس اس اعتبار سے کل اسباب چار ہوئے۔ عجب حقد۔ حسد اور ریاء۔

اما العجب فقد ذكرنا انه يورث الكبر الباطن والكبر الباطن يثمر التكبر بالظاهر في الاعمال والاقوال والاحوال

بہر حال عجب تو ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ باطن میں کبر پیدا کرتا ہے اور کبر باطنی ظاہری اعمال۔ اقوال اور احوال میں تکبر پیدا کر دیتا ہے۔

واما الحقد فانه قد يحمل

اور کینہ بھی کبھی تکبر پر آمادہ کر دیتا ہے اور

علی التکبر من غیر عجب کالذی یتکبر	اور وہاں عجب نہیں ہوتا جیسے وہ شخص جو تکبر کرتا ہے کسی
علی من یری انہ مثلہ او فوقہ ولکن	ایسے شخص پر جسکو اپنے برابر یا اپنے سے بڑا جانتا ہو لیکن اسکی
قد غضب علیہ بسبب سبق منہ	کسی بات کیوجہ سے اسکو اسپر غصہ آگیا اور اس غصہ نے اسمیں
فاورثہ الغضب حقدا او رسخ فی	کینہ پیدا کردیا یا اسکے قلب میں اسکا بغض راسخ ہوگیا لہذا
قلبہ بغضہ فھو لذلک لا نطاوعہ	اسکی وجہ سے اسکا نفس اسکے سامنے تواضع کے ساتھ پیش آنے
نفسہ ان یتواضع لہ وان کان	کیلئے راضی نہیں ہوتا اگرچہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اسکے سامنے
عندہ مستحقا للتواضع فکم من اذل	تواضع کرنا چاہیئے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ کتنے کمینے ہیں کہ
لا تطاوعہ نفسہ علی التواضع لواحد	کہ انکا نفس کسی بڑے شخص کے سامنے تواضع سے پیش آنے
من الاکابر لحقد علیہ او بغضہ لہ	کے لئے تیار نہیں ہوتا اسلئے کہ اسکو اس سے کینہ ہوگیا ہے
ویحملہ ذلک علی رد الحق اذا جاءہ	یا بغض ہے۔ اور یہی چیز اسکو ابھارتی ہے اسپر کہ اگر اسکی
من جھتہ وعلی الانفۃ من قبول	جانب سے کوئی حق بات بھی ہو تو اسکو رد کردے اور اسپر
نصحہ وعلی ان یجتھد فی التقدم علیہ	کہ اسکی نصیحت قبول کرنے سے ناک بھوں چڑھائے اور اسپر
وان علم انہ لا یستحق ذلک وعلی	کہ اس سے تقدم کرنے اور سبقت لیجانے میں کوشش کرے
ان لا یستحلہ وان ظلمہ فلا یعتذر	اگرچہ جانتا ہو کہ وہ اس تقدم کا مستحق نہیں ہے اور پھر کہ اسپر
الیہ وان جنی علیہ ولا یسئلہ عما	ظلم کرکے بھی اس سے معافی نہ چاہے اور قصور کرکے بھی
ھو جاھل بہ۔ واما الحسد فانہ ایضاً	اس سے معذرت خواہ نہ ہو اور اس پر کہ جو بات نہیں جانتا
یوجب البغض للمحسود وان	اسکو بھی اس سے نہ پوچھے۔ اسی طرح سے حسد بھی محسود کے
لم یکن من جھتہ ایذاء وسبب	ساتھ بغض کو واجب کردیتا ہے اگرچہ اسکی جانب سے ایذاء
یقتضی الغضب والحقد ویدعوا الحسد	وغیرہ کا تحقق نہ ہوا ہو جس سے کہ غصہ اور کینہ پیدا ہوتا ہے
ایضاً الی جحد الحق حتی یمنع من	اور یہ حسد بھی حق کے انکار کردینے کا سبب بنتا ہے چنانچہ حاسد
قبول النصیحۃ وتعلم العلم فکم من	کو نصیحت قبول کرنے سے اور علم سیکھنے سے منع کردیتا ہے کتنے
جاھل یشتاق الی العلم وقد	جاہل علم کے مشتاق ہوئے اور پھر جہل کے رذیلہ میں باقی رہ گئے
بقی فی رذیلۃ الجھل لاستنکافہ	اسلئے کہ انھوں نے عار اور استنکاف کیا اس سے کہ اپنے

ان یستفید من واحد من اھل بلدہٖ اواقاربہ حسداً و بغیاً علیہ فھو یعرض عنہ ویتکبر علیہ مع معرفتہ بانہ یستحق التواضع بفضل علمہ ولکن الحسد یبعثہ علی ان یعاملہ باخلاق التکبر وان کان فی باطنہ لیس یریٰ نفسہ فوقہٗ

شہر کے کسی عالم سے استفادہ کریں یا کسی عزیز ہی سے کچھ سیکھ لیں جسکا منشار حسد اور بغی ہوتا ہے پس اسکی وجہ سے اس سے اعراض کرتا رہتا ہے اور اس پر تکبر کرتا رہتا ہے حالانکہ جانتا ہوتا ہے کہ یہ شخص مستحق تواضع ہے اپنے علم و فضل کیوجہ سے۔ لیکن حسد اسکو برابر ابھارتا رہتا ہے کہ اسکے ساتھ متکبرانہ ہی اخلاق برتے اگرچہ اسکے باطن میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو اس سے بالاتر نہیں سمجھتا۔

واما الریاء فھو ایضاً یدعو الی اخلاق المتکبرین حتی ان الرجل لیناظر من یعلم انہ افضل منہ ولیس بینہ وبینہ معرفۃ ولا محاسدۃ ولاحقد ولکن یمتنع من قبول الحق منہ ولا یتواضع لہ فی الاستفادۃ خیفۃ من ان یقول الناس انہ افضل منہ فیکون باعثہ علیہ الریاء ولوخلا معہ بنفسہ لکان لایتکبر علیہ۔ واما الذی یتکبر بالعجب والحسد والحقد فانہ یتکبر ایضاً عند الخلوۃ بہ مھمالم یکن معھما ثالث۔

اسی طرح سے ریا بھی اخلاق متکبرین کی جانب داعی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ آدمی ایسے شخص سے مناظرہ کر بیٹھتا ہے جسکے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس سے افضل ہے اور اسکے مابین جان پہچان بھی نہیں ہوتی اور حسد اور حقد بھی نہیں ہوتا ہے لیکن اس سے بھی حق بات ماننے سے رکتا ہے اور استفادہ میں تواضع نہیں اختیار کرتا اس اندیشہ سے کہ لوگ کہیں گے کہ وہ اس سے بڑا شخص ہے تو اس جگہ جو امر باعث بنا وہ ریا ہے اور یہی شخص اگر اسکے ساتھ خلوت میں جمع ہو تو بالکل تکبر نہ کرے (کیونکہ یہاں ریا کا موقع نہیں ہے) اور وہ شخص جو عجب اور حسد کیوجہ سے کسی پر تکبر کرتا ہے تو وہ تو خلوت میں بھی کرتا ہے جہاں کوئی تیسرا نہیں ہوتا۔

وکذلک قد ینتمی الی نسب شریف کاذباً وھو یعلم انہ کاذب ثم یتکبر بہ علی من لیس

اسی طرح سے کبھی ایک شخص اپنے کو کسی شریف نسب کی طرف غلط منسوب کر لیتا ہے اور خود جانتا ہے کہ میں جھوٹا ہوں لیکن پھر اس سے کم نسب والوں پر تکبر کرتا ہے اور مجالس میں ترفع کرتا ہے اور طریق میں تقدم اختیار کرتا ہے۔

ینتسب الی ذلک النسب فی	اور اس کے ساتھ کرامت اور توقیر میں مساوات
یترفع علیہ فی المجالس ویتقدم	پر راضی نہیں ہوتا حالانکہ باطناً یہ سمجھتا ہے کہ میں ان
فی الطریق ولا یرضی بمساواتہ	چیزوں کا مستحق نہیں ہوں اور اسکے باطن میں بھی کبر
فی الکرامۃ والتوقیر وھو عالم باطناً	نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ تو جانتا ہے کہ میں ویسے
بانہ لا یستحق ذلک ولا کبر فی	نسب میں کاذب ہوں لیکن ریا اسکو افعال متکبرین
باطنہ لمعرفتہ بانہ کاذب فی	پر آمادہ کرتی ہے۔ اور متکبر کا لفظ تو زیادہ تر
دعوی النسب ولکن یحملہ الریاء	اس شخص پر بولا جاتا ہے جو ان سب افعال
علی افعال المتکبرین وکان اسم	کو باطنی کبر کی وجہ سے کرے جس کا کہ منشار
التکبر انما یطلق فی الاکثر علی من	عُجب ہو اور دوسرے کو بنظر احتقار دیکھتا
یفعل ھذہ افعال عن کبر فی الباطن	ہو ـــ باقی اس کو متکبر جو کہا جاتا ہے تو
صادر عن العجب والنظر الی الغیر	اس لئے کہ اس شخص کے افعال کبر والے
بعین الاحتقار وھو ان سمی متکبراً	کے افعال کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
فلاجل التشبہ بافعال الکبر نسأل	سے ہم حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔
اللہ حسن التوفیق۔ واللہ تعالیٰ اعلم	واللہ تعالیٰ اعلم۔

(احیاء العلوم ص۳۵۵ ج۳)

دیکھئے! امام کی اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کبر کیا چیز ہے؟ اور کبر اور تکبر میں کیا فرق ہے اور کبر کا منشار کیا ہوتا ہے اور آدمی تکبر کن کن وجوہ کی بنا پر کرتا ہے؟ ان سب امور کی اس مختصر تشریح کے بعد اب ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف میں اسکے متعلق ہم کو کیا تفصیلات ملتی ہیں۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :۔

ان فی صدورھم الا کبر ماھم ببالغیہ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع البصیر ان کے دلوں میں بڑائی ہے کہ وہ اس تک کبھی پہونچنے والے نہیں سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہیں بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا

اس میں بھی کبر کی نسبت صدر کی جانب فرمائی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کبر دراصل قلب ہی میں ہوتا ہے اور وہ ایک باطنی رذیلہ ہے اور ظاہر میں انسان سے جو اقوال اور افعال صادر ہوتے ہیں وہ چونکہ اسی منشار سے ناشی ہوتے ہیں اس لئے انکو تکبر کہتے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے ابلیس کے قصہ میں آتا ہے کہ

اَبیٰ وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ اس نے کہا نہ مانا اور ہو گیا کافروں میں سے

مفسرین فرماتے ہیں کہ ابی کے معنی ہیں کہنا نہ ماننے کے یعنی عدم امتثال کے ہیں جو کہ ایک فعل تھا جسکا منشار استکبار تھا۔ چنانچہ یہ امتناع بھی اسکے کبر باطنی کا ایک ثمرہ تھا جو بشکل فعل ظاہر ہوا۔ اور اسی واقعہ میں دوسری جگہ اس کے بعض الفاظ بھی نقل فرمائے گئے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو ایک جگہ ہے کہ اس نے کہا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ اور ایک جگہ یہ آیا ہے کہ اس نے کہا کہ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا تو یہ سب اقوال بھی اسکے کبر باطنی کے ثمرات تھے

اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے اندر کبر ہوتا ہے تو اسی کے مناسب اس سے بہت سے اقوال و افعال اور احوال صادر ہوتے ہیں ان سب کو بھی کبر کہدیا جاتا ہے ورنہ فی الواقع تو کبر ان سب امور کے منشار کا نام ہے جو ایک باطنی اور قلبی چیز ہے اور جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ سب رذائل میں اصل یہی کبر ہے۔ پس سمجھئے کہ شیطان کا اصل مرض یہی کبر تھا حضرت آدمؑ کے مقابلہ میں اور فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں بھی یہی کیا تھا۔ چنانچہ فرعون کا قول نقل فرمایا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا کہ

اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ میں کہیں بہتر اور بڑھکر ہوں اس ذلیل سے جو کہ اپنے

وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ۔ مافی الضمیر کو ڈھنگ سے بیان بھی نہیں کر سکتا۔

یہ اسکے کبر باطنی کا ثمرۂ قولی ہے کہ جس کے کہنے پر اسکو اسکے کبر باطن نے آمادہ کیا تھا اور اسی طرح سے ہر زمانہ میں جاہل کو علماء و مشائخ سے عار و استکبار رہتا ہے اور یہ بہت برا حال اور نہایت خطرناک مقام ہے۔

سب سے بڑی سزا اسکی جو ملتی ہے وہ ذلت و خواری ہے اور خلق و خالق کے نزدیک ایسا شخص ملعون ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر کرم اسکی جانب سے پھر جاتی ہے

چنانچہ کہا گیا ہے کہ ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندان لعنت گرفتار کرد

(تکبر نے عزازیل کو ذلیل کیا اور لعنت کے قید خانہ میں گرفتار کردیا)

اور کیوں نہو متکبر شخص دراصل اللہ تعالیٰ سے مزاحمت کرتا ہے اسلئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "الکبر ردائی" کبر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی چادر فرمایا پس کسی شخص کو کب زیبا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اسکی کسی چیز میں مزاحمت کرے۔

صاحب روح المعانی نے ابلیس کے واقعہ میں اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ کے تحت نہایت عمدہ کلام فرمایا ہے جی چاہتا ہے کہ ناظرین بھی اسکو ملاحظہ فرمائیں اور بار بار اسکو پڑھیں اور خود فیصلہ کریں کہ یہ کچھ کم موثر کلام ہے اور اس واقعہ کے سننے کے بعد کوئی عاقل تکبر کرسکتا ہے اور کوئی سمجھدار شخص کبر سے متصف باقی رہ سکتا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ:۔

ثم الظاهر ان كفره كان عن جهل بان استرد سبحانه تعالىٰ منه ما عار من العلم الذى كان مرتديا به حين كان طاؤس الملائكة و اظافير القضا اذا حكت ادمت و قسى القدر اذا امت اصمت ؎	پھر ظاہر یہی ہے کہ ابلیس کے کفر کا منشا اسکا جہل تھا اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ علم اسکو عطا فرمایا تھا جسکو کہ وہ اپنی چادر بنائے ہوئے تھا جبکہ فرشتوں کے درمیان طاؤس بنکر رہتا تھا اسکو اس سے سلب فرمالیا۔ اور قضا کے ناخن جب گڑائے جاتے ہیں تو زخمی کردیتے ہیں اور قدر کی کمان جب تیراندازی کرتی ہے تو بہرا بنادیتی ہے ؎
وكان سراج الوصل ازهر بيننا فهبت به ريح من البين فانطفى	"شیطان زبان حال سے کہتا تھا کہ وصل کا چراغ ہمارے اور انکے درمیان روشن تھا کہ اچانک فراق کی ہوا چلی اور وہ بجھ گیا"
وقيل عن عناد حمله حب الرياسة والاعجاب بما اوتى من النفاسة ولم يدر المسكين انه لو امتثل ارتفع قدره وسما بين الملاء	اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اسکے کفر کا سبب اسکا عناد تھا جس پر حب جاہ نے اور جس شرف سے وہ مشرف تھا اس پر عجب نے اسکو ابھارا تھا اور مسکین نے یہ نہ جانا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کا امتثال کرلیتا تو اسکی قدر اور بڑھ جاتی اور عالی

الاسئی فخرہ ولکن سہ
مرتبت فرشتوں میں اسکا شہرہ بلند ہو جاتا لیکن بات یہ ہے کہ
اذالم یکن عون من اللہ للفتی
"جب کسی شخص کے شامل حال اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں ہوتی تو
فاول ما یجنی علیہ اجتہادہ
اول وہ چیز جو اسکو نقصان پہونچاتی ہے خود اسکا اجتہاد ہوتا ہے"

آگے فرماتے ہیں کہ:-

وکم ارقت ھذہ القصۃ جفوناً
وارقت من العیون عیوناً
"اور اس واقعہ نے نجانے کتنی آنکھوں سے نیند کو ہمیشہ ہمیش کیلئے اڑا دیا
اور انکے لئے پلک جھپکانا حرام کردیا اور نمعلوم کتنی آنکھیں ہیں کہ جنھوں نے
اس قصہ کو سنکر چشمے جاری کر دیئے" اسلئے کہ شیطان ایک زمانہ
فان ابلیس کان مدۃ فی دلال
طاعتہ یختال فی رداء مرافقۃ ثم
تک اپنی طاعت کے غرور و ناز میں تھا اور حق تعالےٰ کے
صار الی ماتری وجری ما بہ القلم
تعلق کی چادر میں اکڑتا رہا لیکن اسکے بعد اسکا جو حشر ہوا
جریٰ سہ
وہ معلوم ہی ہے۔ تقدیر کا لکھا سامنے آیا
وکنا ولیلیٰ فی صعود من الھویٰ
" ہم اور لیلیٰ عشق و محبت کے پہاڑ پر تھے لیکن جب ہم دونوں
فلما توافینا ثبت وزلت
باہم ملے تو میں تو ثابت قدم رہا اور وہ پھسل گئی"

(ص ۲۱۲ ج ۱ روح المعانی)

دیکھا آپ نے اسی کو میں کہہ رہا تھا کہ شیطان کا یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے یہ سب سے پہلا قصہ ہے جسکو قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے اسلئے اسمیں بہت بڑی ہدایت فرمائی ہے اور اللہ کے بہت سے بندوں نے اس سے ہدایت حاصل کی ہے اسی کو صاحب روح المعانی فرما رہے ہیں کہ نمعلوم کتنی آنکھوں سے اس واقعہ نے نیند اڑا دیا اور خدا معلوم کتنی آنکھوں نے اس قصہ کی وجہ سے آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ لیکن یہ سب کچھ اسوقت تھا جب قرآن شریف کو سمجھکر پڑھا پڑھایا جاتا تھا اب ہم لوگ بھی ان آیات پر سے گذرتے ہیں مگر قلب میں ذرا سا حرکت نہیں ہوتی حالانکہ کبر جیسے رذیلہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اہل احساس کے لئے یہی ایک واقعہ کافی ہے میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ اب بھی کسی کسی وقت جب ابلیس کو اپنا پہلا حال اور جنت کا قیام اور وہاں کی نعمتیں اور حق تعالیٰ سے تعلق کی لذت یاد آجاتی ہے تو دیوانہ وار اپنے سر کے بال نوچتا اور اپنے سر پر

خاک اڑاتا ہے کہ ہائے میں کیا تھا اور کیا سے کیا ہوگیا۔ یا تو قرب کے کس مقام پر فائز تھا اور اب بُعد اور طرد کی اس منزل میں مقیم ہوں۔ واقعی جبکی کوئی نعمت سلب ہوجاتی ہے تو اسکو جب اپنی پہلی حالت یاد آتی ہے تو بڑا قلق ہوتا ہے اتنا رنج ہوتا ہے کہ اسکا اندازہ دوسرا شخص کر ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ یہی حال طریق کا ہے کہ آدمی کو کوئی حال ملا ہوتا ہے اور اسکی ناقدری سے جب وہ اس سے سلب ہوجاتا ہے تو وہ بھی بالکل حیران و سرگرداں رہ جاتا ہے۔ اسلئے اس حالت سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ اعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

حضرت مولاناؒ کبھی کبھی ابلیس کے اسی واقعہ کے بیان کے سلسلہ میں خاقانی کے کچھ اشعار عجیب انداز سے پڑھا کرتے تھے ایسا پڑھتے تھے کہ اہل مجلس پر ایک کیف سا طاری ہوجاتا تھا ایسے اشعار کے پڑھنے اور سننے کو ہم بھی جائز کہتے ہیں۔ خاقانی کہتے ہیں کہ ؎

ابلیس گفت طاعت من بیکرانہ بود سیمرغ وصل را دل وجاں آشیانہ بود

(ابلیس نے کہا کہ ایک وہ وقت تھا کہ میں طاعت میں سب سے بڑھا ہوا تھا اور حق تعالیٰ کا وصل جو کہ سیمرغ تھا میرا دل و جاں اسکا آشیانہ تھا)

آدم ز خاک بود من از نور پاک او گفتم من یگانہ و او خود یگانہ بود

(آدم تو مٹی سے بنا ہوا تھا اور میں اسکے نور پاک سے پیدا ہوا تھا اسلئے میرا خیال تھا کہ میں منظور حق ہوں مگر وہی محبوب حق تھا)

در لوح بد نوشتہ کہ ملعون شود یکے بردم گماں بہر کس و بر خود گماں نبود

(لوح محفوظ میں لکھا تھا کہ ایک ذات ملعون ہوگی چنانچہ میں گمان ہر ایک پر لے گیا افسوس کہ اپنے متعلق وہم تک نہ تھا)

او خواست تا فسانۂ لعنت کند مرا کردانچہ خواست آدم خاکی بہانہ بود

(بات یہ ہے کہ اسی کو یہ منظور ہوا کہ مجھے لعنت کا فسانہ بنا دے اسلئے جو چاہا کیا باقی آدم خاکی (کا واقعہ) تو ایک بہانہ تھا)

آگے بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں کہ

خاقانیا تو تکیہ بہ طاعات خود مکن کیں پند بہر دانش اہل زمانہ بود

(اے خاقانی دیکھو تم اپنی طاعت پر ناز اور تکیہ کبھی نہ کرنا اسلئے کہ یہ واقعۂ ابلیس و آدم اہل دانش کے عبرت و بصیرت ہی کیلئے وقوع میں آیا ہے)

سبحان اللہ! اس مضمون کو کیسا اچھا ادا کیا ہے اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ قرآن شریف کی یہ تعلیمات جو حکایات اور قصص سابقین کے ضمن میں موجود ہیں ہماری اصلاح کیلئے کچھ کم ہیں؟ اور ان کے بیان کرنے سے قلب پر کچھ اثر نہیں پڑتا ان کے اندر کچھ تاثیر نہیں ہے؟ پھر لوگ

اصلاح کے لیے ان چیزوں کو کیوں نہیں بیان کرتے ؟ میرا تو خیال ہے کہ اصلاح کا یہی واحد اور خدائی ذریعہ تھا جب سے لوگوں نے اسکو چھوڑ دیا گمراہی کا شیوع ہوگیا اور ہدایت کے اسباب کی کثرت کے باوجود ہدایت کا کہیں پتہ نہیں ہے ۔

کبر کی تعریف اور اسکی حقیقت کی اس تشریح کے بعد اب اسکا علاج بیان کرتا ہوں سنئے :۔

مثلاً یہ میں کبر کا بیان کر رہا ہوں تو بہت سے طالبین کے خطوط آتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ میرے اندر کبر کا مرض ہے اسی سے سمجھتا ہوں کہ یہ مرض اس زمانہ میں عام ہوگیا ہے ۔ اور دیکھتا ہوں کہ بیٹا باپ سے تکبر کرتا ہے ۔ شاگرد ہے تو استاد سے تکبر کے ساتھ پیش آتا ہے ۔ رعایا ہے تو بادشاہ سے تکبر کرتی ہے ۔ لوگوں کے ان حالات سے اندازہ ہوا کہ اصل سبب ان امراض کا جہل ہے ۔ لوگوں کے ذہن میں کبر کی شناعت اور قباحت ہی مستحضر نہیں ہے اور نہ اسکے انجام پر نظر ہے نہ اسکے ضرر سے اندیشہ ہے اسلئے اس سے بچنے کی بھی فکر نہیں ہوتی ورنہ اگر اسکے ضرر کا احساس ہوجائے تو باوجودیکہ نفس کو بعض رذائل میں ایک حظ بھی ملتا ہے مگر آدمی کی فطرت اگر سلیم ہے تو یہی چیز (یعنی اسکے ضرر کا تصور ہی) اس سے انسان کو نکال دے ۔ ہاں فطرت ہی کسی کی فاسد ہوچکی ہو تو دوسری بات ہے ۔ ایک بزرگ اپنے کسی مرید کو کسی رذیلہ سے نفرت دلاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

" اگر کھانا خوش رنگ وخوشبودار بغایت لذیذ وخوشگوار ہیں عین کھانے کیوقت بیقین ہوجائے کہ اس میں کوئی ناپاکی ملی ہوئی ہے تو عجب نہیں کہ اس سے قے ہوجاوے اور سب کھایا پیا اس کے ساتھ نکل جاوے اور اسکا رنگ وروپ اور خوشبو اور لذت طبیعت کو روک نہ سکے ۔ ہاں حریص کثیف الطبع کو اگر ایک وجہ رغبت کی ملجاوے تو کتنا ہی کوئی امر خلاف طبع اسکے پیش آوے اسکے طلب میں فرق نہیں آتا ۔ یہ بات جو میں نے تمکو لکھی ہے انشاء اللہ اس مادۂ فاسد کو تمھارے خیال سے نکال دیگی " ۔ (مکتوبات یعقوبیہ) ۔

میں کہتا ہوں کہ ــــ یہی حال تمام رذائل کا ہے کہ اللہ و رسول ﷺ نے جب ان پر نکیر فرمائی ہے تو اسی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس میں سمیت ہے اور انکا ارتکاب ہمارے لئے

مہلک اور سم قاتل ہے اب جس شخص کی استعداد ایمانی قوی ہوتی ہے وہ اللہ و رسول کی اس درجہ تصدیق قلب میں رکھتا ہے تب تو اسکا ایمان ہی ان امور سے انکو متنفر کر دیتا ہے اسکے لئے، میں قرآن و حدیث میں آئی ہوئی وعید اور مذمت کے استحضار ہی کو کافی سمجھتا ہوں دل سے انکو پڑھے اور اسپر سچائی اور اخلاص کے ساتھ غور کرے انشاء اللہ تعالیٰ یہ مرض ان سے نکل جائے گا۔

لیکن بعض مرتبہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل علم بھی ان صفات سے متصف ہوتے ہیں تو خلجان ہو سکتا ہے کہ اگر محض علم کافی ہوتا ہے تو یہ لوگ کیوں اسکے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔ تو اسکے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ مرض کا یہ دوسرا درجہ ہے لہذا اسکا علاج بھی پہلے درجہ سے مختلف ہے اسکے لئے ہم پہلے احیاء العلوم سے یہ اشکال اور اسکے اسباب بیان کرتے ہیں اور پھر انھیں حضرات کی برکت سے اور اپنے اکابر کے کلام سے اسکا بھی علاج اور جواب بیان کرینگے امام فرماتے ہیں کہ :-

فان قلت فما بال بعض الناس یزداد بالعلم کبرا و امنا ـــــ فاعلم ان لذالک سببین احدھما ان یکون اشتغاله بما یسمی علما ولیس علماً حقیقیاً و انما العلم الحقیقی ما یعرف به العبد ربه و نفسه و خطر امره فی لقاء الله والحجاب منه و ھذا یورث الخشیة والتواضع دون الکبر والامن قال الله تعالیٰ : إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ فاما ما وراء ذلک کعلم الطب	اگر تم یہ کہو کہ بعض لوگوں کا یہ حال کیوں ہے کہ وہ علم کی وجہ سے اور زیادہ تکبر کرنے لگ جاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی گرفت سے اپنے کو مامون سمجھنے لگتے ہیں ـــــ تو اسکے متعلق یہ سمجھو کہ ایسا دو سبب سے ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ شخص ایسی چیزوں میں مشغول ہے جسکو عرف میں علم ضرور کہا جاتا ہے مگر حقیقةً وہ علم ہی نہیں ہے اسلئے کہ علم حقیقی تو وہ ہے جس سے بندہ اپنے کو اور اپنے رب کو پہچانے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس سے حجاب میں اپنے معاملہ کے خطرہ کو محسوس کرے کہ خدا معلوم کیا ہو اور یہ چیزیں انسان میں خشیت اور تواضع پیدا کرتی ہیں نہ کہ کبر اور بے خوفی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اسکے بندوں میں سے صرف علماء ہی

والحساب واللغة والشعر والنحو وفصل الخصومات وطرق المجادلات فاذا تجرد الانسان لها حتى امتلأ منها امتلأ بها كبرا و نفاقا وهذا قسمى صناعات اول من ان قسمى علوما بل العلم هو معرفة العبودية والربوبية وطريق العبادة وهذا تورث التواضع غالبا۔

والسبب الثانی ان یخوض العبد فی العلم و هو خبیث الدخلة ردی النفس سئی الاخلاق فانه لم یشتغل اولا بتهذیب نفسه وتزکیة قلبه بانواع المجاهدات ولم یرض نفسه فی عبادة ربه فبقی خبیث الجوهر فاذا خاض فی العلم ای علم کان صادف العلم من قلبه منزلا خبیثا فلم یطب ثمره ولم یظهر فی الخیر اثره و قد ضرب وهب لهذا مثلا فقال العلم کالغیث ینزل من السماء حلوا صافیا فتشربه الاشجار بعروقها فتحوله علی قدر طعومها

ڈرتے ہیں اسلئے کہ اسکے ماسوا جو کچھ ہے جیسے علم طب، علم حساب علم اللغۃ والشعر والنحو وفصل الخصومات اور مجادلات کے طریقوں کا علم وغیرہ تو جب انسان ان کے لئے فارغ ہو جاتا ہے یہانتک کہ ان سے بھرپور ہو جاتا ہے تو ساتھ ساتھ کبر و نفاق سے بھی بھر جاتا ہے۔ اور ان علوم کو فنون کہنا زیادہ مناسب ہے اس سے کہ انکو علوم کہا جائے اسلئے کہ علم تو عبودیۃ۔ ربوبیۃ اور طریق العبادۃ کے جاننے کا نام ہے جو کہ اکثر و بیشتر تواضع ہی پیدا کرتا ہے۔

اور دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص علم میں گھستا ہے اور وہ خبیث الباطن، ردی النفس (فاسد الطبیعۃ) اور فاسد الاخلاق ہوتا ہے اس لئے کہ پہلے سے وہ اپنے نفس کی اصلاح اور قلب کا تزکیہ مختلف مجاہدات کے ذریعہ نہیں کئے ہوتا اور اسکا نفس اپنے رب کی عبادت میں دل سے تیار نہیں ہوتا لہٰذا وہ ذات اور جوہر کے اعتبار سے خبیث ہی ہوتا ہے تو جب ایسا شخص کسی علم میں خوض کرتا ہے تو علم اسکے قلب کے خبیث مقام میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے لہٰذا اسکا پھل خوشگوار نہیں ہوتا اور نہ اس سے کچھ خیر کا اثر ظاہر ہوتا ہے چنانچہ حضرت وہبؒ نے اسکی مثال بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ علم کی مثال آسمان سے اتری ہوئی بارش کی طرح ہے کہ جو نہایت صاف شفاف ہوتی ہے اور درختوں کی جڑ اسکو چوستی ہے پس ہر ایک اسکو اپنے مزہ والا بنا لیتا ہے اور کڑوے کی کڑواہٹ اور

فيزداد المر مرارة والحلو حلاوة فكذلك العلم يحفظه الرجال فتحوله على قدر همها واهوائها فتزيد المتكبر كبرًا والمتواضع تواضعًا وهذا لان من كانت همته الكبر وهو جاهل فاذا حفظ العلم وجد ما يتكبر به فازداد كبرًا واذا كان الرجل خائفًا مع علمه فازداد علمًا علم ان الحجة تاكدت فيزداد خوفًا واشفاقًا وذلًا وتواضعًا فالعلم اعظم ما يتكبر به ـ

(احیاء ص۳۵۳ ج ۳)

شیریں کی مٹھاس اور بڑھ جاتی ہے ۔ اسی طرح سے علم کو بھی لوگ حاصل کرتے ہیں اور اپنے ہمت حوصلہ اور خواہشات کے بقدر اسکو ڈھال لیتے ہیں چنانچہ متکبرین کا کبر اور بڑھ جاتا ہے اور متواضع میں اور تواضع کا اضافہ ہو جاتا ہے ۔ یہ اسلئے کہ جس کے اندر مادہ کبر کا ہوا اور وہ جاہل بھی تھا تو جب علم حاصل کریگا تو تکبر کا آلہ اسکے ہاتھ لگ جائیگا اسلئے قلبی کبر کا اب اجرار کریگا ۔ اسی طرح سے جب کسی شخص کے اندر علم کے ساتھ ساتھ خدا کا خوف ہو گا تو جب اسے زیادہ علم پہونچے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ خدا کی محبت اور مؤکد ہوگئی ہے چنانچہ اسکا قلبی خوف اور ڈر اور بڑھ جائے گا ۔ ذلت اور تواضع میں اضافہ ہو جائے گا ۔ لہٰذا حاشا وکلّا علم حقیقی تکبر کا ذریعہ نہیں وہ تو خیر ہے اور خیر سے خیر ہی پیدا ہوتا ہے

امام نے اہل علم کے اس مرض کا جو پہلا سبب بیان فرمایا ہے وہ نہایت عمدہ ہے اور بالکل ظاہر بھی ہے کہ جس علم سے تکبر ہو وہ حقیقتاً علم ہی نہیں ہے کیونکہ علم حقیقی کا ثمرہ خشیۃ اور تواضع ہی ہے نہ کہ تکبر اور غفلت ـ

لیکن امام نے دوسرا سبب جو بیان فرمایا ہے مجھے اس میں کلام ہے اور انھیں کی برکت سے کہتا ہوں کہ علم دین تو بہر حال خیر ہی خیر ہے اسلئے وہ کسی شر کا ذریعہ اور منشار کیسے ہو سکتا ہے ؟ پس میرے نزدیک اہل علم میں جو تکبر ہوتا ہے اسکا منشار علم نہیں ہے بلکہ اسکا منشار جہل ہے یعنی انکا علم ابھی ناقص ہے پس جو حصہ کہ علم کا ابھی نہیں حاصل ہے وہی سبب ہے اس رذیلہ کا نہ کہ علم کا وہ حصہ جو انکو حاصل ہو چکا ہے اور میں اسکی یہ مثال بیان کرتا ہوں کہ جیسے دو شاخیں فرض کیجئے ، ایک ان میں سے میوہ سے بھری ہوئی ہے اور دوسری آدھی خالی ہے

آدھے میں صرف میوہ ہے تو ظاہر ہے کہ جو میوہ سے لدی اور بھری ہے وہ اس نصف خالی والی سے زیادہ جھک جائے گی اور خالی والی میں رفعت ہوگی یعنی اوپر کو اُٹھی ہوگی تو اب آپ اس کم میوہ والی کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسکے ترفع کا سبب اسکے پھل ہیں۔ یہ نہیں بلکہ اسکے ترفع کا سبب اسکا خلو اور نقص ہے یعنی آدھا حصہ جو اسکا خالی ہے اسکی وجہ سے اوپر کو اٹھی ہوئی ہے ورنہ اگر یہ بھی پوری بھری ہوتی تو اول کی طرح یہ بھی زمین سے لگ جاتی۔ اسی طرح سے میں کہتا ہوں کہ جس عالم میں آپ تکبر دیکھ رہے ہیں اسکا سبب اسکا علم نہیں ہے۔ علم نے تو اپنا کام کیا کہ اسکو بہت کچھ بنا دیا نہ پڑھتا تو اور بھی خراب حالت میں ہوتا مگر اب بھی یہ رذیلہ جو موجود ہے تو اس لئے کہ اسکا علم کامل نہیں ہے ناقص پس اسکے علو کا سبب اسکا یہی خلو ہے۔

اس جواب کا حاصل بھی قریب قریب وہی ہوجاتا ہے جو امام نے سبب اول کے ذیل میں بیان فرمایا ہے فرق یہ ہے کہ امام نے علم رسمی اور حقیقی سے اسکو تعبیر فرمایا ہے اور میں اسکو ناقص اور کامل کہہ رہا ہوں۔

غرض کبر ہو یا اور کوئی رذیلہ ہو ایک درجہ تو اسکا یہ ہوتا ہے کہ ابھی مرض کا رسوخ نہیں ہوا ہوتا تو اسوقت تو معمولی توجہ سے مثلاً قرآن اور حدیث کے پڑھنے اور سننے سے خیال پیدا ہوجاتا ہے اور انسان اصلاح پر آسانی سے قادر ہوجاتا ہے۔ لیکن ایک درجہ رذائل کا یہ بھی ہوتا ہے کہ مرض کی لذت صلب نفس میں راسخ ہوجاتی ہے اور اسکی حلاوت سویدائے قلب میں مستحکم ہوکر رنشین ہوجاتی ہے اور بعض بعض امراض کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ نفس کی تو وہ غذا ہی ہوجاتی ہے چنانچہ نفس اسکے طلب میں حیران و سرگرداں ہی رہتا ہے۔ اسوقت اسکا علاج ذرا دشوار ہوجاتا ہے۔ اسکے متعلق ایک بزرگ کا کلام نقل کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ بعضے امراض ایسے ہوتے ہیں جو قلب میں خوب راسخ ہوجاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

جمیع ارباب طب روحانی اتفاق کردہ اند کہ بر سالکین راہ حق را ایفائے حقوق نفس ضرورست و اتباع حظوظ آں مضر۔ لاسیما	تمام ہی روحانی اطبار اس بات پر متفق ہیں کہ راہ حق کے سالکین کے ذمہ ضروری ہے کہ نفس کے حقوق ادا کریں ہاں حظوظ نفس سے اسکو بچائیں

حظوظیکہ لذات آں در صلب نفس راسخ گردد کہ یہ کفر ہے بالخصوص وہ حظوظ جسکی لذت نفس کی تہ میں
وحلاوت آں در سویدائے دل مستحکم نشیند جم جاتی ہے اور جسکی شیرینی سویدا قلب میں مستحکم ہوجاتی ہے
ونفس در طلب آں ہیماں و سرگرداں گردد۔ اور نفس جسکی طلب میں حیران و سرگرداں ہوجاتا ہے

(صراط مستقیم)

نیز ہم نے ابھی ایک اور بزرگ کا ارشاد نقل کیا تھا جس میں انھوں نے ایک سالک کو کسی رذیلہ سے نکالنے کے لئے اس سے نفرت دلائی تھی اور آخر میں فرمایا تھا کہ "یہ بات جو میں نے لکھی ہے انشاء اللہ اس مادۂ فاسد کو تمھارے خیال میں سے نکال دیگی"۔ وہی بزرگ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ :-

" اور اگر میرے یہ خیالات کام نہ دیں اور رغبت قدیم تہ دل کی جمی ہوئی نہ نکلے علی الخصوص جبکہ ادہر سے بھی سلسلہ جنبانی ہوتی ہو تو حقیقت میں ظاہر ہیں دشوار ہے"

(مکتوبات یعقوبیہ)

ان اکابر کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ کوئی رذیلہ قلب کی تہ میں جم جاتا ہے اور راسخ ہوجاتا ہے۔ اسلئے اسکا ازالہ بھی دشوار ہوجاتا ہے

لیکن ان حضرات نے اسکا کوئی علاج بیان نہیں کیا۔ انکی برکت سے اور انھیں حضرات کے کلام سے میں نے جو علاج سمجھا ہے وہ عرض کرتا ہوں مگر اس سے پہلے ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ جیسا کہ میں نے ابتداء میں بھی بیان کیا ہے کہ ایک تو ہوتا ہے کبر اور وہ قلبی رذیلہ کا نام ہے اور ایک چیز ہوتی ہے تکبر اور یہ ان افعال اور اقوال اور احوال کو کہا جاتا ہے جو اس باطنی کبر سے ناشی ہوں۔ ان دونوں میں سے تکبر کا ترک تو انسان کے لئے آسان ہوتا ہے کہ وہ سب افعال اختیاریہ ہی ہوتے ہیں اسلئے تکبر کی اصلاح کے لئے بس یہ کرے کہ ان اقوال و افعال متکبرانہ کو اپنے اختیار سے ترک کردے۔ خواہ کبر کا ادنیٰ درجہ ہو جیسے کسی جاہل کو ایک عالم سے ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ جب کہیں کوئی عالم دین ہوتا ہے تو لوگوں کی تعظیم و تکریم کیوجہ سے اسکو کچھ جاہ و ترفع حاصل ہو ہی جاتا ہے اسکو دیکھکر دوسرے لوگوں کو اس سے کبر اور ابار ہوجاتا ہے اور اسکی اتباع کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اسکی

کرامت اور اسکے مرتبہ سے راضی نہیں ہوتے ۔ بزرگان دین اسکو بھی کبر کہتے ہیں تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ افعال و اقوال تکبر کو یک لخت ترک کر دے ——— اور خواہ وہ تکبر اعلیٰ درجہ کا ہو جیسے کسی عالم کو اپنے سے بڑے عالم سے یہی سبب ہو جاتا ہے اسکا منشار بھی کبر ہی ہے ۔ اسکا بھی علاج یہی ہے کہ ان افعال اور اقوال کو جو کہ اسکے کبر باطن پر دال ہیں چھوڑ دے ۔

باقی رہا قلبی اور باطنی کبر تو اسکے ازالہ کا طریق یہ ہے کہ وہ جب راسخ ہو جاتا ہے تو آسانی سے زائل نہیں ہو گا بلکہ اسکے لئے مجاہدہ بھی سخت ہی کرنا ہو گا ۔ یعنی جس درجہ کا رسوخ ہے اور جہاں اس مرض کا رسوخ ہے اسی درجہ کا اور اسی جگہ علاج کرنا ہو گا ۔ مرض اگر تہ دل میں اور صلب نفس میں راسخ ہے تو دوا کو بھی وہاں ہی پہونچانا ہو گا ۔ اور جسقدر رغبت نفس کو اسکے ساتھ ہے اب اسی قدر نفرت پیدا کرنی ہو گی غرض جس نوع کی غفلت ہے اسی نوع کا ذکر پیدا کرنا ہو گا تب جا کر اسکی اصلاح ہو گی یہ نہیں کہ مرض اور غفلت تو ہے دل کے اندر اور علاج اسکا ظاہر میں اور بالکل سرسری طور کیا جائے اس سے نفع نہ ہو گا ——— اور یہ بات تو ہم علاج ظاہری میں بھی دیکھتے ہیں کہ اگر درد شکم میں ہوتا ہے تو پیٹ کے اوپر لیپ نہیں لگایا جاتا بلکہ دوا کھائی جاتی ہے چنانچہ یہی وجہ اسکی بھی ہے کہ جو عشاق مجازی ملامت کرنے والوں کی ملامت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ کہتے ہیں کہ محبوب کی محبت تو ہمارے سویدائے قلب میں ہوتی ہے اور ملامت گروں کی ملامت کا وہاں تک گذر ہی نہیں ہوتا' وہ قلب کے اندر تو کیا پہونچتی قلب تک بھی اسکی رسائی نہیں ہوتی بلکہ وہ قلب کے اردگرد ہی گھوم کر رہجاتی ہے ۔ پس اس سے اسپر کیا اثر ہو سکتا ہے ؟ اسی کو متنبی کہتا ہے کہ ؎

عذل العواذل حول قلبی التائہ وھوا الاحبہ منہ فی سوائہ

(ملامت گروں کی ملامت تو میرے قلب مضطر کے گرداگرد ہی رہ جاتی ہے اور دوستوں کی محبت سویدائے قلب میں ہوتی ہے)

الغرض میں کہہ یہ رہا تھا کہ جہاں مرض کی ظلمت ہو وہیں نور پہونچانا چاہیئے تب نفع ہوتا ہے اور یہ نور پہونچے گا کثرت ذکر سے ، التزام طہارت سے اور اتباع سنت سے ۔ اب

اسکے لئے خواہ سالک خود مجاہدہ کرے یا کسی شیخ کامل کی اسپر توجہ ہوجائے اور وہ اپنی شفقت سے اسکو اس گھاٹی سے نکالدے۔ اور یہ طریقہ علاج کسی خاص مرض کیلئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وہ رذیلہ جو قدیمی ہو اور قلب میں اسکی جڑ راسخ ہوجائے اور اسکی لذت دل کی تہ میں جم جائے ان سب کا یہی حکم ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا مرض جو انسان کے قلب میں پیدا ہوجاتا ہے وہ ہے غفلت، شیطان اسکو بھی خوب راسخ کردیتا ہے اور دوسرے امراض تو ذکر سے ختم بھی ہوجاتے ہیں جیسا مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

ذکر حق پاک است وچوں پاکی رسید — رخت می بندد بروں آید پلید

(حق تعالیٰ کا ذکر پاک ہے اور پاکی کا یہ قاعدہ ہے کہ جب بھی کہیں پہنچ جاتی ہے تو وہاں سے پلیدی ختم ہوجاتی ہے)

چوں برآید نام پاک اندر دہاں — نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

(جب نام پاک منہ کے اندر آتا ہے تو نہ وہاں پلیدی باقی رہ جاتی ہے اور نہ اب پہلا جیسا منہ رہ جاتا ہے)

لیکن غفلت ایسا مرض ہے کہ یہ ذکر سے بھی بعض مرتبہ نہیں جاتا۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عین ذکر کی حالت میں بھی غفلت موجود ہوتی ہے حالانکہ ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ ذکر صرف لسانی ہوتا ہے ظاہری اور سرسری ہوتا ہے، باطنی، اصلی، حقیقی اور دلی نہیں ہوتا۔ حالانکہ جس طرح سے زبان بھی اسکی کبھی غیر ذاکر تھی لیکن ذکر کرتے کرتے آخر وہ ذاکر ہوجاتی ہے اسیطرح سے اگر قلب کو بھی ذاکر بنانے کی کوشش کیجائیگی تو وہ بھی ذاکر ہوجائے گا، اس میں اشکال کیا ہے؟

بہرحال غفلت ہو یا کبر یا کوئی اور رذیلہ جب اسکا رسوخ نفس میں ہوجاتا ہے تو اسکے لئے سخت مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور قلب میں نور پیدا کرکے نفس کو اس سے منور کیا جاتا ہے تب جاکر اسکی مزاحمت ختم ہوتی ہے۔

صاحب روح المعانی نے اسی مضمون کو نہایت عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ نفس قلب کا منقاد بتدریج ہوتا ہے۔ باقی انسان جب اخلاص کے ساتھ اصلاح نفس کی جانب متوجہ ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے اسکو نفس پر قدرت دیدیتے ہیں اور نفس کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے اور پھر اخلاص اور نفسانیت میں اپنے ذوق کی وجہ سے امتیاز بھی کرنے لگ جاتا ہے۔

اور اخلاص و وجدان صحیح سے مدرک بھی ہو جاتا ہے چنانچہ اہل وجدان صحیح کو اسکا ادراک صحیح ہوا ہے جس پر ان حضرات کی حکایات و قصص بکثرت شاہد ہیں۔ نمونہ کے طور پر کچھ ہم بیان کرتے ہیں۔ سنئے :-

ایک بزرگ کا واقعہ کتابوں میں بھی لکھا ہے اور حضرتؒ سے بھی سنا کہ دریا کے کنارے جارہے تھے سامنے ایک کشتی پر کچھ مٹکے لدے آرہے تھے۔ سپاہی سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ اس نے کہا یہ شاہی شراب کے مٹکے ہیں انکو غصہ آیا اور ڈنڈا لیکر ایک ایک کر کے ۲۹ مٹکے توڑ دیئے (حضرتؒ سے ۱۰ سنا تھا لیکن احیاء میں ہے کہ ۳۰ مٹکے تھے) اور ایک چھوڑ دیا۔ بادشاہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو انکو بلوایا اور پوچھا کہ تم نے مٹکے کیوں توڑے؟ تم محتسب ہو۔ انھوں نے کہا ہاں میں محتسب ہوں۔ اس نے کہا سند احتساب دکھلاؤ تم کو محتسب کس نے بنایا۔ انھوں نے کہا جس خدا نے تمکو حکومت بخشی ہے اسی نے مجھکو محتسب بنایا ہے۔ اور حضرت سے سنا یہ جواب دیا کہ سند احتساب یہ ہے یَا بُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللهِ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اے لڑکے خدا کا شریک مت بنا اور نیکی کا حکم کر اور برائی سے منع کر) یہ سنکر بادشاہ خاموش ہوگیا اور گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا اسکے بعد پھر پوچھا کہ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو اس جرأت پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ کہا کہ محض امیر المومنین کی شفقت اور نصح نے کہ اگر میں دیکھوں کہ آپ کی طرف کوئی سانپ یا بچھو آرہا ہے تو خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ میں اسکو مار دوں اور آپ کو اسکے ضرر سے بچالوں۔ اسپر اسنے دیر تک گردن جھکائے رکھا۔ نادم ہوا۔ اور واقعی ایسی بات ان بزرگ نے فرمادی تھی کہ اسکا قلب بھی موم ہوگیا۔ حالانکہ بہت جابر اور ظالم تھا اور فوراً قتل کرا دیتا تھا مگر یہ اسنکے اخلاص کی برکت تھی کہ اس پر اثر ہوا پھر اس نے کہا کہ اچھا ایک بات اور بتا دیجئے کہ آپنے ایک مٹکا چھوڑ کیوں دیا اس میں کیا مصلحت تھی۔ انھوں نے کہا کہ جان بخشی ہو تو عرض کروں وہ یہ کہ جب تک میں سب مٹکوں کو توڑتا رہا تو میرے قلب کی حالت نہایت عمدہ تھی اور ایسی تھی کہ اس حالت میں اگر روئے زمین مٹکوں سے بھری ہوتی تو سب کو توڑ دیتا مگر جب آخری مٹکے پر پہونچا ہوں تو قلب کی حالت بدل گئی یہ خیال ہوگیا کہ میں بھی کتنا جری ہوں کہ

امیرالمومنین تک کی پروا نہیں کرتا۔ للٰہیت ختم ہوگئی نفسانیت آگئی اسلئے اس کام سے رک گیا۔

دیکھا آپ نے یہ تھا وجدان صحیح جس نے ان بزرگ کو خلاف اخلاص چلنے نہیں دیا حالانکہ وہ ایک جو بچا تھا وہ شراب ہی کا مٹکا تھا اور اسکی شراب بھی حرام تھی مگر کام میں خلوص نہیں رہ گیا تھا اسلئے یہ بزرگ اس سے باز رہے۔

بادشاہ نے کہا اچھا آج سے ہم آپ کو محتسب بناتے ہیں لیکن یہ بزرگ وہاں سے چلے گئے اور جب تک وہ بادشاہ زندہ تھا وہاں نہیں آئے۔ اسی لئے نہ قبول کیا ہوگا کہ ہر وقت اخلاص ختم ہونے کا اندیشہ رہا ہوگا کہ شاید یہ خیال ہوجائے۔ اور خود کو نہ بھی ہو تو کم از کم اور لوگ تو انگشت نمائی کریں گے کہ یہی وہ صاحب ہیں جنھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بادشاہ تک کی پرواہ نہ کی، اس سے نفس بگڑتا اسی لئے وہاں سے چلے گئے۔

اب میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کو ملے گا کہ ہم لوگوں کو ہے؟ ان حضرات کو وجدان صحیح حاصل تھا جسکی وجہ سے نفس کا چور پکڑ لیتے تھے اور ہمارا یہ حال ہے کہ نفس پر ذرا قابو نہیں۔

ایک پہلوان کو لوگوں نے دیکھا کہ مارے غصہ کے کانپ رہا ہے کسی نے دریافت کیا کہ اسکا یہ حال کیوں ہے؟ کہا گیا کہ اسکو کسی نے گالی دی ہے جسکی وجہ سے اسکا یہ حال ہے۔ ان بزرگ نے فرمایا یہ کمینہ اتنے بڑے بڑے پتھر تو اٹھا لیتا ہے اور اس سے ایک بات برداشت نہیں ہوتی۔

(۲) اور سنئے سیرت وجدان صحیح والوں کی مولانا روم مثنوی میں بیان فرماتے ہیں کہ گفتن امیرالمومنیں با قرین خود کہ سبب ناکشتن تو چہ بود؟ ومسلماں شدن او بدست حضرت رضؓ

واقعہ مشہور ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو مغلوب کیا اور اسکے سینہ پر سوار ہوکر چاہا کہ اسکو قتل کردیں کہ اس حال میں وہ اور تو کچھ کر نہیں سکا آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا گویا آپکی انتہائی توہین کی کیونکہ کسی کے چہرہ پر تھوکنا اسکی سخت توہین ہے بلکہ اور کسی جگہ تھوک دے تو ایسی نہیں

بے مبین کے چہرہ پر۔ اسکا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ فوراً اسکو قتل کر دیتے اور سخت بدلہ لیتے مگر آپ نے یہ کیا کہ اسکے سینہ پر سے اتر آئے اور پھر وہ یہودی بھی بھاگا نہیں کہ سوچتا کہ جان بچی لاکھوں پائے، بھاگ جاتا اور جاکر اپنے دوستوں میں اپنے اس کارنامہ کو فخراً بیان کرتا یہ سب اس نے نہیں کیا بلکہ خود حضرت علی رضؓ سے انکے اس فعل کا سبب دریافت کرنے لگا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ؎

گفت امیر المؤمنیں باآں جواں ‌ ‌ ‌ کہ بہ ہنگام نبرد اے پہلواں

چوں خدو انداختی بر روئے من ‌ ‌ ‌ نفس جنبید و تبہ شد خوئے من

نیم بہر حق شد و نیمے ہوا ‌ ‌ ‌ شرکت اندر کار حق نبود روا

یعنی حضرت امیر المومنین نے اس شخص سے اس عفو کا سبب بیان فرمایا کہ لڑائی کے وقت جب تو نے میرے منہ پر تھوک دیا تو میرے نفس کو غصہ سے جنبش ہوئی اور میرا خلق حسن بگڑنے لگا پس میرا یہ لڑنا کچھ تو اللہ تعالیٰ کے لیے رہ گیا اور کچھ ہوائے نفسانی کیلئے ہوگیا اور حق تعالیٰ کی عبادت میں شرکت جائز نہیں۔ چنانچہ رضاء خلق کے واسطے ریاء فی العبادۃ کو حدیث میں شرک فرمایا ہے۔

تو نگاریدہ کف مولیستی ‌ ‌ ‌ آن حقی کردہ من نیستی

نقش حق را ہم بامر حق شکن ‌ ‌ ‌ بر زجاج دوست سنگ دوست زن

یعنی تو دست حق کا بنایا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کا مملوک ہے اور میرا مملوک نہیں کہ جس طرح سے چاہوں تصرف کروں۔ پس وہی تصرف جائز ہوگا جو باذن حق ہو اور شرکت فی العبادۃ میں اذن حق نہیں ہے اسلئے تجھکو چھوڑ دیا کیونکہ تو مصنوع حق ہے اور مصنوع حق کو امر حق ہی سے توڑا جا سکتا ہے اور شیشۂ دوست پر سنگ دوست ہی مارنا چاہئے ؎

گبر ایں بشنید و نورے حق پدید ‌ ‌ ‌ در دل او تا کہ زنارش برید

گفت من تخم جفا می کاشتم ‌ ‌ ‌ من ترا نوعے دگر پنداشتم

تو ترازوئے احد خو بودۂ ‌ ‌ ‌ بل زبانہ بر ترازو بودۂ

یعنی کافر نے جو یہ بات سنی تو اسکے قلب میں ایک نور ظاہر ہوا جس سے اس نے زنار توڑ ڈالا اور عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ تخم جفا بوتا تھا کہ آپ کا مقابل بنا اور گستاخی سے پیش آیا

میں تو آپ کو کچھ اور ہی طرح کا سمجھتا تھا کہ مال و جاہ کے لئے انکا قتال ہے مگر آپ تو میزان عدل نکلے جو متخلق با خلاق الٰہیہ ہیں بلکہ آپ تو دوسری میزانوں کے لسان ہیں ؎

من غلام آں چراغ شمع خو کہ چراغت روشنی پذرفت ازو

من غلام موج آں دریائے نور کو چنیں گوہر درآورد در ظہور

عرض کن برمن شہادت راکہ من من ترا دیدم سرافراز زمن

یعنی میں تو اس چراغ شمع خو کا غلام ہوں جن سے آپ کے چراغ کو نور حاصل ہوا۔ مراد رسول اللہ صلی علیہ وسلم ہیں جن کے فیض سے آپ کو یہ کمال ملا۔ میں تو اس موج دریائے نور کا غلام ہوں جو ایسے گوہر کو جیسے آپ ہیں ظاہر کریں۔ پس مجھ پر کلمۂ شہادت کو پیش فرمایئے کہ میں آپ کو اسوقت تمام زمانہ سے افضل سمجھتا ہوں

قرب پنجہ کس زخویش قوم او عاشقانہ سوئے دیں کردند رو

او بہ تیغ حلم چندیں خلق را واخرید از تیغ چندیں حلق را

تیغ حلم از تیغ آہن تیز تر بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

غرض اسکے اقارب اور برادری میں سے تقریبًا پچاس آدمیوں نے نہایت ذوق و شوق سے اسلام قبول کیا آپ نے تیغ حلم سے اتنی خلق کو تیغ کی ہلاکت سے بچا لیا۔ سبحان اللہ تیغ کا کام تو ہلاک کرنا ہے اور آپ نے اپنے تیغ حلم سے ان لوگوں کو ہلاکت سے بچالیا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی تیغ حلم تیغ آہنی سے زیادہ تیز ہوتی ہے بلکہ صد ہا لشکر سے بڑھکر باعث فتح و ظفر ہے۔

دیکھا آپنے یہ ہے ذوق دینی اور وجدان صحیح مولانا رومؒ کے اس بیان کو پڑھ کر نہ معلوم کتنے لوگ مخلص ہو گئے ہوں گے بلکہ ہو گئے۔ اسی طرح یہ سمجھئے کہ آپکے بھی بیوی بچے سب خدا کی مملوک ہیں لہٰذا ان میں بھی تصرف آپ باذن حق ہی کر سکتے ہیں اور امر حق میں شرک روا نہیں ہے کہ کچھ ان کے اذن سے کریں اور کچھ اپنی رائے سے۔

اور سنیئے یہ تو بزرگان دین کی حکایات تھیں، اب سلاطین دنیا کے واقعات سنیئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے بادشاہ بھی کیسے ہوتے تھے اور ان میں کس درجہ

اخلاص اور وجدان صحیح ہوتا تھا کہ اب مشائخ میں بھی دنیا ہونا مشکل ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ خراسان کے خلیفہ میں سے کسی نے ایک بے ادب کے متعلق حکم فرمایا کہ اس کو سرزنش کیجائے اور کوڑے لگائے جائیں۔ اس شخص نے اسی حالت میں بے شرمی کی زبان کھولی اور بادشاہ کو برا بھلا کہنے لگا خلیفہ نے یہ سنکر حکم دیا کہ اسکا ہاتھ کھول دیا جائے اور اسکو آزاد کر دیا جائے۔ اہل خواص میں سے کسی نے پوچھا کہ جو موقع اس شوخ چشم پر زیادہ خفگی کا تھا اسی وقت آپ نے اسکو چھوڑ دیا اسکا کیا سبب ہوا؟ خلیفہ نے کہا میں اسکو اللہ تعالیٰ کیلئے تادیب وتنبیہ کر رہا تھا لیکن جب اس نے مجھکو برا بھلا کہا تو میرے نفس میں تغیر پیدا ہوا اور مجھے غصہ آگیا۔ میرا نفس انتقام کے درپے ہوا تو میں نے یہ نہ پسند کیا کہ حق تعالیٰ کے معاملہ میں نفس کو دخل دوں کیونکہ یہ آئین اخلاص کے خلاف ہے اور جو شخص ایسا کوئی کام کرے کہ جسمیں اسکی بھی کوئی غرض شامل ہو تو وہ ثواب سے محروم رہتا ہے ؎

از سخنش آتش من تیز شد کار الٰہی غرض آمیز شد

اسکی بات سے میرے غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور اللہ تعالیٰ کے کام میں اپنی غرض شامل ہوگئی ؎

داعیۂ نفس چوں بنمود رو معنیٔ اخلاص نماند اندرو

جبکہ نفس کا داعیہ کسی کام میں پیدا ہوگیا تو پھر اخلاص وہاں کہاں باقی رہا ؎

کار کز اخلاص نشد بہرہ ور ترک چناں کار سزا وار تر

جو کام کہ اخلاص سے خالی ہو تو اس کام کا نہ کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔

دیکھئے کس درجہ نفس پر حاوی تھے یہ لوگ کہ قدرت اور سطوت رکھنے کے باوجود خلاف اخلاص اسکو چلنے نہیں دیتے تھے۔ اور کس قدر صحیح وجدان انھیں حاصل تھا کہ جہاں سے چور نے گھسنا چاہا ان حضرات نے وہیں فوراً اسکو پکڑ لیا۔ اسی طرح سے ایک اور بادشاہ کا واقعہ گلستاں میں لکھا ہے سنیئے۔

(۴) باب اول در سیرت پادشاہاں۔ اس میں پہلی ہی حکایت لکھی ہے کہ میں نے ایک بادشاہ کے متعلق سنا کہ اس نے کسی کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ بیچارہ نے زندگی سے

ناامید اور مایوس ہو کر بادشاہ کو گالیاں دینا شروع کیا اور اسکو بہت برا بھلا کہا۔ کیونکہ آدمی جب زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تو پھر جو جی میں آتا ہے کرتا ہے اور کہتا ہے بے بسی کے وقت میں انسان تلوار کے وار کو ہاتھ سے روکتا ہے۔ اور بلی جب عاجز ہو جاتی ہے تو کتے پر حملہ کر دیتی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے ایک نیک طینت وزیر نے کہا کہ حضور یہ کہتا ہے کہ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس یعنی آپ سے رحم اور معافی کے خواستگار ہیں بادشاہ کو رحم آگیا اور اسکو چھوڑ دیا۔ ایک دوسرا وزیر جس کو اس وزیر سے کچھ چشمک تھی اس نے موقع کو غنیمت سمجھکر کہا کہ ہم لوگوں کو تو جو کہ بادشاہ کے مقرب خاص ہیں کم از کم بادشاہ کے سامنے سچ ہی کہنا چاہیئے اور یہ کہا کہ حضور اس نے آپ کو گالی دی ہے۔ بادشاہ کو یہ سنکر ناگواری ہوئی اس نے کہا کہ اسکا جھوٹ سب مجھے تمہارے سچ سے زیادہ پسند آیا اسلئے کہ اسکے قول کا مقصد تو صلح و وصل تھا اور تیرے قول کا مقصد خبث اور فصل ہے۔ عقلمندوں نے فرمایا ہے" دروغ مصلحت آمیز بہ از راستیٔ فتنہ انگیز۔ یعنی جس جھوٹ میں صلح کی آمیزش ہو وہ اس سچ سے کہیں بہتر ہے جس کہ فتنہ پیدا ہوتا ہو۔

آج لوگوں کو بس شیخ یہی مقولہ یاد رہ گیا ہے لیکن اسکا استعمال بے محل کیا جاتا ہے ایک وکیل صاحب سے میں نے کہا کہ یہاں مصلحت کا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ مصدر میمی ہے صلح کے معنی میں ہے یعنی جس جھوٹ سے دو آدمیوں میں صلح ہو جائے وہ اس سچ سے بہتر ہے جو موجب فتنہ ہو یہ نہیں کہ ہر مصلحت کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے اسپر وہ بہت خوش ہوئے کہنے لگے کہ خوب اسکا مطلب آج ہی سنا ہے۔

بہر حال بزرگان دین اور سلاطین کے ان واقعات کے بیان سے مقصود یہ تھا کہ آپ پر یہ واضح ہو جائے کہ وجدان صحیح سے امتیاز حاصل ہو جاتا ہے۔ اسلئے امتیاز حاصل کرنے کے لئے وجدان صحیح اپنے قلب میں پیدا کرنا ضروری ہے اور حقیقتاً تو یہ وجدان خدائی دین ہوتا ہے لیکن بزرگوں کے حالات، عقلاء کے واقعات اور اللہ والوں کی صحبت کے ذریعہ بھی کبھی انسان میں پیدا ہو جاتا ہے۔

(حضرت مصلح الامۃؒ کی اصلاحی باتیں)

فرمایا کہ ــــ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر مسلمان کی تین چیزوں کو حرام کیا ہے۔ اسکے خون کو اسکی آبرو کو اور اسکے ساتھ بدگمانی رکھنے کو دیکھئے اس میں جس درجہ کی حرمت اسکے خون کی بیان فرمائی اسی درجہ کی حرمت اسکے آبرو اور اس سے بدگمانی کو بھی فرمایا۔ یعنی حرام ہونے میں سب کو برابر فرمایا۔ لیکن آج ہمارا کیا حال ہے؟ ہمارا یہ حال ہے کہ ہم نے خون کو تو لیا کہ کسی کے خون کرنے کو حرام سمجھتے ہیں مگر آبرو اور بدگمانی کو چھوڑ دیا ہے کسی کی آبرو ریزی یا کسی کے ساتھ بدگمانی کو گناہ نہیں سمجھتے اگر کوئی شخص کسی کا خون کر دے تو اسکو سب لعنت ملامت کریں گے کہ اس نے بہت برا کام کیا لیکن بدگمانی کرنے والے کو کوئی بھی برا نہیں کہتا۔ یہ تفریق کیوں ہے؟ یہی مرض یہودیوں کا تھا کہ خدا کی طرف سے جو احکام آتے تھے تو ان میں سے بعض کو جن کو آسان اور نفس کے موافق پاتے تھے لے لیتے تھے اور دشوار کو ترک کر دیتے تھے۔ کسی کو مانتے تھے کسی کا انکار کر دیتے تھے اسی کو فرمایا کہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کیا بعض کتاب پر ایمان رکھتے ہو اور بعض پر نہیں

آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اس سے محفوظ ہیں کہاں محفوظ ہیں؟ آپ بھی قتل کو جو برا سمجھتے ہیں وہ بھی طبیعت سے شرعی اعتبار سے اگر برا سمجھتے ہوتے تو تینوں حکم کو ایک درجہ کا سمجھتے وہی یہودیوں کا مرض ایک ایک کر کے مسلمانوں میں آگیا ہے۔ اسکے بعد فرمایا ہے کہ فَمَا جَزَاءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی کیا سزا ہو ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے بجز رسوائی کے دنیاوی زندگی میں اور روز قیامت کے بڑے سخت عذاب میں ڈال دئیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہیں تمہارے اعمال سے یہاں تکفرون ببعض میں کفر سے مراد علماء نے لکھا ہے کہ انکی بے عملی ہے یعنی احکام خداوندی پر عمل نہ کرنا۔ چنانچہ بیان القرآن میں ہے کہ " ہر چند کہ یہ یہودی بوجہ انکار نبوت جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر ہی تھے لیکن اس مقام پر یہ کفر مذکور نہیں بلکہ بعضے احکام پر عمل نہ کرنے کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ جب تک حرام کو حرام سمجھے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ جو گناہ بہت شدید ہوتا ہے اس پر محاورات شرعیہ میں تغلیظاً کفر کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جس طرح سے ہمارے محاورات عرفیہ میں کسی ذلیل حرکت کرنے والے کو کہدیں کہ تو بالکل چمار ہے حالانکہ مخاطب یقیناً چمار نہیں ہوتا۔ مقصود اس سے تنفیر شدید اس امر سے اور اس کی سخت تقبیح ہوتی ہے۔ یہی معنی ہیں ایسی حدیثوں کے من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر۔ (ص۴۶ ج۱) (یعنی جس نے نماز قصداً ترک کردی وہ کافر ہوگیا مطلب یہ کہ کافر جیسا کام کیا نہ یہ کہ حقیقۃً کافر ہوگیا)

(ایک اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل میں دنیوی خزی کا ترتب لازم ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی اس کفر میں خزی کا ترتب نہیں بھی ہوتا سے تو جواب اسکا یہ ہے کہ حقیقت شناسوں کے نزدیک کسی کا مذموم و ملوم ہونا یہ بھی خزی ہے۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص احکام خداوندی کے خلاف کرے جسکی وجہ سے اللہ و رسولؐ اور مومنین کے نزدیک وہ ملوم اور مذموم ہو تو ایسا شخص اس آیت کا مصداق ہوگیا یہ آیت اس پر منطبق ہے اب وہ خود چاہے اسکو محسوس کرے یا نکرے۔

دیکھتا ہوں کہ لوگ عبادت خوب کرتے ہیں مگر اسکے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بزرگ ہوگئے اب ہمارے لئے نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے کہ دوسروں کی غیبت کریں ان لوگوں کا نفس عبادت کرکے موٹا ہو جاتا ہے۔ عبادت اس لئے موضوع تھی کہ اس سے آدمی کا نفس موٹا ہو؟ یا نفس کے مارنے کیلئے عبادت مشروع ہوئی تھی؟ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی یہ عبادت شرعی نہیں ہے محض رسمی اور ریائی ہے۔ شرعی عبادت سے نفس مرتا ہے موٹا نہیں ہوتا ہے ؎

علم رسمی سر بسر قیل است وقال کہ ازو کیفیتے حاصل نہ حال

(رسمی علم تو صرف قیل وقال کا نام ہے نہ اس سے کیفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ حال)

اسی طرح سے عمل بھی رسمی ہوتا ہے۔ آج اسی رسمی علم وعمل نے ہمارا ناس مار دیا ہے لوگوں نے بس علماء کا لباس پہن لیا۔ صورت علماء کی سی بنالی اور سمجھتے ہیں کہ واقعی ہم عالم

ہو گئے اور دلیل اسکی یہ کہ لوگ ہم کو عالم سمجھتے ہیں۔ اللہ و رسول کے نزدیک چاہے انکا شمار عالم میں نہ ہو لیکن مخلوق انکے ساتھ علماء کا سا برتاؤ کرتی ہو بس یہی عالم ہونے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عمل بھی رسمی ہوتا ہے اور وہ، وہ ہے جسکو نفس کی خواہش یا مخلوق کے ڈر یا محض باپ دادا کا طریقہ ہونے کی وجہ سے اختیار کیا جائے۔ اللہ اور اسکے رسول کا دین اور شریعت کا حکم سمجھکر نہ کیا جائے۔ جیسے مثلاً اسی حدیث میں فرمایا کہ مسلمان کا خون اسکی آبرو اور اسکے ساتھ بدگمانی حرام ہے تو اول کو تو حرام سمجھا جاتا ہے مگر اور چیزوں کو بدگمانی کو حرام نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم نیک ہو گئے تو اب ہم کو حق ہے کہ دوسروں کی آبرو ریزی کریں اور دوسروں کے ساتھ بدگمانی کریں۔ یہ کیا ہے؟ کیا یہ اللہ تعالےٰ کے احکام میں انتخاب نہیں ہے؟ اور اسی طرح کا انتخاب نہیں جیسا کہ یہودیوں نے کیا تھا کہ ان پر تین حکم واجب تھے اول یہ کہ قتل نکرنا۔ دوم یہ کہ اخراج اور جلاوطن نکرنا۔ سوم یہ کہ اپنی قوم میں سے کسی کو قید میں دیکھنا تو فدیہ دیکر اسکو چھڑا لینا۔ لیکن انھوں نے کیا کیا کہ بس تیسرا حکم جو نفس کے موافق تھا یعنی قیدی کو چھڑا لینا اس کو تو مانا اور بہت پابندی کے ساتھ اسپر عمل کیا اور بقیہ دونوں کی خلاف ورزی کی کہ قتل و قتال منع تھا اسکو بھی کیا اور اخراج منع تھا اسے بھی کیا ـــــ یہی حال کیا آج ہمارا نہیں ہے کہ ہم نے بھی دین میں انتخاب کر رکھا ہے کہ کچھ چیزوں کو لے رکھا ہے اور کچھ کو ترک کر رکھا ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ اور سنیئے مالا بد منہ میں ہے کہ

"دشنام دادن دیگری بزبان یا باشارۂ سر یا چشم یا دست یا مانند آں یا خندیدن بروئے بر نہجی کہ موجب ہتک حرمت او باشد حرام است۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ حرمت مال و آبروئے مسلمان مثل حرمت خون اوست وکعبہ را فرمودہ کہ حق تعالیٰ ترا چہ قدر حرمت داد و لیکن حرمت مسلمان و حرمت خون او و مال او و آبروئے او از تو زیادہ است۔

(کسی کو گالی دینا زبان سے یا سر یا آنکھ یا ہاتھ کے اشارہ سے یا اور کسی طرح یا کسی پر ہنسنا ایسے انداز سے کہ جو اس کے ہتک حرمت کا سبب بنے حرام ہے۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے مال اور آبرو کی حرمت مانند اسکے خون کی حرمت کے ہے۔ اور کعبہ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تجھے کیسی حرمت بخشی ہے لیکن مسلمان کی حرمت اور اسکے خون کی حرمت اور اسکے مال و آبرو کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے)
سنا آپ نے اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ خون کو تو لوگ حرام سمجھتے ہیں ان چیروں کو کتنے لوگ حرام سمجھتے ہیں؟ جو اسکو حرام سمجھے گا وہ کسی کی آبروریزی کریگا؟ آج کتنے لوگ ہیں کہ کعبہ کی حرمت انکے قلوب میں موجود ہے مگر مسلمان کی اتنی بھی حرمت قلب میں نہیں ہے حالانکہ حدیث میں تصریح ہے کہ اسکی حرمت کعبہ سے بڑھکر ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آج جو یہ عالم جاہل کی اور جاہل عالم کی حرمت ترک کرتا ہے اور کسی کے قلب میں کسی کا کوئی احترام اور کچھ بھی عزت باقی نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے جو شریعت کے احکام نہ ماننے کیوجہ سے ہم پر دنیا میں مسلط ہے۔

مسلمان کے لئے سوء ظن حرام ہے۔ مسلمان حسن ظن رکھتا ہے، حسن ظن باللہ اور مخلوق کے ساتھ حسن ظن۔ مگر اسکو بیان کیجئے تو لوگ سنتے ہی نہیں۔ جانتے ہیں کیا بات ہے؟ اسکو اختیار ہی کرنا نہیں چاہتے، اسلئے خیال کرتے ہیں کہ جس گاؤں جانا نہیں اسکا راستہ کیا پوچھنا۔ اور بدگمانی تو خیر حرام ہے علماء نے لکھا ہے کہ مشتبہات سے بھی پرہیز کرنا چاہئے مالا بدمنہ کتاب التقویٰ کے شروع ہی میں ہے کہ

"بعد اتیان ارکان اسلام دانستن حرام و مکروہ و مشتبہ و پرہیز از مشتبہات بنا براحتیاط از وقوع در حرام و مکروہ از ضروریات اسلام است"۔

(ارکان اسلام ادا کر لینے کے بعد بھی یہ جاننا کہ حرام کیا چیز ہے مکروہ کسے کہتے ہیں اور مشتبہ کیا چیز ہوتی ہے، اور مشتبہات سے پرہیز کرنا تاکہ حرام و مکروہ میں نہ واقع ہو جائے یہ بھی منجملہ ضروریات اسلام کے ہے)

دیکھا آپ نے علماء نے مشتبہات سے بھی بچنے کو کہ ان سے اس لئے بچے تاکہ کہ حرام میں نہ پڑ جائے ضروریات اسلام میں سے فرمایا ہے۔ اب شبہ اور مشتبہ تو الگ رہا کھلم کھلا حرام سے بھی اجتناب نہیں کیا جاتا۔ انا للہ۔ جہاں ایسی تعلیم اخلاق کی ہو وہاں لوگوں کا یہ حال ہے؟ عمل تو بجائے خود رہا آج ان سب باتوں کا علم بھی ہم سے رخصت

ہو گیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس شخص نے اپنے بھائی کے ساتھ سوئے ظن کیا اس نے اپنے رب کے ساتھ سوئے ظن کیا۔ اب اگر لوگ مجھ ہی سے کہتے ہیں کہ مجھکو فلاں شخص سے بدظنی ہے دوسرے لوگ منع کئے جارہے ہیں کہ اس قسم کی بات نہ کہو اور میں برابر قرآن وحدیث پڑھتا رہتا ہوں اور ان سے ان چیزوں کی برائی بتاتا رہتا ہوں مگر ان پر اسکا کوئی اثر نہیں اپنی ہی کئے جارہے ہیں جانتے ہیں آپ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں اور علماء ومشائخ سے ڈرتے کیوں نہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے ڈریں کیوں؟ اگر یہ ناراض ہو جائیں گے تو نہایت عمدہ گوشت پکوا کر کھلا دیں گے اور اگر اس سے بھی نہ خوش ہوئے خوب اچھی مٹھائی لیکر پیش کر دیں گے تب تو خوش ہو جائیں گے بس اسی سے نہیں ڈرتے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ان سب چیزوں کی پروا نہیں کرینگے تو لوگ ڈریں اور سامنے آتے پاؤں کانپیں اور ان حضرات سے دور بھاگیں جیسے شیطان بھاگتا ہے۔

دیکھئے شریعت نے بھی بدگمانی کی کیسی جڑ کاٹی اور کیسی ناکہ بندی کی ہے، کہ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ بدگمانی کی اس نے اپنے رب کے ساتھ بدگمانی کی یعنی ایک مسلمان کے ساتھ بدگمانی کرکے گویا اس نے حق العبد تو فوت کیا ہی، اسمیں حق اللہ بھی فوت کیا جس کا حاصل یہ ہوا کہ تقویٰ اللہ بھی فوت ہوا اور حسن خلق بھی فوت ہوا اور انھیں دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر دخول جنت کا سبب فرمایا تھا۔ اب جو شخص اسکو پیش نظر رکھے گا وہ غیبت کرے گا؟ کسی کی بے آبروئی کریگا؟ یہ سب تو بدگمانی کی فرع ہے اور جب اسی کی جڑ کاٹ دی گئی تو اور چیزیں تو خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ اور سنئے! احیاء العلوم میں ہے کہ :-

باب تحریم الغیبۃ بالقلب۔ یعنی غیبت قلبی کی حرمت کا بیان۔ یہ دیکھئے آپ تو اب تک یہ سنتے آئے ہوں گے کہ غیبت لسان سے ہوتی ہے، امام یہاں فرماتے ہیں کہ جسطرح غیبت زبان سے ہوتی اسیطرح سے قلب سے بھی ہوتی ہے اور قلب کی غیبت کیا ہے؟ یہی

سوءظن، بدگمانی، اسی کو فرماتے ہیں کہ:۔

اعلم ان سوء الظن حرام مثل سوء القول فكما يحرم عليك ان تحدث غيرك بلسانك بمساوي الغير فليس لك ان تحدث نفسك وتسيء الظن باخيك ولست اعني به الا عقد القلب وحكمه على غيره بسوء الظن۔ فاما الخواطر وحديث النفس فهو معفو عنه بل الشك ايضا معفو عنه۔

یہ سمجھ کہ مثل سوء قول (غیبت وغیرہ) کے سوءظن بھی حرام ہے۔ پس جسطرح کہ تمھارے اوپر یہ حرام ہے کہ کسی دوسرے سے اپنے کسی غیر کی برائی بیان کرو اسیطرح تمھارے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ تم اپنے نفس سے اپنے بھائی کی برائی کرو یعنی اسکے ساتھ سوءظن رکھو اور میری مراد اس سے یہ ہے کہ دوسرے کی برائی کا خیال اپنے دل میں جمالو اور کسی پر حکم لگانے لگو اپنی بدظنی کے ذریعہ۔ رہے خواطر یا حدیث النفس تو وہ درجہ معاف ہے بلکہ شک کا درجہ بھی شرعاً معاف ہے (یعنی برائی کا یقین نہ ہو تو اسکے نیچے کے درجات معاف ہیں)۔

آگے فرماتے ہیں کہ یہ بدگمانی کیوں حرام ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اسرار قلوب کے بجز علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا لہٰذا جب تک کہ کھلی ہوئی علامت کسی بات کی نہ پائی جائے کیا حق ہے کسی کو کہ دوسرے پر بدگمانی کرے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

وسبب تحريمه ان اسرار القلوب لا يعلمها الا علام الغيوب فليس لك ان تعتقد فی غیر سوء الا اذا انكشف لك بعيان لا يقبل التاويل فعند ذلك لا يمكنك ان لا تعتقد ما علمته وشاهدته وما لم تشاهده بعينك ولم تسمعه باذنك ثم وقع في قلبك فانما الشيطان يلقيه اليك فينبغي ان تكذبه فانه افسق الفساق وقد قال الله تعالى يا ايها الذين امنوا اذا جاءكم فاسق بنبإ فتبينوا ان تصيبوا قوما بجهالة۔ فلا يجوز تصديق ابليس

اور سبب اسکی حرمت کا یہ ہے کہ قلوب کے اسرار سوا علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا لہٰذا تمکو حق نہیں ہے کہ تم کسی دوسرے میں کسی برائی کا اعتقاد رکھو مگر یہ کہ تمھارے لئے وہ عیاناً منکشف ہو جائے اسطور پر کہ اسکی تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو پس اسوقت نہیں ممکن ہوگا تمھارے لئے کہ جس بات کو تم نے جان لیا ہے اور مشاہدہ کر لیا ہے اسکا یقین قلب میں نہ ہونے دو۔ ہاں جسکا مشاہدہ نہ کیا ہو اپنی آنکھوں سے اور نہ سنا ہو اپنے کانوں سے پھر تمھارے قلب میں وہ بات آوے تو سمجھ لو کہ شیطان نے تمھارے قلب میں ڈالدیا ہے تو چاہئے کہ اسکو جھٹلا دو اسلئے کہ وہ سارے فاسقوں سے بڑھکر فاسق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو جب تمھارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو اسکی تحقیق کرو ایسا نہ ہو کہ تم اس خبر کی وجہ سے کسی بے گناہ قوم پر حملہ آور ہو جاؤ) پس تصدیق ابلیس جائز نہیں ہے۔

کیا عمدہ موقع پر امام اس آیت کو لائے ہیں اذا جاءکم فاسق بنباء سبحان اللہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ فاسق کی خبر معتبر نہیں ہے بلکہ اسکی تحقیق کرنی چاہئے تاکہ غلطی سے کسی پر ظلم نہ ہو جائے مگر سوءظن کے باب میں اور شیطان کو فاسق کہکر اس موقع پر اس آیت کو لے آنا خوب ہے اہل علم کو لطف ہی آ گیا ہوگا۔

غرض بدگمانی اسی لئے منع ہے کہ اسکی وجہ سے اندیشہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ ہو جائے اور ظلم حرام ہے۔ حضرتؒ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت ماں کا کیا مرتبہ ہے؟ یہ اس نے بیوی کے مقابلہ میں پوچھا تھا حضرت نے فرمایا انہہ جانتے نہیں کہ ماں کا کیا مرتبہ ہے مطلب حضرت کا اس سے یہ تھا کہ ماں میں اور بیوی میں کیا نسبت، بیوی ماں کے مقابلہ میں کیا چیز ہے اسکے بعد اس نے کہا کہ ماں اگر ظلم کرے تو فرمایا کہ جانتے نہیں کہ ظلم کرنا کسی مسلمان پر بھی ہو حرام ہے دیکھئے حضرتؒ نے ان دو جملوں میں گھر کا سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا ہے۔ میں نے ایک دفعہ یہی مضمون بیان کیا تو ایک غیر مسلم کو دیکھا کہ پھڑک گیا میں نے سمجھا کہ یہ بھی اسی میں بتلا ہے اور یہ مضمون اس پر منطبق ہو گیا ہے اس لئے اس پر یہ اثر ہوا ہے۔ وہ تو کہتا ہوگا کہ میرے گھر کے جھگڑے کی انھیں کیسے خبر ہو گئی؟ میں نے کہا ارے جاؤ میں بھی اسی ماحول میں رہ چکا ہوں اس لئے اجمالاً سب کے گھر کی خبر ہے۔

میں نے جو حدیث شروع میں بیان کی تھی احیاء العلوم میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم سے اسکے خون، مال، اور اسکے ساتھ سوءظن کو حرام فرمایا ہے۔ اب اگر اس مضمون کو سمجھ لیجئے گا تو دنیا کی زندگی جنت کا نمونہ ہو جائے گی ورنہ پریشانی ہی میں رہئے گا۔ کیونکہ جو شخص بدگمانی میں بتلا رہتا ہے وہ پریشان ہی رہتا ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو کسی معصیت میں بتلا دیکھا اور جب اس سے دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا اس پر آپ نے فرمایا کہ میری آنکھوں نے غلط دیکھا تو سچ کہتا ہے۔ اللہ اکبر حضرات انبیاء علیہم السلام کے ایسے اخلاق تھے ہم اسطرح سے کسی کو اپنی آنکھ سے دیکھکر اپنے کو کبھی نہ جھٹلائیں مگر انبیاء کے کیسے اخلاق تھے کہ اپنے مشاہدہ کو جھٹلا دیا اور اس سے بڑھکر یہ کہ انکار کے بعد پھر اسکے ساتھ معاملہ ایسا فرمایا جیسے کہ

وہ ـــــ رگناہ ہو، میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ اور بھی مشکل ہے۔ بدگمانی اسلئے بھی منع ہے کہ جب یہ ہوگی تو آدمی اسکے بعد دو اور گناہ کریگا ایک تو تجسس کریگا کیونکہ قلب انسان کا محض ظن اور تخمین پر قناعت کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جس چیز کا مجھے گمان حاصل ہے اسکی تحقیق ہوجائے تو اچھا ہے اور اسکا ذریعہ تجسس ہے اسلئے تجسس کرے گا جو کہ خود حرام ہے۔ اور یہ اسلئے حرام ہے کہ تجسس میں ہوتا یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے ستر میں نہیں رہنے دیتا بلکہ انکو عریاں کرنے کے لئے اسکی پردہ دری کرتا ہے، حالانکہ اگر یہ اس پردہ کو پڑا رہنے دیتا تو یہ زیادہ اسلم تھا اسکے قلب کیلئے بھی اور اسکے دین کیلئے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جنکی ستاری فرمائی ہے اسکی پردہ دری کرنا نہایت بری بات ہے۔ پھر جب ظن علم سے بدل جائے گا تو اسکو دوسروں سے کہے گا جو کہ غیبت ہے یہ تیسرا گناہ ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ایک بدظنی کیوجہ سے آدمی تجسس بھی کرتا ہے اور غیبت بھی یہی وجہ ہے کہ غیبت۔ سوء ظن اور تجسس ان تینوں کو ایک ساتھ ایک ہی آیت میں منع فرمایا گیا ہے۔ تجسس کے معنی علماء نے کیا اچھے بیان کئے ہیں کہ ان لا یترک عباد اللہ تحت ستر اللہ یعنی اللہ کے بندوں کو اللہ کے پردے میں باقی نہ رہنے دے، اور اللہ تعالیٰ نے اسکو حرام فرماکر کس طرح ہمکو رسوائی سے بچالیا کہ اگر آپ اسکو سمجھ لیجئے تو پھر یہی کہیئے کہ ؎

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھکو انشار

اِدھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے وہ دمبدم عنایت

اور اسکا حکم اس لئے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بعد میں یہ شخص صدق دل سے تائب ہوجائے اور اللہ تعالیٰ اسکے گناہ کو معاف فرمادیں یہ دیکھئے یہاں تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے معافی ہوجاتی ہے مگر مخلوق اسکو نہیں چھوڑتی ایک شخص اپنی پچھلی حالت سے تائب ہوکر اپنا حال درست کرلے تب بھی مخلوق یہی کہے گی کہ ستر چوہے کھاکر بلی چلی ہے حج کرنے اور لوگ کہے جائینگے کہ ذہی ہیں نا جنھوں نے فلاں کام کیا تھا۔

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ انھوں نے ہمارا سب حال ڈھکا چھپا رکھا ہے اور اسکی ستاری فرما رکھی ہے ورنہ ہم تو کہیں کے نہ ہوتے۔ ایک بزرگ کو الہام

ہوا کہ بہت دلی بنتے پھرتے ہو اگر کہو تو تم کو رسوا کردیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ بیشک میں ہوں تو ایسا ہی کہ اگر آپ کی ستاری نہ ہو تو ہم کہیں کے نہ رہیں مگر کہئے تو ہم آپکی مغفرت اور رحمت کی شانِ بھی لوگوں پر ظاہر کردیں تو پھر کوئی شخص بھی آپ کی عبادت نہ کرے گا۔ الہام ہوا کہ اچھا نہ ہم ظاہر کریں نہ تم ظاہر کرو اسی طرح سے رہنے دو۔ دیکھئے کبھی ان بزرگوں میں سے کسی کسی سے اس قسم کی بھی گفتگو ہو جاتی ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو محبت ہے وہ ایسی ہے کہ ماں کو بھی اپنی اولاد کے ساتھ ویسی محبت نہیں ہوتی بلکہ ماں کو بھی جو محبت اپنے بچہ کے ساتھ ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی محبت کا ایک شمہ ہے۔

تجسس منع ہے، لوگوں کے ظاہر کے دیکھنے کا حکم ہے اگر کسی کا ظاہر اچھا ہے اور وہ ظاہری صلاح سے متصف ہے اور اسکے ظاہر سے امانت دیکھی جاتی ہے تو ایسے شخص سے بدگمانی حرام ہے۔ باقی جو لوگ کہ تہمت کے مواقع سے اجتناب نہ کریں تو ان سے اگر ان کے افعال کیوجہ سے بدظنی ہو جائے تو یہ گناہ نہیں ہے اسکے ذمہ دار خود وہ لوگ ہیں روح المعانی میں ہے :۔

ویشترط فی حرمۃ ھذا ان یکون المظنون بہ ممن شوھد منہ التستر والصلاح و اونست منہ الامانۃ واما من یتعاطی الریب والمجاھرۃ بالخبائث کالدخول والخروج الی حانات الخمر و صحبۃ الغوانی الفاجرات وادمان النظر الی المرد فلا یحرم ظن السوء فیہ۔ وان کان الظان لم یرہ یشرب الخمر ولا یزنی ولا یعبث بالشباب۔

اور اس سوئے ظن کے حرام ہونے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ جس کے متعلق بدگمانی کیجائے اس میں صلاح اور برائی کے اخفا کا مشاہدہ کیا جاتا ہو اور کچھ امانت بھی دیکھی جاتی ہو۔ باقی جو شخص کھٹک کے کاموں کا اور شناعت والے امور کا کھلم کھلا ارتکاب کرے جیسے شراب خانہ میں آنا جانا، یا گانے بجانے والی فاجر عورتوں کے ہمراہ پھرنا یا امردوں کو گھور گھور کر دیکھنا، تو اسکے متعلق سوء ظن حرام نہیں ہے اگر اس بدگمانی کرنے والے نے بچشم خود اسکو شراب پیتے، زنا کرتے، یا امارد کو چھیڑتے نہ دیکھا ہو۔

(روح المعانی ص۱۴۳ ج۲۶)

لیکن ہمارا معاملہ یہ ہے کہ آج ہمکو جو بدگمانی ہوتی ہے تو انھیں نیک لوگوں سے حالانکہ علماء صاف لکھتے ہیں کہ ؂

ہرکرا جامہ پارسا بینی پارسا داں و نیک مرد انگار

(جس شخص کو ظاہری صلاح کے لباس میں دیکھو تو اسکو نیک اور پارسا سمجھو)

ورندانی کہ در نہانش چیست محتسب را درون خانہ چہ کار

(اور اگر تمکو نہیں معلوم کہ اسکے ظاہر میں باطن کیسا ہے تو نہ سہی داروغہ کو گھر کے اندر تفتیش کا کیا حق ہے)

اور سنیے! صاحب روح المعانی آیۃ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ کے تحت لکھتے ہیں کہ :۔

و من الظن ما یحرم کظن السوء بالمومنین ففی الحدیث ان اللہ تعالیٰ حرم من المسلم دمہ وعرضہ وان یظن بہ ظن السوء ۔ وعن عائشۃ رض مرفوعا من اساء باخیہ الظن فقد اساء بربہ ان اللہ تعالیٰ یقول اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۔

اور ظن میں بعض حرام ہے جیسے مومنین کے ساتھ سوء ظنی رکھنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم کے خون اسکی آبرو اور یہ کہ اسکے متعلق سوء ظن رکھا جائے ان سب کو حرام فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ رض سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے اپنے بھائی کے ساتھ سوء ظنی کی اسنے اپنے رب کے ساتھ سوء ظنی کی۔

آگے فرماتے ہیں کہ بھائی مسلمان کے فعل کو تا حد امکان صحیح اور حسن محمل پر حمل کرنا چاہئے۔

عن سعید بن المسیب رض قال کتب الی بعض اخوانی من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ضع امر اخیک علی احسنہ مالم یاتک ما یغلبک ولا تظنن بکلمۃ خرجت من امرئ مسلم شرا وانت تجد

حضرت سعید بن المسیب رض سے مروی ہے کہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احباب نے مجھے لکھا کہ اپنے بھائی کے معاملہ کو محمل حسن ہی پر اتار دو جب تک ایسی بات نہ آجائے جس سے گمان غالب ہی خلاف کا ہو جائے۔ اسی طرح سے کسی مسلمان کی زبان سے نکلے کسی کلمہ کو برے محمل پر حمل نہ کرو

لها في الخير محملاً۔ ومن عرض نفسه للتهم فلا يلومن الا نفسه۔ ومن كتم سره كانت الخيرة في يده وما كافيت من عصى الله تعالى فيك بمثل ان تطيع الله تعالى فيه۔ وعليك باخوان الصدق فكن في اكتسابهم فانهم زينة في الرخاء وعدة عند عظيم البلاء۔ ولا تهاون بالحلف فيهنيك الله تعالى ولا تسألن عما لم يكن حتى يكون۔ ولا تضع حديثك الا عند من تشتهيه وعليك بالصدق وان قتلك

واعتزل عدوك واحذر صديقك الا الامين ولا امين الا من خشي الله تعالى۔ وشاور في امرك الذين يخشون ربهم بالغيب۔

(روح المعانی)

جب تک کہ تم اسکے لئے کوئی محمل حسن پا سکو۔ اور جس شخص نے خود اپنے کو تہمت کے موقع پر پیش کیا تو (بدگمانی کئے جانے پر) خود اپنے ہی کو ملامت کرے۔ یوں جس شخص نے کسی کا راز چھپایا تو اسکے ہاتھ میں بھلائی پہونچی اور تم نے اپنے متعلق خدا کے کسی نافرمان کو اس سے بڑھکر بدلہ نہیں دیا کہ ایسا معاملہ کرو جو خدا کی اطاعت کا ذریعہ ہو۔ سچے دوستوں کے ساتھ اور انھیں ڈھونڈو اسلئے کہ وہ عیش کے زمانے میں تمھارے زینت ہیں اور بلا و مصیبت کے زمانے میں پس انداز ذخیرہ ہیں۔ قسم کھانے عجلت نکرو اللہ تعالیٰ تم کو رسوا کردیں گے جو چیز واقع نہیں ہوئی ہو اسکے متعلق یقینی طور پر سوال نکرو تا آنکہ وہ واقع نہ ہوجائے۔ اپنی بات اپنے منتخب احباب ہی کے درمیان میں رکھو اور سچائی کو لازم پکڑو اگرچہ تم قتل کردیئے جاؤ دشمنوں سے دور رہو دوستوں سے بھی احتیاط رکھو بجز امین شخص کے اور امین وہ ہے جسے خدا کا خوف ہو اپنے معاملات میں ایسے لوگوں سے مشورہ کرو جن کو خدا کا خوف ہو غیب کی حالت میں بھی۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے روپیہ پیسہ کی حفاظت کرے اور دوستوں کو بھی نہ بتائے تو یہ جائز ہے کیونکہ حذر ہر ایک سے لازم ہے بدگمانی تو منع ہے مگر حذر اور احتیاط جائز ہے۔ چنانچہ سعدی فرماتے ہیں کہ :۔

نگہ دارد آں شخص در کیسہ دُر — کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بر

یعنی اپنے تھیلی میں موتی کی حفاظت وہی شخص کرسکتا ہے جو تمام دنیا کو گرہ کٹ سمجھتا ہو

آگے فرماتے ہیں کہ :-

وعن الحسنؓ کنا فی زمان الظن بالناس حرام وانت الیوم فی زمان اعمل واسکت وظن بالناس ما شئت - واعلم ان ظن السوء ان کا اختیاریا فالامر واضح واذا لم یکن اختیاریا فالمنھی عنہ العمل بموجبہ من احتقار المظنون بہ وتنقیصہ وذکرہ بما ظن فیہ - ولا یضر العمل بموجبہ بالنسبۃ الی الظان نفسہ کما اذا ظن بشخص انہ یرید بہ سوء فیتحفظ من ان یلحقہ منہ اذی علی وجہ لا یلحق ذلک الشخص بہ نقص وھو محمل خبر ان من الحزم سوء الظن

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ہمارا ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ لوگوں کے ساتھ سوءظنی حرام تھی (کہ لوگ اچھے تھے) اور آج کے دن تم ایسے زمانہ میں ہو کہ عمل کرو اور زبان بند رکھو اور لوگوں کے متعلق جو چاہو گمان رکھ سکتے ہو (کہ فسق و فجور عام ہو رہا ہے) جانو کہ سوءظن اگر اختیاری ہو تب تو معاملہ بالکل واضح ہے (کہ اختیار سے اسکو روکو) اور اگر اختیاری نہ ہو تو منع جو ہے وہ اسکے موجب پر عمل کرنا ہے۔ مثلاً یہ کہ جس کے متعلق بدگمانی ہو اسکو حقیر جانے اور اسکی تنقیص کرے اور اپنے گمان کو دوسرے لوگوں سے کہنے لگے۔ باقی اسکے موجب پر ایسے طور پر عمل کرلینا جو گمان والے کی ذات سے متعلق ہو اسمیں بھی کچھ حرج نہیں مثلاً جب کسی شخص کے بارے میں یہ گمان ہوا کہ وہ مجھے تکلیف پہنچا دیگا تو محض اس گمان کی وجہ سے اپنی حفاظت میں لگ جائے تاکہ نقصان نہ پہنچے مگر ساتھ ساتھ اس شخص کی بھی تنقیص نہ کرے (تو یہ جائز ہے اور یہی مصداق ہے اس حدیث کا کہ بعض احتیاط بدگمانی ہوا کرتی ہے

وفی الحدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث لازمات امتی الطیرۃ والحسد وسوء الظن فقال رجل ما یذھبھن یا رسول اللہ من ھو فیہ قال اذا حسدت فاستغفر اللہ واذا ظننت فلا تحقق واذا تطیرت فامض۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزیں میری امت کیلئے لازم ہونگی بدفالی[۱]، حسد کرنا[۲] اور بدگمانی کرنا[۳] ایک صحابی بولے یا رسول اللہ پھر یہ خیالات بد انسان سے کیسے دور ہوں آپ نے فرمایا کہ جب حسد کا شبہ کسی سے ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور بدگمانی ہو تو اسپر جزم نہ کرے (احتمال رکھے کہ شاید ایسا نہ ہو) اور جب بدفالی کا خطرہ گذرے تو اسکی وجہ سے کسی کام کو ترک نہ کرے بلکہ اپنا کام (توکلاً علی اللہ) کر گذرے۔

(روح المعانی ص۱۴۲ پ۲۶)

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ نفس گمان سے تو آدمی کا بچنا مشکل ہے لیکن اسکو چاہئے

کہ اسکے ساتھ یقین کا سا معاملہ نہ کرنے لگ جائے

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تیقظ اور حزم اور بیداری کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اسکو تو آدمی اپنے دوست کے مقابلہ میں بھی کر سکتا ہے آخر ہم اپنے بکس میں قفل لگاتے ہیں یا نہیں؟ تو اسکا یہ مطلب تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ ہم کو اپنے خاص خاص عزیزوں پر اعتبار نہیں یا خدانخواستہ ان سے بدگمانی ہے نہیں بلکہ احتیاط ہے اور احتیاط کرنا اچھا ہے اسلئے کہ کسی موقع پر انکی جانب کوئی برا خیال جائے اسکی وجہ سے اس سے حفاظت رہتی ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب وہ غلام سے گوشت منگواتے تو پہلے اسکی بوٹی گنتے تھے تب اسکو پکانے کیلئے دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اسوقت بخل کا طعنہ سن لینا میرے نزدیک آسان ہے اس سے کہ میں اس سوءظن میں مبتلا ہو جاؤں کہ شاید اس نے پکانے میں اس میں سے کھا نہ لیا ہو اللہ اکبر بزرگان دین کتنا خیال اپنے نفس کا رکھتے تھے اور آج ہم ہیں کہ بالکل ان چیزوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ذرا احساس نہیں۔

فرمایا کہ —— ایک حدیث سنیئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا یا بنی یعنی اے صاحبزادے اگر تم اس پر قادر ہو کہ اس طرح سے صبح و شام کرو کہ تمھارے دل میں کسی کی طرف سے کینہ اور کپٹ نہ ہو تو کرو۔ اسکے بعد پھر فرمایا یا بنی یعنی اے صاحبزادے ذالک من سنتی یعنی یہ میری سنت ہے ومن احب سنتی فقد احبنی اور جو شخص میری سنت کو محبوب رکھے گا اس نے گویا مجھے محبوب رکھا ومن احبنی کان معی فی الجنة اور جو شخص مجھ سے محبت رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ سبحان اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسقدر محبت آمیز طریقہ سے حضرت انسؓ کو خلق کیجانب متوجہ فرمایا تو کیا یہ حدیث اسی وقت کے لئے تھی اب امت اسکی مخاطب نہیں ہے۔ پھر اسکو کیوں نہیں سنتے۔

اور سنیئے قرآن شریف میں ہے کہ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا

(اور نہ کیجئے ہمارے قلوب میں کینہ اور کپٹ ایمان والوں کی طرف سے) اب لوگ مشائخ کے یہاں جائیں اور انھیں سے دوسروں کی شکایت کریں برائی کریں یہ کیسا ہے؟ بزرگوں سے اصلاح کی باتیں تو نہ سیکھیں بلکہ اپنا یہ سب فیض انھیں کو پہنچا دیں یہ کیسا ہے، ان حضرات سے کسیکی برائی بیان کرنا بہت بڑی بات ہے کسی کی تعریف اور مدح ان حضرات کے پاس جاکر کرنا چاہیئے کہ بُرائی؟ ہم تو سب لوگوں کیلئے دعا کرتے ہیں اور آپ آکر ہمارے دل کو کسی کی طرف سے برا کردیں کس قدر ظلم کی بات ہے۔

احیاء العلوم میں ہے کہ حقوق مسلم میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ بلاغات ناس کو نہ سنے یعنی بعض لوگ جو بعضوں کی باتیں تمھارے پاس پہونچائیں تو اسکی جانب کان نہ دھرو۔ تو علماء نے یہ سب کیوں لکھا ہے اسی لئے تاکہ لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے اور اسکی وجہ سے فساد اور نقصان واقع ہوتا ہے۔

حضرت عباسؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ نصیحت کی کہ میں حضرت عمرؓ کو دیکھ رہا ہوں کہ انھوں نے تمکو اپنے قریب کر رکھا ہے لہٰذا خبردار ان سے کسی کی شکایت نہ کرنا۔ مطلب یہ تھا کہ کہیں مقرب ہونے کے زعم میں ان سے لوگوں کی شکایت حکایت نہ شروع کردینا کہ اسکی وجہ سے آدمی نظر سے گر جاتا ہے اور چغلی کا انجام ذلت ہوتا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جو شخص کسی بزرگ کا مقرب ہو اسکو بہت سنبھل کر رہنا چاہیئے، اسکو چاہیئے کہ دوسروں کی تعریف کیا کرے اور انکا کام بنا دیا کرے نہ یہ کہ برائی اور چغلی کرے۔ یہ بہت بُرا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دن وہ سمجھ لیں گے کہ یہ شخص ایسا ہے اور نظروں سے گرا دیں گے۔

لہٰذا مشائخ کو چاہیئے کہ وہ کسی کے کہنے سننے کا اثر نہ قبول کریں مجھے تو ایسے موقع پر حضرت حاجی صاحبؒ کا وہ خط یاد آتا ہے جو حضرتؒ نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کو لکھا اور جب اسکو پڑھتا ہوں تو قلب کا عجیب حال ہوتا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ پر اس خط کا کتنا اثر ہوا ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ:-

"ایک ضروری اطلاع یہ ہے کہ فقیر آپ کی محبت کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہے اور الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے آپکی محبت کو میرے دل میں ایسا مستحکم کردیا ہے کہ

کوئی شے اسکو ہلا نہیں سکتی اور میں اپنے سب احباب کی محبت کو اپنے لئے وسیلۂ نجات جانتا ہوں اور یقین جانو کہ مجھکو دنیا میں کسی سے ملال و کدورت نہیں ہے تو پھر اپنے عزیزوں سے جو اس گنہگار کے عقبیٰ کے حامی ہیں کیونکر کدورت رکھوں گا۔ اول تو کسی کو مقدور نہیں کہ فقیر کے سامنے آپ کے خلاف زبان ہلاوے کیونکہ اس بارہ میں اسکو سوائے میرے رنج و ملال کے کیا فائدہ ہوگا۔ دوسرے جو کوئی فقیر کو دوست رکھتا ہے وہ ضرور آپ سے محبت رکھتا ہے تو اسکے خلاف کبھی کوئی تحریر آپ کے پاس جاوے تو اسکو باور نہ کرنا۔

عزیزم! دل محل ایمان و معرفت و محبت ہے نہ محل کینہ و کدورت آپکی دعا میرے حق میں مقبول ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اب اس اخیر زمانہ میں میرے دل کو نور محبت و ایمان و معرفت سے نورٌ علیٰ نور فرما دے۔ فقط۔

دیکھئے! کیا تعلق اور محبت سے بھرا ہوا خط ہے اور کس قدر تواضع میں ڈوبا ہوا مضمون ہے اس سے حضرت حاجی صاحبؒ کے اخلاق کا اندازہ ہوتا ہے یہ خط تو اس قابل ہے کہ بطور ورد کے اسکو روزانہ پڑھا جائے اور اسکے مضمون کو قلب و ذہن میں اتارا جائے اگر آدمی کی سمجھ میں یہی ایک بات آجائے اور وہ اسپر عمل کرلے تو اسکی اصلاح کے لئے کافی ہے۔ یعنی یہ سمجھے کہ بزرگان دین نے ہر زمانہ میں کینہ وغیرہ کی نہایت شدت کے ساتھ مذمت فرمائی ہے چنانچہ اسکے متعلق بہت ہی سخت لفظ استعمال فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ؎

کفر است در شریعت ما کینہ داشتن   آئین ما ست سینہ چوں آئینہ داشتن

ہماری شریعت میں کینہ رکھنا کفر ہے ہمارا آئین اور قانون یہ ہے کہ سینہ کو آئینہ کے مانند رکھیں اب یہ سمجھئے کہ اچھے اخلاق دوستی کے لئے موضوع ہیں برے اخلاق دشمنی کے لئے۔ اچھے اخلاق سے دوست بڑھتے ہیں برے اخلاق سے دشمن بڑھتے ہیں دوست کا بڑھنا عقل کے مطابق ہے یا دشمن کا؟ اسلام جو پھیلا ہے وہ اخلاق ہی سے پھیلا ہے جو لوگ کچھ اور کہتے ہیں بالکل غلط کہتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جہاں جہاں مسلمانوں نے حکومت کی تو وہاں رعایا کی خوشی عیش و آرام اور چین دیکھکر دوسرے لوگوں نے تمنا کی کہ کاش یہی

لوگ ہمارے بھی حاکم ہوتے۔ مسلمانوں کے اخلاق دیکھکر وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ان کا دین ہمارے دین سے اچھا اور انکے اخلاق ہمارے اخلاق سے عمدہ ہیں۔ اسلام کی سب سے بڑی خوبی صرف اخلاق ہی ہے اور جتنی بد اخلاقیاں ہیں وہ سب کفر کا شعبہ ہیں اسلام اچھا، ایمان اچھا، اسلئے اسکے سب اخلاق بھی اچھے ہیں اور کفر بُرا ہے اس لئے اسکے اخلاق بھی بُرے ہیں۔ کل ایک غیر مسلم افسر مجھ سے ملنے کے لئے آیا تھا، پہلی ہی ملاقات تھی، باہر جانے کے بعد میرے ایک دوست سے کہتا تھا کہ انکی روحانیت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ دیکھئے ایک غیر مسلم تو یہ کہے اور آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپکی روحانیت سے اسکی روحانیت تھوڑے ہی زیادہ ہے، اسکو روحانیت سے کیا کام مگر وہ کہتا تھا، عقل سے کہتا تھا اور ہم میں ظاہری عقل بھی نہیں۔ میرے دوست جو اسکو لائے تھے انکی نسبت کہتا تھا کہ یہ میرے ساتھی ہیں اور وہ صاحب کہتے تھے کہ حضرت یہ میرے افسر ہیں۔ وہ تواضع کرتا تھا کہ ساتھی تھا مگر ترقی کر کے بڑے عہدہ پر ہو گیا تھا مگر ان کے ساتھ معاملہ وہی پہلے کا مساوات کا کرتا تھا۔ اسی کا نام تواضع ہے اور یہ عقل کا کام ہے بے عقل آدمی تو ذرا سی بات میں پھول جاتا ہے۔ سمجھدار آدمی جب کوئی اخلاق کی جگہ دیکھے گا تو وہاں تکبر تھوڑا ہی کرے گا تواضع اختیار کریگا۔ دیکھئے حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خط میں کیسی تواضع اختیار فرمائی۔ ایک پیر اور پیر بھی ایسا کہ شیخ العرب والعجم وہ اپنے مرید کو لکھے کہ آپ کی دعا میرے حق میں مقبول ہے میرے لئے دعا فرمائیں۔ یہ کوئی کامل ہی کر سکتا ہے اور لکھا کہ یقین جانو مجھکو دنیا میں کسی سے ملال و کدورت نہیں۔ سبحان اللہ کس قدر کمال ہے کہ آدمی کو دنیا میں کسی سے کدورت اور ملال نہ ہو اور مولانا کو کیسا مطمئن فرما دیا کہ بلاغات ناس کا مجھ پر کچھ اثر ہونے والا نہیں، اس سے آپ کی محبت اور تعلق میں کچھ فرق نہیں پڑیگا۔ ہاں بس اسکا یہ اثر ہو گا کہ مجھکو رنج و ملال ہو جائے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس سے مولانا پر کتنا اثر ہوا ہوگا لکھا ہو گا کہ حضرت میرے ہی واسطے دعا فرمائیں۔

بزرگوں کے پاس رہنے کا مقصد یہ تجویز کرنا کہ دوسروں کی ان سے موقع بہ موقع

شکایت کیا کریں گے نہایت بُرا مصرف ان حضرات کے پاس قیام کا ہے اور خود اپنے لئے باعث ضرر اور سبب ہلاکت ہے۔

بوستاں میں ہے کہ ایک مرید نے دوسرے مرید کے شراب پینے کی شکایت اپنے پیر سے کی اور یہ کہ فلاں جگہ بازار میں بیہوش پڑا ہوا ہے انھوں نے فرمایا کہ ارے تم نے اسکو وہاں چھوڑ کیوں دیا، اس جماعت کی بدنامی کا باعث ہے جاؤ اسکو وہاں سے فوراً اٹھالاؤ۔ شیخ کا حکم تھا گئے اور اپنی پیٹھ پر لاد کر اسکو لا رہے تھے کہ راستہ میں لوگوں نے اس منظر کو دیکھکر یہ کہنا شروع کیا کہ وہ تو مست ہے اور یہ نیم مست ہے۔ انکو بھی شرابی کہا جس طرح انھوں نے اسکو کہا تھا۔ شیخ نے اس لطیف طریقہ سے اسکا علاج کر دیا کیونکہ اس نے اُسکی غیبت شیخ سے آکر کی تھی۔

مثنوی میں ہے کہ ایک شخص کے دو غلام تھے، ان میں ایک غلام ہمیشہ مولا سے دوسرے کی شکایت اور بُرائی ہی بیان کرتا اور مالک دوسرے سے پہلے کے متعلق جب کچھ دریافت کرتا تو وہ اسکی ہمیشہ تعریف کرتا اس سے مالک نے سمجھ لیا کہ یہ بُرا نہیں ہے اس دوسرے میں چغلی کی عادت ہی ہے جس سے وہ مجبور ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آخر علماء باطن ان سب باتوں کو کیوں بیان کرتے ہیں؟ اس سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ طریق کا مسئلہ ہے اسی لئے طریق کی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ پھر لوگ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔

یہ غیبت اور چغلی وغیرہ اسلئے منع ہے کہ گناہ کے ستر کا حکم ہے۔ لوگ اگر اس ایک حکم پر عمل کرنے لگیں تو گناہ گار کی بہت جلد اصلاح ہو جائے کیونکہ وہ جب یہ دیکھے گا کہ میں اتنا تو بُرا ہوں اور میرے گناہ سے یہ بھی واقف ہیں لیکن معاملہ میرے ساتھ انکا ایسا ہے گویا میں نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں اسکی وجہ سے وہ شرمندہ ہو جائے گا۔

جانتے ہیں کہ لوگ آج عبادت وغیرہ تو کرتے ہیں اور غیبت اور بُرائی وغیرہ کو نہیں چھوڑتے اسکی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ عبادات وغیرہ کو تو دین سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حصول بزرگی کا ذریعہ ہے۔ اور غیبت وغیرہ کرکے دیکھتے ہیں کہ بزرگی میں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے

اسلئے یہ منافی بزرگی نہیں ہے۔ حالانکہ انکا یہ خیال غلط ہے اسکی وجہ سے بھی فرق پڑتا ہے خالق کے تعلق میں بھی، اور مخلوق کے نزدیک بھی آدمی بے وقعت ہوجاتا ہے۔ آپ سمجھا کریں کہ آدمی بے وقعت نہیں ہوتا۔

جب آپس میں محبت ہوتی ہے تو پھر آدمی برائی وغیرہ نہیں کرتا قلب میں جب تعلق قائم ہوجاتا ہے تو پھر کینہ وغیرہ نہیں ہوتا۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ ؎

دلم خانۂ مہریار است و بس   ازاں می نہ گنجد درو کین کس

یہ عشق مجازی میں کہا ہے ایک شخص اپنے معشوق سے ملنے جایا کرتا تھا راستہ میں لوگ اسکو مارتے تھے، کسی نے کہا کہ تو ایسا بے حیا ہے کہ لوگوں کا تیرے ساتھ یہ معاملہ ہے اور اسکا تجھ کچھ اثر نہیں؟ اسپر اس نے یہ کہا کہ دلم خانہ الخ یعنی میرا دل صرف یار کے محبت کا گھر ہے اس میں محبت محبوب بس چکی ہے اب کسی اور چیز کی گنجائش ہی نہیں اسی لئے کسی شخص کے کینہ اور ملامت کا اسپر کوئی اثر نہیں۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بزرگوں کے یہاں بھی اگر آپ کو بفرض کچھ تکلیف پہنچ جائے تو اسکی جانب التفات نہ کیجئے اور یہ کہکر اپنے کام میں لگے رہیئے کہ ؎

دلم خانۂ مہریار است و بس   ازاں می نہ گنجد درو کین کس

حضرت امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں کسی پر غلطی سے پڑ گیا اس نے پہچانا نہیں اور غصہ سے کہا اندھے ہو گیا؟ آپ نے کہا نہیں اندھا نہیں ہوں غلطی ہوئی معاف کردو۔ دیکھئے حضرت عمرؓ ہیں کہ اگر اسکو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ تھے تو شاید مارے ڈر کے گر ہی پڑتا مگر اپنی غلطی کو کتنی نرمی سے تسلیم کرلیا اور اس سے معافی مانگی۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن عیدگاہ جانے کے لئے گھر سے نہا دھو کر کپڑے بدلکر چلے راستہ میں کسی ملازمہ نے گھر کی راکھ بالاخانہ سے نیچے پھینکی وہ سب کی سب آپ کے اوپر پڑی آپ بالکل خفا نہیں ہوئے اور نفس کو مخاطب کرکے کہا کہ اے نفس! تو تو آگ کا مستحق تھا اور اس قابل تھا کہ تجھ پر آگ برسائی جاتی اب تو یہ راکھ ہی ہے یہ تو سستا سودا ہے اسپر راضی رہ۔

ایک شخص ککڑیاں فروخت کرتا تھا کہ ایک دانق میں دس خیار۔ خیار کہتے ہیں ککڑی کو اور خیار کے معنی منتخب اور چھنے ہوئے کے بھی آتے ہیں۔ ایک بزرگ نے سنا اور اسکو دوسری طرف لے گئے اور کہنے لگے کہ جب دس خیار اشخاص کا مرتبہ ایک دانق کے برابر ہے تو میرا کیا حشر ہوگا؟ میں تو خیار بھی نہیں ہوں۔ ہائے افسوس۔ یہ کہکر خوب روئے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں حدیث میں ہے کہ اشدھم فی امر اللہ عمر (اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سب سے سخت عمرؓ ہیں) لیکن آپکے متعلق یہ بھی آتا ہے کان وقافا عند کتاب اللہ (کتاب اللہ کی آیات سنکر م بجز موجاتے تھے) چنانچہ آپ کتنا ہی غصہ میں کیوں نہوتے جہاں کسی نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی آیت پڑھی اور آپ نے سر جھکاکر خاموشی اختیار فرمالی۔ سبحان اللہ دین میں کیسے سخت تھے اسی کا یہ اثر تھا کہ انتہا درجہ کے متواضع بھی تھے۔

اور سنیئے ایک عالم نے دوسرے عالم سے مناظرہ کیا اور تین دن تک سوالات کرتے رہے اور وہ دوسرے عالم صاحب جواب دیتے رہے اسکے بعد انکی باری سوال کرنے کی آئی انھوں نے ایک ایسا سوال کردیا جسکا جواب ان صاحب سے نہ بن پڑا جھلا گئے انکی پگڑی اتار کر ایک دھپ رسید کیا، اس پر یہ عالم صاحب غصہ نہیں ہوئے بس یہ کہا کہ آپ نے تو تین دن تک مجھ سے سوال فرمائے ہیں سب کا جواب دیتا رہا اور آپ میرے ایک ہی سوال سے پریشان ہوگئے۔

ایک نواب صاحب تھے کسی بزرگ کو ان سے کچھ حاجت تھی ان بزرگ کو ایک دن ان پر غصہ آگیا بر سرِ دربار انکو مارنے لگے انھوں نے کچھ نہیں کہا بعد میں انکے گھر جاکر یہ کہا کہ حضرت اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک منصب عطا فرمایا ہے اور اسکے لئے رعب کی بھی ضرورت ہے اور آپ کے اسطرح کرنے میں بے رعبی ہے لہٰذا جب ایسا ہوا کرے تو مجھ سے تنہائی میں کہہ سن لیا کیجئے بر سرِ دربار اس قسم کا معاملہ نہ فرمایا کیجئے۔

نواب قطب الدین خانصاحب میں اور ایک اور عالم میں باہم کچھ اختلاف تھا مولانا محمد قاسم صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا کیوں اختلاف کرتے ہیں کچھ تھوڑا سا وہ دب جائیں اور کچھ نواب صاحب نرم ہوجائیں اور معاملہ کو ختم کریں اسکی اطلاع کسی نے ان عالم صاحب

کو کوئی وہ بہت خفا ہوئے اور نواب صاحب کو جب معلوم ہوا کہ مولانا قاسم صاحب ایسا فرماتے تھے تو حضرت مولانا کے پاس آئے اور مولانا کے قدموں میں گر کر خوب روئے حضرت نے جب انکا یہ حال دیکھا تو فرمایا نواب صاحب میں نے تو نہیں کہا تھا کس نے آپ سے کہدیا اسکے بعد حضرت فرماتے تھے کہ میں نے ساری عمر کوئی جھوٹ نہیں بولا صرف اس موقع پر جب یہ دیکھا کہ نواب صاحب کی تسلی کی کوئی صورت ہی نہیں تو جھوٹ کہدیا کہ میں نے نہیں کہا تھا حالانکہ میں نے کہا تھا۔

دیکھئے تطییب قلب مومن کیلئے علماء نے یہاں تک کیا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ حضرتؒ کا اس موقع پر ایسا کرنا جائز تھا اور حضرتؒ کے اس جھوٹ پر سو سچ قربان کہ اسکے ذریعہ ایک مسلم کی دلداری فرمادی۔ انھیں سب باتوں کو آجکل نہیں سمجھا جاتا' اسی لئے کسی کی ہمارے قلب میں کوئی عزت نہیں ہے جبکی چاہی شکایت کردی جبکی چاہی غیبت کردی، یہی وجہ ہے کہ آپس میں نا اتفاقی ہے اور اسکی وجہ سے دنیا جہنم کا نمونہ بنی ہوئی ہے۔

فرمایا کہ ــــ صاحب مجمع البحار نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ المؤمن اخو المؤمن لایخذلہ ولایحقرہ التقویٰ ھٰھنا مطلب یہ کہ مومن مومن کا بھائی ہوتا نہ اسکا ساتھ چھوڑتا ہے اور نہ اسکی مدد کو ترک کرتا ہے اور نہ اسکی تحقیر کرتا ہے۔ آگے فرمایا کہ التقویٰ ھٰھنا (تقویٰ یہاں (دلمیں) ہے) اور ایک دوسری روایت میں ہے واشار الی صدرہ یعنی آپؐ نے اپنے سینۂ مبارک کیجانب ارشارہ کرکے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔

پس ایسے کسی شخص کی تحقیر جو شرک اور معاصی سے بچتا ہو جائز نہیں اسلئے کہ تقویٰ کا محل قلب ہے اور وہ ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہوتا ہے لہذا کسی کے دل میں اسکے نہ ہونے کا حکم کیسے لگا سکتے ہیں اور جب اسکے عدم کا حکم نہیں لگا سکتے تو پھر کسی کی تحقیر بھی نہیں کر سکتے۔ یا اسکا یہ مطلب ہے کہ محل تقویٰ چونکہ قلب ہے لہذا جسکے قلب میں تقویٰ ہوگا تو وہ کسی مسلمان کی تحقیر نہ کریگا کیونکہ کوئی متقی شخص کسی مسلمان کی تحقیر نہیں کرتا۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھیئے اور اس کے ساتھ ایک دوسری حدیث اور ملا لیجئے، وہ یہ ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ اوحیٰ الیّ ان تواضعوا حتیٰ لایبغی احد علیٰ احد ولا یفخر احد علیٰ احد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی شخص کسی پر استطالت نہ کرے اور کوئی شخص کسی پر فخر نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی تحقیر اور اس پر فخر واستطالت (بڑائی ۱۲) جائز نہیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ تکبر نہایت ہی بری چیز ہے اس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیئے کیونکہ حدیث میں جہاں یہ حکم ہے کہ تواضع اختیار کرو وہیں آگے یہ بھی فرمارہے ہیں کہ کوئی شخص کسی پر فخر وغیرہ نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی شخص کسی پر بغی یعنی استطالت اور فخر وغیرہ کریگا تو اسی لئے کہ اسمیں تواضع نہ ہوگی تو پھر اسکی ضد ضرور ہوگی یعنی تکبر پس جس طرح اس حدیث میں تواضع کا امر ہے اسی طرح تکبر سے نہی بھی ہے کیونکہ بغی اور فخر سے تو ممانعت صراحتاً ہے اور یہ سب تکبر ہی کی فرع ہیں پس اسکی بھی ممانعت نکلی۔

اور جس طرح دوسری حدیث میں بغی اور فخر سے منع فرمایا گیا ہے اسی طرح پہلی حدیث میں تحقیر سے بھی منع کیا گیا ہے احتقار مسلم بھی حرام ہے اور احتقار کے معنی علماء نے کسی کی اہانت کرنا اور کسی کو نظر اعتبار سے ساقط کردینا بیان فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں اسکی ممانعت آئی ہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ آجکل اسمیں عام ابتلاء ہے اور عوام سے متجاوز ہوکر خواص تک میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔ چنانچہ علماء عوام کے سامنے وعظ بیان کرتے ہیں مگر خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ بات کیا مانیں گے جن لوگوں کو نصیحت کر رہے ہیں اور فائدہ پہونچانا چاہتے ہیں انھیں کو نظر اعتبار سے ساقط بھی کئے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ سچ بتایئے جب لوگوں کو وعظ کہتے ہیں تو ان کے بارے میں کچھ خیال ہوتا ہے یا نہیں یہ خیال مثلاً کہ یہ لوگ میری بات کیا مان سکتے ہیں، چونکہ اس میں عام ابتلاء ہوتا ہے اسلئے میں نے ان سے پوچھا۔ کہنے لگے ہاں یہ خیال ہوتا تو ہے میں نے کہا کہ آپ

سے ان لوگوں کو فائدہ نہو گا کیونکہ جب آپ انکو نظر اعتبار ہی سے گرائے ہوئے ہیں تو آپکی بات کا ان پر اثر بھی نہ ہو گا۔

یہی حال اس زمانہ میں عوام کا ہے کہ یہ لوگ کسی بڑے سے بڑے عالم اور بزرگ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، ہر ایک سے بدگمانی ہر ایک کی تحقیر اور ہر ایک کو اپنی نظر اعتبار سے گرائے ہوتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ بھلا کیا بزرگ ہوں گے یہ نہایت ہی برا مرض ہے اور بزرگوں کے فیض سے ہمیشہ محروم رکھنے والا ہے۔ میں خواص سے کہتا ہوں کہ جب تم دوسروں کو نظر اعتبار سے ساقط کردو گے تو کیا کسی کو نفع پہونچا سکو گے؟ نتیجہ یہ ہو گا کہ اپنے ہی پندار اور عجب میں رہ جاؤ گے۔ دوسرا اپنے کو کم سمجھتا رہے گا اور یہ خیال کرے گا کہ ہم کیا ہیں نہ اپنے پاس کوئی حال ہے اور نہ کچھ عمل یہی چیز اسکو کل تم سے بڑھا دیگی تمکو کیا خبر کہ محبوب حقیقی کا کس کے ساتھ کیا معاملہ ہے ع

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

آپ اسی طرح اپنے خیال ہی میں رہئے گا اور وہ کہیں سے کہیں پہونچ جائے گا ؎

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

(زاہد غرور رکھتا تھا راستہ سلامتی کے ساتھ طے نہیں کر سکا اور رند براہ نیاز دار السلام میں پہونچ گیا)

اسی مضمون کا ایک شعر اور سنئے حضرت اسکو بہت پڑھا کرتے تھے اور حضرت کے مواعظ میں بہت آیا ہے ؎

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد راہ در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

یعنی اے سالک اس بات سے غافل مت رہ کہ راہ خدا کے قطع کرنے والوں کی سواریوں نے سنگلاخ زمین میں اپنے پیروں کو کاٹ کر رکھدیا ہے (تب بھی یہ راہ طے نہ ہوئی) یہ تو خوف دلایا آگے امید کے مضمون کو بیان کرتے ہیں اور نا امیدی کا قلع قمع کرتے ہیں کہ

نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

یعنی نا امید بھی مت ہو کیونکہ بہت سے رند جو ہر وقت بادہ نوشی میں مست رہتے تھے اچانک بس ایک ہی چیخ میں منزل تک پہونچ گئے ہیں۔

اسی طرح حضرت خاقانیؒ کے کچھ اشعار اسی مضمون کی تائید میں پڑھا کرتے تھے اور وہ تو ایک پڑھنے والے تھے جب پڑھنا شروع کرتے تھے تو مسلسل چار چار چھ چھ اشعار پڑھتے ہی چلے جاتے تھے خاقانی نے شیطان کا واقعہ نظم کیا ہے کہ شروع شروع کیا زاہد تھا لیکن اپنے غرور کی وجہ سے مردود بارگاہ ہوگیا اسکو بیان کرنے کے بعد آخر میں کہتے ہیں کہ ؎

خاقانیا! تو تکیہ بطاعات خود مکن ۔۔۔ کیں پند بہر دانش اہل زمانہ بود

(اے خاقانی دیکھو تم اپنی طاعت پر ناز اور تکیہ کبھی نکرنا اسلئے کہ یہ واقعۂ ابلیسؑ آدم اہل دانش کے عبرت و بصیرت ہی کیلئے وقوع میں آیا ہے)

(ناقل عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ نے خاقانی کی اس نظم کے اور اشعار بھی ایک دوسرے موقع پر سنائے تھے وھی ھذہ ؎

ابلیس گفت طاعت من بیکرانہ بود ۔۔۔ سیمرغ وصل را دل و جاں آشیانہ بود

(ابلیس نے کہا کہ ایک وقت تھا کہ میری طاعت میں سب سے بڑھا ہوا تھا اور حق تعالیٰ کے وصل کے سیمرغ کا میرا دل و جان آشیانہ تھا)

آدم ز خاک بود من از نور پاک او ۔۔۔ گفتم من یگانہ و او خود یگانہ بود

(آدم تو مٹی سے بنا ہوا تھا اور میں اسکے نور پاک سے پیدا ہوا تھا اسلئے میرا خیال تھا کہ میں منظور حق ہوں مگر وہی محبوب حق تھا)

در لوح بد نوشتہ کہ ملعوں شود یکے ۔۔۔ بردم گماں بہرکس و برخود گماں نہ بود

(لوح محفوظ میں لکھا تھا کہ ایک ذات ملعون ہو گی چنانچہ میں گمان ہر ایک پر لے گیا افسوس کہ اپنے متعلق وہم تک نہ تھا)

او خواست تا فسانۂ لعنت کند مرا ۔۔۔ کرد آنچہ خواست آدم خاکی بہانہ بود

(بات یہ ہے کہ اسی کو یہ منظور ہوا کہ مجھے لعنت کا فسانہ بنا دے اسلئے جو چاہا کیا باقی آدم خاکی (کا واقعہ) تو ایک بہانہ ہی تھا)

خاقانیا تو تکیہ بہ طاعات خود مکن ۔۔۔ کیں پند بہر دانش اہل زمانہ بود

(اے خاقانی دیکھو تم اپنی طاعت پر ناز اور تکیہ کبھی نکرنا اسلئے کہ یہ واقعۂ ابلیسؑ آدم اہل دانش کے عبرت و بصیرت ہی کیلئے وقوع میں آیا ہے)

حاصل یہ کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی کو حقیر جانے کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ کل کو اسکے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ وہاں کا معاملہ کچھ زیادہ طاعت وغیرہ پر نہیں ہے وہاں تو یہ ہے کہ ؎

گنہ آمرز رندانِ قدح خوار ۔۔۔ بطاعت گیر پیرانِ ریاکار

(خداوہ ذات ہے جو اگر چاہے تو رندان شراب نوش کے گنہ معاف فرمادے اور ریاکار بڈھوں سے انکی طاعت پر مواخذہ فرمالے)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے اور نہ کسی پر تکبر اور فخر کرنا چاہئے بس انسان کے شایان شان تو تواضع ہی ہے۔ تکبر اور کبریائی تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ مجھ پر وحی بھیجی گئی ہے کہ تواضع اختیار کرو اب ہوسکتا ہے کہ وحی سے مراد وحی متلو ہو یعنی قرآن شریف میں تواضع کرنے کا حکم کیا گیا ہے تو اشارہ اس آیت کی طرف ہوسکتا ہے وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں) یا یہ آیت مراد ہو هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (وہ ایسا ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سالم ہے، امن دینے والا ہے. نگہبانی کرنیوالا ہے، زبردست ہے، خرابی کا درست کرنیوالا ہے، بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے) اسمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کو متکبر فرمایا لہٰذا جب تکبر اور کبریائی صفت مخصوصہ باری تعالیٰ ہوئی تو مخلوق کو کب لائق ہے کہ وہ تکبر کرے۔ پس جب تکبر اس کے لائق نہ ہو تو جو اسکی ضد ہے یعنی تواضع ظاہر ہے کہ بندہ اسی کا مستحق ٹھہرا۔

امام نوویؒ نے جہاں افتخار اور بغی کی ممانعت میں ان اللہ اوحی الیّ ان تواضعوا حتی لایبغی احد علی احد و لا یفخر احد علی احد (بیشک اللہ تعالیٰ نے میری جانب وحی بھیجی ہے کہ سب لوگ تواضع اختیار کریں یہانتک کہ کوئی کسی پر نہ زیادتی کرے اور نہ کوئی کسی پر فخر کرے) یہ حدیث نقل فرمائی ہے وہیں اسکے بعد ایک دوسری حدیث اور بھی نقل فرمائی ہے وہ یہ ہے عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ قال اذا قال الرجل ھلک الناس فھوا ھلکھم (حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کہے کہ سب لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ ان سب سے پہلے ہلاک ہونیوالا ہے) اور اسکے بعد خود ہی اسکے معنی بیان کئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت اس شخص کے لئے ہے جو بطور اعجاب کے اور دوسروں کو کمتر اور حقیر سمجھتے ہوئے اور ان پر اپنا تفوق جتاتے ہوئے کہتے تو قطعی حرام ہے لیکن جو شخص لوگوں میں دینی کمی دیکھتا ہے اور بطور تحسر و تاسف کے یہ کلمات کہے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے بڑے بڑے اکابر علماء نے اس حدیث کی یہی تفسیر کی ہے اور اسی طرح اس مسئلہ میں

تفصیل فرمائی ہے اور بیشک یہ حضرات علماء ہی کا حق ہے کہ وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء اور آپ کے کلام کا مطلب سمجھتے ہیں اور امت سے بیان فرماتے ورنہ اگر یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا مطلب نہ سمجھاتے تو امت کچھ کا کچھ سمجھ جاتی اور بڑی دشواری پیش آتی۔ اب اسی حدیث میں دیکھ لیجئے کہ ظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ جو شخص دوسروں کو کہے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو مطلقاً ایسا کہنا منع ہے اور یہ شخص جو کہنے والا ہے سب سے بڑھکر ہلاک ہونے والا ہے لیکن علماء کی تشریح سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مطلق نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

چنانچہ حمیدیؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اسلئے زیادہ ہلاک ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو اپنی فضیلت دیتا ہے اور یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ معاملات کو جو بندوں کے ساتھ ہیں نہیں جانتا یعنی کیا خبر کل کو اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ کیا معاملہ فرمائے جس کو یہ حقیر سمجھ رہا ہے۔

خطابی کہتے ہیں کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ انسان برابر لوگوں میں عیب لگاتا رہتا ہے اور انکی برائیاں بیان کرتا رہتا ہے اور کہتا رہتا ہے کہ لوگ فاسد ہو گئے لوگ ہلاک ہو گئے اور جب وہ اس قسم کے کلمات کہتا ہے تو وہ خود ہی سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہو جاتا ہے اور سب سے زیادہ بدحال ہو جاتا ہے کیونکہ لوگوں کے عیب نکالنے سے اور انکی اسطرح برائی بیان کرنے کی وجہ سے وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ نیز بسا اوقات یہی چیزیں مفضی الی العجب ہو جاتی ہیں اور خود پسندی اور اور خود بینی کا باعث ہو جاتی ہیں جنکا ہلاکت ہونا ظاہر ہے۔

اور امام مالکؒ اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ ایسا ایسا کہنا اسی وقت مکروہ اور منع ہے جبکہ یہ کلمات بطور تعجب کے کہے جائیں اور لوگوں کو حقیر سمجھتے ہوئے کہے جائیں، ورنہ تو صاحب دلیل الفالحین نے لکھا ہے کہ اگر ان کلمات کو وہ شخص کہے جو لوگوں میں دینی نقص دیکھتا ہے اور ان پر یا ان کے دین پر غم کھاتے ہوئے بطور تحسر اور تاسف کے یہ کہتا ہے تو کچھ حرج نہیں بلکہ اگر اسکو یہ امید ہو کہ اسطرح سے کہنے سے

لوگ امر دین پر متوجہ ہونگے اور اخلال دین کو ترک کریں گے تو مستحسن اور مستحب ہے۔
میں کہتا ہوں اگر کوئی عالم اور مصلح یہ سمجھتا ہے کہ اسطرح سے کہنے میں لوگوں کے اندر دینی احساس پیدا ہو جائے گا تو اسکے لئے واجب ہے۔ کیونکہ دین پر لگانا ضروری ہے اور یہ اسکا مقدمہ ہے۔

علماء نے اس حدیث کی تشریح اور توضیح فرماتے ہوئے اسکی جو تفسیر اور تفصیل بیان فرمائی ہے نہایت عمدہ ہے لیکن انھیں حضرات کی برکت سے میں بھی اسکے متعلق کچھ کہتا ہوں اسکو بھی سنیئے لیکن میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ بات قصہ طلب ہے اسلئے پہلے ایک واقعہ سنیئے جن دنوں میرا قیام مکہ معظمہ میں تھا تو معلم صاحب نے مجھے حرم شریف سے بالکل متصل ہی ایک عالم کے حجرہ میں ٹھہرایا تھا جو حرم شریف میں درس دیا کرتے تھے مگر یہ ایام چونکہ وہاں کی تعطیل کے ہوتے تھے اسلئے وہ عالم صاحب کہیں اور رہتے تھے کسی کسی وقت اپنے کمرے میں آتے تھے معلم صاحب نے مجھ سے کہدیا تھا کہ یہ کبھی کبھی تھوڑی دیر کیلئے آیا کریں گے۔ میں نے کہا اس میں میرا کیا حرج ہے خیر تو ان عالم صاحب سے کچھ کچھ گفتگو بھی ہوتی رہتی تھی اور میں نے انکی بہت سی باتیں یاد کر رکھی تھیں۔ تصوف کے بارے میں کہتے تھے لاأعلم التصوف میں تصوف نہیں جانتا مگر باتیں ایسی عمدہ بیان فرماتے جیسے مشائخ بیان فرماتے ہیں میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ حضرت یہ فاسق قسم کے لوگ جنکا ظاہر بھی شریعت کے موافق نہیں جو یہاں بھی نظر آتے ہیں نفس میں انکے متعلق کچھ خیال گذرتا ہے اسکے بارے میں کچھ تنزکیہ اور عجب کا شبہ ہوتا ہے اس سے کیونکر بچا جائے۔ انھوں نے اس سوال کا کیسا عمدہ جواب دیا' سبحان اللہ فرمایا کہ جس طرح ہم نیک لوگوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ احب الصالحین ولست منھم الخ یعنی ہم کو ان حضرات سے محبت ہے اور ہم خود صالح نہیں ہیں۔ اسی طرح طالحین کے بارے میں اگر یہ کہے کہ وابغض الطالحین وانا منھم یعنی میں طالحین (ان فاسق فاجر لوگوں) سے بغض رکھتا ہوں لیکن خود بھی انھیں میں سے ہوں تو یہ جائز ہے۔ (فاسقوں ۱۲)

دیکھئے کیسی عمدہ بات فرمائی اور کس طرح سے اس خلجان کو زائل فرما دیا۔ بس۔

جس طرح ان عالم صاحب نے یہ فرمایا اسی طرح میں یہاں کہتا ہوں کہ جو شخص یوں کہے کہ ھلک الناس اور دل میں اپنی بڑائی اور اپنا تزکیہ ہو کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں اور دوسرے سب لوگ ایسے ہیں تو یہ تو مذموم اور حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص ھلک الناس زبان سے تو کہے اور دل میں یہ سمجھتا ہے کہ سب سے زیادہ تو میں ہی ہلاک ہوں اور میں ان لوگوں سے جدا نہیں ہوں بلکہ انھیں میں داخل ہوں تو یہ جائز ہے اس کہنے میں کوئی قباحت نہیں۔

میں کہہ یہ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح سے اخلاق کی تعلیم فرمائی کیا کوئی کر سکتا ہے۔ دیکھئے مسلمان کا کیسا حق بیان فرمایا کہ المؤمن اخو المؤمن لا یخذلہ ولا یحقرہ اگر مسلمان اسی ایک ارشاد پر عمل کریں تو آپس کے کتنے اختلافات کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور باہم بغض و عداوت فتنہ و فساد جو موجود ہے کتنے آسانی سے دور ہو سکتا ہے۔

فرمایا کہ ——— جس کو ذرا بھی تجربہ سے مس ہوگا وہ اچھی طرح سمجھتا ہوگا کہ مسلمانوں کی تمام بدحالی کا سبب انکی بداخلاقی ہے۔ انکے تمام نزاعات اور خانہ جنگیاں انہی اخلاق بد کے نتائج ہیں۔ اور اب تو اچھی طرح یہ بات ذہن نشین ہو گئی ہے کہ انکی دنیوی فلاح اسپر منحصر ہے کہ یہ اپنے اخلاق بد دور کریں۔ اگر اسپر غور نہ کیا گیا تو حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں گے اور بالکلیہ فلاح دنیا سے بھی یکلخت محروم ہو جائیں گے ہمیشہ حکماء اور مصلحین امت نے اسپر زور دیا ہے اور اسکی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔ میں آپ کے سامنے ایک آیت پیش کرتا ہوں سنیئے! وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور باہم اختلاف نکرو اور اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اُسنے تمہارے قلوب میں الفت پیدا کر دیا پس خدا کی رحمت سے تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے) اللہ تعالیٰ نے جسطرح اس آیت میں اعتصام بحبل اللہ کا حکم فرمایا اور تفرق سے نہی فرمائی اسی طرح اپنا ایک احسان دنیوی بھی ذکر فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جبکہ تم سب کے سب دشمن تھے ہم نے تمھارے قلوب میں الفت پیدا کر دی پھر تم سب کے سب لوگ

اللہ کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے یہ ایک دنیوی فائدہ ہے کہ پرانی عداوت جاتی رہی اور بجائے اسکے الفت و اخوت پیدا ہو گئی جس طرح اسکے بعد یہ بیان فرماتے ہیں کہ وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس تمکو اس سے نکال لیا۔ دوزخ سے نکال لینے کا ذکر بعد میں فرمایا ہے۔ پہلے عداوت کے زوال اور اسکے اخوت و الفت سے بدل جانے کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ دنیوی نفع ہے اور دوسرا اخروی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیوی و اخروی دونوں قسم کی فلاح حضورؐ کے مصدقین کو نصیب ہوئی اور یہ آیت تو اس مضمون میں صریح ہے کسی کو اسمیں ذرا بھی کلام نہیں ہو سکتا جسقدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بعد ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس فلاح سے بھی بعد ہوتا جاتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات صرف فلاح اخروی سے متعلق ہیں اس خیال کی تردید یہ آیت کرتی ہے۔

حقائق اور رسوم دونوں باہم متقابل ہیں اور ہمیشہ سے ان دونوں میں جنگ جاری ہے یعنی جب حقائق کا ظہور ہوتا ہے تو رسوم کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جب رسوم غالب آجاتی ہیں تو حقیقت مستور ہو جاتی ہے اور اسکی وجہ سے طرح طرح کی خرابیاں مختلف راہوں سے انسان کے اندر آجاتی ہیں

میرا خیال یہ ہے کہ اخلاق کا مسئلہ بھی اس زمانہ میں اسی قبیل سے ہے یعنی اس کی صحیح تعریف اور شرعی حقیقت لوگوں کے پیش نظر نہیں رہ گئی ہے جسکی وجہ سے مختلف قسم کے فسادات رونما ہوتے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جب اسکی حقیقت اور حدود ہی متعین نہیں تو پھر اسکے ساتھ اتصاف کس طرح ممکن ہو سکتا ہے دوسرے یہ کہ اسکے صحیح علم نہ ہونے کیوجہ سے ایک خربطہ یہ ہو گیا ہے کہ انسان بدخلقی کو اخلاق اور حقیقی خلق سے متصف ہونیوالے کو بداخلاق سمجھتا ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص جو معلم اخلاق ہوتا ہے اسکی جانب سے بدظنی پیدا ہو کر خود بھی اسکے فیض سے محروم رہتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی مانع ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ مشائخ کی اصلاح و تربیت کو اس زمانہ میں سختی اور انکی زجر و تنبیہات کو بداخلاقی پر محمول کیا جاتا ہے یہ کسقدر ظلم عظیم ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان تمام تر چیزوں کا منشا جہل ہے اور جب کسی چیز سے انسان عملی طور پر بعد اختیار کرے گا تو اسکا علم بھی ختم ہو جائے گا اور اسی قسم کی جہالات اسکی جگہ لے لیں گی۔

لوگوں نے یہ سن لیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی برائی سے بھی پیش آتا تو آپ اس کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور کوئی شخص بے ادبی کرتا تھا یا آپ کے ایذا رسانی کا سبب بنتا تھا تو آپ اسکو معاف فرما دیتے تھے۔ اس سے سمجھ لیا کہ بس خوش اخلاقی اسی کا نام ہے اور اس کے خلاف کسی کے ساتھ جو برتاؤ کیا جائے خواہ وہ شریعت کے موافق کیوں نہو سب بداخلاقی ہے،

میرے خیال میں شریعت میں جو اخلاق حمیدہ پر بحث کی گئی ہے وہ باعتبار مقصودیت کے ہے یعنی یہ کہ اخلاق حمیدہ مقصود ہیں اور انکی تحصیل مطلوب ہے اور اخلاق رذیلہ پر جو بحث ہے وہ بضرورت ہے۔ اخلاق رذیلہ تو دراصل اخلاق کہے جانے کے مستحق ہی نہیں ہیں بلکہ انکا تو ازالہ مقصود ہوا کرتا ہے اسی لئے خلق جب مطلق بولا جاتا ہے تو خلق حَسَن ہی مراد ہوتا ہے اور جب برا خلق مراد ہوتا ہے تو اسکو قید کے ساتھ بولتے ہیں مثلاً خلق سئی کہتے ہیں۔ پس خلق تو وہی ہوا جسکا ہونا انسان کے لئے باعث کمال ہے چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ انسان کا کمال اخلاق سے ہے یا اسلامی اخلاق کا ذکر کیا جاتا ہے تو مراد اس سے اخلاقِ حسنہ ہی ہوتے ہیں اخلاق رذیلہ دراصل اخلاق ہی نہیں ہیں بلکہ وہ تو عرف یا آبا و اجداد کے مصنوعی طریقہ کا نام ہے جسکو انکے بعد انکی اولاد بھی اختیار کر لیتی ہے جو اکثر برے ہی ہوتے ہیں کیونکہ عرف کبھی کبھی برائی پر بھی منعقد ہو جاتا ہے یعنی اہل عرف کبھی ایک بُری شے کو اچھی چیز سمجھ لیتے ہیں۔ انسان کی فطرت صحیحہ پر یہ عرفی اخلاق عارض وطاری ہو جاتے ہیں اسلئے جسطرح صحت پر مرض عارض ہو جاتا ہے تو طبیب کو مرض کے علاج کی طرف توجہ کرنی ہوتی ہے تاکہ یہ عارض زائل ہو کر اصلی صحت عود کر آئے۔ اسی طرح شریعت نے اخلاق سو کی جو کہ عارض ہو جاتے ہیں سو معاشرت سے، اصلاح کر کے اصلی اخلاق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اصلی اور حقیقی اخلاق ان عارضی اخلاق میں بعض دفعہ اسطرح فنا ہو جاتے

ہیں کہ انکا علم تک ختم ہو جاتا ہے عمل کا تو پوچھنا ہی کیا اور اگر علم باقی بھی رہتا ہے تو محض سرسری۔ اور اگر بالفرض علم صحیح بھی ہوا تو جو اخلاق بد راسخ ہو چکے ہوتے ہیں وہ آگے چلنے نہیں دیتے آدمی ان سے مغلوب ہو کر اخلاق حسنہ کی تحصیل سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام اور حکمائے امت اخلاق حمیدہ کی ترغیب کے ساتھ ساتھ اخلاق رذیلہ کا بھی بیان کرتے ہیں ——— اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے کو تحلیہ کہا جاتا ہے اور اخلاق رذیلہ کے ازالہ کو تخلیہ۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تخلیہ مقدم ہے تحلیہ پر آیہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کو يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ پر مقدم کیا کہ اول میں تخلیہ کا اور ثانی میں تحلیہ کا بیان ہے۔ اسی طرح قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى میں بھی من تزکی مقدم ہے اسلئے کہ اسمیں تخلیہ کا ذکر ہے اور ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى اسلئے موخر ہے کہ اسمیں تحلیہ کا بیان ہے۔ اسی طرح کفر و شرک سے تبری مقدم ہے اور یہ تخلیہ ہے اور اسلام و ایمان سے اتصاف کا درجہ اسکے بعد کا ہے اسلئے کہ یہ تحلیہ ہے۔

فرمایا کہ ——— ایک صاحب نے مجھے کل ہی لکھکر دیا کہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ جس طرح سے ہماری یہ بداخلاقی دینی ترقی کے لئے مانع ہے اسی طرح سے دنیوی ترقی کے لئے بھی مانع ہے۔ میں نے کہا کہ خیر بھائی تم نے سمجھ تو لیا اب کیا ہے جب بات سمجھ میں آگئی تو پھر اب اس پر عمل بھی آسان ہو جائے گا۔ لوگ تو یہ لکھکر دیتے ہیں مگر بہت سے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جھوٹ بولنے اور فساد کرنے کو بھی کامیابی سمجھتے ہیں ایک شخص جھوٹ بولتا جاتا تھا اور منھ خشک ہوتا جاتا تھا اور منھ سے پھچکر (جھاگ) نکلا پڑتا تھا اور وہ سمجھ رہا تھا کہ اب میں کامل ہو رہا ہوں اور اسکے بھائی بند بھی سمجھتے تھے کہ اب یہ یہ ہوا اب یہ وہ ہوا لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ دیکھتے جاتے ہیں ظالم کہ آج یہ کھیت نکلا کل کو وہ کھیت بیچنا پڑا مگر اسی کو اگر لوگ سمجھ لیں کہ یہ ترقی ہے تو یہ کیسا ہے؟ آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہی ترقی ہے؟ آپ لوگ بولئے کیا اسی کا نام ترقی ہے۔ کمبخت بدفہم اخلاق حمیدہ کی جگہ اخلاق

رذیلہ رکھدیں اور یہ چاہیں کہ اس پر وہی ثمرات مرتب ہوں جو اخلاق محمودہ پر مرتب ہوا کرتے ہیں اور اگر نہ ہوں تو جو کچھ بھی ذلت اور خسارہ مرتب ہو اس پر خوش اور راضی رہیں بلکہ یہ سمجھیں کہ یہی عزت اور ترقی ہے۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ کیسا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی بے عقلی اور بدفہمی ہے اور دماغ کا الٹ جانا ہے کہ آدمی ایسے مرتبہ پر پہونچ جاوے کہ انتہائی ذلت کی چیز اسکو عروج اور ترقی نظر آوے۔ نعوذ باللہ منہا۔ بس یہی بات ہے کہ قلوب مسخ ہوگئے ہیں اور عقل سلب ہوچکی ہے اسلئے یہ سب ہورہا ہے اور علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے آدمی قہر میں مبتلا ہوجاتا ہے اور سب سے پہلی چیز جو رخصت ہوتی ہے وہ اسکا فہم ہوتا ہے۔ اب اگر ہم اسکو بیان کرتے ہیں اور کسی وقت ذرا تیز لہجہ سے بیان کر دیتے ہیں تو آپ لوگ کہتے ہیں دیکھئے صاحب تیز کہہ رہے ہیں، دیکھئے صاحب غصہ کر رہے ہیں۔ بداخلاق ہیں۔ ایک شخص آپ کو آہستہ سے سوئی چبھودے کہ کسی کو اسکے فعل کا احساس نہ ہو اور اسکی وجہ سے آپ اچھل پڑیں اور زور سے چیخ نکل جائے تو یہ آپ ہی کا قصور ہوگا کہ اس سوئی چبھونے والے کا ہوگا؟ پھر کہنا صحیح ہے کہ دیکھئے صاحب یہ زور سے بول رہے ہیں یہ نہایت بداخلاق ہیں؟ اسطرح لوگوں کی بداخلاقیوں کی جب سوئی چبھتی ہے تو کبھی زور سے چیخ نکل جاتی ہے آپکو وہ تو نظر آتی نہیں بس ہمارا چیخنا سن لیتے ہیں اور ہمیں کو برا کہتے ہیں ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام　　وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ایک مولوی صاحب سے میں نے کہا کہ دنیا میں جتنے غصے رائج ہیں آپ انمیں سے کسی غصہ کو جائز بھی دیکھتے ہیں؟ یعنی یہ سب غصے جو ہو رہے ہیں ان میں سے کوئی خدا کے لئے بھی ہے یا سب نفس کے لئے کیا جارہا ہے؟ کہنے لگے یہ سب غصے حرام ہیں۔ میں نے کہا جب یہ سب غصے حرام ہیں تو انکو تو کوئی کہنے والا نہیں اور اگر کہیں کوئی خدا کا بندہ دین کے لئے اور شریعت کے لئے اور لوگوں کی اصلاح کے لئے انکی بدحالی پر غصہ کرے تو اسکو سب برا کہنے کے لئے تیار ہیں۔ ہر شخص کہنے کے لئے تیار ہے کہ یہ دیکھئے صاحب غصہ ہوتے ہیں تو یہ کیا بات ہے کہ جو غصہ حلال اور جائز ہے اسپر نکیر کرنے والے بہت ہیں

اور جو غصہ حرام ہے اسکو کہنے والا اور اسکا بتانے والا کوئی نہیں ہے اور اگر کوئی عالم دین انکے اس غصہ پر غصہ کرے کیونکہ آج سارے فسادات اسی کی وجہ سے ہیں میں تو دیکھ رہا ہوں کہ آج مسلمانوں کی تباہی اسی رذیلہ یعنی غصہ کی وجہ سے ہے، تو اگر کوئی مصلح انکی اس بداخلاقی کی اصلاح کے لئے کبھی کچھ تیز کہدے تو اسی کو حرام غصہ بتلاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح ایک اور صاحب نے مجھ سے کہا کہ غصہ حرام ہے میں نے کہا کہ ان کو اب کس طرح سمجھاؤں ایک عنوان سمجھ میں آگیا میں نے ان سے پوچھا کہ سب غصہ حرام ہے؟ کہنے لگے ہاں غصہ تو سب حرام ہے ہی میں نے کہا اور یہ جو آپ لوگوں کو دن رات سنا کرتا ہوں تیری ماں کا' تیری بہن کا یہ کیا ہے؟ کہا کہ بس سمجھ میں آگیا۔ جانتے ہیں کیا بات تھی جب اپنے اوپر بوجھ پڑا تب عقل آئی۔ جس طرح سے ایک تیلی نے ایک جاٹ سے کہا کہ جاٹ رے جاٹ تیرے سر پہ کھاٹ اسنے جواب دیا کہ تیلی رے تیلی تیرے سر پہ کولھو کہا قافیہ تو ہوا نہیں کہنے لگا بلا سے قافیہ نہیں ہوا لیکن تو بوجھ سے تو دب جائے گا کہاں کھاٹ کا وزن اور کہاں کولھو کا۔ تو اسی طرح جب ان صاحب پر بوجھ پڑا اور یہ سمجھ گئے کہ یہ ہمارے حالات سے واقف ہے تب کہا کہ سمجھ میں آگیا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے غصہ کرنا ثواب اور اجر کی چیز ہے اس سے نور پھیلتا ہے مگر نہ کوئی کرنے والا ہے اور نہ کوئی بتانے والا ہے۔ تو یہ جو حرام غصہ کو اچھا اور حلال کو برا کہا جارہا ہے اور اخلاق مذمومہ میں متصف ہونے کو کمال اور ترقی سمجھا جارہا ہے یہ اسی سبب سے ہے کہ خدا کے قہر میں مبتلا ہو گئے ہیں اور فہم رخصت ہو چکی ہے اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں ؎

از شراب قہر چوں مستی دہی ۔۔۔ نیستہا را صورت ہستی دہی

(قہر و غضب کی شراب سے تو جس کو مست بنا دیگا تو اسکو نیست اور معدوم شئے بھی ہست اور موجود معلوم ہوگی)

یہ میں اسپر کہہ رہا ہوں کہ قہر ایسا ہوتا ہے کہ اس سے دماغ ہی الٹ جاتا ہے۔ جھوٹ کے ذریعہ کتنے آدمی ہوشیار ہوئے ہیں اور کتنوں کو ترقی ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہے علیکم بالصدق فان الصدق ینجی والکذب یھلک صدق نجات

اور ترقی کا ذریعہ اور کذب ہلاکت کا باعث ہے اور کوئی یہ سمجھے کہ نہیں کذب ہی ترقی کا ذریعہ ہے اور اسکو کمال سمجھے یہ کیسا ہے؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ حدیث صرف خطبہ ہی میں پڑھنے اور سننے کے لئے ہے عمل کے لئے نہیں ہے تو پھر اس پر عمل کیوں نہیں ہوتا۔ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے لیں گے اور عمل اپنے باپ دادا ہی کا رکھیں گا؟ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے ایک لڑکا ایک مولوی صاحب سے پڑھتا تھا اسکے گھر کے لوگوں کو مولوی صاحب سے مسلک کا اختلاف تھا کسی نے اسکے بھائی سے کہا کہ تم اسکو ان مولوی صاحب سے پڑھوا رہے ہو ان سے پڑھکر تو وہ بھی انہی طرف ہو جائے گا اور تمہاری رسومات وغیرہ میں شرکت نہیں کریگا تو کیوں اسکو ہاتھ سے بے ہاتھ کرتے ہو اس نے کہا کہ نہیں ایسا نہ ہوگا ہمارا بھائی ان مولوی صاحب سے خالی علم پڑھی عمل ناکری۔ یہ ناکری بروزن چاکری نہیں ہے بلکہ نا اس میں نافیہ ہے، یعنی عمل نکریگا یعنی علم تو ہوگا ان مولوی صاحب کا اور عمل ہوگا گھر کے لوگوں کا دیکھا آپ نے اسکا نام ہے ہوشیاری کہ کچھ چیزیں یہاں سے لیں اور کچھ وہاں سے لیں اور دونوں کو جمع کر لیا منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے کہ زبان تو مسلمان سے لیتے تھے وَاِذَا لَقُوكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا (اور جب وہ لوگ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے) اور دل کافر سے لے لیتے تھے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ (اور جب کافروں کے ساتھ تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں) یا یوں کہئے کہ قول اسلام سے لے لیا تھا اور فعل کفر سے۔ یا یوں کہئے کہ ظاہر مسلمانوں سے لے لیا تھا اور باطن کافروں سے۔ اور اسکو ہوشیاری سمجھتے تھے جیسے یہ صاحب کہتے تھے کہ "ہمارا بھائی پڑھی عمل ناکری"

ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ ہم اور ہماری ماں دونوں ملکر کامل ہیں وہ اسطرح کہ مجھ میں علم ہے عمل نہیں اور میری والدہ عمل بہت کرتی ہیں اور علم نہیں ہے اور اسی طرح میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ کہیں جائیں اور وعظ سنیں مگر عمل اپنا ہی رکھیں یہ کیسا ہے؟ جھوٹ کی برائی خطبہ میں سنیں وعظ میں سنیں اور عمل کے وقت اسے بھول جائیں اور اس کی برائی بھی دل سے نکل جائے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ایک صاحب کے لڑکے

جھوٹ بہت بولا کرتے تھے باپ دیندار تھے کسی مقدمہ میں انھوں نے دیکھا کہ اب یہ مجھکو بھی عدالت میں پیش کرا دیگا اور وہاں مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور کریگا یہ خیال کرکے گھر ہی چھوڑ دیا اور اس کے بعد پھر گھر واپس ہی نہیں آئے معلوم نہیں کہاں چلے گئے اور کہاں مر گئے۔ میں کہتا ہوں یہ تم کو کیا ہو گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ الصدق ینجی والکذب یھلک قرآن میں ہے فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ لیکن تم اسکو سمجھو ہی نہیں اسی کو حضرت سرمد کہتے ہیں ؎

یاراں ہمہ دیں دو رنگی دارند مصحف بہ بغل دیں فرنگی دارند

(ہمارے سب احباب آج دو رنگی دین رکھتے ہیں بغل میں تو قرآن لئے ہیں لیکن طریقہ فرنگی اختیار کئے ہوئے ہیں)

بہر حال ہم لوگوں کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ اخلاق رذیلہ کو اخلاق حمیدہ کی جگہ کر دیا ہے بیچارے ایک لڑکے نے لکھا ہے کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے کہ یہی اخلاق بد ہماری دنیوی ترقی کے لئے مانع ہے اب اگر آپ لوگ بھی یہ سمجھ لیں تو کچھ حرج ہے۔ ایک یہ صاحب بیٹھے ہوئے ہیں انھوں نے بھی کہا ہے کہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کسی کو ستائیں گے نہیں اب اگر کوئی شخص خود بھی ستائے اور دوسرے کو بھی مجبور کرے کہ وہ بھی ستائے اور کچھ لوگ اسکے ساتھ ہو جائیں اور کچھ لوگ اسکے ساتھ ہو جائیں یہ کیسا ہے؟ جب میں یہ کہتا ہوں تو آپ لوگ مجھے ایسا دیکھتے ہیں جیسے میں کسی پر ظلم کر رہا ہوں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اخلاق سکھلاؤں جسکی وجہ سے یہ دنیا بھی جنت کا نمونہ ہو جائے لیکن آپ اسکو ظلم سمجھیں یہ کیسا ہے؟ میں نے ایک مصری عالم کو عرب میں وعظ کہتے سنا تھا انھوں نے نہایت عمدہ عنوان سے مسلمانوں کی بداخلاقی کا نقشہ کھینچا تھا میں نے انکی تقریر سن کر اپنے دل میں کہا کہ ہاں یہ ہے وعظ اور یہ سمجھا کہ میرا یہ سفر کامیاب ہو گیا۔ ان عالم صاحب نے بیان کیا تھا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے اور آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہ تھا کہ ہمکو دونوں جہاں کی فلاح کا طریقہ سکھائیں، چنانچہ آپ نے بتایا اب جس نے آپکی کامل تصدیق کی وہ یہاں بھی کامیاب ہوا اور وہاں بھی کامیاب ہوا اور جس نے جسقدر تصدیق میں کمی کی وہ اسی قدر نقصان اور خسارہ میں پڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تدبیر منزل کے اصول تعلیم فرمائے۔
آپ نے فرمایا کہ والد کے اولاد پر، اولاد کے والد پر، میاں کے بیوی پر، بیوی کے میاں پر، بھائی کے بھائی پر، پڑوسی کے پڑوسی پر یہ حقوق ہیں۔ چنانچہ جب لوگوں نے ان سب کو ادا کیا تو یہ دنیوی زندگی نہایت چین و آرام کے ساتھ گذاری اور جب سے ہم نے ان چیزوں کو چھوڑا تو ہمارا یہ حال ہے کہ بھائی بھائی سے منھ پھلائے ہوئے ہے ماں بیٹی سے ناراض ہے، میاں بیوی تعلقات ناخوشگوار ہیں، دوست کو دوست سے شکایت ہے۔ غرض کہ کوئی تعلق اپنی جگہ پر قائم نہیں ہے۔

اس کے بعد انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ سزا تو اس دنیا میں ہے اور اسکی جو سزا آخرت میں ملے گی وہ اس سے کہیں سخت ہے اسکے لئے تیار ہو جاؤ۔

مجھے ان کے اس وعظ سے بہت فائدہ پہونچا میں نے کہا اس شخص نے بہت بڑی حقیقت کی معرفت کرادی۔ اور حج در اصل وہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

حج زیارت کردن خانہ بود　　　حج رب البیت مردانہ بود

دیکھئے جہاں ایسے اخلاق کی تعلیم ہو وہاں لوگ اس درجہ بد اخلاقیوں میں مبتلا ہوں؟ اور ان بد اخلاقیوں کو کمال سمجھیں یہ ترقیٔ معکوس نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

فرمایا کہ ـــــــــ ایک مولوی صاحب نے میری ایکدن کی تقریر کا خلاصہ لکھکر دیا یعنی کل جو میں نے تطبیق پر کلام کیا تھا تو انھوں نے بھی اسکو اپنی حالت پر منطبق کیا ہے لیکن میں نے جو کہا تھا اسکو ادا نہیں کر پائے۔ ان سے اچھا اور میرے مقصد سے زیادہ قریب تو ایک لڑکے نے اس مضمون کو ادا کیا تھا جسے میں نے آپ کو سنایا تھا حالانکہ ابھی ابتدائی طالب علم ہے مگر میرے منشا کو ان مولوی صاحب سے زیادہ سمجھا اور اچھا ادا کیا ہے بہر حال جو کچھ مولوی صاحب نے لکھا ہے پہلے اسکو سناتا ہوں اور پھر جو میں کہنا چاہتا ہوں اسکو واضح تقریر کرتا ہوں۔

مولوی صاحب نے لکھا کہ "آپ نے ایکدن ارشاد فرمایا تھا کہ یہ بھی کبر ہے کہ احکام شرعیہ بتانے کے بعد اگر کوئی عمل نکرے تو اس پر غصہ آئے اور بایں وجہ آئے کہ ہم نے بتایا اور اس نے عمل نہیں کیا تو اس صورت کو میں نے اپنے اوپر منطبق کیا تھا تو منطبق ہو گیا تھا اسلئے کہ وہی احکام کوئی دوسرا بتاتا ہے تو اسپر عمل نہ کرنے سے غصہ نہیں آتا، جس سے احساس ہوا کہ یہ علامت کبر ہے"

میں کہتا ہوں کہ میں نے کبر تو نہیں کہا تھا یوں ممکن ہے کہ اسمیں کبر بھی ہوتا ہو لیکن میں نے یہ کہا تھا کہ جو غیر چیز اس میں مل جاتی ہے وہ کیا ہے اسکا امتیاز واضح نہیں ہوتا۔ اور اسی مضمون کو اپنے ایک خلجان اور اسکے جواب سے شروع کیا تھا اب اسکو پھر کہتا ہوں سنئے:-

مجھکو عرصہ دراز سے ایک خلجان تھا وہ کسی طرح باوجود توجہ بلیغ کے حل نہوتا تھا ایکدن ایک سالک کے مکتوب سے جس نے اپنے حالات شیخ کی خدمت میں پیش کئے تھے اسکے تحریر و بیان سے حل ہو گیا۔ پہلے اس شبہ کو پیش کرتا ہوں اسکے بعد حل عرض کرونگا شبہ کی تقریر یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ تادیب و سیاست و زجر و توبیخ جو شیخ اپنے مریدوں پر، استاد اپنے شاگردوں پر، باپ اپنی اولاد پر اور حاکم اپنے محکوم پر کرتا ہے تو اگر احکام الٰہیہ میں تادیب و سیاست کیجائے کیا اسمیں بھی نفسانیت کا دخل ہو گیا؟ جبکہ محل انکا ایسا خیر ہے۔ پس بظاہر تو یہ سراسر خیر ہی معلوم ہوتا ہے لیکن بزرگوں اور اکابر امت کی تصریحات سے ثابت ہے کہ اس میں بھی نفسانی غصہ اور غیظ و غضب داخل ہو جاتا ہے۔

اسکی مزید توضیح یہ ہے کہ پیر اپنے مرید کو، استاد اپنے شاگرد کو یا باپ اپنی اولاد کو یا عالم عوام کو تادیب کرنے اور انکی اصلاح کرنے کے مکلف ہیں تو اگر کوئی شخص کسی سے مثلاً نماز کے لئے کہہ رہا ہے اور ذرا زور سے کہہ رہا ہے یا باپ اپنے لڑکے کو تربیت کے باب میں ڈانٹ رہا ہے یا شیخ کسی مرید سے اصلاح کے سلسلہ میں سخت لہجہ میں اور ذرا تیز کلام کر رہا ہے تو چونکہ یہ سب دین ہے اس لئے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکو

اگر واجب نہیں تو کم از کم مستحسن تو ہونا ہی چاہیئے یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی کسی جذبہ کے ماتحت کسی وقت ذرا تیز لہجہ میں کلام کرے اسکو اختیار ہے کہ ہمیشہ نرمی سے کہتا ہے کوئی بات سختی سے کہدے اس میں کیا حرج ہے اور نفسانیت کا اس میں کیا دخل ہے پھر اسمیں خرابی کیا ہے؟

اس اشکال کا جواب سننے سے پہلے ایک بات اور سمجھ لیجئے وہ یہ کہ جیسا ابھی میں عرض کر چکا ہوں مجھکو اس میں شبہ نہیں تھا کہ امر دین میں نفسانی غصہ وغیرہ داخل ہی نہیں ہو سکتا بلکہ اسکے متعلق تو میں نے کہا ہے کہ بزرگان دین نے اسکی تصریح فرمائی ہے اور کتابوں میں صاف صاف لکھدیا ہے اسلئے ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے ——— لیکن اشکال یہ تھا کہ اس چور کو پکڑا کیسے جائے اور اسکا مصداق کن امور کو بنایا جائے جس سے دوسروں کو بھی وہ چور پکڑا دیا جائے۔ یہ بات جس قدر واضح تر اس سالک کے خط سے معلوم ہوئی کتابوں سے نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء نے اس مسئلہ کی تعبیر جن الفاظ میں فرمائی ہے پہلے وہ بھی آپ کے سامنے پیش کر دوں پھر اسکے بعد سالک کے خط سے سمجھا ہوا اپنا حل سامنے رکھوں تاکہ مسئلہ واضح طور پر ذہن نشین ہو جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ مقابلہ سے بات کا سمجھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے وبضدہا تتبین الاشیاء۔

سنئے امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ

فان قلت فکیف ابغض المبتدع فی اللہ والبغض لفاسق وقد امرت ببغضهما ثم مع ذلک التواضع لهما والجمع بینهما متناقض	اور اگر تم کہو کہ ——— پھر میں ایک بتدع سے کیونکر بغض فی اللہ رکھوں اور کس طرح فاسق کو مبغوض جانوں حالانکہ مجھے ان سب سے بغض رکھنے کا حکم ہے اور اسکے ساتھ ساتھ ان سے تواضع سے بھی پیش آؤں یہ جمع بین المتناقضین ہے
فاعلم ان هذا امر مشتبه یلتبس علی اکثر الخلق انه یمتزج غضبک	تو اسکے متعلق یہ سمجھو کہ یہ معاملہ کچھ تم پر ہی نہیں بلکہ اکثر لوگوں پر مشتبہ ہوا اسلئے تمہارا انکار بدعت اور فسق پر بغض اور

لله فی انکار البدعة والفسق بکبر النفس والادلال بالعلم والورع فکم من عابد جاھل وعالم مغرور اذا رای فاسقا جلس بجنبه ازعج من عنده وتنزه عنه بکبر باطن فی نفسه وھو ظان انه قد غضب لله کما وقع لعابد بنی اسرائیل مع خلیعھم	اور غضب لله، کبر نفس اور اپنے علم و تقوی پر ناز کرنے کے مشابہ ہو جاتا ہے چنانچہ بہت سے عابد جاہل اور عالم مغرور جب کسی فاسق کو اپنے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں تو ترش رو ہو بیٹھے ہیں اور اس سے دوری اختیار کرتے ہیں اپنے کبر باطن کیوجہ سے اور اسکو سمجھتے یہ ہیں کہ یہ غضب للہ ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد کا واقعہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ پیش آیا تھا۔

دیکھئے اس میں امام تصریح فرما رہے ہیں کہ کبھی بغض فی اللہ میں کبر نفس یعنی اپنی بڑائی کا خیال اور اپنے علم و تقوی پر ادلال یعنی ناز شامل ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے اسکا یہ بغض، بغض فی الدین نہیں رہ جاتا بلکہ نفسانی بغض ہو جاتا ہے جو کہ حرام ہے۔ فاسق اور مبتدع کے مقابلہ میں ہے مگر سبب گناہ ہے جیسا کہ حضرت شیخ احمد رفاعیؒ کے کلام میں اسکے معصیت ہونے کی تصریح ہے فرماتے ہیں کہ:-

احتساب شرعی کی بنیاد دو چیزیں ہیں ایک ہوشیاری دوسرے نرمی کہ بہت نرمی کیساتھ نصیحت کرنا شروع کرے سختی سے کام نہ لے نہ بڑا بننے کا ڈھنگ اختیار کرے کیونکہ اس سے مخاطب کے نفس کا جوش بڑھتا ہے اور گنہگار آدمی ناصح کی بات کو توڑنے اور اسے ایذا پہونچانے کے درپے ہو جاتا ہے اور جب ناصح بدزبان کج خلق ہوگا تو اپنی حماقت کیوجہ سے مخاطب کی کاٹ توڑ اور مدافعت نہ کر سکے گا (کیونکہ غصہ کرنے والا کبھی مناظرہ میں کامیاب نہیں ہوتا کہ زبان سے بجز سخت الفاظ کوئی معقول بات نکلتی ہی نہیں) وہ اپنے نفس کیلئے غصہ کریگا اور اللہ عز وجل کیلئے گناہوں پر انکار نہ کرے گا وہ تو مخاطب سے اپنے غصہ کی بھڑاس نکالنے پر رہیگا، اصلاح کا قصد نہ کریگا اسلئے (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اسکو ثواب تو کیا ملتا الٹا) گنہگار ہو جائے گا۔ انتہی۔ (ص۱۱۲ البنیان المشید)

دیکھئے فرماتے ہیں کہ نفسانی غصہ کرنے والا بڑائی کا ڈھنگ اختیار کرتا ہے اسکا مقصود نصح اور اصلاح نہیں ہوتا بلکہ صرف اپنی بڑائی تفوق، ترفع، تصدر (صدر بننا ۱۲) کی خواہش اسکو مطلوب ہوتی ہے، اسی لئے بجائے نفع کے ضرر اور فساد کا مثمر ہوتا ہے۔ حضرت رفاعی کی اس عبارت میں حضرت امامؒ کے ارشاد کبر نفس کی تائید موجود ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ ساتھ بغض فی اللہ یا امر بالمعروف عبادت نہیں بلکہ معصیت ہوجاتا ہے

الغرض امام کے اس ارشاد سے اتنا تو معلوم ہوا کہ کبر نفس بغض فی اللہ میں مل جاتا ہے مگر کبر نفس کیا ہے؟ مثلاً جس سے دوسروں کو بھی سمجھایا جا سکے اسکی تعبیر واضح نہیں ہوتی۔ یہ ضرور فرمایا کہ عالم جاہل سے نفرت کرتا ہے اور اسکو اپنے پاس سے ہٹا دیتا ہے یہ فعل اسکا کبر نفس ہی کیوجہ سے ہے یہ صحیح ہے لیکن کسی شخص کے فعل میں اور بھی تو احتمال ہوسکتے ہیں اس لئے کسی دوسرے کے فعل کو حتماً ایک محمل پر حمل کرنا آسان نہیں۔ بالخصوص کسی سے کہنا کہ تمھارے اندر کبر موجود ہے اور اسکو اس سے منوالینا اس زمانہ میں بڑا دشوار ہے۔ اسلئے تلاش تھی کہ ایسی کوئی چیز ملتی کہ جس کے بعد پھر کسی کو مجال انکار باقی نہ رہ جاتا اور اس پر ثابت ہوجاتا کہ ہاں یہی مرض ہے۔ اسی کو میں نے اس سالک کے خط سے استنباط کیا۔ اب آپ بھی سنئے انشاء اللہ تعالیٰ آپکی بھی سمجھ میں آجائے گا۔

سالک کے مکتوب کا خلاصہ یہ تھا کہ وعظ و پند کے بعد جب لوگ اس پر عمل نہیں کرتے تو غصہ آتا ہے کہ انھوں نے ہمارا کہا نہیں مانا بس اسی جگہ اس شبہ کا حل ہے (اور یہیں وہ چور پکڑا گیا) اور یہی غصہ نفسانی ہے جو وعظ و پند جیسی عمدہ چیز میں داخل ہوگیا ہے، جس نے وعظ و پند جیسی عبادت کو بھی خیریت سے نکال دیا ہے۔ کیونکہ وعظ پند کے ضمن میں ہر شخص اپنے کو منوانا چاہتا ہے اور یہ درحقیقت مقابلہ ہے خدا اور اسکے رسولؐ کا کہ انکے مقابلہ میں اور انکا نام لیکر اپنے کو منوانا چاہتا ہے۔ یہ کس قدر خوربط ہے۔

بات بالکل صاف ہے تاہم مزید توضیح کیلئے یوں سمجھئے کہ جب کسی نے وعظ و پند کیا یعنی قال اللہ کذا و قال الرسول کذا کہکر کسی کو دین کی بات سمجھائی اور بتائی تو ظاہر تو اسکا یہی ہے کہ اسکا یہ فعل محمود ہے لیکن جب لوگوں نے اسکی بات پر عمل نہیں کیا تو اسکو ان پر

غصہ آیا اور یہ خیال کر کے آیا کہ ہائیں ہمارا کہا اس نے نہیں مانا اسی قول نے اسکے باطنی چور کو پکڑا دیا امام غزالیؒ جسے کبر نفس اور میں جسکو نفسانی غصہ، غیر اخلاص، بغض للنفس وغیرہ کہتا تھا اسکا مصداق کھل گیا اور ایسا واضح ہوا کہ اب اس سے مجال انکار نہیں۔ آدمی کے فعل پر تو احتمالات ہو سکتے ہیں مگر اپنے قول سے آدمی پکڑا جاتا ہے المرء یوخذہ باقرارہ اور دل میں جو بات رہتی ہے وہ خواہی نخواہی زبان پر آکر رہتی ہے ابتک اگر کسی شیخ کامل کے کہنے سے بھی اپنے اندر کبر و نفسانیت وغیرہ کا انکار بھی رہا ہو تو اب تو آپ کے لئے انکار کی گنجائش نہیں خود اپنا کیسے انکار کیجئے گا۔ بس اس سے آپکی سمجھ میں بھی اسکا غیر اخلاص ہونا آ گیا اور دوسروں کو بھی سمجھانا آسان ہو گیا کیونکہ یہ ایسا کلیہ ہے کہ جزئیات کو اس پر منطبق کیا جا سکتا ہے اور ایسے شخص کو بلا تردد غیر مخلص باور کیا جا سکتا ہے۔ دیکھئے نا ابتدار کلام میں تو ہے قال اللہ کذا وقال الرسول کذا ——— مگر انتہا یہ ہے کہ ہمارا کہا نہیں مانا اس میں آخر کلام اول کلام کو رد کرتا ہے کہ اول سے اس بات کا اللہ و رسول کا ہونا معلوم ہوتا ہے اور آخر میں اسکو میرا کہا کہہ رہا ہے۔ وہ آپ کا کہا تھا کب قال اللہ قال الرسول کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے کہا ؟ معلوم ہوا کہ ناگواری اسپر نہیں ہوئی کہ اس نے حکم شرعی کو نہیں مانا اللہ و رسولؐ کی بات نہیں مانی بلکہ اس جہت سے ہوئی کہ ہم نے کہا اور پھر بھی نہیں مانا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص جب کسی ایسے بے عمل کو دیکھے گا جس کو دوسرے عالم نے نصیحت کی ہے تو اسکے نہ ماننے پر اسکو غصہ نہیں آویگا کیونکہ وہاں اسکو دخل ہی نہیں ہے۔ ورنہ جو شخص اللہ و رسولؐ کی مخالفت کیوجہ سے ناگوار ہا نے اسکو اپنے کہے کے خلاف پر اور دوسرے کے کہے کے خلاف پر یکساں غصہ آنا چاہیئے۔ یہی عدم للّٰہیت اور خلاف اخلاص ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ واقعی یہ چور کس قدر نفوس میں پایا جاتا ہے اور کتنا لغو اور مہمل بلکہ کس قدر منافقانہ یہ جذبہ ہے کہ اللہ و رسول کی تو بات ظاہر کرے اور خود دل میں یہ خیال لئے ہو کہ یہ میں کہہ رہا ہوں۔

اسی کو میں نے مقابلہ سے تعبیر کیا ہے کہ یہ تو اللہ و رسول کا پورا مقابلہ ہے۔

اب آپ کسی کو اس قسم کی نصیحت کریں یہ کہیں زیادہ برا ہے اس سے کہ اس سے صاف صاف یکہدے کہ مجھے مانو کیونکہ یہ گو برا ہے مگر یہ نفاق تو نہ ہوگا اور دین کے پردے

میں دنیا یعنی طلب جاہ۔ کبر۔ ترفع۔ تفوق۔ تقدم۔ غضب للنفس۔ ریا اور اللہ و رسول سے مقابلہ تو معاذ اللہ نہ ہوگا۔

یہیں سے ایک بات یہ کہتا ہوں کہ ان مولوی صاحب نے جو اسکو کبر فرمادیا وہ بھی غلط نہیں ہے۔ ایک رذیلہ سے دوسرے کا جوڑ خوب ملا ہوا ہے جب نفسانیت آگئی تو یہ کبر بھی ہوا، جاہ بھی ہوا، ریا بھی ہوئی کیونکہ ریا کی تعریف ہی یہ ہے طلب الجاہ بواسطۃ العبادات اور دنیاداری بھی ہوئی۔ اخلاص بھی نہ رہا ——— میں یہ کہتا ہوں کہ اب جاکر یہ مسئلہ واضح ہوگیا فالحمد للہ۔

آخر میں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ غصہ اور تیزی دو قسم کی ہوتی ہے ایک نفسانی اور ایک ایمانی اور ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ ایمانی تیزی میں حلاوت اور ایک نور ہوتا ہے ظلمت ذرا نہیں ہوتی اور نفسانی تیزی میں ظلمت اور کدورت ہوتی ہے لہٰذا جب غصہ کرو اور اسکی وجہ سے اپنے اندر ظلمت اور کدورت محسوس کرو تو سمجھو کہ نفس کی جانب سے ہے ورنہ اگر ایمان کی وجہ سے ہوتی تو اس میں نور ہوتا جس طرح سے نماز پڑھنے میں قلب نور محسوس کرتا ہے اسی طرح سے (ایمانی) غصہ کے بعد بھی قلب کا وہی حال ہوتا ہے اور ایک فرق یہ ہے کہ ایمانی تیزی میں آدمی حدود سے تجاوز نہیں کرتا بلکہ حد پر قائم رہتا ہے برخلاف اسکے نفسانی میں آگے بڑھ جاتا ہے کلمات ناشائستہ زبان سے نکل جاتے ہیں۔ پھر ایمانی تیزی کے بھی مواقع ہیں ہر موقع پر تیزی مناسب نہیں ہے علماء نے اسکے مواقع بیان کئے ہیں مگر اسکو سمجھنا کامل کیلئے آسان ہے لیکن غیر کامل کو اس میں دشواری پیش آتی ہے اور اسکو مواقع عنف اور رفق میں امتیاز نہیں ہوتا اسلئے علماء نے اسکا بھی حل نکالا ہے، احیاء العلوم میں ہے کہ

وانما الکامل من یمیز مواقع الرفق عن مواقع العنف فیعطی کل امرء حقہ فان قاصر البصیرۃ اشکل علیہ حکم واقعۃ من	جز ایں نیست کہ کامل وہ شخص ہے جو نرمی کے مواقع کو عنف اور سختی کے موقع سے تمیز کرے اور ہر شخص کو اسکا حق دے اسلئے کہ جو شخص قاصر البصیرۃ ہوتا ہے اس پر واقعات میں سے کسی موقع کا۔

المواقع فلیکن میلہ الی الرفق | حکم مشتبہ ہوتا ہے لہٰذا چاہئے کہ اسکا میلان نرمی ہی
فان النجح معہ فی الاکثر | کیطرف ہو کیونکہ اکثر اوقات اسی صورت میں کامیابی اور فلاح
احیاء ص۱۸۶ ج ۳ | ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کامل کو چاہئے کہ مواقع عنف میں عنف کرے اور مواقع رفق میں رفق اور چونکہ وہ کامل ہے اسلئے ہر ایک کے مواقع تو پہچانتا ہے لیکن جو شخص ایسا نہو یعنی ناقد البصیرۃ اور کسی واقعہ میں اسپر امر مشتبہ ہو گیا ہو کہ سختی کروں یا نرمی تو چاہئے کہ وہ نرمی ہی اختیار کرے یہی اسکے لئے اسلم ہے اسلئے کہ کامیابی اس سے زیادہ ہوتی ہے اور عنف میں تو ضرر کا بھی اندیشہ ہے۔

صفاتِ جلیسِ صالح

فرمایا کہ ــــــ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کیجائے اس میں چند اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:-

فینبغی ان یکون فیمن خمس | کسی شخص کی صحبت کے موثر ہونے کے لئے اسمیں پانچ
خصال ان یکون عاقلاً حسن الخلق | صفات کا پایا جانا ضروری ہے (اول یہ کہ) وہ عاقل ہو (دوم
ولامبتدع ولاحریص علی الدنیا | یہ کہ) حسن خلق کے ساتھ متصف ہو (سوم یہ کہ) فاسق نہ ہو (چہارم
اما العقل فھو راس المال وھو | یہ کہ) مبتدع نہو (پنجم یہ کہ) دنیا کی حرص نہ ہو۔ بہرحال عقل تو اسلئے
الاصل فلا خیر فی صحبۃ الاحمق | کہ وہ تو اصل اور راس المال ہی ہے پس احمق کی صحبت میں کچھ بھی
فالی الوحشۃ والقطعیۃ ترجع عاقبتھا | خیر نہیں ہے انکی مصاحبت خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہو انجام اسکا
وان طالت واما حسن الخلق فلابد منہ | وحشت اور قطع تعلق ہی ہوتا ہے اور حسن خلق اسلئے ضروری ہے
اذرب عاقل یدرک اشیاء علی | کہ بہت سے لوگ جو عاقل ہوتے ہیں اور چیزوں کی حقیقت جیسی کہ
ماھی علیہ ولکن اذا غلب غضبٌ | وہ ہے جانتے بھی ہوتے ہیں جب انپر غصہ یا شہوت یا بخل یا جبن

او شهوة او بخل او جبن اطاع هواه وخالف ما هو المعلوم عنده لعجزه عن قهر صفاته وتقويم اخلاقه فلا خير في صحبته واما الفاسق المصر على الفسق فلا فائدة في صحبته - واما المبتدع ففي صحبته خطر لسراية البدعة وتعدي شؤمها اليه فالمبتدع مستحق للهجر والمقاطعة فكيف تؤثر صحبته (وقال بعد اسطر) :-

واما الحريص على الدنيا فصحبته سم قاتل لان الطباع مجبولة على التشبه والاقتداء بل الطبع يسرق من الطبع من حيث لا يدري صاحبه فمجالسة الحريص على الدنيا تحرك الحرص ومجالسة الزاهد تزهد في الدنيا فلذلك تكره صحبة طلاب الدنيا و يستحب صحبة الراغبين في الآخرة

(احیاء العلوم ص۱۷۲ ج ۲)

کا غلبہ ہوتا ہے تو اپنے خواہشات کی اتباع کر بیٹھتے ہیں (انکی قباحت کے متعلق) جو کچھ انکو معلوم ہوتا ہے اسکی مخالفت کر جاتے ہیں اور یہ اسلئے کہ وہ اپنے صفات مذمومہ کو مقہور و مغلوب کرنے اور اپنے اخلاق کی درستگی سے عاجز ہوتے ہیں پس ایسے شخص کی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں۔ اور بہرحال وہ فاسق جو اپنے فسق پر مصر ہو تو اسکی بھی صحبت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور مبتدع تو اسکی صحبت میں بدعت کے خود اسکے اندر سرایت کر جانے کا خطرہ ہے اور اسکی نحوست کے اسکی جانب متعدی ہو جانیکا اندیشہ ہے لہٰذا بدعتی شخص تو ترک اور مقاطعہ کا مستحق ہوا چہ جائیکہ صحبت کے لائق) پس اسکی صحبت بھی کیا اثر کر سکتی ہے (آگے چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں) اور بہرحال جو شخص دنیا کا حریص ہو تو اسکی صحبت تو سم قاتل ہی ہے اسلئے کہ طباع مجبول اور مفطور ہیں دوسروں کی اقتداء اور تشبہ اختیار کرنے پر بلکہ ایک طبیعت دوسری طبیعت سے (صفات کی) اسطرح چوری کرتی رہتی ہے کہ اسکے صاحب کو اسکا علم و احساس تک نہیں ہوتا لہٰذا حریص کی مجالست تو حرص دنیا ہی پیدا کریگی اور زاہد کی صحبت زہد عن الدنیا پیدا کرے گی اسلئے طالبین دنیا کی صحبت مذموم ہے اور جو لوگ کہ طالب آخرت ہیں ان کی صحبت محمود اور پسندیدہ ہے۔

امام صاحبؒ کا یہ مضمون بہت عمدہ ہے لیکن مجھے بہت دنوں سے یہ خیال ہوتا تھا کہ عبادت کی تکلیف لوگ برداشت کر لیتے ہیں حالانکہ عبادت میں سہولت نہیں ہے مثلاً رات کا جاگنا، اور حسن خلق میں کوئی صعوبت نہیں ہے اسے لوگ اختیار نہیں کرتے اسکا حل امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام بالا ہی سے نکل آیا۔ چنانچہ امام صاحب نے صاحب صحبت نیک کے لئے عاقل ہونے کے ساتھ حسن الخلق ہونے کی شرط لگائی ہے جیسے اپنی عبارت واما حسن الخلق الخ

میں بیان فرمایا ہے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کے دشوار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ
کہ انسان پر اسکا نفس غالب ہو جاتا ہے اور بداخلاقیاں راسخ ہو جاتی ہیں جنکی وجہ سے اپنے
رذائل کو مقہور کرنے اور اپنے اخلاق کی درستگی پر اسکو قدرت باقی نہیں رہتی۔ یہ اس کے
سوء استعمال کا نتیجہ ہے کہ سہل چیز کو اپنے سوء استعمال سے دشوار کر لیا۔ میں دشوار اصلی حسن خلق
کو کہہ رہا ہوں ورنہ نمائشی اور ملمع سازی تو آجکل عام ہے۔ یہ تو وہ جواب ہے جو امام کی
اس عبارت ولکن اذا غلبه غضب او شهوة او بخل او جبن اطاع هواه وخالف
ماهو المعلوم عنده سے مفہوم ہوتا ہے۔

باقی میری سمجھ میں اسکا دوسرا جواب بھی آتا ہے کہ انسان اپنی ذات میں تمام کمالات
ومبرات سے خالی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اسکو کمالات اور مبرات کی معرفت
ہوتی ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں)
میں یہی مضمون ارشاد ہے۔ یعنی انکی تعلیمات کو معلوم کرکے اور پھر ان پر عمل کرکے ہی انسان
تمام کمالات سے متصف ہو سکتا ہے ورنہ اسکو اسکی تمیز ہی نہیں ہو سکتی کہ حسن خلق کیا ہے اور
سوء خلق کیا ہے؟ مثلاً کبر اور تواضع کا فرق انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ یہ فرق انکی
تعلیم ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ حاصل جواب یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم جو حسن خلق کے متعلق ہے
اسکا علم ہی پیش نظر نہیں ہے یہی وجہ ہے دشواری کی۔ اور عبادت کا تعلق ظاہراً معبود سے
ہے معلوم ہوتا ہے تو اسکا دین ہونا ان کے نزدیک بھی عقلاً مسلّم ہے اسلئے اسکے لئے تعب
برداشت کر لیتے ہیں۔ میں ترقی کرکے کہتا ہوں کہ عبادات کے بعد احوال اگر پیدا ہو جائیں تو ہو سکتا
ہے کہ یہ شخص حسن اخلاق سے متصف نہ ہو اور اسکا علم تک اسکو نہ ہو۔

میں نے یہ بھی کہا تھا کہ امام صاحبؒ کی اس عبارت سے (جو انھوں نے حسن خلق
کے متعلق کہا ہے) چند فوائد بھی مستنبط ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اس سے حسن خلق اور سوء خلق
کی تعریف معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کس شخص کو صاحب حسن خلق کہا جائیگا اور کس کو سئی الخلق
نیز یہ کہ کسی شخص کے سئی الخلق ہونے کی وجہ کیا ہے اور کسی کے حسن الخلق ہونے کا طریقہ
کیا ہے۔ حسن الخلق اپنی صفات مذمومہ کو مقہور کرنے اور اخلاق کی درستگی اور اپنے علم کے

مقتضا پر عمل کرنے اور ہوائے نفس کی اتباع نکرنے کا نام ہے اور سوء خلق اسکی بالکل ضد یعنی اپنی صفات مذمومہ کو مقہور نہ کرسکنے اور اخلاق کی تقویم پر قادر نہونے اور ہوا ئے نفسانی کی اطاعت کرنے اور اپنے علم کے مقتضیٰ پر عمل نکرنے کا نام ہے۔

اور جو شخص ایسا ہو کہ صفات مذمومہ کے مقہور کرنے سے عاجز ہوا ور اخلاق کی تقویم پر قادر نہ ہو، ہوائے نفس کا تبع ہوا ور با وجود جاننے کے علم کے مطابق عمل نہ کرتا ہو وہ سیئی الخلق ہے اور اسکے بالمقابل جو شخص ایسا ہو کہ اپنے صفات مذمومہ کو مقہور کئے ہوئے ہو اور اخلاق کی تقویم پر قادر ہو، علم کے مطابق عمل کرتا ہوا ور ہوائے نفس کی اتباع نکرتا ہو وہ حسن الخلق ہے۔ انسان کے سیئی الخلق ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ہوائے نفس کی اتباع اور ما ہوالمعلوم عندہٗ (جو اسکو معلوم ہے) کی مخالفت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ صفات بد اس میں راسخ ہوجاتی ہیں اور وہ سیئی الخلق ہوجاتا ہے۔ اور اسکے حسن الخلق ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ اخلاق کا علم حاصل کیا جائے اور جو کچھ اسے معلوم ہے اسکی مخالفت نکرے اور ہوائے نفس کی مخالفت کرے اطاعت نکرے۔ اسی طرح کرتے کرتے وہ حسن الخلق ہوجاتا ہے۔

اوپر امام غزالیؒ نے صاحب صحبت کے منجملہ اور شرائط کے اسکا عاقل ہونا بھی بیان فرمایا ہے اور اسکے بعد اسکا حسن الخلق ہونا بیان فرمایا ہے اور اسکی وجہ یہ فرمائی ہے کہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک انسان عاقل ہوتا ہے اور اشیاء کو صحیح صحیح جیسا کہ وہ ہیں سمجھتا ہے مگر جب اس پر غضب یا شہوت یا بخل یا جبن کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اس کی اطاعت کرلیتا ہے اور اپنے علم کے خلاف کر بیٹھتا ہے اسلئے کہ وہ اپنی صفات کو مقہور کرنے سے قاصر اور اپنے اخلاق کی تقویم سے بالکل عاجز ہوتا ہے (یعنی وہ حسن خلق سے گویا متصف نہیں ہوتا) لہٰذا اسکی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں ہے۔

امام کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایسا ہو اسکی صحبت نہیں اختیار کرنی چاہئے کیونکہ وہ حسن خلق سے عاری ہے حالانکہ صحبت والے کے لئے اسکے ساتھ اتصاف ضروری ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہی غضب یا شہوت، بخل اور جبن وغیرہ اور اس کے

جو نظائر ہیں سوء خلق کہلاتے ہیں اور ان ہی سے متصف ہونے والا شخص سیئ الخلق ہوتا ہے
اور ضمناً اس سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ ان مذکورہ صفات کی جو اضداد ہیں مثلاً غضب
کے مقابلہ میں حلم، شہوت کے مقابلہ میں عفت، بخل کی ضد سخاوت، جبن کی ضد شجاعت
وغیرہ اور ان کے نظائر حسن خلق کہلاتے ہیں اور جو ان کے ساتھ متصف ہو وہ حسن الخلق
کہلاتا ہے۔

جب امام کی اس عبارت سے حسن خلق اور سوء خلق کے مصادیق معلوم ہو گئے
تو پھر لوگ اس زمانہ میں صرف ظاہری نرمی اور محض کسی سے ہنس کر بول دینے ہی کو کیوں
خوش اخلاقی سمجھتے ہیں۔ امام کی تصریح سے تو معلوم ہوا کہ غضب، شہوت، بخل اور جبن
وغیرہ صفات مذمومہ کو مقہور کرنے اور اخلاق کی تقویم کر کے حلم و عفت، سخاوت و شجاعت
وغیرہ سے متصف ہونے کا نام حسن الخلق ہوتا ہے۔

باقی یہ صحیح ہے کہ کسی سے نرمی کے ساتھ ملنا اور خندہ پیشانی سے گفتگو کر لینا بھی
حسن اخلاق میں سے ہے جبکہ اسکا منشا ر تواضع ہو ورنہ اگر دل میں تواضع نام کو نہ ہو اور
ظاہر سے یہ باتیں کی جائیں تو انکی حیثیت تملق اور ظاہر داری سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور
خوش اخلاقی سے تو انکو دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

یہاں پر ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ امام نے یہاں جس غصہ کو سوء خلق فرمایا ہے
وہ غضب مفرط ہے یعنی جو حدود شرعی سے متجاوز ہو باقی شرع کے دائرہ کے اندر رہتے
ہوئے اور اسکو اپنے محل پر مقصور رکھتے ہوئے غصہ نہ صرف یہ کہ ایک امر محمود بلکہ مطلوب
بھی ہے۔

چنانچہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جس طرح سے غصہ ایک رذیلہ ہے
اور قابل اصلاح ہے اسی طریقہ سے غصہ کا انسان میں مطلقاً نہ ہونا بھی کوئی اچھی چیز نہیں
ہے بلکہ ایک مرض ہے جو قابل علاج ہے اور یہ اسلئے کہ غصہ کی مثال شکاری کتے کی سی
ہے جو نفس کو شکار کرتا ہے پس جس شخص میں غصہ نہ ہوگا وہ نہ تو دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے
اور نہ خود اپنی اس سے معلوم ہوا کہ نفس کی اصلاح میں غصہ کس درجہ معین ہے۔

دیکھئے امام ہی ہیں جو عدم غصہ کو بھی مرض فرما رہے ہیں اگر امام اسکو نہ بیان فرماتے تو لوگ تو کبھی بھی اسکو مرض شمار نہ کرتے بلکہ یہی سمجھتے رہتے کہ جس شخص میں جتنا غصہ کم ہے اتنا ہی وہ بزرگ ہے۔ حتیٰ کہ جسمیں مطلقاً غصہ نہیں اسکو تو سمجھتے ہیں کہ یہ اخلاق کے اعلےٰ مقام پر فائز ہے گویا نفس غصہ ہی کو حسن خلق اور ولایت کے منافی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیے کہ آج اس بات کو شاید ہی کوئی بیان کرتا ہو۔

(بعض وہ رذائل جن میں ابتلاء عام ہے)

فرمایا کہ — قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے منافقین کی بعض صفات کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے ایک انکا ذوالِلسانین، ذوالوجہین (دورویہ ہونا) اور متلون المزاج (یعنی مختلف رنگ بدلنے والا) ہونا بھی ہے اور اس صفت کو اس عنوان سے بیان فرمایا ہے کہ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا یعنی جب ملتے ہیں منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اور جب خلوت میں پہونچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بیشک تمھارے ساتھ ہیں اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ہم صرف استہزاء کیا کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جو شخص ذوالِلسانین ہوا اور دو دشمنوں کے درمیان آتا جاتا ہوا اور ہر ایک سے اسکے موافق کلام کرتا ہو تو اسکا یہ فعل عین نفاق ہے اور جس شخص کا تعلق اسطرح کے دو شخصوں سے ہوگا وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا میں دورویہ ہوگا تو قیامت میں اسکے لئے آگ کی دو زبانیں ہونگی۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں کا بدترین شخص وہ ہے جو قیامت کے دن ذوالوجہین (دورُویہ) ہو کر آئے گا یعنی جو شخص کہ ایک جماعت سے ایک بات کہتا تھا اور دوسری جماعت سے دوسری بات۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص امعہ نہ ہو لوگوں نے پوچھا امعہ کیا ہے؟ فرمایا کہ

جو ہر ہوا کے ساتھ چلے علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دو آدمیوں سے دو رخ سے باتیں کرنا نفاق ہے اور گو نفاق کی بہت سی علامات ہیں مگر ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

رہی یہ بات کہ کتنی بات سے آدمی ذو اللسانین ہو جاتا ہے اور اسکی حد کیا ہے تو اگر کوئی دو دشمنوں سے ملتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے اور سچائی کے ساتھ پیش آتا ہے تو محض اسکا نام ذو اللسانین ہونا نہیں ہے اور نہ یہ شخص منافق ہے۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی دوستی دو ایسے شخصوں کے ساتھ ہو جو باہم دشمن ہوں مگر یہ دوستی ضعیف ہی ہوگی حد اخوۃ تک نہیں پہونچ سکتی کیونکہ قاعدہ کی بات ہے کہ دوست کا دشمن اپنا بھی دشمن ہوتا ہے۔ پھر ایک شخص سے دوستی ہو اور اسکے دشمن سے بھی دوستی ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر ہر ایک کی بات دوسرے تک پہونچائے گا تو بیشک ذو اللسانین ہو جائے گا اور اسکا درجہ چغلی سے بھی بڑھکر ہے کیونکہ چغلی میں نقل کلام صرف ایک جانب سے ہوا کرتا ہے اور یہاں دونوں جانب سے ہے۔ اسی طرح اگر ایک دوسرے کی بات تو نہیں نقل کی مگر ہر ایک سے اپنے مقابل کی دشمنی کی تحسین کی تو یہ بھی ذو لسان ہے۔ اسی طرح اگر ہر ایک سے مدد دینے کا وعدہ کر لیا یعنی یہ کہا مثلاً کہ تم اس سے ڈرنا مت ہم تمھارے ساتھ ہیں تو یہ بھی ذو لسان ہوتا ہے۔ اسیطرح اگر ہر ایک کی اسکے مقابل کی عداوت پر تعریف کی تو یہ بھی ذو لسان ہے۔ اور اگر ہر ایک سے کی تب بھی۔ اسی طرح جبکہ ایک کے منھ پر تو اسکی تعریف کی لیکن جب ان کے پاس سے ہٹا تو مذمت کی تو یہ شخص ذو اللسانین کہلائے گا۔ لہٰذا چاہئے کہ یا تو خاموشی اختیار کرے یا ان دونوں میں سے جو حق پر ہو صرف اسکی تعریف کرے اور تعریف کرے تو سامنے بھی اور پیٹھ پیچھے بھی اور دشمن کے بالمقابل بھی۔

حضرت ابن عمرؓ سے کہا گیا کہ ہم امراء کے پاس جاتے ہیں اور وہاں کوئی بات کہتے ہیں لیکن جب انکے یہاں سے باہر آتے ہیں تو اسکے خلاف کہتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ہم لوگ اس قسم کی باتوں کو نفاق شمار کرتے تھے۔

امام غزالیؒ نے اس مسئلہ میں کچھ تفصیل بیان کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ دیکھنا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس جانے سے اور انکی مدح وثناء کرنے سے مستغنی ہے یا اسکی جانب مضطر ومجبور ہے۔ اگر ان کے پاس جانے سے مستغنی ہے مگر پھر گیا اور تعریف کی خواہ تعریف سے بھی مستغنی رہا ہو یا مضطر ہی ہو تو اس صورت میں خلاف واقع امور کا بیان کرنا نفاق ہی شمار ہوگا کیونکہ وہ خود اپنی خوشی سے گیا اور قلیل پر قانع نہ رہا بلکہ نفاق نے اسکے قلب میں حب مال وجاہ کا داعیہ ابھارا جسکی بنا پر اس نے تعریف وغیرہ کی پس اس کے منافق ہونے میں کیا شبہ۔ یہی معنی اس حدیث کے ہیں کہ حب مال وجاہ قلب میں اسطرح اُگتے ہیں جس طرح سے پانی سبزہ کو اگاتا ہے۔

باقی اگر کسی ضرورت کی بنا پر انکے یہاں جانے پر مجبور ہوا اور تعریف وغیرہ نہ کرنے پر تکلیف ونقصان کا اندیشہ کیا تو یہ شخص مجبور ومعذور ہے کیونکہ شر سے بچنا جائز ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ ہم بعض لوگوں کے منہ پر ان سے خوب ہنس کر ملتے تھے لیکن ہمارے قلوب ان پر لعنت کرتے تھے۔

حضرت صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونا چاہا آپ نے فرمایا بلا لو، فبئس اخو العشیرہ یعنی قبیلہ کا بدترین شخص ہے پھر جب وہ آپ کے پاس آگیا تو آپ نے اسکے ساتھ نرمی سے گفتگو فرمائی جب چلا گیا تو حضرت صدیقہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نے اسکے بارے میں فرمایا وہ' اور معاملہ کیا ایسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ ان شر الناس الذی یکرم اتقاء شرہ یعنی لوگوں میں سے بدترین شخص وہ ہے کہ لوگ اسکے شر سے بچنے کے لئے اسکی تعظیم کریں۔

لیکن حدیث سے صرف ظاہری خوش اخلاقی، ہنس کر بات کر لینا معلوم ہوتا ہے باقی تعریف کرنا تو یہ تو صریح کذب ہے جو جائز نہیں الا یان یکون مضطرا او جازہ الشرع پس تعریف تو کسی طرح جائز نہیں اور نہ تصدیق کرنا جائز ہے اور نہ سر ہلانا جائز جبکہ کلام باطل ہو، اگر یہ سب باتیں کیں تو منافق ہوگا۔ چاہیئے یہ کہ انکار کردے اور اگر قادر نہ ہو تو زبان سے خاموشی اختیار کرے اور دل سے انکار کرے۔

کتب تصوف شیخ کیلئے ہے مرید کے لئے نہیں

فرمایا کہ ـــــــ صراط مستقیم میں حضرت مولانا شہیدؒ نے لکھا ہے کہ "سلف صالح را بتوفیق ایزدی در تزکیہ نفس از رذائلِ اخلاق ہمیں اعمال صالحہ اسلامیہ و مصاحبت با مقتدایان خود کافی بود۔ وارباب ایں فن علامات واسباب و معالجات آنرا بطور طب تحقیق و تنقیح کردہ کتب ساختہ اند لیکن آں بیان باوجود شدت وضوح کفایت نمیکرد بلکہ ارباب ہمم قاصرہ بمطالعہ آں صحف متطاولہ می پندارند کہ ایں حال رجالے است کہ گذشتند و بہ خطیرۃ القدس پیوستند و حقیقتی دیگر داشتند کہ بایں اعمال کثیرہ و مشاق عسیرہ قیام ورزیدند و خود را بمحل بعید ازاں می انگارند۔ (یعنی سلف صالحین کے لئے تو حق تعالیٰ کی توفیق کے سبب سے اپنے اخلاق رذیلہ سے اپنے نفس کا تزکیہ کرنے کے سلسلہ میں صرف یہی اعمال صالحہ اسلامیہ (نماز روزہ) اور اپنے بزرگوں کی صحبت اختیار کرنا کافی ہوتا تھا۔ اور (بعد میں) اس فن کے لوگوں نے رذائل کی شناخت کے لئے علامات اور اسباب اور ان کے معالجات وغیرہ کی تحقیق و تنقیح کرکے مانند طب کے بہت سی کتابیں تصنیف فرمادیں لیکن ان حضرات کا یہ بیان بھی باوجود واضح ہونے کے (بعد والوں کے لئے) کافی نہ ہوا (بلکہ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ) جن لوگوں کی ہمتیں قاصر تھیں ان لوگوں نے ان ضخیم ضخیم کتابوں کا مطالعہ کرکے یہ سمجھا کہ یہ حالات تو ایسے لوگوں کے ہیں جو گذر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مل چکے ہیں اور انکی حقیقت ہی دوسری تھی کہ اتنے کثیر اور دشوار کام انجام دیتے تھے۔ یہ خیال کرکے خود کو انکے مقام سے بہت دور سمجھتے ہیں)۔

دیکھئے! امام غزالیؒ وغیرہ نے اخلاق پر جو کتابیں تصنیف فرمائیں اور رذائل پر طول طویل گفتگو فرمائی تو اسکے متعلق ایک تو مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کا ارشاد دیکھئے فرماتے ہیں کہ اسکی وجہ سے لوگوں کے قلوب گھبرا گئے اور لوگ تشتت میں پڑ گئے۔ ایک بات یہ سامنے رکھئے اور اسی کے متعلق دوسری بات وہ پیش نظر کیجئے جو حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے ارشاد فرمائی ہے فرماتے ہیں" تصوف کی کتابیں شیخ کیلئے ہیں مرید

کے لئے نہیں ہیں جس طرح سے طب کی کتابیں طبیب کے لئے ہیں مریض کیلئے نہیں، مریض
اگر طب کی کتب دیکھے گا تو تشتت میں پڑ جائے گا اور اسکے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آئے گا
کہ کون سا نسخہ استعمال کروں لیکن ایک طبیب انھیں کتابوں سے فوراً نسخہ تجویز کر دیگا اسی
طرح مرید جب ان کتابوں کو دیکھے گا تو یقیناً الجھاؤ میں پڑ جائے گا ——— مگر
شیخ انھیں کتابوں کو دیکھ دیکھکر ہر ایک کے مناسب حال اسکی اصلاح کر سکتا ہے اسکو
کچھ بھی دقت نہ ہوگی بلکہ یہ کتابیں اسکے لئے ممد و معاون ثابت ہونگی۔

دیکھئے! حضرتؒ نے کیسی عمدہ تقریر فرمائی کسی کے کلام ہی سے معلوم ہو جاتا ہے
کہ اس شخص کو فن سے کتنی مناسبت ہے اور شی کی حقیقت کس طرح سے سمجھے ہوئے ہے
سچ ہے کہ انسان کا درجہ اسکے کلام ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

ایک استفتاء اور اسکا جواب

نوٹ:۔ اس سوال کی نقل کاغذات میں باوجود تلاش کے نہ مل سکی تاہم جواب کے
اندر آگے چل کر تقریباً پورے سوال ہی کا ذکر ہے اسلئے اسکا ذکر نہ ہونا مضمون کے
سمجھنے میں قادح نہ ہوگا۔ (مرتب)۔

آپ نے ماشاء اللہ نہایت ضروری استفتاء فرمایا۔ اس جہل کے زمانہ میں عام لوگوں
نمیمہ۔ غیبت۔ سوء ظن تجسس اور طعن وغیرہ امور محرمہ کا علم تک نہیں ہے۔ لوگ ان کی
تعریف سے بھی ناآشنا ہیں پھر بھلا اپنی مجالس و محافل میں انکا لحاظ رکھیں اور ان محرمات کے
ارتکاب سے بچیں یہ درجہ تو خواص کو بھی حاصل نہیں الا ماشاء اللہ۔

اگرچہ شرعی حکم ہے کہ النمام فاسق، نمام فاسق ہے۔ المغتاب فاسق، غیبت کرنیوالا
فاسق ہے۔ سوء ظن کرنے والا فاسق ہے اور سوء ظن حرام ہے۔ اسی طرح المتجسس فاسق،
تجسس کرنے والا بھی فاسق ہے۔ لیکن فی زمانہ ان امور سے ذرا احتیاط نہیں برتی جاتی
اجتناب اور حذر تو درکنار عوام نے تو ایک دوسرے کی حکایت شکایت کو نقل مجلس قرار

دے رکھا ہے۔ اسی کے ذریعہ اپنی مجالس کو گرم کرتے ہیں اور اس سے اتنا تعجب نہیں جتنا تعجب اس سے ہے کہ خواص کے یہاں بھی نمیمہ اور غیبت کی کھپت ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ مشائخ کے یہاں جو شخص اس میں ماہر اور پیش پیش ہوتا ہے وہی مقرب ہو جاتا ہے اور اسکا دروازہ اسطرح سے کھلا ہوا ہے کہ اسکو تو کوئی سمجھتا ہی نہیں کہ اگر سب نہ سہی تو بعض افراد اسکے حرام بھی ہیں۔

آپ کو اس سلسلہ میں جو قلق ہوا تو اس میں شک نہیں کہ عین دیانت اسکا منشا ہے اور محض حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ جس چیز کو لوگ عام طور سے نُقل مجلس بنائے ہوئے ہیں اس دور میں آپکو اسکی طرف سے کھٹک پیدا ہوئی۔ گو یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں رہ گیا ہے بہت مشکل ہے کہ لوگ اپنی ایسی محبوب ترین اور لذیذ شے کو آسانی کے ساتھ چھوڑ دیں تاہم یہ خیال کرکے کہ ابھی کچھ نہ کچھ اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں جنھیں تقویٰ کا خیال و لحاظ ہے جی چاہتا ہے کہ ان چیزوں پر ذرا مفصل کلام کر دیا جائے اور انکی حدود و قیود کو نہایت واضح طور سے بیان کر دیا جائے شاید کسی کو نفع پہونچ جائے اسلئے کہ آجکل بہت کچھ دخل ہماری بے عملی میں ہماری بے علمی کو بھی ہے۔ ان چیزوں کا علم ہی نہیں ہے اور نہ کوئی اس زمانہ میں اسکو بیان ہی کرتا ہے۔ الا ماشاء اللہ ظاہر ہے کہ جب جاننے والے کسی چیز کو بیان ہی نہ کریں گے تو عوام کیسے اس چیز کو جان لیں گے اسلئے ہم تو اس باب میں یہ سمجھتے ہیں کہ عالموں کا قصور جاہلوں سے کچھ کم نہیں ہے ہم نے انکو بتلایا ہی کب ہے پھر آج انکی بے عملی کی شکایت کیوں کرتے ہیں۔

دوسری وجہ بسط کے ساتھ اسکے بیان کرنے کی یہ ہے کہ یہ خصال بد ان چیزوں میں سے ہیں جن پر امت کے من حیث الامۃ فنا اور بقا کا مدار ہے اگر ان خصال سے اجتناب کیا جائے گا تو باہم اتفاق و اتحاد اور میل ملاپ، حسنِ معاشرت اور لطف زندگی حاصل رہے گا اور اگر ان خصال بد میں ابتلا رہیگا (جیسا کہ اس زمانہ میں ہم لوگ ہیں) تو امت میں باہم فساد۔ خلاف و نزاع۔ تنافر و اختلافات بڑھتے بڑھتے قوم ٹولی ٹولی میں تقسیم ہو جائے گی اور امت کا شیرازہ بالکل منتشر ہو جائے گا اور لوگ بہیمیت کا شکار ہو کر اجتماعی زندگی اپنے اوپر ختم کریں گے اور دنیا ہی نمونۂ دوزخ بن جائے گی۔

اب میں پہلے آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں، اسکے بعد پھر اسی سلسلہ سے غیبت نمیمہ۔ سوء ظن اور تجسس وغیرہ کے متعلق تفصیلی گفتگو کرونگا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

آپ کے خلجان کا منشاء یہ ہوا کہ امام غزالیؒ نے نمیمہ سنکر اسکو نہایت ہی شدومد کے ساتھ رد کرنے کو فرمایا ہے کہ نمام کی تصدیق نہ کرے۔ اسکو اس فعل سے منع کردے۔ اس سے بغض رکھے۔ دوسرے کے متعلق سوء ظن میں مبتلا نہ ہو۔ اس بات کا تجسس نہ کرے۔ اور اسکا کسی سے ذکر نہ کرے۔ اور اسکا اثبات اس آیت سے فرمایا ہے کہ یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا الآیۃ (اے ایمان والو جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے آیا کرے تو اسکی تحقیق کر لیا کرو) اور دوسری شق کو نہیں بیان کیا ہے کہ — فلاں موقع پر بات پہونچائی جا سکتی ہے اور وہ نمیمہ مذمومہ نہیں ہے۔

اور صاحب فتح الباری کے فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہ مقول فیہ کو اسکے متعلق کہی ہوئی بات پہونچائی جا سکتی ہے جیسا کہ زید بن ارقم نے کیا اور وہ نمیمۂ مذمومہ نہیں ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق فرمائی جسکی وجہ سے ابتداءً تو زید بن ارقم کی تکذیب ہوئی مگر نزول آیت نے انکی تصدیق کر دی اور نکیر انکے فعل پر نہ خدا نے کی اور نہ رسولؐ نے فرمائی۔

تو اسکے متعلق یہ سمجھئے کہ مسئلہ یہ ہے کہ غیبت ہو یا نمیمہ یہ مطلقاً حرام نہیں ہے۔ اسی طرح سے سوء ظن کے حرام ہونے کے بھی مواقع ہیں۔ اسی طرح تجسس حرام ہے لیکن بعض جگہ تبیین اور تحقیق حرام نہیں ہے۔ اسکی تفصیل اپنے موقع پر بیان کی جائے گی یہاں یہ سمجھئے کہ:-

آیت یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ میں فاسق کا لفظ جو کہا گیا ہے تو اسلئے کہ ایک عام حکم بتلانا منظور تھا گو واقعہ خاص تھا یعنی یہاں بات بھی غلط تھی اور منشاء بھی اس ابلاغ کا صحیح نہ تھا گو تعمد اور نیت نہ ہونے کی وجہ سے کذب عمد بھی نہ تھا اور اسکی وجہ سے ان صحابیؓ کو فاسق بھی نہ کہا جائے گا مگر حکم یہ نازل ہوا کہ جب اس اتنی سی بے احتیاطی میں تحقیق و تبیین کی ضرورت پڑی تو اگر واقعۃً کوئی فاسق جس پر اطمینان ہی نہ ہونا چاہیئے کوئی خبر لا دے تو اسکی تحقیق کسقدر ضروری ہوگی۔ اسلئے یہ کسی درجہ میں نمیمہ کا فرد ہوا ——— اور حضرت زید بن ارقمؓ کے واقعہ میں بات صحیح تھی اور منشاء بھی انکا صحیح اور صالح تھا اسلئے ان پر نکیر نہیں فرمائی اور یہ ابلاغ شرعاً جائز تھا

اسلئے وہ شرعاً نمیمۂ مذمومہ تھا ہی نہیں۔

اب دونوں ابلاغوں میں فارق کیا ہے اسکے سمجھنے کے لئے پہلے دونوں واقعات کی تشریح ضروری ہے اسی تفصیل سے انکا خیر و شر ہونا اور فاسد و صالح ہونا اور مذموم وغیر مذموم ہونا معلوم ہو جائے گا۔ اسلئے پہلا واقعہ سنئے :-

بیان القرآن میں ہے کہ آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ کے شان نزول کا مخصوص قصہ اسطرح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہؓ کو بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا اور ایک روایت میں بنی وکیعہ آیا ہے۔ ولید میں اور ان میں زمانۂ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی، ولید کو وہاں جاتے ہوئے کچھ اندیشہ ہوا، ان لوگوں نے سن کر استقبال کیا ولید کو گمان ہوا کہ وہ لوگ بارادۂ قتل آئے ہیں، واپس جاکر اپنے گمان کے موافق کہدیا کہ وہ تو مخالف اسلام ہو گئے۔ آپ نے حضرت خالد کو تحقیق حال کیلئے بھیجا اور فرمایا کہ خوب تحقیق کرنا جلدی مت کرنا۔ چنانچہ انھوں نے وہاں بجز اطاعت اور خیر کے کچھ نہ دیکھا آکر آپ کا اطمینان کر دیا اسپر یہ حکم نازل ہوا۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ لوگ خود حاضر خدمت ہوئے اور آپ کو اطمینان دلایا۔ وجہ تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں واقعے ہوئے ہوں۔

(بیان القرآن ص۴۲ ج ۱۱)

اور تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی جنکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کیجانب زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا تھا ان میں اور انلوگوں میں زمانۂ جاہلیت میں عداوت تھی، قوم نے جب انکا آنا سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعظیم کرتے ہوئے استقبال کے لئے نکلے ادہر انکو شیطان نے یہ سجھا دیا کہ یہ لوگ تمھیں قتل کرنے آرہے ہیں۔ انکو اپنی جان کا اندیشہ ہوا اور راستہ ہی سے پھر حضورؐ کیخدمت میں حاضر ہو گئے اور آکر عرض کیا کہ بنی مصطلق نے زکوٰۃ روک لی ہے اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت غصہ آیا آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان سے غزوہ کریں ادہر قوم کو جب انکی واپسی کی اطلاع ہوئی تو حضورؐ کی خدمت میں بھاگے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم نے جب آپکے فرستادہ کے متعلق سنا کہ وہ تشریف لا رہے ہیں تو

ہم انکے استقبال اور اکرام کے لئے نکلے اور یہ ارادہ کیا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا جو حق ادا کرنا قبول کیا ہے وہ انکو دیدیں کہ اس درمیان میں انھیں نہیں معلوم کیا خیال گذرا کہ وہ واپس چلے آئے ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ معلوم ہوتا ہے آپ ہی کی جانب سے ہمارے اوپر کوئی خفگی کا خط آگیا جسکی وجہ سے وہ بدون صدقہ لئے واپس ہوگئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے اور اللہ کے رسول کے غضب سے ہم پناہ مانگتے ہیں۔

بغوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں متہم سمجھا چنانچہ حضرت خالد بن ولید کو پوشیدہ طور پر ایک لشکر کے ہمراہ بھیجا اور ان سے فرمایا کہ اپنے آپ کو پوشیدہ ہی رکھنا اور انکی حرکات وسکنات کو دیکھتے رہنا اگر ایمان کے آثار معلوم ہوں تو ظاہر ہو جانا اور ان سے انکے اموال کی زکوٰۃ طلب کرنا اور اسکے خلاف دیکھنا تو جس چیز کا استعمال کفار کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے تم ان لوگوں میں بھی استعمال کرنا مراد یہ کہ جہاد کرنا۔ حضرت خالدؓ نے ایسا ہی کیا۔ شام کے وقت وہاں پہونچے سنا کہ اذانِ مغرب ہو رہی ہے پھر عشار کی اذان ہوئی غرضکہ ان لوگوں میں سوا طاعت اور خیر کے کچھ نہ پایا ان سے زکاۃ وصول کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ آئے اور صورتِ حال بیان فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ الآیہ۔

دیکھئے قاضی صاحب نے جو روایت بیان فرمائی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے ان سے کہدیا کہ وہ لوگ تم کو قتل کرنا چاہتے ہیں چونکہ سابقہ عداوت رہ چکی تھی جو قرینہ بن سکتی تھی اسلئے انھوں نے اسکی تصدیق کر لی۔ اس سے بات صاف ہوگئی اور منشار غلط فہمی کا معلوم ہوگیا ورنہ خیال ہوتا تھا کہ حضرت ولید بن عُقبہ صحابی ہیں ان سے اس قسم کے فتنہ کی بات کا صدور کیسے ہوا؟ بہر حال منشا جو کچھ بھی رہا ہو ہوئی یہ چوک کیونکہ یہ لوگ مسلمان ہوگئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکے سردار حارث بن ابی ضرار نے قوم کی زکوٰۃ جمع کر رکھنے اور مصدق کے پہونچنے پر ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ اسی دعوت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بھیجا تھا اسلئے محض ایک شخص کے کہنے کا حضرت ولید کو اعتبار نہیں کرنا چاہئے تھا، قرائن کذب کے بھی موجود تھے مگر بشریت غالب آگئی ابلیس کی بات مان لی

اور روح المعانی میں اسکی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ حارث بن ابی ضرار خزاعی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا میں مسلمان ہوگیا اور اسکا اقرار دل و زبان سے کرلیا۔ پھر آپ نے زکوٰۃ کی جانب مجھے بلایا میں نے اسکا بھی اقرار کرلیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنی قوم میں جاکر انھیں اسلام کی دعوت دوں اور زکوٰۃ کی جانب بلاؤں۔ جو لوگ میری بات مان لیں انکا مال جمع کر رکھوں اور آپ یا رسول اللہ! کسی قاصد کو فلاں فلاں وقت بھیج دیجئے وہ میری جمع کردہ رقوم جاکر لے آئے گا۔ چنانچہ حارث نے اپنی قوم میں جاکر لوگوں سے زکوٰۃ کا مال جمع کیا اور وہ میعاد بھی آپہونچی جسمیں آدمی کا بھیجا جانا طے ہوا تھا مگر کوئی قاصد نہیں پہونچا۔ حارث کو اس سے یہ خیال ہوا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول کو اس اثنا میں ہماری جانب سے کچھ ناگواری پیش آئی انھوں نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیجنے کا وقت مقرر فرمادیا تھا اور آپ وعدہ خلاف نہیں ہیں اسلئے قاصد کا نہ آنا آپ کی ناخوشی پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا چلو سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر معذرت کریں۔ ادھر تو یہ لوگ اس نیت سے چلے ادھر قدرے تاخیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہؓ کو جو حضرت عثمانؓ کے بھائی تھے حارث کے پاس مال کی وصولیابی کے لئے روانہ فرمایا۔ ولید راستہ ہی میں تھے کہ قوم کے آنے کی اطلاع ملی ڈر گئے اور وہیں سے واپس چلے آئے۔ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حارث نے زکوٰۃ روک لیا ہے اور میرے قتل کا ارادہ کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث کی جانب ایک لشکر بھیجا۔ ادھر حارث اپنی قوم کے سرداروں کو لئے ہوئے معافی کے لئے چلے آرہے تھے۔ یہ فرستادہ لشکر مدینے سے باہر ہی نکلا تھا کہ حارث اور انکے اصحاب نظر پڑے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ارے یہ تو حارث یہاں ہی آگئے! حارث نے انکو جاتا دیکھکر پوچھا کہاں کا ارادہ ہے۔ ان لوگوں نے کہا آپ ہی کے پاس تو! پوچھا کیوں؟ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس ولید کو بھیجا تھا وہ یہ کہتے ہیں کہ تم نے زکوٰۃ روک لی اور انکے مارڈالنے کا بھی ارادہ کیا۔ اس نے کہا نہیں تو قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے تو انکو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ مجھ سے ملے۔ اسکے بعد حارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپنے بھی یہی فرمایا کہ کیوں جی تم نے زکوٰۃ روک لی اور میرے قاصد ہی کو قتل کرنا چاہتے تھے ایسا کیوں کیا حارث نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بناکر بھیجا ہے میں نے تو انکو دیکھا تک نہیں اور انھوں نے بھی مجھے نہیں دیکھا اور میں نے تو جب آپ کا قاصد وقت مقررہ پر نہیں پہونچا تو یہ خیال کیا کہ شاید اللہ و رسول مجھ سے ناراض ہیں اسلئے حاضر ہو گیا ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

روایت کے جملہ طرق کے جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ اگرچہ صحابیٔ رسول تھے مگر معصوم نہ تھے اسلئے انھیں ابتداءً قوم کی طرف سے سوءظن تو ہوا ہی اور جن لوگوں سے انکی سابقہ عداوت رہ چکی تھی انکو انھوں نے متہم سمجھا اس بنا پر اپنی جانب سے خلاف واقعہ بات محض گمان سے بیان کردی گویا منشا راس ابلاغ کا کچھ صلاح اور اصلاح نہ تھا اسلئے قرآن شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبیین اور تحقیق کا عام حکم ہوا۔ اور فاسق سے یہاں مراد یہ ہے کہ جو شخص ایسی کوئی خبر دے کہ اس جگہ غالب قرینہ اسکے کذب ہی پر قائم ہو اگرچہ مخبر ظاہر العدالۃ ہی کیوں نہ ہو اور یہاں اس واقعہ میں ایسا ہی ہوا بھی کہ قرینہ کذب کا بھی موجود تھا اسلئے کہ ساری قوم بنی مصطلق کا مرتد ہو جانا جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر خوشی خوشی ایمان لے آئے تھے اور احکام دین کو قبول کیا تھا یہ کہیں زیادہ بعید از قیاس تھا اس بات سے کہ نفس الامر کے اعتبار سے ولید کی بات کو غلط اور سوءظن کا ثمرہ مان لیا جائے گو بزعم خود انکے نزدیک اپنے اس گمان کا ایک صحیح منشا ربھی موجود تھا اور اسی کی وجہ سے انکو فاسق بھی نہ کہا جائے گا اور خاص شان نزول سے عام حکم کا بیان کیا جانا سمجھا جائے گا۔ اسلئے حضرت ولید کا یہ ابلاغ قابل مواخذہ ہوا اور غیبت اور نمیمۂ مذمومہ قرار پایا۔ بخلاف دوسرے واقعہ کے کہ وہاں حضرت زید بن ارقم رضی نے عبداللہ بن ابی بن سلول کا قول اپنے چچا کو اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پہنچایا تھا تو واقعہ کے مطابق تھا اور اسکا مقصد بھی افساد نہ تھا بلکہ صلاح و اصلاح کی خاطر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض خلوص اور صرف محبت اور تعلق اسکا باعث ہوا تھا کہ انکو گوارا نہیں ہوا کہ جو شخص ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں

شامل رکھتا ہو وہ پس پشت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان میں ایسے ناپاک کلمات کہے۔ پھر انھیں یہ بھی خیال ہوا کہ مدینہ سے نکالنے کو کہہ رہا ہے ایسا نہ ہو کہ اندر ہی اندر کوئی سازشں تیار کرلے اسلئے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آگاہ کردیا جائے اور اس جذبہ کے خیر اور صلاح ہونے میں کیا کلام ہے

حاصل فرق یہ ہوا کہ جہاں کہیں مبلغ کا قصداً اپنے ابلاغ سے افساد کا ہو وہ ابلاغ تو منع ہے اور یہ نمیمۂ مذمومہ ہے۔ اور جہاں نیت نصح و صلاح ہو وہ منع نہیں۔ اور اسکا فیصلہ کہ کہاں نیت افساد ہے اور کہاں نیت صلاح ہے خود نمام کیلئے تو اپنے قلب سے استفسار کرنا ہے اور منقول الیہ کے لئے قرائن حالیہ و مقالیہ اس پر دال ہونگے۔ جہاں قرائن افساد کے پائے جائیں پہونچانے والے پر نکیر کیجائیگی، تنبیہ و توبیخ کیجائیگی اور اسکی تصدیق نہیں کیجائے گی جیسا کہ ولید بن عقبہ کے واقعہ میں ہوا۔ اور جہاں قرائن سے مبلغ کا مخلص ہونا اور اسکے صلاح کا اندازہ ہوگا اسپر عتاب نہ کیا جائے گا جیسے زید بن ارقم کے واقعہ میں ہوا۔

اس تقریر سے وہ بات صاف ہوگئی کہ جو یہ کہا گیا ہے کہ نمام کے قول کی جانب اصلا التفات ہی نہ کرے اور اسکو مبغوض سمجھے فاسق جانے کیونکہ النمام فاسق، النمام کاذب اسطرح سے کہ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ اس موقع کیلئے خاص ہے کہ جہاں کوئی شخص ایسی بات پہونچائے کہ منقول فیہ کا اس میں کوئی نفع نہ ہو اور منقول الیہ کا اس میں اضرار ہو۔ بلکہ اس بات کے سن لینے اور اسکے مقتضا پر عمل کرلینے میں فرد یا جماعت پر ظلم ہو جانے کا اندیشہ ہو اور ناقل نے محض تفکہ یا عادت یا افساد کے خیال سے وہ بات نقل کی ہو۔ باقی جہاں کوئی ضرر محتمل ہو وہاں مغتاب فیہ کو اس ضرر سے بچانے کیلئے خود اسکو یا کسی ایسے شخص کو جو اس ضرر کا انسداد کرسکتا ہو وہ بات پہونچا دینی جائز ہے۔

الغرض یہ بات واضح ہوگئی کہ حالات اور مقام کے اختلاف سے یہ حکم مختلف ہوتا ہے نہ مطلقاً ابلاغ منع ہے اور نہ مطلقاً جائز ہے پس جہاں روایات یا اقوال علماء سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ موقع ان مواقع سے ہے جو حرمت کے حکم سے مستثنیٰ ہے اور جن آیات یا روایات یا اقوال علماء سے اسپر نکیر اور تشدد ثابت ہے وہ اصل حکم کے اعتبار سے ہے کہ فی نفسہ یہ خصلت

بے نہایت ہی مذموم اور عالم کی تباہی کا سبب ہے۔ چنانچہ آج عام طور سے لوگوں میں جو مفاسد اور انکے باہمی اتفاق و اتحاد میں جو خلل اور رخنہ پڑ گیا ہے وہ اسی خصالِ بد کا نتیجہ ہے

یہاں تک تو آپ کے سوال کا جواب ہوا اگرچہ ضمناً بہت کچھ تفصیل بھی اس میں آگئی ہے تاہم اب ہم مستقل طور سے سوءظن تجسس۔ غیبت اور نمیمہ کے متعلق مفصل کلام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما دے۔

(نوٹ) غالباً اسکے بعد وہی اخلاق کا بیان شروع فرمایا جسے ناظرین گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔ جامی)۔

ہماری محرومی کا اصل سبب رذائلِ اخلاق ہیں

فرمایا کہ ــــــ علما محققین نے بیان فرمایا ہے کہ سالکین پر فیض رحمانی کے نزول اور عنایات یزدانی کے ورود کا ایک بڑا مانع انکے نفوس بہیمیہ کا رذائل اخلاق مثل بخل و حسد و کبر و حرام و غیبت و کینہ و ریا و کذب و طمع و حرص وغیرہ سے ملوث ہونا ہے۔ پس جب تک انمیں سے کل یا بعض موجود ہونگے انکا قلب مصفیٰ نہ ہوگا اور فیض رحمانی اور عنایات یزدانی کا نزول نہ ہوگا اور یہ اسلئے کہ انمیں سے بعض صفات تو بہائم کی ہیں اور بعض کفار کی ہیں اور ان دونوں کو اللہ تعالےٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا جو بھی ان صفات سے متصف ہوگا وہ فیض و عنایت ربانی سے محروم رہے گا۔

حاصل اسکا یہ ہوا کہ انسان نیک اور صالح ہو نہیں سکتا جبتک کہ اپنے اخلاق کی اصلاح نہ کرلے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ لوگ جنت میں زیادہ تر کس چیز کیوجہ سے جائیں گے تو آپ نے فرمایا تقویٰ اللہ اور حسن خلق ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ تقوی اللہ صلاح ما بین عبد و ربہ کا نام ہے اور حسن خلق، صلاح ما بین عبد والناس کا۔ اور ان دونوں کے مجموعہ کا نام صلاح ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ الاشھر

فی تفسیر الصالح ، القائم بما یجب علیہ من حقوق اللہ وحقوق عبادہ (صالح کی مشہور تعریف یہی کہ جو اپنے ذمہ واجب شدہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا اہتمام رکھتا ہو)

نیز علماء فرماتے ہیں کہ تحلی بالفضائل اور تخلی از رذائل بمنزلۂ چوبدار اور نقیب کے ہیں کہ خود ہی انسان کو منزل مقصود تک پہونچا دیتے ہیں۔ اور کبھی اس بارگاہ سے (اسی حسن خلق کی کیوجہ سے) ایک ایسا جذب حاصل ہوتا ہے کہ اعمال کی زیادہ مشقت بھی نہیں اٹھانی پڑتی اور انسان فائز المرام ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ " انسان اپنے حسن خلق کی وجہ سے آخرت کے بڑے بڑے درجات اور اشرف ترین منازل حاصل کر لیتا ہے حالانکہ عبادت میں وہ ضعیف ہوتا ہے۔ اسی طرح سے اپنے سوء خلق کیوجہ سے جہنم کے نچلے طبقہ کا مستحق ہو جاتا ہے حالانکہ وہ عبادت گذار ہوتا ہے "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور علماء کی تشریحات سے حسن خلق کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے مگر آج مسلمانوں نے دین کے جس شعبہ کو سب سے زیادہ فاسد کر لیا ہے باوجودیکہ وہ نہایت ہی اہم تھا وہ یہی اخلاق ہے۔ نماز روزہ تسبیح و تلاوت، ذکر و وظائف کی جانب تو کچھ توجہ بھی ہے لیکن حسن خلق کی حقیقت اور مفہوم تک معلوم نہیں تا بعمل چہ رسد؟ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ خلق کا تعلق انسان کے باطن کے ساتھ ہے اور لوگوں کی نظر صرف ظاہر پر مقصور ہے اسلئے باطن انکی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کی اس بد اخلاقی کیوجہ سے نہ صرف یہ کہ آج انکا دین درست نہیں رہا بلکہ دنیا کی تباہی کا سبب بھی یہی بد اخلاقی ہے۔

پس اس زمانہ میں دینی و دنیوی ہر قسم کی فلاح کا حصول موقوف ہے اخلاق کی اصلاح پر اور اصلاح اخلاق موقوف ہے رذائل کے علم اور انکی حقیقت کے پیش نظر ہونے پر اور انکے معلوم کرنے اور اصلاح کرنے کا باب گو نہایت وسیع ہے اور اسکے متعلق علماء نے بڑی بڑی کتابیں لکھدی ہیں لیکن اپنے بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں اور ذرائع جو محققین نے بیان فرمائے ہیں اختیار کرے وہیں اتنا اور بھی کرے کہ ان رذائل کا مراقبہ بھی کیا کرے کہ اسکی وجہ سے انکا علم آسانی کے ساتھ ہو جائے گا اور پھر ترک انکا سہل ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ مراقبہ سے ان حضرات کی مراد یہی ہے کہ ان رذائل کی حقیقت اور انکے نفع نقصان کو سوچے

اور اس فکر میں لگا رہے کہ میرے اندر ان میں سے کون کون سی چیزیں موجود ہیں اور پھر ان رذائل سے خلاصی پانے کا اسہل اور اقرب الی السنۃ طریق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نہایت آہ وزاری کے ساتھ دعا کرے اور کہے کہ اللّٰھم احسنت خلقی فاحسن خلقی۔ اور یہ کہے کہ اللّٰھم قنی شر نفسی۔ اللّٰھم قنی شر نفسی اور یوں کہے کہ اللّٰھم اٰت نفسی تقوٰیھا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا ومولاھا۔ اللّٰھم انی اسئلک الھدیٰ والتقیٰ والعفاف والغنیٰ۔ اللّٰھم انی اعوذ بک من منکرات الاخلاق والاعمال والاھواء والادواء۔ اللّٰھم انی اسئلک الصحۃ والعفۃ والامانۃ وحسن الخلق والرضا بالقدر اللّٰھم طھر قلبی من النفاق وعملی من الریاء ولسانی من الکذب وعینی من خیانہ فانک تعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرما دے۔

حسنِ خلق کا بیان کنز العمال سے

فرمایا کہ ——— کنز العمال میں اخلاق کے بیان میں ایک ایسی حدیث شریف مذکور ہے کہ جس سے اخلاق کی اہمیت کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس حدیث شریف کے ذکر سے پہلے اخلاق کے مفہوم کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

صاحب کنز العمال فرماتے ہیں کہ اخلاق اعمال قلوب کو کہا جاتا ہے اور جوارح سے جو صادر ہوتے ہیں انکو افعال اور اعمال کہا جاتا ہے (اور بعض اعمال جوارح کو جو اخلاق کہدیا جاتا ہے تو باعتبار اسکے منشا کے کہ منشا انکے اعمال قلوب ہوتے ہیں مثلاً لین کلام (نرمی کلام) اطعام طعام (کھانا کھلانا) جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ تو یہ اطلاق باعتبار اسکے منشا کے ہے (فافہم وتدبر)

اب حدیث شریف ملاحظہ ہو:۔

ان العبد لیبلغ بحسن خلقہ عظم بیشک بندہ اپنے حسن خلق کیوجہ سے آخرت میں بڑے

درجات الآخرة وشرف المنازل بڑے درجات اور اونچے مقامات و منازل پالیتا ہے وانہ لضعیف العبادة وانہ باوجودیکہ وہ عبادت میں کمزور ہوتا ہے (یعنی اسکی عبادت گو کم ہوتی ہے مگر حسن اخلاق کی وجہ سے درجات پالیتا ہے) اور بندہ لیبلغ بسوء خلقہ اسفل درك جھنم وانہ لعابد اپنے بُرے اخلاق کی وجہ سے جہنم کے نچلے طبقہ میں پہونچ جاتا ہے اور گو وہ عابد ہوتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اکابر طریق جو اخلاق کی اصلاح پر زور دیتے ہیں وہ کسقدر متمسک بالسنہ ہیں انکا ماخذ اسی قسم کی احادیث ہیں۔ اس حدیث کو سامنے رکھئے اور پھر عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ حضرات کتنے بڑے متبع سنت ہوئے ہیں، فرماتے ہیں عاصی کہ دست بردار دبہ از عابد کہ در سر دارد۔ یعنی وہ گنہگار جو گناہ سے ہاتھ اٹھالے اس عابد سے کہیں بہتر ہے جو اپنے سر میں غرور عبادت رکھے۔

سرہنگ لطیف خوے دلدار بہتر ز فقیہ مردم آزار

یعنی وہ سپاہی جو خوش خلق ہو اور دلداری کرنے والا ہو وہ اس عالم سے جو مردم آزار ہو کہیں بہتر ہے۔

پس اس حدیث میں کس قدر زجر ہے ان عابدوں کیلئے جو محض اپنی عبادت پر اکتفا کرتے ہیں اور اخلاق کی درستی کا اہتمام نہیں کرتے یہاں تک بعض کو اسکا غرہ ہوتا ہے سہ

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

زاہد غرور زہد رکھتا تھا اسلئے اسکا راستہ کھوٹا ہوگیا اور رند نیاز کے راستے سے دار السلام تک پہونچ گیا

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست نانِ حلالِ شیخ ز آبِ حرام ما

مجھے اندیشہ ہے کہ بروز قیامت شیخ کی حلال روٹی میرے حرام پانی پر شاید سبقت نہ لیجا سکے۔

حکم الغیبة

وفی الروح فالحق انها من الکبائر نعم لا یبعد ان یکون منها ما هو من الصغائر کالغیبة التی لا یتأذی بها کثیر نحو عیب الملبوس والدابة

وما لا ینبغی ان یشک فی انہ من اکبر الکبائر غیبۃ الاولیاء والعلماء بالفاظ الفسق والفجور ونحوھا من الالفاظ الشدیدۃ الایذاء۔ والاشبہ ان یکون حکم السکوت علیھا مع القدرۃ علی دفعھا حکمھا۔

(ترجمہ) اور روح المعانی میں ہے کہ حق یہ ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے۔ باقی یہ ہو سکتا ہے کہ اسکی بعض افراد صغیرہ ہوں، جیسے کہ وہ غیبت جسکی وجہ سے انسان کو زیادہ ایذا نہیں ہوتی مثلاً اسکے لباس کی مذمت کردی یا سواری کا عیب بیان کر دیا۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اسی طرح سے اسکی بعض افراد نہ صرف کبیرہ بلکہ اکبر الکبائر شمار ہوں گی، جیسے اولیاء و مشائخ اور علماء و صلحاء کی غیبت کرنا فسق و فجور یا اسی کے جیسے الفاظ کے ساتھ جو انتہائی تکلیف دہ ہوتے ہوں۔ اور لائق ہے کہ قدرت دفع کے باوجود انکو سنکر خاموش رہنے والا بھی مانند غیبت کرنے والے ہی کے شمار ہو۔

ویجب علی المغتاب ان یبادر الی التوبۃ بشروطھا فیقلع ویندم خوفا من اللہ تعالی لیخرج من حقہ ثم یستحل المغتاب خوفا لیحلہ فیخرج عن مظلمۃ۔ وقال الحسن یکفیہ الاستغفار عن الاستحلال واحتج بخبر کفارۃ من اغتبتہ ان تستغفر لہ ـــــ وافتی الحیاطی بانھا اذا لم تبلغ المغتاب کفاہ الندم والاستغفار ـــــ وجزم ابن الصباغ بذلک وقال نعم اذا کان تنقصہ عند قوم رجع الیھم واعلمھم ان ذلک لم یکن حقیقۃ وتبعھما کثیرون منھم النووی واختارہ ابن الصلاح فی فتاویہ وغیرہ ـــــ وقال الزرکشی ھو المختار وحکاہ ابن عبد البر عن ابن المبارک وانہ ناظر سفیان فیہ۔ وما یستدل بہ علی لزوم التحلیل محمول علی انہ امر بالافضل او بما یمحو اثر الذنب بالکلیۃ علی الفور۔

(ترجمہ) اور غیبت کرنے والے کے ذمہ واجب ہے کہ شروط توبہ کے ساتھ اس سے توبہ کرنے میں سبقت کرے یعنی اسکا سلسلہ قطعی بند کر دے اور ترک کر دے، اور اللہ تعالیٰ کے روبرو اظہار ندامت کرے انکے عذاب سے ڈرتے ہوئے تاکہ حق اللہ

سے سبکدوش ہو جائے۔ پھر جسکی غیبت کی ہے اس سے معافی طلب کرے کہ اسکے حق سے بھی سبکدوش ہو جائے اور ظلم سے نکل جائے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اہل حق سے معافی کے سلسلے میں بس اسکے لئے استغفار کافی ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے کسی کی غیبت کی ہو اسکا کفارہ یہ ہے کہ اسکے لئے استغفار کرے۔ اور خیاطی نے فتویٰ دیا ہے کہ جب تک اس شخص کو اسکی غیبت نہ پہونچی ہو تو اسوقت تک ندامت اور استغفار کافی ہے (اسکے بعد نہیں)۔ اور ابن صباغ نے بھی اسی کی تائید کی ہے اور اتنا اور کہا ہے کہ ہاں اگر کسی جماعت کے سامنے اسکی تنقیص کی ہے تو انکے پاس جاکر کہے کہ میں نے جو کہا تھا ایسا واقعہ نہیں تھا۔ چنانچہ خیاطی اور ابن صباغ کا ہی کا اتباع بہت سے لوگوں نے کیا ہے۔ ان میں سے نوویؒ شارح مسلم بھی ہیں۔ اور ابن صلاح نے بھی اپنے فتوے میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ اور زرکشی نے کہا ہے کہ یہی مختار ہے۔ ابن عبدالبر نے عبداللہ بن مبارک سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اسی قول پر حضرت سفیانؒ سے مناظرہ تک کیا ہے۔ اور وہ جو کہا گیا ہے کہ معاف کرانا صاحب حق سے واجب ہے تو وہ افضلیت پر محمول ہے یعنی ایسا کرنا بہتر ہے یا یہ کہ معاف کرالے تاکہ گناہ کا اثر بالکلیہ ہی جاتا رہے اور فوراً ختم ہو جائے۔

وماذكر في غير الغائب والميت اما فيهما فينبغي ان يكثر لهما الاستغفار ولا اعتبار بتحليل الورثة على ما صرح به الخياطي وغيره ۔ وكذا الصبي والمجنون بناء على الصحيح من القول بحرمة غيبتهما ۔ قال في الخادم الوجه ان يقال يبقى حق مطالبتهما الى يوم القيامة اي ان تعذر الا ستحلال والتحليل في الدنيا بان مات الصبي صبيا والمجنون مجنونا ويسقط حق الله تعالى بالندم ۔ وهل يكفي الا ستحلال من الغيبة المجهولة ام لا وجهان والذي رجحه في الاذكار انه لا بد من معرفتها لان الانسان قد يسمح عن غيبة دون غيبة وكلام الحليمي وغيره يقتضي الجزم بالصحة من سمح بالعفو من غير كشف فقد وطن نفسه عليه مهما كانت الغيبة ۔ ويندب لمن سئل التحليل ان يحلل ولا يلزمه لان

ذلک تبرع منہ وفضل ۔

(ترجمہ) اور یہ سب جو دربارۂ غیبت احکام بیان ہوئے ہیں یہ غائب شخص اور میت کے علاوہ کے لئے ہیں ۔ بہرحال غائب اور میت تو چاہئے کہ انکے لئے کثرت سے استغفار کرے ۔ اور ان کے ورثہ سے معاف کرانے کے کوئی معنی نہیں اور نہ اسکا اعتبار ہی ہے ۔ خیاطی وغیرہ نے ایسا ہی کہا ہے ۔ یہی مسئلہ صبی (بچے) اور مجنوں کی غیبت کا بھی ہے ۔ اس قول کی رد ہے جس میں انکی غیبت کو بھی حرام کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدلل ہے یہ بات بھی کہ صبی اور مجنوں کا مطالبۂ غیبت قیامت تک باقی رہتا ہے یعنی اگر ان سے معاف نہیں کرا سکا یا انھوں نے دنیا میں معاف نہ کردیا ہو اور انکا انتقال ہوگیا ہو بچے کا بچپن ہی میں اور مجنوں کا دیوانے پن ہی میں تو آخرت میں حق العبد باقی رہیگا یوں حق اللہ غیبت کنندہ کے شرمندہ ہونے کیوجہ سے ساقط ہوجائے گا ۔

رہا یہ کہ آیا کی ہوئی غیبت کی معافی میں اجمالاً معافی طلب کرنا کافی ہے (مثلاً یہ کہ میں نے آپ کو جو کہا ہو معاف فرمائیے گا) یا نہیں بلکہ کیا کہا تھا اسکا بیان کرنا ضروری ہے ؟ اس میں دونوں قول ہیں ۔ لیکن اذکار میں جسکو ترجیح دی گئی ہے وہ یہ قول ہے کہ ہاں اس کی ہوئی غیبت کا پہچنوانا (تعارف) ضروری ہے اسلئے کہ انسان ایک غیبت کو معاف کردیتا ہے ایک کو نہیں تو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ کیسی غیبت تھی ؟

اور حلیمی وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اجمالی معافی ہی صحیح ہے اس لئے کہ جس شخص نے بدون کسی تحقیق و تفتیش کے معاف کردیا تو گویا اس نے خود کو معافی پر آمادہ ہی کرلیا خواہ جیسی بھی غیبت رہی ہو ۔

اور جس شخص سے غیبت کی معافی طلب کی جائے تو اسکے لئے مستحب ہے کہ معاف کردے ۔ اس پر معاف کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ یہ معاف کرنا اسکا تبرع محض اور کرم و فضل ہے جس پر اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا ۔

وکان جمع من السلف واقتدی بھم والدی علیہ الرحمۃ والرضوان یمتنعون من التحلیل مخافۃ التہاون بامر الغیبۃ ویؤید الاول خبرا یعجز

احدکم ان یکون کابی ضمضم کان اذا خرج من بیتہ قال انی تصدقت بعرضی علی الناس ومعناہ لا اطلب مظلمۃ منھم ولا اخاصمھم لا ان الغیبۃ تصیر حلالا لان فیھا حق اللہ تعالیٰ ولانہ عفو واباحۃ للشئی قبل وجوبہ۔

(ترجمہ) چنانچہ سلف کی ایک جماعت جن میں ہمارے والد مرحوم بھی تھے وہ حضرات جلدی سے معاف نہیں فرماتے تھے تاکہ غیبت کے معاملہ میں لوگ ڈھیٹ نہ ہوجائیں کہ جب چاہا غیبت کردی جب چاہا معافی مانگ لی۔ مگر پہلی بات کہ مستحب ہے کہ معاف کردے وہی اولیٰ ہے اسلئے کہ اسکی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص عاجز ہے کہ ابی ضمضم کی مانند ہوجائے جس کا حال یہ تھا کہ جب اپنے گھر سے نکلتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے اپنی آبرو لوگوں کے لئے حلال کردی ہے (جس کا جو جی چاہے مجھے کہے) مطلب یہ کہ میں اس سے اسکی غیبت کا بدلہ نہیں لونگا نہ یہاں نہ آخرت میں۔ باقی اس سے یہ نہیں نکلتا کہ غیبت حلال ہوگئی کیونکہ اس میں حق اللہ بھی تو ہے اور پھر یہ کہ ایک شئے کے واجب ہونے سے پہلے ہی اسکو معاف کرنا اور اس سے درگذر کرنا ہے۔

وسئل الغزالی عن غیبۃ الکافر فقال ھی فی حق المسلم محذورۃ لثلاث علل الایذاء وتنقیص خلق اللہ تعالیٰ وتضییع الوقت بما لا یعنی والاولیٰ یقتضی التحریم والثانیہ الکراھۃ والثالثہ خلاف الاولیٰ۔ واما الذمی فکالمسلم فیما یرجع الی المنع عن الایذاء لان الشرع عصم عرضہ ودمہ ومالہ۔ واما الحربی فغیبتہ لیست بحرام علی الاولیٰ وتکرہ علی الثانیہ وخلاف الاولیٰ علی الثالثۃ۔ واما المبتدع فان کفر فکالحربی والا فکالمسلم واما ذکرہ ببدعتہ فلیس مکروھًا۔

واکثر الناس بھا مولعون ویقولون ھی صابون القلوب وان لھا حلاوۃ کحلاوۃ التمر وضراوۃ کضراوۃ الخمر وھی فی الحقیقۃ کما قال ابن عباسؓ وعلی بن الحسینؓ الغیبۃ ادام کلاب الناس نسأل اللہ تعالیٰ التوفیق لما یحب ویرضیٰ (روح المعانی ص۱۴۵-۱۴۶ ج۲۶ پ۲۶)

(ترجمہ) امام غزالیؒ سے کافر کی غیبت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا
کہ دیکھو! غیبت مسلم کے حق میں تین باتوں کی وجہ سے بری ہے ایک ایذار مسلم۔ دوسرے تنقیص
خلق اللہ تعالیٰ۔ تیسرے بیکار بات میں لگ کر تضییع اوقات کرنا۔ تو اول کا تقاضا یہ ہے
کہ حرام ہو۔ دوسرے کا یہ ہے کہ مکروہ ہو۔ اور تیسرے کا یہ ہے کہ خلاف اولیٰ ہو۔ رہا
ذمی کا معاملہ تو وہ منع ہے ایذار کی رو سے مانند مسلم کے کیونکہ شریعت نے اسکی بھی عزت
آبرو خون اور مال کا تحفظ کر دیا ہے۔ باقی رہا کافر حربی تو اسکی غیبت حرام نہیں ہے اول
ول کی رو سے۔ اور ثانی کے اعتبار سے مکروہ ہے۔ اور ثالث کی رو سے خلاف اولیٰ
ہے۔ رہا بدعتی تو اگر اسکی بدعت بحد کفر پہونچ گئی ہے ہو تو اسکا حکم حربی جیسا ہے ورنہ
مسلم کا جو حکم ہے وہی اسکا بھی حکم ہے اور اسکا تذکرہ اسکے بدعت کے ساتھ کرنا یہ مکروہ بھی
نہیں ہے۔

مگر غیبت کا حال یہ ہے کہ آج اکثر و بیشتر لوگ اسکے عاشق اور والہ و شیدا
نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارے صاحب یہ تو قلوب کا صابون ہے۔ اور اس میں ایسی لذت
اور شیرینی ہے جیسے کھجور میں ہوتی ہے اور ایسا سرور ہے جیسا شراب میں ہوتا ہے (یہ تو لوگوں کا
خیال ہے جسے زبان حال سے تو سب ہی اور زبان قال سے کوئی کوئی بیان کرتا ہے) باقی
حقیقت یہ ہے کہ بقول حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور علی بن حسینؓ کے دوزخ کے کتوں کا سالن
ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم اس کام کے کرنے کی توفیق طلب کرتے ہیں جو اسکو پسند ہو اور
جس سے وہ راضی ہو۔ (روح المعانی پ ۲۶ ص ۱۴۵)

(الدین النصیحۃ)

قال المارزی النصیحۃ مشتقۃ من نصحت العسل اذا صفیتہ یقال
نصح الشئی اذا خلص ونصح لہ القول اذا اخلصہ لہ۔ او مشتقۃ من
النصح وھی الخیاطۃ بالنصیحۃ وھی الابرۃ والمعنی انہ یلم شعث اخیہ

بالنصح کما تلم المنصحۃ ومنہ التوبۃ النصوح کان الذنب یمزق الدین والتوبہ تخیط۔

قال الخطابی النصیحۃ کلمۃ جامعۃ معناھا حیازۃ الحظ للمنصوح لہ وھی من وجیز الکلام بل لیس فی الکلام کلمۃ مفرد تستوفی بھا العبارۃ عن معنی ھذہ الکلمۃ (فتح الباری ص ۱۰۳ ج ۱)

(ترجمہ) علامہ مازریؒ فرماتے ہیں نصیحۃ مشتق ہے نصحت العسل سے جبکہ تم اس کو موم وغیرہ سے صاف کرلو اور کہا جاتا ہے نصح الشئی جب کسی چیز کو جملہ آمیزش سے صاف کردیا جائے اور بولتے ہیں نصح لہ القول جبکہ اس سے اخلاص کے ساتھ کوئی بات کہے یا یہ مشتق ہے نصح سے جسکے معنی سوئی سے سینے کے آتے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ یہ شخص بھی گویا نصیحت کرکے اپنے بھائی کے خلقی شگاف کو پُر کردیتا ہے جس طرح سے کہ سوئی خرقی شگاف کو رفو کردیتی ہے۔ اسی سے توبۃ النصوح بولا جاتا ہے یعنی خالص توبہ گویا کہ گناہ نے اسکے دین کو پارہ پارہ کردیا تھا اور توبہ نے اسکو سی دیا۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ نصیحۃ ایک نہایت ہی جامع کلمہ ہے مطلب یہ کہ منصوح لہ یعنی جسکو نصیحت کی گئی ہو اسکے لئے حظ وافر سعادتوں کا سمیٹ دینا۔ چنانچہ یہ بلاغۃ کی رو سے غایت ایجاز والا کلام شمار کیا گیا ہے بلکہ کلام عرب میں کوئی ایک کلمہ ایسا نہیں ہے جو اسکے مفہوم کو ادا کرسکے۔ (فتح الباری)

فرمایا کہ۔۔۔ یوں تو شرح فتح الباری ساری کی ساری بے نظیر کتاب ہے لیکن منجملہ ان مقامات کے جہاں صاحب فتح الباریؒ نے کمال ہی کردیا ہے اور بہت ہی اچھا لکھا ہے ایک یہ مقام بھی ہے۔ جس طرح سے کہ لفظ نصیحۃ بے مثل تھا کہ اپنی نظیر آپ ہی تھا کسی دوسرے لفظ مفرد سے اسکی تشریح ممکن نہیں اسی طرح اسکی شرح میں مؤلف نے بے مثل کلام کیا ہے جس پر مزید کی حاجت نہیں۔ بس ایک شعر اسی کے مناسب سن لو سه

چاک دل تیغ تغافل سے کیا ہے تم نے
رشتۂ تار نظر سے اسے سینا ہوگا

(مسئلہ استیذان)

(چونکہ دین میں حسن خُلق اور حسن معاشرت دونوں توام ہیں اسلئے اخلاق کے ذکر کے ساتھ ہی ساتھ معاشرت کا ایک اہم شعبہ مسئلہ استیذان کے متعلق حضرت مصلح الامۃ رح کے ارشادات سنیئے ۔ (از ناقل)

فرمایا کہ ـــــ اسلامی تعلیم کی جو خصوصیات ہیں ان میں سے ایک مسئلہ استیذان بھی ہے اور جسطرح سے یہ مسئلہ نقلی ہے عقلی بھی ہے یعنی کتاب و سنت سے بھی اسکا ثبوت ہے اور دنیوی زندگی میں بھی اسکی ضرورت ہے اور اسکے منافع مشاہد ہیں ۔ اسوقت اسی مسئلہ پر کچھ تفصیل سے کلام کرنا چاہتا ہوں ۔ سنیئے !

اللہ تعالیٰ سورۂ نور میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یا ایہا الذین امنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا و تسلموا علی اھلھا ط ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون ہ فان لم تجدوا فیھا احداً فلا تدخلوھا حتی یوذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکیٰ لکم واللہ بما تعملون علیم ہ لیس علیکم جناحٌ ان تدخلوا بیوتاً غیر مسکونۃٍ فیھا متاعٌ لکم واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون ہ یعنی اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو ۔ پھر اگر ان گھروں میں تمکو کوئی معلوم نہ ہو تو ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک تم کو اجازت نہ دے دی جائے اور اگر تم سے یہ کہدیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے ۔ تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں کوئی نہ رہتا ہو ان میں تمہاری کچھ برتنے کی چیز ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں استیذان کی جملہ صورتوں کا ذکر اور انکا حکم بیان

فرمایا ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے بیان القرآن میں ان آیات کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ کہ مکانات کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔ ایک خاص اپنے رہنے کا گھر جس میں دوسرے کے آنے کا احتمال ہی نہیں۔

۲۔ دوسرا جس میں کوئی اور بھی رہتا ہو، گو وہ محارم ہی کیوں نہوں، یا کسی کے آجانے کا اس میں احتمال ہو۔

۳۔ جس میں بالفعل کسی کا رہنا یا نہ رہنا دونوں محتمل ہوں۔

۴۔ چوتھا جس میں کسی کی خاص سکونت نہ رہنا متیقن ہو جیسے مدرسہ۔ خانقاہ، سرائے وغیرہ

پس قسم اول کا تو حکم یہ ہے کہ اس میں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ علت وجوب استیذان کی وہاں منتفی ہے۔ اور قسم دوم کا حکم یہ ہے جو پہلی آیت میں بیان ہوا یعنی یہی کہ بدون اجازت حاصل کیے، ان میں داخل ہونا جائز نہیں یعنی اول سلام کرکے ان سے پوچھو کہ ہم آویں اور ویسے ہی بے اجازت لئے ہوئے مت گھس جاؤ، اسلئے کہ بے پوچھے چلے جانے میں احتمال ہے ناجائز موقع پر نظر پڑ جانیکا یا گھر والوں کی ایسی حالت پر مطلع ہو جانے کا جس پر مطلع ہونا انکو ناگوار ہے۔ اسی لیے شرع میں تجسس کی ممانعت ہے۔ غرض اس صورت میں جو مفاسد مرتب ہو سکتے ہیں وہ اس ذلت وہمیہ سے جو استیذان میں سمجھی جاتی ہے کہیں زائد ہیں۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر اگر ان گھروں میں تمکو کوئی آدمی نہ معلوم ہو تو ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (صاحب خانہ کی جانب سے) اجازت نہ دی جاوے۔ یہ قسم سوم کا حکم ہوا۔ اور آگے چوتھی قسم کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ تم کو ایسے مکانات میں بے خاص اجازت کے چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں گھر کے طور پر کوئی نہ رہتا ہو اور ان میں تمھاری کچھ برت ہو۔ یعنی تمھارے استعمال کرنیکی اور تمھارے ضروریات کی چیزیں موجود ہوں جنکی وجہ سے تمھیں اس میں آنا جانا پڑتا ہے۔

(فائدہ) یہ مسئلہ استیذان کا زنانہ و مردانہ سب گھروں کیلئے ہے۔ افسوس ہے اس سے بعض دوسری قومیں منتفع ہورہی ہیں اور مسلمانوں سے یہ بالکل متروک ہوگیا ہے۔

استیذان واجب ہے اور تقدیم سلام سنت ہے اور اپنے جس گھر میں یقیناً بجز منکوحہ ومملوکہ شرعی کے کوئی نہ ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے ورنہ وہ بیوت بھی اشتراک علت کی وجہ سے غیر بیوتکم کے حکم میں ہو جائیں گے (یعنی اگر دوسرے لوگ ہوں تو پھر یہاں بھی اجازت لیکر آنا ہوگا) اور وہ مردانہ مکان بھی اس سے مستثنیٰ ہے جہاں آدمی اسی غرض سے بیٹھا ہو کہ جسکا دل چاہے ملنے کو آوے اسلئے کہ یہاں دلالۃً اذن (اجازت ۱۲) موجود ہے اور جو مکان خلوت و آرام کیلئے مخصوص ہے گو مردانہ ہی ہو یا مکان ملاقات کا خلوت خانہ بن جانا کسی وقت قرائن سے معلوم ہو جائے وہاں استیذان کی حاجت ہوگی۔ نیز یہاں خطاب ہر چند مردوں سے ہے مگر عورتوں کا حکم بھی یہی ہے۔ (بیان القرآن ص۱۳ ج ۸)

دیکھا آپ نے استیذان کے متعلق کتنی تفصیل کے ساتھ احکام بیان کئے گئے ہیں اب اسکا حکم احادیث سے سنیئے:۔

(۱) ایک صحابیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کا کچھ تحفہ لیکر حاضر ہوا اور بغیر سلام کئے ہوئے اور بدون اجازت طلب کئے ہوئے سیدھا آپؐ کے پاس جا پہونچا آپؐ نے (تعلیماً اور تادیباً) ارشاد فرمایا کہ باہر واپس جاؤ اور پھر آکر سلام کرو اور یہ کہو کہ کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟

(۲) اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضورؐ کے ہمراہ دولت خانہ پر حاضر ہوا وہاں آپ نے ایک پیالہ میں کچھ دودھ رکھا ہوا دیکھا مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ پس میں انھیں بلا لایا وہ لوگ حاضر ہوئے اور آپؐ سے اندر آنے کی اجازت چاہی آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی تب وہ سب داخل ہوئے۔

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ابو موسیٰؓ (اشعری) آئے اور یہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے یہاں مجھے بلوایا میں انکے مکان پر حاضر ہوا اور دروازہ پر پہونچکر تین بار سلام کیا بالآخر جب کچھ جواب نہ ملا تو میں واپس چلا آیا پھر (دوسرے موقعہ پر) انھوں نے مجھ سے اس پر جواب طلب کر لیا فرمایا کہ میں نے تمھیں بلایا تھا تم کیوں نہیں آئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں در دولت پر

حاضر ہوا تھا اور تین بار باہر ہی سے سلام کیا جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو میں واپس چلا آیا۔ اسلئے کہ خود مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص تین بار اجازت طلب کرے اور اسکو کوئی جواب نہ ملے تو چاہیئے کہ واپس چلا آئے یہ سنکر حضرت عمرؓ بولے کہ اپنے اس قول پر شہادت پیش کرو۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں انکے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اسکی شہادت دی کہ ہاں یہ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

دیکھئے ان سب روایات سے بھی استیذان کا ثبوت ہوتا ہے اور ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسکا کس درجہ اہتمام تھا کہ بلا اذن کے جو شخص اندر داخل ہو جاتا تھا تو تنبیہاً و تادیباً اسکو واپس کر دیا جاتا تھا اور اس سے کہا جاتا تھا کہ جاؤ اجازت لیکر تب آؤ۔

اسی طرح بہت سی احادیث اس قسم کی آئی ہیں جنمیں اسکا طریقہ اور اسکے آداب بھی مذکور ہیں مثلاً یہ کہ :-

(۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کے قرض کے متعلق کچھ گفتگو کرنے کیلئے حاضر ہوا میں نے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی آپؐ نے گھر میں سے دریافت فرمایا کہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں۔ آپؐ نے بطور ناگواری کے فرمایا کہ میں میں کیا کہتے ہو؟ مطلب یہ تھا کہ صراحۃً اپنا نام بتلانا چاہیے۔ آنیوالا اس خیال میں رہتا ہے کہ میری آواز اور میرے لہجے سے مجھکو پہچان ہی جائینگے لیکن یہ ضروری نہیں ہے بعض مرتبہ محض آواز و لہجے سے اندازہ نہیں لگتا کہ آنیوالا کون ہے اسلئے سوال کا جواب نہ پاکر صاحب خانہ کو ضیق ہوتی ہے۔ اس حدیث میں اسی ادب کا بتانا مقصود ہے

اور سنیئے :-

(۵) حضرت عطاء ابن یسارؓ کہتے ہیں کہ (مسئلہ استیذان کی وضاحت طلب کرتے ہوئے) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا اگر مکان میں میری والدہ ہی تنہا ہوں تو اسکے لئے بھی اجازت کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ

ہاں۔ اس نے پھر پوچھا کہ اگر میں والدہ کے ساتھ اسی کمرے میں رہتا ہوں تو کیا جب بھی اندر جانا چاہوں تو اجازت لوں؟ آپؐ نے پھر فرمایا کہ ہاں۔ اس نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہی اسکا خادم بھی ہوں یعنی بکثرت اسکے پاس آنا جانا ہوتا ہے تو کیا مجھے ہر بار اندر جانے میں اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں بھائی اجازت لیکر تب اسکے پاس جاؤ، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اسکو ننگا دیکھو؟ اسنے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ بس تو پہلے اجازت لے لو پھر اندر جاؤ۔ خدا معلوم وہ اندر کس حال میں ہو

(۶) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معمولاً ایک بار رات میں تشریف لاتے تھے اور ایکبار دن میں۔ چنانچہ جب رات ہوتی تو آپ کے استیذان کی علامت آپکا کھانس دینا یا کھنکھار دینا ہوتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ استیذان کیلئے زبان ہی سے کچھ کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر وہ فعل وعمل جس سے صاحب خانہ کو کسی کا آنا اور داخلہ کی اجازت چاہنا مفہوم ہو جائے استیذان کے لئے کافی ہے۔

دیکھا آپ نے احادیث میں بھی استیذان کے متعلق کتنی تفصیل اور تاکید موجود ہے اسی لئے میں نے کہا تھا کہ مسئلہ استیذان نقلی بھی ہے اور عقلی بھی۔ بہرحال اسکا نقلی ہونا تو کتاب وسنت کی ان تنصیصات سے معلوم ہوا۔ رہا اسکا عقلی ہونا تو اسکے متعلق کہتا ہوں کہ یہ بہت سے مصالح پر مبنی ہے۔ مثلاً ایک فائدہ اسکا یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایک شخص تنہائی میں کسی ایسی ہیئت میں ہوتا ہے یا کسی ایسے فعل میں مشغول ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا اس پر مطلع ہونا اسے پسند نہیں ہوتا اب اگر آنے والے آنے سے پہلے اجازت طلب کرلیں تو وہ فوراً اپنا حال اور اپنی ہیئت درست کرلے گا اور آنیوالے کے اچانک داخلہ سے اسے جو خفت ہوتی یا تکدر ہوتا اس سے بچ جائے گا جیسا کہ ابھی اوپر حدیث میں گذرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کرنے والے کو یہی کہکر سمجھایا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اپنی ماں کو ننگا دیکھو۔

اسی طرح سے ایک فائدہ مثلاً اس میں یہ ہے کہ ان آنے والوں میں بہت سے نئے نئے لوگ بھی ہوتے ہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ چھپ کر ان میں کوئی دشمن ہی آجاوے

اور ایذا رسانی پہنچا دے لیکن جب اطلاع ضروری کر دیجائیگی تو کم از کم اتنا تو ہو ہی جائیگا کہ شخص بھی سنبھل کر بیٹھ جائے گا اور غفلت کا شکار نہ رہے گا۔ اب اگر خدا نخواستہ وہ آنیوالا کسی بری ہی نیت سے آیا ہوگا تو چونکہ اسکا آنا اسکے علم میں بھی ہوگا اسلئے اسکے ضرر سے بہت کچھ اپنے کو بچا سکے گا کیونکہ بیدار میں اور غافل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ لوگ تنہائی میں اپنے فریق کو پاکر چھرا تک مار دیتے ہیں اور قتل کر دیتے ہیں مگر آج اگر مشائخ کتاب وسنت کے اتباع میں اہل شر سے اپنی حفاظت کے لئے مسئلہ استیذان پر عمل کریں تو مورد الزام ٹھیرائے جاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور یہ حضرات مسلم اخلاق ہوتے ہیں لیکن انکی اسی روک ٹوک کو بداخلاقی سے تعبیر کیا ہے اسقدر جہل کا دور دورہ ہوگیا ہے۔

بہرحال اسکو بداخلاقی کہیئے یا جو کچھ بھی کہیئے اب یہ سب آداب معاشرت مشائخ ہی سکھلاتے ہیں۔ مدارس میں بھی ان سب امور سے بحث نہیں کیجاتی یہی وجہ ہے کہ لوگ فارغ التحصیل ہو جاتے ہیں لیکن ان چیزوں کے مسائل تک نہیں جانتے۔ خود مجھے اس کا تجربہ ہوا۔ جب میں وطن میں تھا تو ایک مولوی صاحب مجھ سے ملنے کے لئے آئے گھر میں عورتیں نہیں تھیں اسلئے میں اوپر اپنی نشست گاہ کے بجائے نیچے ہی مکان کے اندر تھا انکو لیکر اوپر جانے میں کچھ کسل سا معلوم ہوا اسلئے میں نے انھیں کو مکان کے اندر بلالیا اور ان سے کہا کہ یہیں چلے آئیے یہیں آپ سے کچھ بات کریں۔ چنانچہ وہ مولوی صاحب اندر تشریف لے آئے، بس یہ بات ختم ہوئی۔ پھر اسکے بعد یہ ہوا کہ ایک سال کے بعد پھر یہی مولوی صاحب دوبارہ تشریف لائے اور بغیر پکارے اور اجازت لئے ہوئے سیدھے گھر میں گھس گئے۔ عورتیں انھیں دیکھکر بھاگیں ۔ میری نشستگاہ اوپر تھی ہمیشہ وہیں بیٹھا کرتا تھا صرف ایک دن کیلئے گھر کے اندر بیٹھ گیا تھا اور ان مولوی صاحب کو بلالیا تھا پس جو دائمی معمول تھا اسے تو بھول گئے اور جو اتفاقی صورت تھی اسے انھوں نے قاعدہ کلیہ سمجھ لیا۔ اسکا تعلق تو عقل سے ہے موٹی بات ہے کہ آدمی کسی کے گھر کے اندر بغیر اجازت کے داخل نہیں ہوا کرتا اور ان مولوی صاحب کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہ آئی اور لطف یہ کہ مجھ سے

اسکو بتلایا بھی نہیں اسکا علم مجھے عورتوں سے ہوا جب انھوں نے یہ کہا کہ آج تو کوئی مہمان گھر کے اندر گھس آئے تھے میرا خیال انھیں کے متعلق ہوا کہ یہی صاحب ہونگے چنانچہ وہ صحیح نکلا۔

اسی طرح ایک اور صاحب کا واقعہ ہے میں نے اسے بمبئی میں بھی بیان کیا تھا تو لوگوں نے اسے بہت پسند کیا اسلئے کہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہم شریعت کو چھوڑ کر کے کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور پھر بھی ہوش درست نہیں ہوتے۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ ایک صاحب اپنے ایک عزیز کے یہاں جاتے تھے تو مکان کے اندر بلا اجازت داخل ہوجاتے تھے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ انکے ان عزیز نے وہ مکان چھوڑ کر دوسرا مکان کرایہ پر لے لیا۔ انھیں اسکا علم نہ تھا آپ حسب معمول انکے یہاں گئے اور دندناتے ہوئے اندر چلے گئے اور حسب دستور پان بنا کر پان کھانے لگے گھر میں کوئی مرد نہیں تھا ایک بی بی نماز پڑھ رہی تھیں نماز ختم کر کے وہ اندر کو بھاگیں تب انکو خیال ہوا کہ کیا بات ہے یہاں تو کوئی مجھ سے پردہ نہیں کرتا تھا یہ کوئی دوسرے لوگ ہیں کیا؟ یہ خیال کر کے باہر کی طرف چلے اتنے میں صاحب خانہ آگئے وہ شریف لوگ تھے انھوں نے سمجھ لیا کہ انھیں کچھ غلط فہمی ہوئی اور ان سے کہا کہ اس مکان میں جو لوگ رہتے تھے وہ اب فلاں جگہ رہتے ہیں یہاں نہیں رہتے۔ یہ سن کر ان پر بھی گھڑوں پانی پڑ گیا کہ کیا غلطی ہوئی۔ اگر یہ اجازت لیکر اندر داخل ہوئے ہوتے تو یہ شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔

یہ سب خرابیاں اس وجہ سے ہیں کہ ہم لوگ عقل سے بھی کام نہیں لیتے آج قوم ڈوبی کہاں سے یہیں سے کہ ان کے جو پڑھے لکھے ہیں (مولوی مولانا کہلاتے ہیں) وہ بھی فہم و عقل سے کورے ہیں۔ آج یہ لوگ اپنے علم و عقل سے کام لیتے تو دنیا کو روشن کر دیتے مگر روشنی جو نہیں پھیل رہی ہے وہ اسی لئے کہ نہ سنت کا چراغ موجود ہے اور نہ عقل و فہم کی روشنی۔ یہ لوگ اپنی عقل اور اپنے علم کو کافی سمجھتے ہیں اسلئے کہیں آنے جانے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کرتے اور نہ کسی کی صحبت اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ انسان میں دین و دیانت جو آئی ہے تو وہ بزرگوں کی صحبت ہی سے۔ پس جب ان جگہوں کے ہی یہ لوگ قائل نہیں۔

تو پھر رسمی علم تک محدود رہتے ہیں اسکی حقیقت اور اسکے ثمرات یعنی عمل و اخلاص سے محروم رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ظاہری علم کے باوجود انکے معاملات، معاشرت اور اخلاق سبھی فاسد رہتے ہیں اور ان چیزوں سے اتنا بُعد ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی بتلانے والا ان امور کی تعلیم کرتا ہے تو اسکی تعلیمات انھیں اجنبی معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کی عقل اور انکے احساس کو کیا ہو گیا کہ اپنے نفع و نقصان کی بات بھی انکی سمجھ میں نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ جب لوگ ان اصول سے ایسے موحش ہونگے تو وہ انپر عمل کیا کرینگے چنانچہ اسکا تجربہ ابھی اس بیماری میں خوب خوب ہوا۔ یعنی یہ دیکھا کہ لوگ ذرا کسی کی رعایت نہیں کرنا چاہتے، میں مریض تھا اب کسی مریض کو اگر چوبیس گھنٹہ لوگ گھیرے رہیں تو آپ سے پوچھتا ہوں کہ اسکا کیا حال ہو گا؟ بعض دفعہ مریض کو تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسکو میں نے لوگوں سے صاف صاف کہہ بھی دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے اور انکے طرز عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ پیر کو بیمار ہونے کا کیا حق ہے یہی حال یہاں دیکھا یہی لکھنؤ میں دیکھا یہی بمبئی میں دیکھا، اب مصر اور حرمین ہی باقی رہ گیا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ساری ہی دنیا کا ایک ہی حال ہو گیا ہے۔ جب ان لوگوں کی حرکتوں سے تنگ آگیا تو مجبور ہو کر لکھنؤ میں میں نے اپنے پاس رہنے والے دو آدمیوں کو مقرر کیا کہ آپ لوگ باہر بیٹھئے اور اور کسی کو اندر نہ آنے دیجئے لوگ بس وقت وقت پر ملاقات کریں لیکن میں اسمیں کامیاب نہیں ہو سکا جو دن مسہل کا ہوتا تھا اس دن اور زیادہ لوگ آجاتے تھے اور جو جس وقت آتا تھا تو یہ چاہتا تھا کہ ابھی ملاقات کرا دی جائے اور نہ صرف ملاقات ہی بلکہ بعض بعض تو بیعت کی درخواست کرتے تھے۔ سنا آپ نے یہاں یہ حال کہ بیٹھنے تک کی سکت نہ تھی کسی نہ کسی طرح ٹیک اور تکیوں کے سہارے بڑی مشکل سے بیٹھتا تھا اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے کسی کسی دن تو ایسی حالت ہو جاتی تھی کہ منھ سے آواز ہی نہ نکلتی تھی اسیوقت کوئی شخص آجاتا اور درخواست کرتا کہ مجھے بیعت کر لو۔ اب آپ ہی سے کہتا ہوں کہ اسکو کیا کہئے گا؟ آپ کو اختیار ہے چاہے اسکو عقیدت کہہ لیجئے چاہے

حماقت کہہ لیجئے، اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ مجھ سے بولا تو جا نہیں رہا ہے پھر کیسے خطبہ پڑھونگا اور کیسے اپنی زبان سے الفاظ بیعت کہلاؤنگا مگر انکو اس سے کیا مطلب؟ انکو تو اپنی غرض پوری ہونے سے کام۔ یہ مہذب اور شائستہ لوگوں کا حال بیان کر رہا ہوں جاہل اور دیہاتیوں کا نہیں۔ اب اگر انکی حرکات کو دیکھکر باہر جو لوگ بیٹھے ہوتے وہ انھیں روکتے تو الٹے انھیں کو بد اخلاق کہتے اور ناگوار مانتے تھے۔

ایک مرتبہ اسی طرح ایک صاحب ملنے آئے لوگوں نے مناسب موقعہ نہ دیکھکر انھیں روکنا چاہا اس پر انھوں نے کہا ہم تو پہلے جب آتے تھے تو حضرت ہمکو اندر بلا لیتے تھے چنانچہ ہم برابر اندر چلے جاتے تھے اب کیا بات ہوگئی کہ آپ لوگ مجھے اندر نہیں جانے دیتے۔ کسی صاحب نے کہا کہ ہاں حکیم صاحب نے اب منع فرمایا ہے اور حکیم صاحب کا قول حضرت کے ارشاد کیلئے ناسخ ہے۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا تو میں نے لوگوں سے کہا کہ یہ کیسا ہے کہ آپ لوگ سمجھیں کہ حکیم صاحب کا قول میرے قول کے لئے ناسخ ہے؟ ایک صاحب نے کہا کہ یہ عنوان اور تعبیر صحیح نہیں تھی اپنے شیخ کے متعلق یہ کہنا کہ انکا قول منسوخ ہوگیا اور اسکے مقابلے میں کسی دوسرے قول کو ناسخ قرار دینا یہ ادب شیخ کے خلاف ہے۔ اس بات کو کہنا ہی تھا تو یوں کہتے کہ آپ جو بات فرمارہے ہیں وہ حالت صحت کی بات ہے اور اب حضرت کی طبیعت ناساز ہے دوسرے قسم کے حالات ہوگئے ہیں لہٰذا اسکا حکم بھی پہلے سے مختلف ہوگیا ہے بس اس صورت میں حضرت ہی کا ایک حال دوسرے حال کیلئے ناسخ ہوا یوں کہتے تو یہ بات صحیح ہوتی۔ بہرحال کہانتک جزئیات کا احاطہ کروں، آدمی جب صحیح اصول چھوڑ دیتا ہے تو پھر بے اصولی ہی اسکا اصول بنجاتا ہے اور وہ اصول سے ایسا ہی گھبراتا ہے جیسا کہ با اصول شخص بے اصولی سے۔ اسی لئے با اصول شخص اور بے اصول شخص میں ہمیشہ جنگ ہی رہتی ہے۔

پٹنہ کے ایک وکیل صاحب پہلی بار جب حضرتؒ کے یہاں تھانہ بھون حاضر ہوئے اور وہاں سے مکان واپس پہونچے تو ان کے دوست احباب یعنی دوسرے وکلاء

نے انکو گھیر لیا اور ان سے پوچھا کہ کہئے حضرت مولانا کو کیسا پایا؟ انھوں نے یہ اسلئے پوچھا کہ حضرت مولانا کے متعلق غلط سلط کچھ اس قسم کی باتیں مشہور ہوگئی تھیں کہ بہت سخت ہیں، انھوں نے کہا کہ بھائی سنو! بات یہ ہے کہ حضرت مولانا ہیں با اصول انسان اور دنیا ہوگئی ہے بے اصول، بے اصولوں کو اصول کی پابندی شاق گذرتی ہی ہے۔ ان لوگوں نے کہا بس بس بات خوب اچھی طرح سے سمجھ میں آگئی، فہیم شخص تھے ایک جملہ میں انکا اشکال حل کردیا۔

اسی طرح سے آج لوگ ہوگئے ہیں آزاد کسی پابندی کو اپنی آزادی میں مخل سمجھتے ہیں اسلئے اسکے لئے تیار نہیں۔ اب مثلاً یہ استیذان ہی کا مسئلہ ہے، آپ نے دیکھا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے شریعت کا حکم ہے لیکن اہل نفس پر شاق ہے۔ جس طرح سے اس پر عدم عمل کا منشا کبھی یہ حالت ہوتی ہے اسی طرح سے آدمی کبھی کبر ونخوت کیوجہ سے بھی اسپر عمل نہیں کرتا اسلئے کہ یہ سمجھتا ہے کہ اطلاع کرکے جانا اس میں میری کسرشان ہے بڑائی تو اسی میں ہے کہ کسی کے پاس جائے تو دندناتا ہوا سیدھا اندر پہونچ جائے۔ یہاں آپ کے الہ آباد میں بھی ایک صاحب تشریف لائے تھے ایک مولوی صاحب جو باہر کے کمرے میں موجود تھے انھوں نے نہایت نرمی سے کہا کہ تشریف رکھئے میں ذرا اطلاع کردوں تب جائیے۔ بس اسی اتنے سے خفا ہوگئے کہنے لگے کہ آپ مجھے پہچانتے نہیں انکی آواز کی تیزی سنکر میں بھی باہر نکل آیا دیکھا کہ فلاں صاحب ہیں۔ میں نے کہا کہ آئیے آئیے تشریف لائیے۔ غرض انسے بات چیت کی پھر جب وہ جانے لگے تو میں نے سوچا کہ انکا علاج کرنا چاہئے اسلئے انھیں مولوی صاحب کو بلایا اور ان سے کہا کہ ان دونوں حضرات کو میری طرف سے چائے پلائیے۔ کچھ دنوں کے بعد پھر ایکدن میں جب صبح تفریح سے واپس آیا تو دیکھا کہ وہی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں میں نے انھیں مولوی صاحب کو پھر بلوایا اور ان سے کہا کہ آپ کے دوست آئے ہوئے ہیں پہلے انکو چائے پلائیے تب مجلس میں لے آئیے چنانچہ وہ انھیں لیگئے اور ناشتہ وغیرہ کرایا اثنار ناشتہ میں وہ صاحب (جو پہلی بار خفا ہوئے تھے) اپنے ساتھی سے کہتے تھے کہ یہ سب لوگ مولانا کے تربیت یافتہ ہیں بڑے خوش اخلاق اور نہایت اچھے لوگ ہیں۔ میں نے جب یہ سنا تو کہا کہ ٹھیک ہی تو کہا اب اس زمانے میں یہی معیار اخلاق رہ گیا ہے۔

بہر حال اس واقعہ کے سنانے سے مقصد یہ ہے کہ ایک دن تو یہ تھا کہ انھیں مولوی صاحب پر وہ صاحب برس پڑے تھے اور ایک وقت وہ آیا کہ انکی تعریف کرنے لگے۔ اب اس زمانے میں کسی چیز کی اچھائی اور برائی کا معیار خود انسان کا نفس رہ گیا ہے۔ جو چیز نفس کے موافق ہو وہ اچھی ہے اور جو خلاف ہو وہ بُری ہے۔

چنانچہ استیذان بھی جو بہت سے نفوس پر شاق ہے تو اسی لئے کہ شیطان نے یہ سمجھا رکھا ہے کہ اگر کسی کے ذریعہ سے پوچھکر اور اطلاع دیکر گئے تو یہ تو بالواسطہ ملنا ہوا، اصل ملنا تو یہ ہے کہ بلا واسطہ ملاقات کیجائے کسی کا ممنون احسان نہونا پڑے۔ اسلئے کہ اس میں اپنی ہیٹی محسوس کرتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا تکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نفس کے ان کیدوں سے محفوظ رکھے اور شیطان سے حفاظت وصیانت فرمائے۔ آمین

سیادت حاصل ہونے کیلئے

علم کیساتھ حسن خلق سے متصف ہونا ضروری ہے

عن ابن مسعودؓ قال لو ان اهل العلم صانوا العلم و وضعوه عند اهله لسادوا به اهل زمانهم لكنهم بذلوه لاهل الدنيا لينالوا به من دنياهم فهانوا عليهم (ابن ماجه ص۲۳)

(ترجمہ) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی حفاظت کرتے اور اسکو اسکے اہل کے پاس رکھتے تو اسکی وجہ سے اہل زمانہ کے سردار ہوجاتے مگر انلوگوں نے اہل دنیا کیلئے صرف کیا تاکہ انکی دنیا سے کچھ حاصل کریں تو دنیاداروں کے نزدیک ذلیل وخوار ہوگئے۔

فرمایا کہ ــــــ حضرت ابن مسعودؓ نے اس اثر میں نہایت اہم باتیں بیان فرمائی ہیں: علماء کو علم کی حفاظت کیطرف ابھارا ہے اور علم کی حفاظت کا طریقہ بھی ارشاد فرمایا ہے

وہ اسطرح کہ علم کو اسکے اہل کے پاس رکھنا بھی اسکی حفاظت ہے اور زیادت کہ اسی پر مرتب فرمایا ہے اس لئے کہ علماء کی شہرت زیادہ تران کے شاگردوں ہی سے ہوتی ہے۔ جب شاگرد اہل و لائق ہوتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں تو بہت جلد اس شخص کی شہرت عالم میں ہو جاتی ہے اور وہ شخص مقتدا اور پیشوا بنا لیا جاتا ہے۔

محشی نے علم کی حفاظت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ علماء اپنے نفوس کو ظلم کی ملازمت اور دنیاداروں کی مصاحبت سے بچا دیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ تو خود علماء کے نفوس کی حفاظت ہوئی، یہ بھی ضروری ہے، لیکن ابن مسعودؓ علم کی حفاظت کو فرما رہے ہیں تو وہ اسطرح ہوگی کہ اسکو غیر اہل سے بچایا جائے۔ چنانچہ خود ارشاد فرمایا "وضعوا عند اہلہ"۔

میں اسکو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ ایک بادشاہ کے پاس ایک باز تھا بادشاہ اس سے بہت محبت کرتا تھا ایک دن وہ باز اڑکر ایک بڑھیا کے یہاں چلا گیا، بڑھیا نے اسکو پکڑلیا جب اسکی چونچ کو ٹیڑھی دیکھا تو یہ خیال کیا کہ اسکو دانہ اٹھانے میں دقت ہوتی ہوگی اسلئے قینچی سے اسکی چونچ کو کاٹ دیا۔ پھر چنگل پر نظر کیا تو وہ بھی بڑھے ہوئے نظر آئے تو اسکو بھی کاٹ دیا غرض اسکو ہر طرح سے ضائع ہی کردیا۔ ادھر بادشاہ کی طرف سے تلاش جاری تھی آخر تلاش کرنے والے بڑھیا کے گھر پہونچ گئے اور باز کو پکڑکر بادشاہ کیخدمت میں لے گئے بادشاہ کو اسکی حالت پر رنج ہوا اور حکم دیا کہ اسکو باہر لیجاؤ اور اعلان کرو کہ جو اپنے کو نااہل کے یہاں لے جاویگا اسکا یہی حشر ہوگا۔

دیکھا آپ نے بڑھیا نے جو باز کی قدر نہیں پہچانتی تھی اسکی کیسی گت بنائی حالانکہ اسکی حفاظت معمولی سی بات تھی ——— تو علم جو نہایت ہی دقیق اور غامض شے ہے اسکی حفاظت کیلئے کیسی کچھ صلاحیت اور اہلیت کیضرورت ہوگی چنانچہ صوفیہ نے اپنے اسرار و علوم کو نااہل کے ہاتھ تک پہونچنے سے روکا ہے۔ اور جو کتابیں تصنیف فرمائیں علی رؤس الاشہاد یہ فرمایا کہ اسکو نااہل نہ دیکھیں اور فرمایا کہ ہماری کتب میں نظر کرنا نااہل کیلئے حرام ہے۔ چنانچہ علامہ شعرانیؒ الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں کہ

وکان بعض العارفین یقول نحن قوم یحرم النظر فی کتبنا علی من

لم یکن من اھل طریقنا وکذالک لا یجوز لاحد ان ینقل کلامنا الا من یومن بہ فمن نقلہ الی من لا یؤمن بہ دخل ھو والمنقول الیہ جہنم الانکار۔ وقد صرح بذالک اھل اللہ تعالیٰ علی رؤس الاشہاد وقالوا من باح بالسر استحق القتل ومع ذلک فلم یسمع اھل الغفلۃ والحجاب بل تعدی واحد ودالقوم واظھروا کلامھم لغیر اھلہ۔

(ترجمہ) بعض عارفین فرماتے تھے کہ ہم وہ قوم ہیں کہ جو ہمارے طریقہ پر نہو اسکے لیے ہماری کتب میں نظر کرنا حرام ہے۔ اسی طرح کسی کے لیے ہم جائز نہیں رکھتے کہ ہمارا کلام نقل کرے بجز اس شخص سے جس پر اطمینان ہو۔ پس جو شخص نقل کرے گا ایسے شخص سے جو خود اسکا معتقد نہ ہوگا تو یہ ناقل اور منقول الیہ دونوں انکار کے جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔ اسبات کی تصریح بیانگ دہل اہل اللہ نے فرمائی ہے، اور یہ کہا ہے کہ جو ہمارے راز کو ظاہر کرے وہ قتل کا مستحق ہے۔ لیکن اسکے باوجود اہل غفلت و حجاب نے اسکو نہیں سنا اور حد و دقوم سے تجاوز کیا یعنی انکے کلام کو غیر اہل پر ظاہر کرکے رہے۔

دیکھا آپ نے اتنی احتیاط کے بعد بھی اہل غفلت باز نہیں آئے اور نااہلوں کو باتیں ہوہی جائیں۔ اب سنئے! حضرات صوفیہ نے اپنی کتابوں کو جو نااہل کو دیکھنے کو منع کیا ہے تو اسلیے کہ نااہل ہمارے الفاظ کو چرا کر عوام کے سامنے بیان کریں گے تو لوگ ان لوگوں کو انکی باتوں کو سنکر صوفیاء کے احوال و مقامات سے متصف سمجھیں گے حالانکہ وہ بالکل کورے ہونگے۔ پس خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ صرف صوفیاء ہی کیلئے ضروری نہیں کہ وہ اپنے علم کو نااہل سے روکیں بلکہ جملہ علوم کے لئے ضروری ہے کہ انکو اہل کے پاس رکھا جائے جب ہی اسکی حفاظت ہوسکتی ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے یہ جو فرمایا کہ اگر اہل کے پاس رکھتے تو اہل زمانہ کے سردار ہو جاتے تو اسکے متعلق عرض کرتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "انا سید ولد آدم ولا فخر" یعنی میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ تو سمجھئے کہ انبیاء کو جو سیادت ملتی ہے وہ علم کی وجہ

سے ملتی ہے یہ حضرات علم سے متصف ہوتے ہیں اور علم ہی پہونچاتے ہیں۔ کفار چونکہ جاہل ہوتے ہیں اسلئے انبیاء کا مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو جاہل قرار دیا ہے قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ (اے جاہلو کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت کا مجھے حکم کرتے ہو) پس اصل منازعت علم اور جہل میں ہے، اسکے واسطے سے عالم اور جاہل میں اسلئے کہ جاہل دو من کا بوجھ اٹھالیگا مگر علم کی ایک بات کا متحمل نہیں ہوسکتا الناس اعداء لما جھلوا (انسان جس سے جاہل ہوا اسکا دشمن ہوتا ہے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو بالکل امی تھے علم سکھلایا اور ان کو عارف کامل بنادیا جنکی وجہ سے انکو دنیوی اور اخروی ہر طرح کی خیر حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا جبکہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈالدی سو تم خدائے تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی۔

چونکہ صحابہؓ عداوت کے ساتھ متصف تھے انکی زندگی بے لطف تھی تو جب حضورؐ نے عداوت کی برائی اور الفت وصحبت کی بھلائی کو سمجھایا اور سب کے قلوب میں ایک دوسرے کی الفت ومحبت پیدا کردی تو انکی آنکھیں کھل گئیں اور انکو حیات طیبہ نصیب ہوئی اور اخروی فائدہ (اسطرح کہ کفر وشرک میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے اس سے انکو نکالا تو اخروی عذاب سے بچ گئے اس) کی وجہ سے صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کیسے جاں نثار ہوگئے اور کیسے عاشق وفریفتہ ہوئے اور کتنا تعلق قلبی ہوا آپ لوگ جانتے ہیں۔ تو صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقتدا وسید بنایا تو یوں ہی نہیں بلکہ صحابہ کو بہت کچھ حضورؐ سے ملا تھا جب کسی سے کوئی دولت ملتی ہے تو اسکو ماننے پر ہر انسان مجبور ہوجاتا ہے۔ دیکھئے اگر کسی کو دس روپیہ دیا جاتا ہے تو وہ ممنون ہوتا ہے تو کیا کسی سے علم کی دولت حاصل ہوگی تو وہ احسان نہ مانے گا اور اسکو اپنا مقتدا

و پیشوا نہ بنائے گا۔ آجکل ہم دیکھ رہے ہیں کہ طلبہ ہمارے سامنے کتاب کھولکر پڑھتے ہیں اسکے باوجود بھی ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ اسکی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ اسکے اہل ہی نہیں ہیں اور انکا مقصد ہی کچھ اور ہے یا ہم سے انکو کچھ ملتا ہی نہیں اگر ملے تو مجال ہے کہ مخالفت کریں۔

بات یہ ہے کہ اہل علم کے کچھ اوصاف و اخلاق ہوتے ہیں جب لوگ ان اخلاق کے ساتھ علماء کو متصف دیکھتے ہیں جب ہی انکی سیادت کو تسلیم کرتے ہیں تو سیادت کے لئے جیسے علم کی ضرورت ہے ویسے ہی صبر و تحمل و حلم وغیرہ جیسے اخلاق سے بھی متصف ہونا ضروری ہے۔ مخلوق کی طرف سے بہت کچھ سننا اور برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہیں جاکر سیادت ملتی ہے۔ بغیر اسکے کوئی سردار و مقتدا ہو ہی نہیں سکتا چنانچہ درمختار میں ہے لایسود سید بدون ودود یمدح وحسود یقدح (کوئی سردار نہیں ہو سکتا بدون کچھ احباب کے جو اسکی تعریف کریں اور بدون چند حاسدین کے جو اسکی برائی کریں) اسکی وجہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ مدح پر تو سیادت کا ترتب ظاہر ہے مگر قدح پر اسلئے کہ قدح ہی پر حلم و تحمل اور عفو مرتب ہوتا ہے اور یہ اخلاق بھی سیادت کے اسباب میں سے ہیں۔

اور میں کہتا ہوں کہ علماء انبیاء کی نیابت میں کام کر رہے ہیں خود مستقل نہیں ہیں انبیاء کے مقتدی اور پس رو ہیں اسلئے انکو وہی اخلاق اختیار کرنا ہوگا جو انبیاء نے اختیار کیا۔ اور انبیاء کی سب سے بڑی صفت علم پہونچانے میں یہ تھی کہ انھوں نے طمع کو ترک کیا اور استغناء عن الناس اختیار کیا اور کوئی اپنی غرض اسکے ساتھ شامل نہیں فرمایا اور نہ کسی قسم کے اجر کا مخلوق سے سوال کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ (اتباع کرو اس شخص کا جو تم سے کسی اجر کا خواہاں نہیں ہے اور ہدایت یافتہ ہے) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی (آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا سوا رشتہ داروں کی محبت کے) پس علماء کو بھی چاہیئے کہ جس کے یہ لوگ نائب ہیں اسکی صفت اپنے اندر پیدا کریں یعنی مخلوق سے طمع ختم کردیں اسلئے کہ جب علم پہونچانے کی غرض تحصیل دنیا ہوگی تو پھر ایسا شخص

تبلیغ علم میں اہل و نا اہل میں تمیز نکرے گا جہاں سے اسکو دنیا ملنے کی توقع ہوگی بیدریغ اسپنے علم کو صرف کریگا اور جب یہ اہل دنیا سمجھ لیں گے کہ ہماری دنیا کے لئے علم پہونچایا جارہا ہے تو پہلے اس عالم کو نظروں سے گرادیں گے۔ پس ظاہر ہے کہ جب اہل علم ہی انکی نظروں سے ساقط ہوجاویں گے تو جو چیز انکے ذریعہ پہونچے گی اسکی بھی قدر نکریں گے اسی کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں و لکنھم بذلوہ لاھل الدنیا لینالوا بہ من دنیاھم فھانوا علیھم یعنی حرص و طمع کیوجہ سے علم کو دنیا داروں پر صرف کیا تاکہ ان سے دنیا حاصل کریں تو چونکہ ان لوگوں نے خود علم کی ناقدری کی اسلئے ذلیل و خوار ہوگئے۔ یہ تو طمع کا لازمی نتیجہ ہی ہے۔ طامع ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مومن کا شرف قیام لیل ہے اور اسکی فضیلت استغنا عن الناس ہے جب استغنا عن الناس نہیں ہے تو پھر فضیلت کہاں باقی رہی نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے مذبذبین بین ذالک لا الیٰ ھؤلاء ولا الیٰ ھولاء (دونوں کے مابین مذبذب نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے) تعجب ہے کہ یہی لوگ سیادت کے بھی متمنی ہیں علم کے تو حامل ہیں مگر ایک ضروری چیز جو ترک طمع ہے اسکو اختیار نہیں کرتے حالانکہ انبیاءؑ جیسے علم کے حامل تھے ویسے ہی استغنا عن الناس سے بھی متصف تھے اسلئے انکو سیادت اور عزت منجانب اللہ ملی تھی۔ اہل اللہ دین کا کام اخلاص اور صدق سے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دنیا میں انکی مقبولیت و عزت نازل فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبریل علیہ السلام کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے جبریل میں فلاں سے محبت کرتا ہوں لہٰذا اس سے تم بھی محبت کرو۔ اسلئے حضرت جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام آسمان والوں میں ندا کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں سے محبت ہے لہٰذا اس سے تم لوگ بھی محبت کرو اسلئے تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اسکے بعد اسکے لئے زمین میں مقبولیت

نازل کردی جاتی ہے۔ سبحان اللہ کجا یہ مرتبہ کہ آسمان سے مقبولیت نازل ہوا ور منجانب اللہ عزت و جاہ حاصل ہوا ور کجا یہ مرتبہ کہ مخلوق سے جاہ و مال کی طمع کریں جسکی وجہ سے ذلیل و خوار ہو جائیں حضرت سعدی علیہ الرحمۃ اہل اللہ کے متعلق فرماتے ہیں ؎

ندارند چشم از خلائق پسند کہ ایشاں پسندیدۂ حق بسند

(مخلوق سے پسندیدگی کی توقع ہی نہیں رکھتے یہ لوگ خدا کے پسند کئے ہوئے ہیں یہی کافی ہے)

اہل اللہ نے تو اپنے چھپانے کا اہتمام فرمایا ہے اور اپنے کو شہرت سے بچایا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انکے کمالات کو ظاہر فرمادیا چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ سنئے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ تھا کہ انکو روزی مل جاتی تھی انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ کسی غیر کی جانب ہاتھ نہ بڑھاؤنگا۔ ایک دفعہ ایک باغ میں سیر کو گئے میوے درختوں پر لدے ہوئے تھے بس بھول کر ایک پھل کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا توڑا نہیں مگر ہاتھ تو پھیلا ہی دیا اتفاق ایسا کہ اسی وقت پاس کے باغ میں ڈاکو ٹھہرے ہوئے تھے۔ سپاہی آگئے اور ڈاکوؤں کے تعاقب میں دوڑے سامنے یہی بزرگ نظر پڑ گئے انھیں کو گرفتار کرلیا اور کوتوال کے پاس لے گئے اس نے بھی زیادہ تحقیق وغیرہ نہ کی ان پر ہی چوری کا الزام عائد کرکے دونوں ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دیدیا چنانچہ ایک ہاتھ کٹنے کے بعد دوسرا کٹنے ہی جارہا تھا کہ سامنے سے ایک سوار نہایت تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا نظر پڑا اس نے دور ہی سے شور مچانا شروع کیا۔ ہاں ہاں انکا ہاتھ نہ کاٹنا یہ تو فلاں بزرگ ہیں۔ جب کوتوال نے انکا نام سنا تو بہت گھبرایا اس لئے کہ اس اطراف میں وہ مسلم بزرگ تھے سب لوگ انکا نام جانتے تھے اس نے کہا یہ بڑی بے ادبی ہوگئی میں نے ایک ہاتھ انکا کٹوا دیا یہ خیال کرکے ان کے قدموں پر گر گیا اور بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ حضرت معاف فرما دیجئے آپ کو پہچانا نہیں فرمایا کہ بھائی تمھارا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ میں نے ہی اپنے مالک سے بدعہدی کی ہے اسکے بدلے میں سزاوار تو اسکا تھا کہ میرا سارا جسم ہی ٹکڑے ٹکڑے کردیا جاتا اور یہ تو صرف ایک ہی ہاتھ کٹا ہے یہ بھی انکا کرم ہے چنانچہ اسکے بعد سے ایک ہاتھ پر پٹی باندھے رہتے تھے اور کسی کی مجال نہ تھی جو ان سے ہاتھ کٹنے کی وجہ پوچھتا

ایک دفعہ کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ بھائی کچھ نہیں۔ یدٌ جَنَتْ فقطعت یعنی ایک ہاتھ تھا اس نے خیانت کی اسکے عوض میں کاٹ دیا گیا یہ تو انکی آزمائش تھی اب سنئے کہ اللہ تعالےٰ انکو رسوائی اور ذلت سے کس طرح بچاتے ہیں، یہ بزرگ کچھ ٹوکری وغیرہ بنایا کرتے تھے تو تنہائی میں جب کام کرتے تھے تو انکی کرامت کیوجہ سے وہ کٹا ہوا ہاتھ بھی درست ہو جاتا تھا اور لوگوں کے سامنے کٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک دن وہ گھر کے اندر حسب معمول کام کر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص بلا اجازت لئے ہوئے انکے پاس اندر چلا گیا اور دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھ سے کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے پہلے تو اسکو ڈانٹا کہ تم بغیر اجازت اندر کیوں چلے آئے؟ پھر فرمایا کہ اچھا خبردار اس راز کو کسی پر ظاہر مت کرنا مگر اس نے باہر جاکر شور مچا دیا کہ لوگو ان بزرگ کی کرامت سنو انکے دونوں ہاتھ تنہائی میں درست ہو جاتے ہیں یہ خبر ان بزرگ کو بھی ہوگئی کہ تمام لوگوں میں میری اس کرامت کا شہرہ ہو گیا ہے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ آپ نے مجھے میرے جرم کی سزا دی پھر اس کرامت سے مجھے نوازا تو میں نے سوچا کہ چلو اچھا ہے میرا کوئی حرج بھی نہیں ہے اور لوگ مجھے برا سمجھکر اب سے میرا پیچھا چھوڑ دیں گے لیکن پھر آپ نے اس کرامت کو بھی ظاہر فرما دیا اور اب لوگ اور بھی میرے پیچھے لگے رہتے ہیں اس میں کیا بھید ہے اسکو سمجھا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ کیجانب سے الہام ہوا کہ اس تمہارے ہاتھ کٹنے کیوجہ سے لوگ تمکو چور سمجھنے لگے تھے یہ مجھے پسند نہیں ہوا کہ میرا کوئی ولی اور دوست ہو اور لوگ اسکو چور سمجھیں اسلئے ہم نے اپنا آدمی تمہارے پاس خلوت میں بھیجکر تمہاری اس کرامت کی تشہیر کرا دی تاکہ لوگوں کی نظروں میں تم رسوا اور ذلیل نہ ہو۔ تم نے ہمارا جرم کیا تھا ہم نے تمکو اسکی سزا دی یہ ہمارا اور تمہارا معاملہ تھا لیکن ہم اسکو گوارا نہیں کر سکتے کہ تمکو کوئی دوسرا کچھ کہے۔

دیکھا آپ نے یہ فرمایا کہ ہم نے اپنا آدمی قصداً بھیجا ہی اسلئے تھا تاکہ کرامت پر مطلع ہو اور باہر نکل کر اسکی خوب تشہیر کر دے۔

اس طرح کے بہت سے قصے ہیں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو اسی طرح قبول و شہرت

عطا فرماتے ہیں کہ کسی کو وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

ہم تو نام و نشاں مٹا بیٹھے شہرہ میرا اڑا دیا کس نے

بات یہ تھی کہ ان حضرات نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے صحیح کرلیا تھا مخلوق سے نظر ہٹالی تھی، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان لاچکے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے بھی انکے ساتھ خاص فضل کا معاملہ فرمایا دنیا میں بھی عزت و شہرت عطا فرمائی اور آخرت کا تو پوچھنا ہی کیا۔

اب اگر ان اخلاق کو تو نہ اختیار کیا جائے اور مرتبہ اور سیادت حقیقی علماء جیسی چاہی جائے تو یہ خلاف عقل ہے۔ اسطرح کبھی بھی سیادت نہیں ملتی بلکہ ذلت ہی ملے گی جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ فھانوا علیھم الخ یاد رکھئے جو کام دل سے کرنے کا ہے اور ایمان کا ہے اسکو اگر لسان سے کرنا چاہیں تو کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ اب یہی حال ہوگیا ہے محض اپنی فصاحت و بلاغت سے حقیقی کام کرنا چاہتے ہیں، تو یہاں مخلوق کے نزدیک شاید ہوسکتا ہے اسکی کچھ وقعت ہو مگر اللہ اور اسکے رسولؐ کے نزدیک اسکی کوئی قدر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایسے لوگوں سے جو محض علم جانتے ہیں مگر عمل ٹھیک نہیں اور دل تک اسکا اثر نہیں پہونچا ہے ان سے خوف فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے واخوف ما اخاف علیٰ امتی کل منافق علیم اللسان (سب سے زیادہ اندیشہ مجھے اپنی امت پر زبان آور منافق کا ہے)۔

اب اخیر میں ایک بات سنیئے! حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اس اثر میں یہ فرمارہے ہیں کہ علم کو اسکے اہل کے پاس رکھنا چاہیئے تو ظاہر ہے کہ اس علم سے مراد علم دین ہی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انکو علم نہیں پہونچایا جائے گا اسلئے کہ وہ علم کے اہل نہونگے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرد و عورت پر طلب علم دین فرض ہے تو جب سب پر فرض ہے تو سب کی اہلیت بھی ثابت ہوئی۔

توجواب اس اشکال کا یہ ہے کہ علم دو قسم کا ہے ایک قسم تو وہ ہے کہ اسکے تعلم کا ہر شخص محتاج ہے بغیر اسکے دین حاصل ہو ہی نہیں سکتا جیسے وضو اور غسل کے احکام کا علم صوم و صلوٰۃ کے مسائل کا علم اسی طرح اگر صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ کا علم۔ صاحب استطاعت ہے تو حج کے مسائل کا علم ضروری ہے۔ اگر تاجر ہے تو بیع و شرا کے متعلق جو احکام ہیں انکو معلوم کرنا لازم ہے۔ غرض جو شخص جس امر میں مشغول ہے اسکے متعلق واقفیت فرض ہے تاکہ شریعت مقدسہ کے مطابق عمل کر سکے۔ یہی مطلب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ اور ایک علم وہ ہے جسکا تعلم فرض کفایہ ہے اور وہ تبحر فی العلوم ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے واعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین وھو بقدر ما یحتاج لدینه و فرض کفایۃ وھو مازاد علیه لنفع غیرہ ومندوبا وھو التبحر فی الفقه (جانو کہ اسقدر علم فرض عین ہے جسکی حاجت انسان کو اپنے دین میں پڑے۔ اور جو اس سے زیادہ ہو دوسروں کے نفع کیلئے وہ فرض کفایہ ہے اور فقہ میں تبحر علمی حاصل کرنا یہ مندوب ہے مستحب ہے)

تو چند ایسے لوگوں کا رہنا ضروری ہے جو غوامض علوم کو سمجھیں اور مسائل صعبہ میں شرعی احکام بتلا دیں اگر سب لوگ اس تبحر کو ترک کر دیں گے تو سب لوگ گنہ گار ہونگے۔ پس چونکہ ایسا شخص قوم کا مقتدا و پیشوا ہوتا ہے اسلئے اسکے انتخاب میں غور و خوض کرنا چاہیئے۔ اور جو اہل ہو، عالی ظرف ہو، ذی استعداد ہو اسی کو اسکے لئے منتخب کرنا چاہیئے۔ تو حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد میں جو اہلیت کی قید ہے تو اسی اعتبار سے ہے کہ جس کو رہبر اور مقتدا بنانے کا خیال ہو اسکے اندر اہلیت شرط ہے اور وہ یہی کہ بقدر ضرورت دین رکھتا ہو اور اپنے علم پر خود اسکا عمل ہو، نیز متقی ہو یعنی دل میں خدا کا خوف رکھتا ہو۔ مخلوق میں ناصح اور خیر خواہ ہو، انکے دینی نقص سے فکرمند ہو اور انکی دنیا سے مستغنی ہو، طامع و حریص نہ ہو۔

الحمد للہ کہ اس تفصیل سے سابق اشکال رفع ہوگیا وللہ الحمد

طریق کی ایک گمراہی اور اسکا ازالہ

فرمایا کہ ـــــــ اسوقت ایک بہت ضروری بات کیطرف توجہ دلانا چاہتا ہوں یوں تو اس مضمون کو پہلے بھی کئی بار بیان کیا ہے اور ادھر چند دنوں سے تو مسلسل ہی بیان کر رہا ہو لیکن اسوقت اسکی ایک ترتیب خاص اور ذرا واضح عنوان سمجھ میں آیا ہے۔ مسئلہ جب مشکل ہوتا ہے تو جب تک مخاطب کی استعداد اور اسکے فہم کی رعایت کرکے اسی کے مناسب اسکو نہیں بیان کیا جائیگا لوگوں کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوگا اسلئے کہ سمجھ میں نہیں آئیگا۔ مگر جب وضاحت کے ساتھ کوئی بات عوام الناس کو بھی سمجھا دی جائے تو وہ بھی اتنا محسوس کرتے ہیں کہ جیسے اندھیرے سے روشنی میں آگئے اور قلب میں ایک نور سا آگیا۔ اب وہ بات سنیئے :۔

علامہ شعرانی اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں شیخ محی الدین ابن عربی کا کلام نقل فرماتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ :۔

اعلم ان ورثة الانبياء هم العلماء والاولياء فالاولياء حفاظ الاحوال والاحكام الباطنة التي تدق عن الافهام۔ والعلماء حفاظ الاحكام الظاهرة التي تفهم ببادي الرأي۔	جانو کہ حضرات انبیاء علیہم کے وارث علماء بھی ہیں اور مشائخ بھی مشائخ تو انکے احوال اور ان احکام باطنہ کی حفاظت کرنے والے ہیں جن کے سمجھنے سے افہام قاصر رہتی ہیں اور حضرات علماء احکام ظاہرہ کی حفاظت کرتے ہیں جو کہ ظاہر کلام سے بھی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

پھر اس تقسیم کے بعد آگے جامعیت کو بیان فرماتے ہیں کہ :۔

وقد يرث هؤلاء ايضاً الانبياء في الاحوال الباطنة كما كان عليه السلف الصالح فكانوا اولياء علماء فلما تخلف الناس عن العمل بكل ما يعلمون سموا علماء فقط و	اور کبھی یہ لوگ یعنی علماء ظاہر احوال باطنی میں بھی انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ علماء سلف کا عام حال یہی تھا کہ وہ احکام ظاہرہ اور احوال باطنہ دونوں ہی میں وارث ہوتے تھے۔ اور عالم ولی ہوتے تھے لیکن جب یہ لوگ اپنے علم پر عمل

سلبوهم اسم الولی والا فالعلماء حقیقة هم الاولیاء فعلی ما علیه الناس الیوم کل ولی عالم عامل بلاشك ولیس کل عالم ولیاً لانه قد یتخلف عن مقام العمل بما علم فالفقهاء علی الحقیقة هم الاولیاء لزیادتهم بعلم الاحوال علی علم المقال

(ص۱۱ ج ۲ الیواقیت والجواہر)

ترک کردیں تو یہ صرف عالم کہلائیں گے ولی کا اطلاق ان پر نہ ہوگا انکی اسی بے عملی کیوجہ سے ورنہ تو علماء ہی حقیقت میں ولی ہونے کے اہل ہیں۔ پس آجکل کے رواج کیمطابق جو ولی ہوگا وہ بلاشبہ عالم بھی ہوگا عامل بھی ہوگا لیکن ہر عالم کیلئے ولی ہونا ضروری نہیں ہے اسلئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے علم پر عامل نہو۔ رہے فقہاء تو در اصل وہی اولیاء اللہ ہیں اسلئے کہ اقوال کے علم (وعمل) کے ساتھ ساتھ انمیں احوال کا بھی علم (وعمل) ہوتا ہے (اسلئے انکی ولایت میں کیا کلام ہو سکتا ہے)۔

دیکھئے یہاں فرما رہے ہیں کہ الیوم کل ولی عالم عامل یعنی ولی کیلئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کا علم بھی رکھتا ہو اور اسکے احکام پر عامل بھی ہو۔ بس اسوقت مجھے کلام بالا کے اسی جزو پر گفتگو کرنی ہے اور جس طرح سے کہ یہ بزرگ فرما رہے ہیں کہ ولایت کا جزو ہے تمسک بالسنۃ اور عمل بالشریعۃ اسی طرح سے صاحب رسالہ قشیریہ یہ بھی لکھتے ہیں۔ سنئے فرماتے ہیں کہ :-

فان القوم فی مکابدة اخلاء خواطرهم ومعالجة اخلاقهم ونفی الغفلة عن قلوبهم

قوم (صوفیہ) کا مجاہدہ بس یہ ہے کہ اپنے قلب سے وساوس دور کرے اپنے اخلاق رذیلہ کا علاج کرے اور اپنے قلب سے غفلت زائل کرے

یعنی قوم صوفیہ کا وظیفہ ہی بس تین چیزیں ہیں، ایک تو ان میں سے عدمی ہے یعنی اپنے قلب سے وساوس ردیہ کو دور کرنا۔ اور دو وجودی ہیں یعنی اخلاق کی درستگی اور کثرت ذکر جو کہ سبب اور ذریعہ ہے نفی غفلت کا۔ پس نفی غفلت اور دوام ذکر ایک ہی معنون کے دو مختلف عنوان ہیں۔ اور سنئے علامہ شعرانی ہی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

ولا یخفی ان الارث کله یرجع الی نوعین معنوی و محسوس فالمحسوس هو الاخبار المتعلقه بافعاله صلی اللہ علیه وسلم

مخفی نہیں ہے کہ تمام میراثوں کا مرجع دو شئے کیجانب ہے یا تو وہ معنوی ہوگی یعنی غیر ظاہر یا محسوس ہوگی۔ محسوس میراث وہ اخبار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال اور احوال سے متعلق علماء ربانی تک پہونچی ہیں اور معنوی وہ چیزیں ہیں جو اخلاق مذمومہ سے نفس کو پاک کر نے

واقواله واحواله واما المعنوی فهو تطهیر النفس من ذم الاخلاق وتحلیتها بمکارمها وکثرة ذکر الله عزوجل علی کل حال بحضور ومراقبة

اور مکارم اخلاق سے اسکو سنوارنے اور متصف کرنے اور اللہ تعالی کو حضور قلب کیساتھ بکثرت یاد رکھنے اور ہر حال میں اسکا مراقبہ حاصل کرنیکے سلسلہ میں آپ سے منقول ہوکر مشائخ حقانی کو موصول ہوتی ہیں۔

اکابر کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ سالک راہِ ولایت کیلئے ان دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہے یعنی ایک طرف تو ذکر و اشغال کے ذریعہ قلب سے غفلت کی نفی بھی اسکے لئے لازم ہے، اور دوسری جانب اخلاق رذیلہ سے قلب کو پاک کرنا اور اخلاق محمودہ سے خود کو آراستہ کرنا جسکا طریقہ تمسک بالسنۃ ہے، یہ بھی اسکے لئے ضروری ہے جیسا کہ ایک عالم کامل متبع سنت صراط مستقیم میں تحریر فرماتے ہیں :۔

پس مناسب حال ابنائے روزگار اینست کہ چنانکہ اشغال و مراقبات بنا بر وصول معرفت الٰہی مینمایند، ہمچنیں مراقبہ برائے این امور ہم پیش گیرند و بدون آں وصول را بارگاہ قبولیت غیر ممکن انگارند

لہٰذا اہل زمانہ کے حال کے مناسب یہ ہے کہ جسطرح سے یہ لوگ اشغال و مراقبات کو اس خیال سے اختیار کرتے ہیں کہ یہ معرفت الٰہی تک وصول کا ذریعہ ہیں اسطرح سے انکو مذکورہ بالا امور (یعنی رذائل نفس کے ازالہ) وغیرہ کے مراقبہ کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے اور بدون اسکے بارگاہ قبولیت میں وصولیابی کو ناممکن سمجھنا چاہیئے۔

دیکھئے فرما رہے ہیں کہ ذکر اذکار، وظیفہ وظائف، اشغال و مراقبات اگر یہ سب نفی غفلت اور حصول یکسوئی کیلئے سالک کرنا چاہتا ہے تو کرے اسکی ممانعت نہیں ہے اور نہ اس میں کچھ قباحت ہے۔ البتہ قباحت اس میں ہے کہ آدمی اصلاح اخلاق اور اتباع شرع سے ہی بے نیاز ہو جائے اور وصول الی اللہ کیلئے صرف ذکر و شغل ہی کو کافی سمجھنے لگے چنانچہ شیطان کی رہزنی سے اہل طریق میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنھوں نے وصول کے لئے عبادات مفروضہ اور اوامر شرعیہ کی ضرورت ہی سے انکار کر دیا ہے اسطرح سے کہ بعضوں کے تو پیش نظر رضا جوئی حق تعالی اصلا ہوتی ہی نہیں بلکہ انکا مطمح نظر خود اپنے اندر کسی کمال کا پیدا کرنا ہوتا ہے (حالانکہ وہ کمال کیا ہوگا اسکو تو نقصان ہی کہنا چاہیئے) تاہم جب حصول رضا ان کا مقصود ہی نہیں ہوتا تو عبادت اور اوامر سے انکو کیا واسطہ رہ جاتا ہے ظاہر ہے کہ پھر شریعت نبویہ سے انکا رشتہ بالکل کٹ جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکا تعلق ہی ختم ہو جاتا

ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انکا مقصود تو رضا جوئی حق تعالیٰ ہوتا ہے مگر وہ اسکا طریق اوامر شرع کے امتثال کو نہیں سمجھتے بلکہ اپنے زعم فاسد میں اسکا جو ذریعہ سمجھتے ہیں اسی کو اختیار کرتے ہیں جسکی وجہ سے اس سالکِ نامقبول کا یہ حال ہوجاتا ہے کہ

آں اہتمامے کہ در اوراد و اورادِ مشائخ می نمایند عُشر عشیر آں در اہتمام اداے صلوٰۃ مفروضہ نمی کنند بلکہ ہرگاہ شیطان لعین برایں جماعت چیرہ دست می شود وبمقتضائے واخوانھم یمدونھم فی الغی ثم لایقصرون آنہا را از راہِ حق دور تر می برد نماز را مثل بیگار سرکار حاکم وقت میدانند وایں قدر وقت را کہ در نماز و وضو میگذرد رائگاں می انگارند و کار آمدنی خود نمی دانند معاذ اللہ من ذلک۔

جو اہتمام اور جس درجہ اہتمام کہ اپنے مشائخ کے بتلائے ہوئے اوراد و وظائف کا یہ لوگ کرتے ہیں اسکا سواں حصہ بھی فرض نماز کی ادائگی کا نہیں کرتے بلکہ جب شیطان لعین اس جماعت پر غالب آجاتا ہے اور بمقتضائے ارشاد خداوندی (کہ انکے بھائی شیاطین الانس انکو گمراہی میں دور کھینچ لیجاتے ہیں اور اس میں کمی نہیں کرتے) جب ان لوگوں کو بھی شیطان راہ حق سے بہت زیادہ دور کردیتا ہے تو انکا یہ حال ہوجاتا ہے کہ نماز کو سرکار حاکم وقت کی بیگار سمجھنے لگتے ہیں اور جبراً و قہراً اسکو ادا کرتے ہیں اور جتنا وقت کہ انکا نماز اور وضو میں صرف ہوتا ہے اسکو بے کار اور ضائع تصور کرتے ہیں اور اپنے کسی کام آنیوالا نہیں سمجھتے۔ معاذ اللہ تعالیٰ من ذلک۔

وایں حال جماعتے است کہ متسم باسلام اند و آنانکہ خارج از دائرۂ اسلام اند باحال آنہا دریں مقام گفتگو نیست۔

اور یہ حال اس جماعت کا ہے جو اسلام کے اسم سے موسوم ہے، باقی رہے وہ لوگ جو کہ دائرۂ اسلام ہی سے خارج ہیں ان کے حالات زیر بحث ہی نہیں ہیں۔

(ص۸۴ صراط مستقیم)

اب ظاہر ہے کہ جب کوئی جاہل ذکر واشغال کو اسقدر بڑھا دے اور ایسا درجہ دیدے کہ اسکے مقابلہ میں فرائض تک کی اہمیت باقی نہ رہ جائے تو یہ صریح گمراہی اور کھلا ہوا زیغ و ضلال ہے۔

اور لوگوں کے حالات اور تجربات بتلاتے ہیں کہ آج بھی اس قسم کے بہت سے

لوگ موجود ہیں اور یہ سلسلہ بہت دنوں سے چلا آرہا ہے یعنی ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوئے ہیں اور علمائے حقانی نے اس خیال کی آپنے اپنے وقت میں شدت سے تردید فرمائی ہے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دکھایا ہے۔ سنئے محبوب سبحانی عالم ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے فتوح الغیب میں ایک پورا مقالہ ہی اس بحث کے لئے قائم فرمایا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ:۔

ینبغی للمؤمن ان یشتغل اولاً بالفرائض فاذا فرغ منها اشتغل بالسنن ثم یشتغل بالنوافل والفضائل فما لم یفرغ من الفرائض فالاشتغال بالسنن حمق ورعونة فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منه واهین۔

مؤمن کیلئے لازم ہے کہ سب سے پہلے فرائض میں مشغول ہو اور اسکو ادا کرے اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو سنن میں مشغول ہو پھر اسکے بعد نوافل اور فضائل میں۔ اور اگر ابھی فرائض سے فارغ نہیں ہوا تو پھر سنن میں مشغول ہونا حماقت اور رعونت ہے۔ اور اگر سنن یا نوافل میں فرائض سے پہلے مشغول ہو گیا تو وہ مقبول نہوں گی اور اسکی اہانت کی جائے۔

اسی طرح سے مثال وغیرہ کے ذریعہ مسئلہ کو سمجھاتے چلے گئے ہیں چند سطور کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

ومثل المصلی کمثل التاجر لایحصل ربحه حتی یاخذ رأس ماله فکذلك المصلی بالنوافل لایقبل له نافلة حتی یؤدی الفریضة

(فتوح الغیب ص۲۷۵)

بکثرت نفل نماز پڑھنے والے کی مثال اس تاجر کی سی ہے جسے کچھ نفع نہوتا ہو اور وہ اپنی اصل پونجی ہی میں سے خرچ کرنے لگ جائے۔ اسی طرح سے نفل پڑھنے والا کہ اسکی نفل عبادت قبول ہی نہیں ہوگی جبتک کہ وہ فرائض کو نہ ادا کرے یعنی نفع دراصل وہ کہلاتا ہے جو اصل کے تحفظ کے بعد ہو اور جبکہ اصل ہی غائب ہو جائے تو وہ نفع کیا خسارہ ہے۔

دیکھئے حضرت کیسا تیز تیز فرما رہے ہیں یہ اسی لئے تاکہ لوگوں کو اس صریح گمراہی سے نکالیں اور انمیں اس بدعقیدگی کو جگہ نہ پکڑنے دیں کہ نوافل کا درجہ معاذاللہ فرائض سے بڑھا ہوا ہے۔

اور سنئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ایک رسالہ الکشف والتبیین میں فرماتے ہیں کہ

(وفرقة اخرى) حرصت على النوافل ولم يعظم اعتدادها بالفرائض فترى احدهم يفرح بصلوٰة الضحى وصلوٰة الليل وامثال هذه النوافل ولا يجد لصلوٰة الفرض لذة ولا خيراً من الله تعالىٰ (ص ۵۶)

اور ایک دوسرا فرقہ ہے جو کہ نوافل کا حریص ہے حالانکہ فرائض کا اہتمام اسکو کامل طور پر نہیں ہے چنانچہ تم ان میں کے ایک شخص کو دیکھو گے کہ چاشت اشراق اور اوابین اور اسی جیسی نفل نمازوں کو پڑھکر تو خوب خوش ہوتا ہے اور فرض نماز کی ادائیگی میں نہ تو اسکو کچھ لذت ہی ملتی ہے اور نہ حق تعالیٰ کی جانب سے کسی خیر ہی کو وہ پاتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ نفس نوافل کی جانب امیل ہے اسکو اسکے ادا کرنے میں زیادہ لذت ملتی ہے اسلئے یہ موقع مزلۃ الاقدام کا تھا کہ امیل ہونے کے سبب انسان اسکو اپنی جہالت سے افضل بھی سمجھ لیتا، اس منشاء کو سمجھکر ان حضرات نے علم کی روشنی پہونچائی تاکہ جہالت کی تاریکی کافور ہو جائے۔

النفس للنوافل امیل من جهة انها تعمل ما تعمل بتصرفها ورأيها فلها في ذلك لذة التصرف والاطلاق وفي الفرائض هي مقهورة تحت حكم التكليف ومن هنا والله اعلم كانت الفرائض اعظم ثواباً لمشقتها على النفس من حيث انها لاحظ لها فيها (ترصیع ص ۲۸)

نفس نوافل کی جانب زیادہ مائل ہوا کرتا ہے اسلئے کہ وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اپنے تصرف اور اپنے اختیار سے کرتا ہے تو اسکو اس میں خودمختاری کی اور آزادی کی لذت ملتی ہے رہے فرائض تو اسمیں تو وہ تکالیف شرعیہ کی قید وبند میں جکڑا ہوتا ہے یہی بات ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ فرائض کا ثواب بھی زیادہ ہے کیونکہ حظ اور لذت نہ ملنے کی وجہ سے نفس کو اسکی ادائیگی میں مشقت زیادہ ہوتی ہے (اور جب مشقت زیادہ تو اجر بھی زیادہ)۔

دیکھئے یہاں وجہ بیان فرمادی کہ نفس نوافل کی جانب امیل ہوتا کیوں ہے؟ اور اس میں شک نہیں کہ بالکل صحیح فرمایا۔ آزادی سب ہی کو طبعاً پسند ہے اور جس کام کی نسبت اپنی جانب ہو اسکے انجام دینے میں مسرت بھی ہوتی ہے اور نفل کے اندر یہ دونوں باتیں ہیں، کرنے نہ کرنے کی آزادی بھی ہے اور ہماری ہی جانب وہ منسوب بھی ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا فریضہ ناقصین کی نظروں میں حاکم وقت کی بیگار معلوم ہوتا ہے اور نوافل کا اہتمام اس سے کہیں بڑھکر کیا جاتا ہے یہ بات صحیح ہے۔ لیکن صاحب ترصیع نے آگے یہ جو فرمایا کہ فرض میں ثواب زیادہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ نفس پر شاق ہوتا ہے اور فرائض میں مشقت زیادہ ہے تو انھیں بزرگوں کی برکت سے کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے فرائض میں مشقت نہیں ہے۔ مشقت نوافل ہی میں زیادہ ہے پھر جو نفس اسکی جانب امیل ہے تو یہ اغوار شیطان کیوجہ سے ہے کہ وہ اس طرح سے اغوا کرکے ایک غیر اہم کو اہم اور اہم کو غیر اہم دکھانا چاہتا ہے اور افضل سے ہٹا کر مفضول کی جانب توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔ فرض کو تو اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کرکے نفس پر سہل اور آسان فرما دیا جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر بھی فرض کیا جا چکا ہے) اور عقلی قاعدہ ہے کہ البلیۃ اذا عمت طابت۔ مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو خوشگوار بنجاتی ہے اسلئے فرض میں مشقت نہیں ہے مشقت نوافل ہی میں ہے کہ تنہا کرنا پڑتا ہے باقی اجر جو اسکا زیادہ ہے تو اسلئے کہ وہ فرض ہے۔ کسی عبادت کو جو فرض ہو فرض سمجھکر اور حکم حاکم کے امتثال کی نیت سے ادا کرنا خود ایک مستقل فضل ہے اور موجب ازدیاد اجر ہے۔ صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ

ولاشك ان من قام بالفرائض	اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص فرائض کو اہتمام کے
وترك النوافل افضل ممن قام بالنوافل	ساتھ ادا کرے اور نوافل کو ترک کردے وہ اس شخص سے کہیں افضل
وترك الفرائض واكثر الناس مبتلون	اور بہتر ہے جو کہ نوافل کا اہتمام تو کرے اور فرائض کو ترک
بهذا البلاء ولذا قال بعض العارفين	کردے مگر اکثر و بیشتر لوگ اسی مرض میں مبتلا ہیں اسی لئے عارفین
انما حرموا الوصول بتضييعهم الاصول	نے کہا ہے کہ لوگ وصول الی اللہ سے اصول کے ضائع کرنے کیوجہ سے محروم ہوئے ہیں

دیکھئے اس سے فرائض کا فضل معلوم ہوا اور کیسی مناسب جگہ بزرگوں کا یہ ارشاد چسپاں کیا۔ سبحان اللہ۔ لوگ جو وصول الی اللہ سے محروم ہیں تو اصل حرمان کیوجہ اصول کا ضائع کرنا ہے اور ان میں مثلاً نماز کی فرضیت کا اعتقاد اور اسکی اقامت یعنی پابندی بھی داخل ہے اور اس اعتقاد و عمل کے بغیر وصول سے حرمان ہی نصیب ہوگا۔

بہر حال میں کہہ یہ رہا تھا کہ جس طرح سے فرض کا درجہ نفل سے بڑھا ہوا ہے اسی طرح سے سمجھنا چاہیئے کہ پیر کے تبلائے ہوئے اوراد سے نماز وغیرہ کا درجہ بہت زیادہ ہے لہٰذا جو لوگ ذکر وغیرہ کو لیکر فرائض اور تمسک بالسنۃ میں کوتاہی کرتے ہیں وہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں کہ مخلوق کے بتائے ہوئے وظیفے کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے وظیفے سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ مصلحین امت نے ہر زمانہ میں اس مرض کو پکڑا ہے اور اسکی اصلاح فرمائی لوگوں کو اس جہالت سے نکالنے کیلئے جان و تن کی بازی لگا دی ہے اور کسی کی مخالفت اور ملامت کی پرواہ کئے بغیر ڈنکے کی چوٹ پر حق بات کہدی اور اس میں شک نہیں کہ ان حضرات نے امت پر احسان عظیم فرمایا اور لوگوں کا انکی اس جہالت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو رشتہ ٹوٹ رہا تھا اسکو جوڑ دیا اور شریعت کی شاہراہ پر امت کو لا کھڑا کیا ورنہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ شریعت کا دامن ہی انکے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر دے۔ یہ حضرات مجدد ہوئے ہیں انھوں نے دین کی سچی خدمت اور تجدید فرمائی ہے: اپنے کو منوانے کی کوشش کبھی نہیں کی بلکہ اس امر کی کوشش رہی ہے کہ لوگ دین کو شریعت کو، خدا کو اور رسول کو مان لیں اب کس قدر ظلم و ستم ہے کہ جن ہستیوں نے امت کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑا ہو انھیں کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو نہیں مانتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان حضرات نے دین کی کتنی بڑی خدمت فرمائی؟ اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بہت بڑے نمبروں سے کامیاب ہوئے بات یہ ہے کہ ان حضرات کے سینہ میں نور تھا اس لئے چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی نور ایمان سے محروم نہ رہیں لہٰذا جب فرائض کے متعلق امت میں یہ بدعقیدگی دیکھی تو اسکو برداشت نہ کر سکے اور اسکی ایسی حقیقت واضح فرما دی کہ سب کو بات سمجھا دی۔ جب آدمی فرض کو اسکا درجہ ہی نہ دیگا اور اسکے درجہ سے اسکو گرا دیگا اور اس سے اس طرح بدعقیدہ رہے گا تو اس نے اسکو لے گا کیا اور جب عقیدہ درست کرے گا خدا کے فرض کی پوری عظمت قلب میں لے آوے گا تو ایمان تو دل میں پڑ ہی گیا اب اسکی روشنی میں جیسے جیسے عمل کرتا جائے گا ایمان اور بڑھتا جائے گا سبحان اللہ یہ ہمارے اکابر دین کے محقق تھے اسکے مسائل پر ایسا کلام فرماتے

لیے کہ اسکو سنکر قلب میں نور آجاتا تھا۔ آپ نے بھی یہ تمام گفتگو سنی اس سے فرالکفں کی عظمت کچھ زیادہ ہی قلب میں ہوگئی ہوگی اور دل میں کوئی چیز آتی ہوئی معلوم ہوئی ہوگی ایسی کہ اس سے قبل قلب اس نوع کی بصیرت سے خالی رہا ہوگا

اصلاح نفس فرض عین ہے

فرمایا کہ ——— اصلاح نفس فرض عین ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے کہ

اعلم ان علم الاخلاص والعجب والحسد والریاء فرض عین ومثلها غیرها من آفات النفوس کالکبر والشح والحقد والغش والغضب والعداوة والبغضاء والطمع والبخل والبطر والخیلاء والخیانة والمداهنة والاستکبار عن الحق والمکر والمخادعة والقسوة وطول الامل ونحوها ولا ینفك عنها بشر فیلزمه ان یتعلم ما یری نفسه محتاجا الیها وازالتها فرض عین ولا یمکن الا بمعرفة حدودها	جانو کہ اخلاص کا علم اور عجب وحسد اور ریا کا علم فرض عین ہے اور اسی طرح سے آفات نفوس میں کی اور دوسری چیزیں جیسے کبر شدت حرص۔ کینہ۔ دھوکا دہی۔ غصہ عداوت۔ بغض۔ لالچ بخل۔ گھمنڈ۔ غرور اور تکبر۔ خیانت۔ دین میں مداہنت کرنا۔ حق سے عار۔ مکروخداع۔ سنگ دلی۔ دورداز کار خیالات اور امیدیں اور اسی طرح کے دیگر رذائل جن سے کوئی فرد بشر خالی نہیں ہے۔ لہٰذا چاہیئے کہ ان امور میں سے جن کی اصلاح کی جانب اپنے کو محتاج پائے انکی حقیقت کو پہچاننے اور ان کو دور کرے کہ یہ فرض عین ہے۔ مگر اسکی معرفت بدون اسکی تعریف کے جانے ناممکن ہے۔
(شامی) (بیاض ۱۵)	(شامی)

اسی طرح سے فتح الباری میں ہے کہ:۔

محبة الله تعالیٰ علیٰ قسمین فرض وندب فالفرض المحبة التی	اللہ تعالیٰ کی محبت کی دو قسمیں ہیں ایک فرض ہے ایک مستحب ہے پس فرض تو وہ محبت ہے

تبعت علی امتثال اوامرہ والانتہاء	جو کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے امتثال پر اور اسکی معصیت سے اجتناب
عن معاصیہ والرضا بما یقدرہ	پر انسان کو ابھارے۔ اور اسکی تقدیر پر راضی رکھے۔ چنانچہ جو شخص
فمن وقع فی معصیۃ من فعل محرم	بھی کسی معصیت میں واقع ہوتا ہے خواہ حرام کا ارتکاب کر کے یا واجب کا
او ترک واجب فلتقصیرہ فی محبۃ	ترک کر کے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کمی ہی کے سبب سے ہوتا ہے اسلئے
اللہ حیث قدم ھوی نفسہ علیہ	کہ اسنے اپنی خواہش کو خدا کے حکم پر مقدم کر دیا۔

نیز شفاء العلیل میں ہے کہ :۔

ف : کامل مطلق وہ ہے جو علم ظاہر اور باطن دونوں کا جامع ہو والا نقصان سے خالی نہیں عالم ظاہر تحصیل نسبت باطن کا محتاج ہے اور باطنی نسبت والا کتاب وسنت کے حاصل کرنیکا حاجتمند تا جامع النورین اور مجمع البحرین اور یادگار اولیاء سابقین اور وارث الانبیاء والمرسلین ہو جاوے۔ وقال المحشی ۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ :۔

مَن تصوف و لم یتفقہ فقد	یعنی جو صوفی ہوا اور فقہ نہ حاصل کیا پس بلاشبہ زندیق
تزندق . ومن تفقہ و لم یتصوف	ہوا یعنی ٹھیٹ کافر اسلئے کہ امن نہیں ہوتا دین کے برباد کرنے سے
فقد تفسق . ومن جمع بینھما	اور جو کوئی فقیہ ہوا اور تصوف نہ حاصل کیا پس بلاشبہ زاہد خشک اور پھیکا
فقد تحقق ۔	پھا کا ملا ہے اور جس نے جمع کیا تصوف اور فقہ کو پس بلاشبہ محقق ہوا۔

دیکھئے مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ رذائل کا ازالہ فرض عین ہے اب اگر آدمی اس پر عمل نہ کریگا تو فاسق ہوگا اور اگر معاذ اللہ اسکا منکر ہوگا تب تو کافر ہی ہو جائے گا نیز یہ کہ امام مالکؒ کے زمانہ میں بھی لفظ تصوف زبانوں پر تھا پس یہ بدعت نہیں ہے ۔

مسئلہ فنا

فرمایا کہ ——— پنجاب کیطرف کے ایک عالم تھے انھوں نے حضرتؒ کی تصنیفات کا مطالعہ کیا تھا ایک دفعہ حضرتؒ کو لکھا کہ آپ کی سب باتیں خوب سمجھ میں آتی ہیں اور الحمد للہ کہ سب مسائل میں تشفی بھی ہو جاتی ہے مگر صرف ایک بات سمجھ میں نہیں آئی

اور وہ فنا کا مسئلہ ہے کہ اس مسئلہ میں قلب کو تسلی نہیں ہوتی کیونکہ فنار کا حاصل تو میں یہی سمجھ رہا ہوں کہ اپنی جملہ صفات کو ختم کردیا جائے لیکن اسپر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص بوشاً عالم ہے تو اب بھلا وہ اپنے علم کو کیونکر ختم کردے اور کس طرح سے اپنے کو جاہل سمجھنے لگے۔ یا اللہ تعالیٰ نے اسکو فہم و عقل سے نوازا ہے تو اب کیونکر اپنے کو بے عقل اور احمق سمجھنے لگ جائے یا کسی کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت عطا فرمایا ہے تو بھلا وہ کیسے اپنے آپ کو بدشکل یا بدسیرت سمجھنے لگے ــــــ"

ہم لوگ برابر اس مسئلہ کو حضرتؒ سے سنا کرتے تھے مگر یہ نہ معلوم تھا کہ واقعی اس میں کوئی اشکال بھی ہے۔ ان مولوی صاحب کے دریافت کرنے سے اور حضرتؒ کے انکے اشکال کی مزید تشریح فرمانے سے معلوم ہوا کہ واقعی اس میں بڑا اشکال ہوتا ہے۔ جب اشکال کی تقریر ذہن نشین ہوگئی تو اب حضرت کا جواب سنیئے۔ سبحان اللہ کتنے بڑے محقق تھے کہ جس مسئلہ میں بڑے بڑے عالم الجھ جاتے تھے حضرت اسکو دو لفظوں میں حل فرما دیتے تھے۔

حضرتؒ نے ان عالم صاحب کو جواب دیا کہ فنار کے یہ معنی تھوڑا ہی ہیں کہ انسان اپنے کمالات اور خوبیوں کو بھی فنا کر ڈالے اور عالم ہے تو اپنے کو جاہل سمجھنے لگے یہ نہ تو مطلوب ہے اور نہ ممکن ہی ہے۔ جن امور خیر کو اللہ تعالیٰ نے کسی انسان میں فطرتاً ودیعت فرمایا ہے انسان قادر نہیں کہ انھیں ختم کر سکے پھر بھلا حضرات صوفیہ جو کہ حکمائے امت ہوئے ہیں۔ اس بات کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ فنا سے مراد ان حضرات کے یہاں رذائل اور اخلاق مذمومہ کا فنار ہے یعنی محل فنا مذموم شئے ہے اسی کو فنا کرنا چاہیئے نہ کہ امور محمودہ۔ بس اشکال رفع ہوگیا۔

دیکھئے حضرتؒ کے اس جواب کے بعد اشکال کس طرح ختم ہوگیا اور فنار کی حقیقت بالکل ذہن نشین ہوگئی اور مسئلہ جو بظاہر دشوار معلوم ہوتا تھا کتنا آسان ہوگیا۔ واقعی محقق کے کلام کی یہی شان ہوتی ہے وہ چونکہ بات کی تہ اور حقیقت تک خود پہونچا ہوا ہوتا ہے اسلئے دوسروں کو بھی وہ بات دلنشیں کرا سکتا ہے اور غیر محقق کو یہ درجہ حاصل نہیں ہوتا۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ______ فنا کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے ایک فنا حسی اور واقعی اور دوسرے فنا علمی ۔ فنا حسی میں تو یہ ہوتا ہے کہ وہ شے حقیقۃً فنا ہو ہی جاتی ہے اور یہ فنا رذائل کا ہوتا ہے کہ جب وہ فنا ہو جاتے ہیں تو پھر نہیں لوٹتے اور اگر کسی کے رذائل عود کر آئیں تو سمجھو کہ ابھی وہ فنا ہی نہیں ہوئے تھے اسکو فنا نفس بھی کہتے ہیں حصول تقویٰ کیلئے اسکا ہونا ضروری ہے ۔ دوسری قسم فنا علمی ہے اسمیں فانی چیز واقع میں فنا نہیں ہوتی لیکن اسکی طرف التفات یعنی اسکا علم فنا ہو جاتا ہے اسکو فنا قلب بھی کہتے ہیں یعنی غیر اللہ کو قلب سے فنا کر دینے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ سب غیر اللہ ختم ہو جاتے ہیں وہ تو سب موجود ہی رہتے ہیں ہاں علم اور التفات انکی جانب سے ہٹکر اللہ تعالیٰ کی جانب ہو جاتا ہے یعنی فنا سے پہلے ان مخلوقات سے جو تعلق تھا اب وہ نہیں لوٹتا باقی اگر انکی جانب التفات ہوتا بھی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے تعلق ہی کے اثر سے یعنی انکے حکم وارشاد سے ہوتا ہے ۔ باقی چونکہ محبت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے ماسوا کا خاتمہ کر دیتی ہے اسلئے بعض حضرات نے اسکو اس عنوان سے تعبیر کر دیا ہے کہ فنا کے معنی یہ ہیں کہ قلب میں ماسوا اللہ ہو ہی نہیں یہ اسی اثر کی تعبیر ہے ورنہ تو شرعاً یہ درجہ مطلوب نہیں ہے اور نہ غیر اللہ کی محبت کا قلب میں ہونا ممنوع ہے حضرتؒ نے ایکبار اپنے وعظ میں اس مسئلہ کو بھی بیان فرمایا کہ غیر اللہ کی محبت سے قلب مطلقاً خالی ہو جائے نصوص سے اسکا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ قرآن شریف میں ہے قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۔ اس میں ان امور کی احبّیت کی ممانعت ہے نفس محبت ممنوع نہیں یہ آیت اس مضمون میں صریح ہے کہ اسمیں احب الیکم من اللہ و رسولہ وارد ہے مخلوق کی محبت اللہ و رسول اور اسکے احکام سے زائد نہ ہو ۔ بس یہ مطلوب ہے ۔

ایک جانب حضرات صوفیاء کے اس قول کو دیکھئے کہ قلب کو غیر اللہ کی محبت سے خالی کرنا چاہیئے دوسری جانب حضرتؒ کی اس تفصیل و تحقیق کو دیکھئے تب آپکو حضرتؒ کی شان تحقیق کا کچھ اندازہ ہوگا محقق کے کلام کی خوبی جب معلوم ہوتی ہے کہ اور کلاموں سے اسکا موازنہ کیا جائے کسی نے سچ کہا ہے ۔ ع و بضدھا تتبین الاشیاء (چیزیں اپنی ضد کے ذریعہ پہچانی جاتی ہیں)۔

(الفانی لا یرد)

فرمایا کہ ——— صوفیاء کرام کے یہاں کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ فنا کے بعد رجوع نہیں ہے۔ چنانچہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ الفانی لا یرد اور من رجع رجع عن الطریق یعنی فانی ہونے کے بعد کوئی شخص مردود نہیں ہوتا اور جو بھی رجوع ہوا ہے وہ طریق ہی سے رجوع ہوا ہے مقصود تک پہونچنے کے بعد کوئی راجع نہیں ہوا کرتا اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ رجوع کہتے ہی ہیں مقصد تک پہونچنے سے پہلے پہلے لوٹ آنے کو اس لئے کہ مقصد سے پہلے ہی پہلے رجوع کا امکان اور موقع رہتا ہے باقی مقصود تک پہونچ جانے کے بعد رجوع کے کیا معنی؟ حضرت سعدی شیرازیؒ نے اس شعر میں اسی مسئلہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے ؎

دگر سالکے محرم راز گشت ۔۔۔ بہ بندند بروے در باز گشت

(یعنی اگر کوئی سالک محرم راز یعنی فانی فی اللہ ہو جاتا ہے تو واپسی کا دروازہ اس پر بند فرما دیتے ہیں)۔

اور علماء طریق نے اس مسئلہ پر دلائل قائم کئے ہیں چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں ——— فقیر اسی مسئلہ کی دلیل میں یہ آیت پیش کرتا ہے کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (یعنی حق تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرتا بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت شفیق اور مہربان ہیں)

علماء کا یہ استدلال بھی بہت خوب ہے لیکن حضرت رحمۃ اللہ سے اس مسئلہ کی ایک اور دلیل سنی وہ سنئے کہ بخاری شریف میں ہرقل اور حضرت ابوسفیانؓ کا مکالمہ بیان کیا گیا ہے اس میں ہے کہ ہرقل نے جب یہ پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے یہاں جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور لوگ انکی دعوت کو قبول کر رہے ہیں تو وہ کون لوگ ہیں یعنی اشراف ناس اور بڑے لوگ ہیں یا ضعفاء قسم کے لوگ ہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ ان کے متبعین ضعفاء

ضعفاء میں، پھر پوچھا کہ انکی تعداد زیادہ ہو رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ کہا نہیں روز بروز بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ کہا اچھا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انکے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے لوگ پھر جاتے ہوں اس دین کو مکروہ سمجھتے ہوئے؟ کہا نہیں ایسا تو نہیں ہوتا۔ اسی طرح اور چند سوالات کر چکنے کے بعد ہرقل نے کہا کہ میں نے تم سے ان کے اتباع کے متعلق دریافت کیا کہ شرفاء قوم ہیں یا ضعفاء تو تم نے کہا کہ ضعفاء ہیں تو سمجھ رکھو کہ ہمیشہ یہی لوگ رسل کے اتباع ہوئے ہیں پھر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ انہیں سے کوئی دین کو مکروہ جانکر مرتد بھی ہو جاتا ہے یا نہیں تو تم نے کہا کہ نہیں تو یاد رکھو کہ یہی حال ایمان کا ہوتا ہے کہ جب اسکی لذت قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو پھر کبھی نہیں زائل ہوتی اور میں نے تم سے یہ بھی پوچھا تھا کہ انکی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے تو تم نے جواب دیا کہ وہ لوگ بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں تو جان لو کہ ایمان کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تا آنکہ تام ہو جائے۔

اس حدیث میں ہرقل کا یہ کہنا کہ وکذلک الایمان حین یخالط بشاشۃ القلوب (یہی حال ایمان کا بھی ہوتا ہے کہ جب قلب کے انشراح کیساتھ گھل مل جاتا ہے (تو پھر نکلتا نہیں) اس میں اس مسئلہ کی دلیل صریح موجود ہے جو اس دلیل سے کہیں زیادہ واضح اور ادل ہے جس کو علمائے طریق بیان کرتے ہیں اس سے حضرت رحمہ اللہ کی شان تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے

نیز حضرت اس مسئلہ کی ایک عقلی دلیل بھی نہایت عمدہ بیان فرماتے تھے کہ یہ فانی کا راجع ہونا ایسا ہی ہے جیسے پکے پھلوں کا خام ہو جانا تو جس طرح سے یہ ناممکن ہے کہ پھل پک جانے کے بعد از سرنو خام ہو جائے اسی طرح سے یہ بھی محال ہے کہ کوئی شخص فنا کے درجہ کو پہونچ جانے کے بعد پھر وہاں سے لوٹ آئے۔ اور جس کو لوگ واصل سمجھتے ہیں اور پھر اسکو بگڑتا دیکھکر تعجب کرتے ہیں کہ یہ شخص پہونچکر پھر خراب ہو گیا تو یہ بات نہیں ہے وہ دراصل واصل ہی نہیں ہوا تھا۔ راہ میں تھا۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں ہے اللھم اعطنی ایمانا لا یرتد ویقینا لیس بعدہ کفر اس میں ایمانا لا یرتد اور یقینا لیس بعدہ کفر اس مسئلہ میں

صریح ہے (کیونکہ حدیث بالا میں ایمان کامل اور یقین کامل کی دعا فرمائی گئی ہے اور ایمان کامل وہی ہے جسکے بعد ارتداد نہ ہو سکے اور یقین کامل وہ ہے جس کے بعد کفر نہو سکے تو ایمان کامل ہو جانے کے بعد اب کفر وارتداد کا ہونا کیسا؟)

(پیر را بگزیں وعین راہ داں)

فرمایا کہ ——— طریق میں شیخ کا جو مقام ہے اور جس درجہ اسکی ضرورت ہے ظاہر ہے لیکن عام طور سے ذہن میں یہی ہے کہ طریق الگ ایک چیز ہے اور شیخ علیحدہ چیز ہے یعنی طریق بتانے والا ہے یعنی رہبر ہے۔ مگر مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

بر نویس احوال پیر راہ داں پیر را بگزیں و عین راہ داں

(اب راستہ جاننے والے پیر کا احوال لکھو اور پیر اختیار کرو اور اس کو عین راہ سمجھو کہ اس میں مولانا شیخ پر عین طریق کا اطلاق فرما رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ نہایت ہی عمدہ بات فرما رہے ہیں اور میں تو سمجھتا ہوں کہ الہام سے فرمارہے ہیں کیونکہ اتنا بڑا دعویٰ آسان نہیں ہے۔ باقی عام شہرت کے چونکہ یہ قول خلاف ہے اسلئے اسکا مطلب سمجھنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس کی توضیح حضرت مولاناؒ نے کلید مثنوی میں یہ فرمائی ہے کہ" (قولہ اسکو عین راہ سمجھو) یعنی راہ باطن کے لئے اسکو ایسی شرط اعظم سمجھو کہ گویا راستہ وہ خود ہے"۔ انتہی

حاصل اس توجیہ کا یہ ہوا کہ یہاں شیخ کو عین طریق کہنا گویا بطور مبالغہ کے ہے یعنی مجازاً ایسا کہدیا گیا ہے جیسے زید عدلٌ یا اِنّ عِزْنۃً کہا جاتا ہے پس شیخ بھی چونکہ راہ باطن کے لئے بمنزلہ شرط اعظم کے ہے اسلئے اسکو عین راہ کہدیا گیا ہے

نہایت صحیح تاویل ہو لیکن میں اسکا ایک اور مطلب بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ جس طرح سے صراط مستقیم موصل الی المطلوب ہوجاتی ہے اسی طرح سے اگر کسی شخص کو کوئی شیخ کامل میسر ہوجائے اور اس سے اسکو عقیدت صادقہ اور محبت تامہ پیدا ہوجائے تو بس اللہ تعالیٰ کی معرفت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت، طریق کی معرفت اور اعمال ظاہری باطنی

سب کی معرفت کیلئے تنہا شیخ ہی کی معرفت اور اس سے تعلق کافی ووافی ہے یعنی اسی سے یہ شخص موصل الی اللہ ہو جائے گا اور جو کام طریق کا تھا وہ تعلق شیخ اور محبت شیخ سے بھی حاصل ہو جائے گا لہذا اسکے عین طریق اور عین راہ ہونے میں کیا شبہ ہے۔

مجھے تو مولانا کی یہ بات بہت ہی پسند آئی اور عین حقیقت معلوم ہوئی مگر شرط یہی ہے کہ وہ شیخ کامل ' اور ادہر سے عقیدت صادقہ۔ انشاء اللہ اس شرط کے بعد پھر وصول میں تخلف نہ ہوگا۔ خواجہ صاحب نے خوب فرمایا ہے ؎

بکن غائب تو خود را در دل او   تماشا کن عجائب در دل او

(تم اپنے آپکو اسکے قلب میں فنا کردو پھر اس کے اندر پہونچکر عجائبات کا تماشا دیکھو)

دلے کو با دل او بستہ گردد   اگر خارے بود گلدستہ گردد

(یہ اسلئے کہ جس دل نے خود کو اسکے ساتھ باندھ دیا تو اگر وہ خود گھاس اور کانٹا بھی ہوگا تو گل کے ہمراہ ہونے کی وجہ گلدستہ ہی کہلائیگا)

ملفوظ فرمایا کہ ایک صاحب کہتے تھے کہ مولوی جو نہیں پہونچتے تو اسلئے کہ وہ شغل نہیں کرتے میں نے اسوقت تو انکی بات سن لی اور خاموش رہا مگر بعد میں جب خود کام کرنے لگا تو سمجھ میں آیا کہ نہیں جی یہ بات نہیں ہے مانا کہ مولوی لوگ صوفیا کے بتلائے ہوئے مخصوص اشغال نہیں کرتے لیکن خود یہ نماز۔ تلاوت وغیرہ بھی تو ایک قسم کا شغل ہی ہے اور مولوی بھی یہ سب کرتا ہے پھر اس کے نہ پہونچنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رستہ میں سب سے بڑا جو مانع ہے وہ نفس ہے اور مولوی کا نفس بھی مولوی ہوتا ہے وہ اسکو ترک نہیں کرتا۔ بس نہ اسکو ترک کرے نہ خدا تک پہونچے اور جاہل جس طرح سے نفس کے نہ چھوڑنے کیوجہ سے محروم رہتا ہے اسی طرح سے عالم کا بھی یہی مرض ہے دونوں کی راہ ایک اور دونوں کی رکاوٹ ایک۔ اور یہ مسئلہ قرآن سے منصوص ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا ہوگا تو جنت اسکا ٹھکانا ہوگا) اس میں دخول جنت کی شرط ہی نفس کو ہوا سے روکنا قرار دیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

(تفریق بین المؤمنین)

(ضبط کردہ یکے از خدام حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ)

تمہید : بعد الحمد والصلوٰۃ۔ آجکل عامہ مسلمین کے حالات ظاہری اور معاملات باہمی نہایت ابتر ہو رہے ہیں دیہات ہو یا شہر کوئی جگہ مستثنیٰ نہیں جہاں یہ عام حالت بگڑی نہ ہو اسکے متعلق صحیح تعلیم و تبلیغ اور اصلاح کی کوشش زبانی تو اکثر ہوتی رہتی ہے مگر جی چاہتا تھا کہ یہ مضمون ضبط اور قلمبند بھی ہو جاتا تو بہتر تھا لیکن باوجود غور و فکر کے طبیعت اسپر قادر نہیں ہوتی تھی کہ اس مضمون کو کس طرح ادا کیا جائے اور کس عنوان سے اسے قوم کے سامنے پیش کروں۔

الحمد للہ کہ آج ابھی کچھ دیر قبل سمجھ میں آگیا تو اللہ کا نام لیکر لکھتا ہوں اور چونکہ اتفاق سے وہ مضمون اپنے اکابر کے یہاں ایسی تصریح کے ساتھ مل گیا کہ اس سے بہتر شاید ممکن نہیں اسلئے میں وہ بیان ہی نقل کئے دیتا ہوں البتہ اسکی تشریح و توضیح میں جن بعض فوائد کا اضافہ مناسب معلوم ہوا انھیں بھی ضمناً درج کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں کاش لوگ اسے سنتے سمجھتے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

کتاب صراط مستقیم میں حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"ہر مسلمان را از دو چیز پرہیز و اجتناب لازم است۔ اول کبر یعنی تکبر کہ آدمی خود را بہتر و بلند تر داند و بدوام تعلی و بزرگی خود جوید چہ ایں خصلت قبیح انسان را بہ کبر می رساند و ازیں جہت اقبح است از دیگر اعمال و خصائل در حدیث شریف است لا یدخل النار احدٌ فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان ولا یدخل الجنۃ احدٌ فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبرٍ"

ہر مسلمان کو دو چیزوں سے بچتے رہنا نہایت ضروری ہے۔ ایک تو تکبر کہ آدمی اپنے

یا دین یا مال وجاہ وعزت میں) اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر جانے اور ہمیشہ اپنی ہی بڑائی کی تلاش اور خیال میں رہے۔ اس خیال بد سے آدمی کو غرور وتکبر کی عادت پڑجاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ خصلت تمام دوسرے اعمال و خصائل میں سب سے بری ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہ جائیگا اور جسکے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائیگا

"دوم افساد وخرابی انداختن درمیان جماعتے از مسلمین۔ وایں مراتب بسیار دارد باعتبار عموم وشمول امکنہ وازمنہ۔ افساد اہل یک خانہ است وافساد اہل یک شہر است وافساد اہل یک اقلیم وافساد اہل چند اقلیم وہمچنیں افساد یک قرن یا دو قرن یا زیادہ ازآں واعلائے آں افسادیست کہ تا مرور دہور از قرون متطاولہ باقی است مثل افساد بلوائیان شہادت حضرت عثمانؓ کہ تمام قرون ایں امت را اثر آں افساد محیط شدہ واول افسادیست کہ دریں امت پیدا گشتہ"

دوسرے افساد یعنی مسلمانوں کی جماعت میں فساد وخرابی ڈالنے۔ انمیں باہم اختلاف اور جھگڑا کراتے اور پھوٹ ڈالنے سے بھی بہت بچنا چاہیئے۔ افساد کے معنی ہی ہیں فساد پھیلانا۔ لوگوں کے امن واطمینان کو برباد کردینا۔ انکو پریشانی اور تباہی میں ڈالدینا افساد اصلاح کی ضد ہے لہٰذا وہ تمام امور جن سے اصلاح فوت ہوتی ہو سب کے سب فتنے اور فساد اور افساد میں داخل ہیں۔ مگر سب فسادات ایک درجہ کے نہیں ہوا کرتے۔ بعض فساد محدود جگہ میں ہوتا ہے مثلاً ایک گھر کا فساد یعنی ایک گھر کے رہنے والوں میں اپنے قول یا فعل سے ایسی حالت پیدا کردینا کہ اس گھر کا عیش مکدر ہوجائے اور انکی معاشرت میں ابتری اور برہمی پیدا ہوجائے۔ مثلاً ساس سے بہو کی شکایت کرنا، یا زن وشوہر میں ایک کے خلاف دوسرے سے کچھ کہہ دینا جس کی وجہ سے دونوں کے خاندانوں تک میں پھوٹ پڑجائے اور رنجش پھیل جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ شیطان کسی نمازیا اور کوئی عبادت ترک کرادینے سے اتنا

خوش نہیں ہوتا جتنا زن و شو میں نفاق اور فساد ڈالکر خوش ہوتا ہے۔ تاہم یہ ایک گھر کا فساد ہے اور درجہ میں کم ہے اس فساد سے جس سے ایک پوری بستی اور گاؤں بھر کے لوگ پریشانی اور تباہی میں پڑ جائیں۔ مثلاً کسی کے خلاف مقدمہ قائم کرا دینا کسی کا کھیت دبا لینا۔ کسی کی کھڑی کھیتی کاٹ لینا۔ کسی کا کوئی جانور غصب کر لینا لاٹھی ڈنڈا چلانا۔ قتل کر دینا جس سے بستی بھر کے لوگ پریشانی میں پڑیں، ان مواقع پر لوگ دو فریق بنجاتے ہیں ایک فریق ظالم کے ساتھ ہوکر اور دوسرا مظلوم کے ساتھ ہوکر ہر طرح کی جا و بیجا حرکتوں کے مرتکب ہوتے اور اپنے اسلاف کی عظمت و حرمت اور اسلام کی صحیح تعلیم کو بھولکر بلکہ قصداً نظرانداز کر کے خود مسلمانوں ہی کے ساتھ وہ تمام کام کر گزرتے ہیں جو خالص منکروں اور حقیقی منافقوں ہی کے ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ قرآن میں انکی صریح ممانعت اور کافر تک کے مقابلہ میں ممانعت ہے۔ قرآن شریف کی سورۂ نساء میں عہد نبوی کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جسے ہم تفسیر موضح القرآن سے بجنسہ نقل کرتے ہیں :۔

"منافق اور ضعیف الاسلام لوگوں میں جب کوئی کسی گناہ اور خرابی کا مرتکب ہوتا تو سزا اور بدنامی سے بچنے کے لئے حیلہ گھڑتے اور آپ صلعم کی خدمت میں ایسے انداز سے اسکا اظہار کرتے کہ آپ انکو بری سمجھ جائیں بلکہ کسی بری الذمہ کے ذمہ تہمت لگا کر اسکے مجرم بنانے میں سعی کرتے اور رل مل کر باہم مشورے کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ یہ ہوا کہ ایک ایسے ہی مسلمان نے دوسرے مسلمان کے گھر میں نقب دیا۔ ایک تھیلا آٹے کا اور اسکے ساتھ کچھ ہتھیار چرا کر لے گیا۔ اس تھیلے میں اتفاقاً سوراخ تھا چور کے گھر تک راستہ میں آٹا گرتا گیا۔ چور نے یہ تدبیر کی مال اپنے گھر نہ رکھا بلکہ رات ہی میں وہ مال لیجا کر ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا جو اسکا واقف تھا۔ صبح کو مالک نے آٹے کے سراغ پر چور کو جا پکڑا مگر تلاش پر اسکے گھر میں کچھ نہ نکلا۔ ادھر چور نے قسم کھالی کہ مجھکو کچھ خبر نہیں۔ آٹے کا سراغ

آگے کو چلنا نظر آیا تو مالک نے اسی سراغ پر یہودی کو جا پکڑا اس نے مال کا اقرار کرلیا کہ میرے گھر میں موجود ہے مگر میرے پاس تو رات فلاں شخص امانت رکھ گیا ہے۔ میں چور نہیں ہوں مالک نے یہ قصہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچایا۔ چور کی قوم اور اسکی جماعت نے اتفاق کیا کہ جس طرح سے ہوسکے اسپر چوری ثابت نہ ہونے دو۔ یہودی کو چور بناؤ۔ چنانچہ یہودی سے جھگڑے اور آپ کی خدمت میں چور کی برأت پر قسمیں کھائیں گواہی دی، قریب تھا کہ یہودی چور سمجھا جائے اور مجرم قرار دیا جائے کہ حق سبحانہ نے متعدد آیتیں نازل فرمائیں اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور سب کو متنبہ فرمادیا کہ چور یہی مسلمان ہے اور یہودی اس میں سچا اور بے قصور ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے ایسے لوگوں کی قلعی کھولکر سب کو متنبہ کردیا — آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول! ہم نے آپ پر اپنی سچی کتاب اسلئے اتاری کہ ہمارے سمجھانے اور بتلانے کے موافق، تمام لوگوں میں، نیک ہوں یا بد، مومن ہوں یا کافر، حکم اور انصاف کیا جائے۔ اور جو دغاباز ہیں انکی بات کا اعتبار اور ان کی طرفداری ہرگز مت کرو۔ اور انکی قسم اور انکی گواہی پر کسی بے قصور کو مجرم مت بناؤ یعنی ان دغابازوں کیطرف ہوکر یہودی سے مت جھگڑو قبل تحقیق صرف ظاہری حال کو دیکھکر چور کو بری اور یہودی مذکور کو چور خیال کرلینا تمھاری عصمت اور عظمت شان کے مناسب نہیں۔ اس سے استغفار چاہیئے۔ اسمیں کامل تنبیہ ہوگئی ان مخلصین صحابہؓ کو جو بوجہ تعلق اسلامی یا قومی وغیرہ چور پر حسن ظن کرکے یہودی کے چور بنانے میں ساعی ہوئے۔ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ غلبۂ شفقت جو آپکو تمام خلق بالخصوص اپنی امت پر تھا حق تعالیٰ سے ان خطا واروں کی معافی چاہی، اس پر ارشاد ہوا کہ ان دغابازوں کیطرف ہوکر اللہ سے کیوں جھگڑتے ہو۔ ایسے لوگ اللہ کو خوش نہیں آتے یہ تو لوگوں سے چھپ چھپ کر راتوں کو ناجائز مشورے کرتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے...

(آگے فرمایا) اور اگر آپ نے انکی معافی نہ بھی مانگی ہو تو آپکے معافی مانگنے کا احتمال تو بالیقین موجود تھا (آگے فرمایا) سو اسکی پیش بندی کیلئے حق نے یہ ارشاد فرما کر ان لوگوں کی سفارش سے روک دیا.... (آگے لکھتے ہیں) جس نے چھوٹا یا بڑا گناہ کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ لگایا تو اسپر دو گناہ لازم ہو گئے ایک جھوٹی تہمت اور دوسرا وہ اصلی گناہ۔ تو ظاہر ہو گیا کہ خود چوری کر کے یہودی پر تہمت دھرنے سے اور وبال بڑھ گیا نفع خاک بھی نہ ہوا" (فوائد موضح القرآن آیت انا انزلنا الیک الکتاب بالحق)

دیکھئے یہ ہونا چاہئے ایک سچے مسلمان کا طرز عمل کہ مومن ہو یا کافر سب کے مقابلہ میں صرف حق کا ساتھ دیں اپنی قوم یا خاندان والے کا قصور ہو تو اسکو بری بنانے کی کوشش یا اسکی بیجا حمایت و طرفداری نہ کریں۔ دغابازوں کا ساتھ نہ دیں، نہ انکی سفارش کریں خواہ وہ کوئی ہوں۔ اوپر کی عبارت میں "ہمارے سمجھانے اور تبلانے کے موافق" کے الفاظ کا مطلب یہی ہے کہ دیکھو نہ تو کسی معاملہ میں خاندانی رواج کی ترجیح کرنا نہ اپنی من مانی بات اور طبعی رجحان کیطرف جھکنا بلکہ اللہ کی شریعت پر چلنا خواہ کسی کے خلاف ہو خواہ کوئی ناخوش ہو۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو ساری بستی والوں کی اطمینانی زندگی برباد اور چوپٹ ہو جائیگی۔ بہر حال یہ ایک بستی کے فساد کا ذکر تھا اس سے بڑھکر فساد وہ ہے جسکا اثر اور ضرر ایک شہر بھر کے لوگوں کو پہونچے اور پھر اس سے بھی بڑھکر سخت فساد وہ ہے جس سے ایک صوبہ بھر والوں کی زندگیاں منغص ہو جائیں اور ان سب سے زیادہ ہولناک فساد وہ ہے جسکا اثر ایک پورے ملک والوں پر پڑے۔ اور پھر اس سے بھی بڑھکر ہولناک فساد وہ ہے جو عالمگیر اور بین الاقوامی ہو کہ سارے عالم کے لوگ پریشانی اور تباہی میں زندگی گزاریں۔ یہ سب صورتیں اسکی تھیں کہ زمین کے کم یا زیادہ رقبہ میں فساد اور خلفشار، بدنظمی اور برہمی پھیل جائے۔

ٹھیک اسی طرح سمجھو کہ بعض فساد زمانہ اور وقت کے ایک محدود اور مختصر حصہ میں ہوتے ہیں تو انکا ضرر بھی محدود وقت سے آگے نہیں بڑھنے پاتا۔ جیسے کسی نے

کسی کی کوئی چیز چرالی۔ لیکن بعض فتنہ و فساد کا اثر زیادہ زمانہ مثلاً دو چار برس تک رہتا ہے اسکا درجہ پہلے فساد سے بڑھکر ہے۔ اس سے بڑھکر وہ فتنہ و شورش ہے جس کے مضر اثرات ایک صدی دو صدی تک جاری رہیں۔ لیکن انکے علاوہ بعض فساد تو ایسا ہوتا ہے کہ اپنے شروع ہونے کے وقت سے لیکر رہتی دنیا تک اپنے تباہ کن اثرات سے سارے اہل عالم کو متاثر کرتا رہتا ہے ۔ جیسے امام برحق خلیفہ ثالث حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کو شہید کرکے سبائی بلوائیوں نے دین اسلام میں ایسا رخنہ ڈالا اور مسلمانوں میں اس غضب کا فتنہ پھیلایا کہ اسکے تباہ کن اثرات اسوقت سے لیکر آج تک ہر صدی میں اور مدینہ شریف سے لیکر مشرق و مغرب شمال و جنوب کے ہر ملک میں کم و بیش ساری امت محمدیہ کو پہونچتے چلے آتے ہیں یہ سب سے پہلا فتنہ ہے جو اس امت میں پیدا ہوا جسکی مردودیت کی اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دیدی تھی فلعنۃ اللہ علیٰ شر صاحبھا۔ (میرے خیال میں اس ملعون فتنہ کی عالمگیری کیوجہ وہ واقعہ ہے جس کے متعلق روایت ہے کہ شہادت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا خون آلود سر اپنی ہتھیلی پر رکھکر بارگاہ ایزدی میں پیش کرکے فریاد کی کہ "خداوندا! یہ آپکا بندہ عثمان آخر کس جرم میں شہید کیا گیا ہے؟ تو اس بے گناہ خدا کے ولی اور امام برحق کی شہادت پر بحکم من عادی لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب حق تعالیٰ کے دریائے غضب میں جوش آیا اور چند قطرے خون کے زمین پر گرے اور حق تعالیٰ نے فرمایا کہ "اب میں بھی تیرے خون کا بدلہ ساری دنیا سے قیامت تک لونگا۔" چنانچہ اسکے بعد پھر مسلمانوں کی تلوار مسلمانوں ہی پر اٹھتی رہی۔ صفین و جمل کے معرکے۔ خوارج کا ظہور انسے لڑائیاں۔ اور حدیہ کہ حضرت خاتم الولایۃ شاہ مرداں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت وغیرہ کی تباہ کاریاں[۵] اسی ملعون فتنہ

---

[۵] سبائی ذریت کی تباہ کاریاں کچھ اسطرح زندگی کے ہر شعبہ میں رل مل گئی ہیں کہ انکا دور کرنا تو در کنار آج بہت سے لوگوں کو اسکا احساس اور علم بھی نہیں جسکی چند مثالیں یہ ہیں۔ حضرت علیؓ کو شیخین سے افضل جاننا حضرات حسنینؓ کے ساتھ بجائے سیدنا اور رضی اللہ کے امام اور علیہ السلام کہنا۔ اہلبیت رسول سے صرف حضرت سیدہ خاتون جنت حضرت علی۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو مراد لینا اور ازواج مطہرات کو مراد نہ لینا۔ سیدنا حسینؓ کی شہادت کو بھی

کے اثر و نتیجہ میں ظہور میں آئیں اور اسکے مضر اثرات ہر ملک میں اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں کم و بیش آج تک جاری ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گے۔

" وافساد را انواع بسیار است گاہے قتل می بود گاہے اہانت گاہے تجسس عیوب و گاہے مشورت بد دادن "۔

خیر یہ ذکر تو فساد کے درجات کا تھا اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ فتنہ و فساد کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ قتل کرنا بھی فساد ہے۔ لوٹ مار کرنا، لاٹھی ڈنڈا چلانا، مکان پھونک دینا بھی فساد ہے۔ لیکن کسی کو ذلیل و بے آبرو کر دینا۔ گالی دیدینا۔ عورتوں پر دست درازی کر بیٹھنا۔ کسی کی عیب جوئی کرنا۔ عیبوں کا ہر جگہ چرچا کرتے پھرنا۔ کسی پر بہتان وافترا کرنا یہ سب بھی فساد ہے اور بحکم آیت قرآنی والفتنۃ اشد من القتل یہ باتیں تو قتل سے بھی بڑھکر ہیں۔ کسی کی تذلیل کرنا تو گویا اسکو زندہ در گور ہی کر دینا ہے مگر عجب تماشا ہے کہ لوگ عام طور سے صرف قتل و غارتگری، مار پیٹ اور آتش زنی کو تو فساد سمجھتے ہیں مگر کسی کو گالی دے بیٹھنے کسی سے سخت کلامی کرنے۔ کسی کی بے آبروئی کرنے کسی کی عیب جوئی کرنے اور بدنام کرتے پھرنے کو فساد ہی نہیں سمجھتے (ان سب کو تو شاید تفریح طبع اور تبدیل ذائقہ اور ہضم غذا کا چورن سمجھتے ہیں جسکے بغیر انکی صحت ٹھیک نہ رہنے کا اندیشہ ہو)۔ اسی طرح کسی کو غلط اور فتنہ خیز مشورہ دیدینا۔ شرانگیز باتیں سجھانا۔ ناجائز ترکیبیں بتانا۔ کسی کے جانی مالی نقصان کی یا بے آبروئی کی سازشیں کرنا۔ مفسدوں کی سازش میں شرکت کرنا۔ کسی پر جھوٹا مقدمہ چلا دینا یہ سب بھی بڑے درجہ کا فساد ہے۔

---

* سیدنا حمزہؓ اور سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے بڑے درجہ کی ماننا۔ محرم میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی نذر و نیاز ماننا۔ نوحہ و ماتم کرنا وغیرہ وغیرہ بیشمار عمل و عقائد دونوں کی خرابیاں اہل سنت والجماعۃ میں عام طور پر پھیل گئی ہیں۔ اور پیشہ ور " بیان شہادت " کرنے والے سنّی مولویوں نے چونکہ اپنی دنیا کو اپنی آخرت اور امت کی آخرت پر ترجیح دے لی ہے اسلئے اور بھی یہ خرابیاں راسخ ہو گئی ہیں۔ فالی اللہ المشتکی ۱۲ احقر جامع۔

" وایں امور ہم بہ نسبتِ اشخاص در معنیٔ افساد متبدل می شود۔ مثلاً کشتن رئیس یک محلہ کہ موجب انتظام امورِ معاش بود مرتبہ دارد۔ و قبح کشتنِ بادشاہ عادل و ضابطا کہ موجب برہمی امور خلائق باشد افساد کہ قبح آں بہ ہزار ہا مراتب زائد از قبح اول است۔ و ہمچنین کشتن قیم مسجد چند کس از مسلمین بسببِ او در مسجد بنا بر نماز جمع می شوند قبیح است و کشتن عالم باکمال کہ حلال مشکلات و مرجع خاص و عام خلائق بود ہ مصداق امام اعظم وقت و بخاری عہد و غزالی زماں گشتہ باشد قبحے و خامتے دارد کہ پایانِ آں نیست۔

اسکے بعد اب یہ سمجھو کہ فساد اور فتنہ کی جن خرابیوں کا اوپر ذکر کیا گیا اسکا تعلق نفس فسادی کی حرکت سے تھا۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جن کے خلاف کوئی فتنہ وفساد اٹھایا جائے یا کوئی شرارت کیجائے اسکے مرتبہ کے کم یا زیادہ ہونے کی وجہ سے فساد کا درجہ بھی اعلیٰ یا ادنیٰ ہوگا۔ اگر مثلاً کوئی شخص ایک محلہ کے رئیس کو مار ڈالے یا اسکی بے آبروئی اور اور تذلیل کرے تو یہ بھی فساد ضرور ہے مگر معمولی درجہ کا ہے کیونکہ اس رئیس کی ذات سے صرف ایک محلہ والوں کے دنیاوی معاملات کا انتظام وابستہ تھا اس لئے اس فساد کی خرابی بھی کم ہوگی لیکن فرض کرو کہ ایک شخص نے کسی منصف اور عادل نیک نام اور خوش انتظام بادشاہ کو قتل کر دیا یا اسکی اہانت وتذلیل کی تو اس فساد کی خرابی پہلے فساد کی خرابی سے ہزار ہا گونہ بڑھی ہوئی ہوگی۔ وجہ ظاہر ہے کہ اس عادل بادشاہ کے قتل یا بے آبروئی کے بعد اسکی رعایا کا سارا کام سارا انتظام اور سارا آرام درہم برہم ہو جائے گا۔ بیشمار لوگ پریشان اور بے سہارا ہو جائیں گے جس طرح دنیاوی لحاظ سے ایک رئیس محلہ اور ایک بادشاہ کے مرتبے میں فرق ہے اور اسی فرق کی بنا پر دونوں کے ساتھ کئے جانے والے فساد کے درجہ اور خرابی میں بھی فرق تم سمجھ چکے ہو اسی طرح دین کے لحاظ سے بھی لوگوں کے درجوں میں بھی فرق ہوتا ہے اور اسی فرق ہی کی بنا پر وہ اہل دین جس درجہ کا انسان ہوگا اسی نسبت سے اسکے

ساتھ فساد کرنے کا درجہ بھی عظیم سے عظیم تر ہوتا جائے گا مثلاً کسی نے اگر ایک مسجد کے متولی اور منتظم کو مار ڈالا یا اسکی آبرو ریزی کی تو اس قتل یا تذلیل سے بھی یقیناً ایک فساد پھیلے گا اور ایک خلفشار سا مچ جائے گا اس شخص ہی کی وجہ سے کچھ لوگ مسجد میں نماز اور عبادت حق کی خاطر جمع ہو جاتے تھے اسکے قتل یا تذلیل کے باعث وہ سلسلہ بند ہو جائے گا۔ لیکن اسکے مقابلہ میں اگر کسی بدبخت نے کسی جید اور حقانی عالم اور متبع سنت عارف کو خدا نخواستہ قتل کر ڈالا یا ایسے باخدا ولی کی اہانت کی تو خدا کی پناہ یہ تو ایک ایسا فساد ہے کہ اسکی خرابی اور برائی اسکی قباحت اور شناعت اسکے مہلک اثرات اور اسکے دینی و دنیاوی نقصانات کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ یہ قتل اور یہ آبرو ریزی ایک عالم کی نہیں بلکہ سارے عالم کی سمجھی جائے گی کیونکہ ایک عالم ربانی اور عارف سبحانی کی ذات وہ چیز ہوتی ہے جس سے ہزاروں نفوس کی دینی اور دنیاوی مشکلیں حل ہوتی ہیں۔ لاکھوں انسانوں کی طرح طرح کی امید اور منفعت اس سے وابستہ ہوتی ہے۔ حاجت مندوں کی حاجتیں اس سے پوری ہوتی ہیں۔ جاہلوں تک کو علم اسی سرچشمہ سے پہونچتا ہے۔ گمراہ اسی سے ہدایت پاتے ہیں۔ بیمار اسی سے شفا پاتے ہیں۔ عوام اس سے صحیح دین اور علما اس سے علم و یقین کا سبق پاتے ہیں۔ بداخلاق لوگوں کے لئے وہ اخلاق نبوی کی ایک زندہ اور متحرک کتاب ہوتا ہے۔ غرض بےشمار مخلوق اپنی اپنی ظاہری اور باطنی۔ جسمانی و روحانی۔ مالی اور حالی۔ علمی اور عقلی ضرورتوں کے لئے اسی کی طرف رجوع ہوتے اور اپنی اپنی مراد سے مالا مال ہو کر واپس جاتے ہیں۔ لوگ اسکو مسائل شرعیہ میں جانچتے ہیں تو اپنے وقت کا امام اعظم پاتے ہیں۔ حدیث رسول اور علم و عمل کے لحاظ سے پرکھتے ہیں تو وہ ان کو اس عہد کا بخاری اور بیہقی نظر آتا ہے۔ سلوک و عرفان اور تصوف و احسان کے میدان میں اسکا درجہ دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ انکو اپنے زمانہ کا غزالی اور قشیری معلوم ہوتا ہے ایسے شخص کو قتل یا بے آبرو کرنا گویا فقہ اور مسائل شرعیہ کے درخت پر آرہ چلانا اور حدیث کے علم و عمل کی اشاعت کے سرچشمہ کو بند کر دینا اور ارشاد باطنی

افاضہ روحانی کی راہ میں روڑے اٹکانا ہے۔ اس فساد کی جتنی بھی خرابی بیان کیجائے کم ہے

"و برگشتن قیاس باید کرد اہانت و تجسس عیوب را و ہر قدر افساد سخت تر۔ برہمی ایمان بیشتر و سبب افزونی ایں کار زشت آنست کہ از افساد اتلاف حقوق ناس و تخم گناہانِ کثیر کہ تا مدتہا باقی ماند می شود و آں قدر وبال آں بر مفسد فتنہ انگیز متراکم می شود کہ در غضب الٰہی گرفتار شدہ بہ انجام بد و خاتمہ، سوا از دنیا می رود و مایوس از مغفرت و رحمت الٰہی میگردد۔

یہاں ایک بات ایک بار پھر سمجھ لینا چاہیئے کہ لوگ صرف قتل و غارت ہی کو فساد سمجھتے ہیں، مگر جیسا ہم اوپر بتاتے آئے ہیں کسی انسان کی اور خصوصاً کسی عالم ربانی کی اہانت و تذلیل اسکی غیبت و شکایت۔ اس سے سوء ظن اور اسپر افتراء اسکی عیب جوئی اور پھر اسکی اشاعت وغیرہ بھی ضرر و اثر قباحت اور شناعت میں کسی طرح قتل سے کم نہیں۔ اس تقریر سے خود بخود سمجھ میں آگیا ہوگا کہ فساد جس قدر زیادہ سخت ہوگا اسی تناسب سے اسکے زیر اثر لوگوں کا ایمان بھی برباد اور چوپٹ ہو جائیگا اور ایمانی ماحول ختم ہو کر ایک غیر ایمانی اور نہایت مسموم ماحول پیدا ہو جائے گا جسمیں خدا کی رحمت نام کو بھی نہ ہوگی۔ ایسے سخت نتیجہ کے پیدا ہونے پر تعجب نکرنا چاہیئے۔ اس بری حرکت یعنی فساد پھیلانے کی خرابی اسقدر زیادہ ہوجانے کیوجہ یہ ہے کہ فساد پھیلانے سے ایک تو بیشمار لوگوں کے حقوق تلف ہوتے ہیں خود مفسد اور اسکے ہمراز لوگ اپنے فساد کیوجہ سے نہ معلوم کتنے بری انسانوں اور بے قصور لوگوں اور عالموں کی آبروریزی، غیبت اور شکایت میں مبتلا ہوئے ہونگے۔ ہزاروں انسانوں کی اطمینان اور سکون کی زندگی خواب و خیال بنجاتی ہے اور ایک عجیب بے اطمینانی اور پریشانی، خوف و ہراس، وہم و وسواس کی زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ دوسرے اس فساد پھیلانے سے بے شمار نئے گناہوں کی بنیاد بھی پڑتی جاتی

ہے مثلاً غیبت، سوئے ظن، غضب۔ حقد و عناد۔ کذب و افترا۔ ارجاف اور خبر سازی سازش اور تعاون علی الاثم۔ صد عن سبیل اللہ۔ مسلمانوں میں نفاق اور تفریق سخت کلامی۔ آبروریزی قتل و غارت وغیرہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ یہ سب گناہ ایک ہی دو انسانوں تک یا ایک ہی دو دن یا ہفتہ یا سال تک یا ایک ہی دو گھر تک محدود رہیں بلکہ اسمیں ہزاروں آدمی شریک ہوتے جاتے ہیں۔ مدتوں تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور دور دراز تک اسکا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔ پس اس بانی فساد پر نہ خود اپنے بلکہ اسکے فساد میں مبتلا ہونے والے تمام انسانوں کے اور عرصۂ دراز تک کے ان تمام مذکورہ گناہوں کا وبال بحکم حدیث "من سنّ سنّۃ سیئۃ الخ" اسقدر پڑتا اور تہ بر تہ لدتا چلا جاتا ہے کہ پھر وہ غضب خداوندی میں گرفتار ہو جاتا ہے اور پھر تو اسکا خاتمہ بھی ایمان پر نہیں ہوتا۔ اور وہ دنیا سے اس حال میں خدا کے سامنے جاتا ہے کہ خدا کی مغفرت اور بخشائش سے دور اور اسکی رحمتِ بے نہایت سے مہجور ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ منہ۔

"واز ظلم ہم احتراز لازم است کہ فی الحقیقت منشا ظلم یا کبر است یا افساد پس در ظلم شعبہ کبر خواہد بود یا شعبہ افساد۔ و اجتناب از کبر و افساد تمام نخواہد شد مگر با اجتناب از ظلم۔ در حدیث شریف است الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصیام والصدقۃ والصلوٰۃ قالوا بلیٰ۔ قال اصلاح ذات البین۔ وافساد ذات البین ھی الحالقۃ ولا اقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین"۔ ۱۲

(صراط مستقیم ص)

اور ہر مسلمان کو ظلم سے بچنا نہایت ضروری ہے کیونکہ فی الحقیقت ظلم یا تو آدمی اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر جانتا ہے یا پھر اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ لوگوں میں فساد ڈالنا چاہتا ہے۔ پس ظلم

جو سب کے نزدیک بُری چیز ہے یا تو کبر سے پیدا ہوتا ہے یا پھر فساد سے اس لئے کبر یا فساد سے پوری طرح بچنا بھی اسی وقت ممکن ہے جب آدمی ظلم سے بھی بچتا رہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے :-

لوگو سنو! کیا میں تمھیں ایسی چیز کی اطلاع نہ دوں جس کا درجہ نفل روزہ نفل خیر خیرات اور نفل نمازوں سے بڑھکر ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ضرور مطلع فرمائیے۔ تو آپؐ نے فرمایا وہ آپس کی رنجشوں کی جلد اصلاح کر لینا ہے۔ کیونکہ آپس میں فساد اور پھوٹ تو بس مونڈ ہی دیتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ بال کو مونڈ دیتا ہے بلکہ دین ہی کو مونڈ دیتا ہے"

یعنی خدا کے خوف، انسانیت کے لحاظ اور دین کی تعلیم کو ختم کر کے انسان کو گویا دین سے خارج ہی کر دیتا ہے۔

تفریق بین المومنین

(سلسلہ گذشتہ)

الغرض چونکہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور تفریق بین المومنین اعلیٰ درجہ کا فساد اور حرام اور گناہ کبیرہ ہے اسلئے نامناسب نہ ہوگا اگر ہم تفریق بین المومنین کی اور اسکی مناسبت سے سوء ظن کے متعلق بھی کچھ آیات واحادیث آپ کے سامنے پیش کر دیں شاید اس آئینہ میں ہمارے بھائی اپنے ناصیۂ حال کے مکروہ داغ کو دیکھکر انکو اپنی ذات سے دور کرنے کیطرف مائل ہو جائیں آج قوم کی شومیٔ قسمت سے یہی امراض مسلمانوں کیلئے لازم حال ہو رہے ہیں

(۱) تفریق بین المومنین کی مذمت قرآن میں آئی ہے۔ سنئے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مسجد ضرار کی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

"حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر آئے تو مدینہ سے باہر اترے ایک محلہ تھا بنی عمرو بن عوف کا، بعد چند روز کے شہر میں جگہ پکڑی اور مسجد نبوی تعمیر کی۔ اس محلہ میں جہاں نماز پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں نے مسجد تیار کی اور جماعت قائم رہی یہ مسجد قبا مشہور ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہفتہ کے روز وہاں جاتے اور نماز پڑھتے۔ اس محلہ میں بعضے منافقوں نے چاہا کہ اور مسجد بنا دیں پہلوں کی ضد پر اور اپنی جماعت جدا ٹھہرادیں اور ایک راہب ابو عامر کہ اسلام کی ضد سے نکل گیا تھا اسکو نفاق سے بلا کر وہاں سردار و امام کریں۔ حضرت سے چاہا کہ ایک بار اول آپ وہاں نماز پڑھیں تو ہم جماعت قائم کریں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی دغا معلوم نہ تھی وعدہ کیا کہ جنگ تبوک سے ہم پھر آئینگے تو اول وہاں نماز پڑھکر شہر میں داخل ہونگے۔ حق تعالےٰ نے پہلے سے خبردار کر دیا اور مسجد قبا کے لوگوں کی تعریف کی۔ آدمی خبردار رہے کہ ظاہر بعضی عبادت ہے اور نیت اسمیں نفسانیت ہے۔ اسکا یہ حال ہے"۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا — اور جنہوں نے بنائی ہے مسجد ضد پر اور کفر پر

وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ — اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (توبہ ۱۳)

ٹھکانا اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اسکے رسول سے پہلے سے اور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی چاہی تھی۔ اور اللہ گواہ ہے وہ جھوٹے ہیں (تفسیر موضح القرآن پارہ ۱۱)

(فوائد) دیکھئے حق تعالےٰ نے ان منافقین کی اغراض فاسدہ کا ذکر چار الفاظ میں کیا ہے اور چاروں پر نکیر فرمائی پہلا لفظ ضرار ہے۔ حضورؐ نے بھی فرمایا لاضرر ولاضرار فی الاسلام مگر ضرر اور ضرار میں فرق ہے۔ ضرر کہتے ہیں ابتداءً کسی کو نقصان پہنچانے کو۔ اس لفظ میں یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ کسی کا نقصان کر دینا جسمیں اپنا فائدہ ہو لیکن ضرار کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اسکے شر کے جواب میں ضرر پہونچانا اسطرح کہ اپنا نفع کچھ نہ ہو پس حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان کو نہ تو یہ چاہیئے کہ اپنا نفع کرنے کے لئے ابتداءً کسی دوسرے کا نقصان کرے اور نہ یہ چاہیئے کہ کسی کے ضرر کے جواب میں ضرر پہنچائے وہ بھی اسطرح کہ اس میں خود اسکا کچھ نفع نہ ہو۔ تو منافقین کی مسجد کو ضرار اسلئے کہا کہ انھوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیئے یہ مسجد بنائی جسمیں خود انکا اپنا نفع بھی کچھ نہ تھا۔ ضرر اور ضرار کسی طرح ہو یوں بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے نہ کہ مسجد کے ذریعہ سے ضرر پہنچانا یہ تو اور بھی حرام اور شدید گناہ کبیرہ ہوگیا۔ دوسرا لفظ کفر ہے کفر یوں بھی ممنوع ہے نہ کہ مسجد کے پردے میں کفر کرنا اور بھی مبغوض ہے۔ تیسرا لفظ تفریق بین المومنین ہے یعنی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا یہ چیز کسی معمولی قول اور فعل کی شکل میں حرام اور گناہ کبیرہ ہے نہ کہ مسجد کے ذریعہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی جائے یہ فعل تو بہت بڑی شناعت رکھتا ہے۔ چوتھا لفظ ارصاد ہے یعنی دشمن خدا و رسولؐ کا گھات لگاتا ہے۔ یہ چیز خود خدا کے غضب کا موجب اور حرام تھی نہ کہ مسجد میں دشمن خدا و رسولؐ کا گھات میں بیٹھنا اور بھی سخت غضب خداوندی کا باعث تھا۔ غرض ایک دو نہیں چار حرام اور گناہ کی اغراض کے باعث خدا نے حضورؐ کو وہاں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضورؐ کے حکم سے صحابہؓ نے جاکر وہ مسجد نفاق و ضرار گرادی۔

(۲) مسجد دراصل چار اغراض صحیحہ سے بنائی جاتی ہے۔ سب سے پہلی غرض ارضائے حق، خالصاً لوجہ اللہ اور فی سبیل اللہ خدا پر ایمان رکھکر اور اس سے ثواب پانے کی نیت سے۔ اس اصل غرض کے ساتھ تین حکمتیں[۵] اور بھی ہیں۔ ایک نفع مسلمین کہ مسلمان لوگ وہاں دھوپ اور بارش سے بچ سکیں۔ گھر اور بازار کے شور و غل سے بھاگ کر یکسوئی اور سکون حاصل کر سکیں۔ دوسرے اجتماع مسلمین اور اتحاد کلمۃ المسلمین کہ آس پاس کے تمام مسلمان وہاں دن میں پانچ بار جمع ہوں تاکہ باہم اتحاد و اتفاق بڑھے ایک کو دوسرے کے حال کی خبر ہوتی رہے اور ہمدردی بڑھتی رہے اور اس ہیئت اجتماعی کی برکت سے دشمنوں پر رعب رہے۔ تیسرے ارصاد لمن اطاع اللہ ورسولہ، یعنی مسلمانوں کے تمام دینی اور دنیاوی معاملات کا مشورہ وانتظام دشمنوں کے مقابلہ میں انکی فتح و نصرت اور غلبہ کیلئے دعا۔ لیکن منافقین نے قلب موضوع کر کے ہر چیز کی ضد اختیار کی۔ ایمان[۱] اور ارضائے حق کے مقابلہ میں کفر انکی غرض تھی۔ نفع مسلمین[۲] کی بجائے انکی نیت ضرار مسلمین کی تھی۔ اتحاد کلمہ[۳] اور اجتماع قوم کی جگہ وہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتے تھے۔ اور مسلمانوں[۴] کی ترقی اور دعائے خیر کے مقابلہ میں مسلمانوں کے خلاف سازش اور اسلام کی تباہی کی تدبیریں کرنا چاہتے تھے۔ اس سے بڑھکر اور کون سا فساد ہو سکتا تھا

(۳) اس آیت میں نہایت صراحت سے اس بات کی تعلیم کھلی رہتی دنیا تک کیلئے دیدی ہے کہ تفریق بین المؤمنین تو منافقین اور منکرین کا شیوہ ہے اور ہو سکتا ہے ورنہ اپنے ہم خیال لوگوں کو پریشان کرنا اسکی سازش کرنا یہ کام نہ مسلمانوں کا ہو سکتا ہے

---

[۵] یہاں بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ مسجد بنانے میں ایمان و احتساب کے ساتھ کسی اور حکمت کا لحاظ کرنا شاید خلوص کے منافی ہوگا مگر ایسا نہیں۔ یہ نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے۔ دیکھئے قرآن میں ہے وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الخ یعنی تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں اور کمزور مسلمان مردوں اور عورتوں کی حمایت میں نہیں لڑتے۔ یہاں قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ خود حق تعالیٰ ترغیب دے رہے ہے کہ کمزور مسلمانوں کا بھی لحاظ کرتے رہو۔ ۱۲ جامع

اور نہ ہونا چاہیئے۔ یہی معنی ہیں اس حدیث نبوی کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ — یعنی مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے سارے مسلمان محفوظ رہیں۔

مطلب یہ کہ جو شخص اپنی زبان یا ہاتھ سے کوئی ایسی بات کرے جس سے مسلمانوں کی جان و آبرو، مال و وقار محفوظ نہ رہنے پائے مثلاً مسلمانوں کا قومی راز ظاہر کرے جھوٹ بولکر یا جھوٹی گواہی دیکر مسلمانوں کو نقصان پہنچا وے۔ غیبت بدگوئی کرے مال چرائے۔ مار پیٹ کرے۔ قتل کرے تو وہ مسلمان نہیں۔ اسلام تو نام ہی سلم اور صلح کا ہے۔ تو جو شخص سلم اور صلح امن و راحت میں خلل ڈالے مسلمانوں میں پھوٹ پیدا کرے اسکا پھر اسلام سے تعلق کیا رہ گیا۔ اب اگر ہم انصاف سے آجکل کے مسلمانوں کے باہمی معاملات کو دیکھیں تو ہر جگہ آفتاب نیمروز کیطرح روشن ہو جائے گا کہ بہت سے کام مسلمانوں میں باہم تفریق پیدا کرنے اور پھوٹ ڈالنے کے برابر کئے جاتے ہیں، تو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ تفریق بین المسلمین کے کام حرام اور گناہ ہیں ان پر قیامت میں پرسش اور سزا بھی ہوگی خواہ کتنا ہی انکو دینی رنگ دیا جائے انکے ظاہر کا اعتبار ہرگز نکرنا چاہیئے

(۲) سوء ظن یہ ہے کہ کسی کی نسبت برا گمان کرکے اسکا یقین کرلینا۔ یہ بہت سخت گناہ ہے اسکے حرام ہونے کیلئے یہ چیز بس کرتی ہے کہ سوء ظن ہی سے تجسس کا خیال پیدا ہوتا ہے اور کسی کے حال کی کھود کرید، خفیہ تحقیق کرتے پھرنا اور اپنے دل میں پہلے سے فرض کئے ہوئے خیال کو تقویت دیتے چلے جانا نہایت برا ہے پھر جب انسان کھود کرید کرلیتا ہے تو غیبت جیسی بری بلا پیدا ہوتی ہے جسکو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اشد من الزنا" فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں ایک نہایت بلیغ انداز میں ان تینوں گناہوں کا ذکر اسطرح آیا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ — اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ

وَلَاتَجَسَّسُوْا وَلَایَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ط	مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے۔ اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔

غرض سوئے ظن گویا رشتہ میں غیبت جیسی حرام چیز کی بھی وادی ہے اس کے متعلق دوتین حدیثیں میں اپنے بھائیوں تک پہنچا دینا ضروری سمجھتا ہوں

(۱) انّ اللّٰہ حرم من المسلم دمه و عرضه وان یظنّ به ظنّ السّوء (روح المعانی۔ حجرات)	۱۔ سنو اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر مسلمان کا خون کرنا حرام کیا ہے اسی طرح سے اس کی بے آبروئی کرنا اور اس کے ساتھ بدگمانی کرنا بھی حرام کر دیا ہے۔
(۲) من اساء باخیه الظنّ فقد اساء بربه الظنّ انّ اللّٰہ یقول اجتنبوا کثیرا من الظّنّ (روح المعانی سورۂ حجرات)	۲۔ جس شخص نے اپنے بھائی سے بدگمانی کی اس نے گویا اپنے پروردگار سے بدگمانی کی کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ برے گمان سے بہت بچا کرو۔
(۳) ثلاث لازمات امتی الطّیرة والحسد وسوء الظنّ فقال رجل ما یذھبن یارسول اللّٰہ ممن ھنّ فیه قال اذا احسدت فاستغفرا للّٰہ واذا ظننت فلا تحقق واذا تطیّرت فامض۔ (روح المعانی سورۂ حجرات)	۳۔ تین گناہ میری امت کے لئے لازم حال بنے رہیں گے ایک بدشگونی لینا، دوسرے حسد کرنا۔ تیسرے لوگوں سے بدگمانی رکھنا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ جس شخص میں یہ رذائل ہوں اس سے یہ چیزیں کیوں کر دور ہوسکتی ہیں آپ نے فرمایا جب حسد تمہارے دل میں آنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے لگا کرو اور جب بدگمانی پیدا ہو تو اس کی کھود کرید نہ کیا کرو اور جب بدشگونی کی کھٹک ہونے لگے تو وہ کام ترک نہ کرو بلکہ اس کو کر ہی گذرو۔

(احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت مصلح الامتؒ نے کیسی اصلاحی تقریر ارشاد فرمائی اللہ تعالیٰ قلب سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائے اور ان سب تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے)

کبر کا علاج

آج مجلس میں تشریف لاتے ہی ۔ پہلے ایک مولوی صاحب کا خط سنایا انھوں نے لکھا تھا کہ

حبر الشریعۃ ماہراً بحر الطریقۃ ذاخراً طبیب روحانی ولی ربانی حضرت مولانا فتحپوری مدظلکم علینا۔ سلام مسنون ۔ حضرت والا کے قیام گورکھپور کے زمانہ میں پہلی مرتبہ جب میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت والا نے اشارۃً پوچھا کہ کیونکر آئے میں نے عرض کیا کہ وصیۃ الاحسان اور وصیۃ الاخلاق کے مصنف کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں (یعنی ان مولوی صاحب کو حضرت والا کی یہ تصانیف اسقدر پسند آئیں کہ اسی کو سبب حاضری قرار دیا) تو حضرت والا نے ازراہ قدردانیٔ علم اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ دوبارہ جب کچھ عرصہ کے بعد حاضر خدمت ہوا تو حضرت والا کی طبیعت مبارک ناساز تھی رات کو اطباء کے معالجانہ مشورہ میں شریک رہا صبح کو حضرت والا کی طلبی پر پھر حاضر ہوا تو الہ آباد روانگی کی تیاری دیکھکر خاموشی اختیار کی ——— یہ میرا تعارف ہوا۔

اب عریضۂ ہٰذا جس مقصد کیلئے ارسال خدمت عالی کر رہا ہوں عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ یہ عریضہ درخواست ہے تزکیۂ نفس کی۔ خدا کرے منظور ہو جائے۔ صحیح بخاری کے باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق پر حضرت والا کا عمل ہے ہی اسلئے امید ہے کہ درخواست منظور ہو جائے ——— (اس پر حضرت والاؒ نے یہ تحریر فرمایا کہ "اس باب میں متفاولاً داخل ہونے کے لئے بطیب خاطر منظور کرتا ہوں")۔

آگے پھر ان صاحب کا خط ہے کہ :-

"میرے اندر کبر کا مرض ہے۔ اپنے علم کا غرور ہے۔ ہرچند کہ وہ آیات اور اور احادیث جو کبر کی مذمت میں وارد ہیں زیر مطالعہ ہیں مگر یہ مرض پھر بھی دفع نہیں ہوتا میں ایک بدقسمت مریض ہوں کہ تھانہ بھون کے بے مثل و بے نظیر مطب روحانی سے جب

ہزاروں مرضی روحانی شفایاب ہو رہے تھے میں حاضر ہو کر علاج کرانے سے محروم رہا۔ یا حسرتی علیّ۔

وہ زمانہ میری طالبعلمی کا تھا۔ سہارنپور اور دیوبند دونوں جگہ ملا کر چار سال پڑھا مگر افسوس کہ حاضر نہ ہو سکا، وہاں جہاں آفتاب احسان اپنے انوار سے خطہ ہند کو منور کر رہا تھا۔

اب الہ آباد میں وہی مطب روحانی بفضلہ تعالیٰ جبکہ قائم ہے تو میں بھی صحبت روحانی حاصل کروں۔ میں فلاں جگہ گیا فلاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت موصوف نے رسالہ "ذکر حضرت والا" کا مطالعہ کے لئے مرحمت فرمایا۔ مجھکو اسکے ذریعہ سے کافی بصیرت حاصل ہوئی۔

میں ذکر اسم ذات بطور خود کرتا رہتا ہوں مگر وہ قلب میں راسخ نہیں ہوتا۔ مطالعۂ کتب یا اور کسی کام میں مصروفیت کے وقت ذہول ہو جاتا ہے اسکی بھی کوئی تدبیر ارشاد فرمائیں۔ صحت وری مزاج وہاج ضرور تحریر فرمائیں۔ فقط۔ والسلام

اس خط کا یہ جواب گیا :۔

عنایت فرمائے بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کے مضمون خط سے آپکی طلب کا اندازہ ہوا اسلئے جی چاہا کہ آپ کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ جواب دیا جائے تاکہ آپ کے لئے تشفی کا باعث بن سکے۔

آپ نے لکھا ہے کہ میرے اندر کبر کا مرض ہے اور اپنے علم کا غرور ہے تو اسمیں کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں ہے ہر زمانہ میں اہل علم کا یہ مخصوص مرض رہا ہے اور مشائخ نے اسکو عقبہ کؤودہ کہا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ ابن ماجہ شریف کے حاشیہ میں حدیث لاتخیروا المجالس الخ پر لکھتے ہیں کہ

المراد منه لا تمكنوا فى قلوب الناس لتكونوا صدراً للمجالس فانه من اغراض الدنيا لات آخر ما يخرج من قلوب الصديقين حب الجاه وهذه عقبة كئودة للعلماء لا ينجوا منه الا المخلصون۔

(مجلس میں نمایاں مقام نہ اختیار کرو مراد یہ ہے کہ لوگوں کے قلوب میں جگہ بنانے کی فکر نہ کرو۔ مثلاً یہ کہ لوگ تمکو صدر مقام پر بٹھائیں یا صدر مجلس ہی بنادیں اسلئے کہ یہ بھی خالص دنیا داری ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ سب سے آخر میں جو رذیلہ صدیقین کے قلب سے نکلتا ہے وہ یہی حب جاہ ہے اور یہ ایک صعب ترین گھاٹی ہے اس سے سوا مخلص کے کسی اور کا نجات پانا مشکل ہے)۔

نیز آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہر چند کہ وہ آیات و احادیث جو کبر کی مذمت میں وارد ہیں زیر مطالعہ ہیں مگر یہ مرض پھر بھی دفع نہیں ہوتا ——— اب یہ منزل اور دشوار ہو جاتی ہے کیونکہ واقعی ایک علاج ازالۂ مرض کا یہ بھی ہے کہ قرآن و حدیث میں اس پر جو جو وعیدیں آئی ہیں آدمی انکا استحضار کرے لیکن جب اس سے نفع نہ ہو تو مریض کے لئے زیادہ پریشانی کا سبب ہو جاتا ہے ——— اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ——— وہ یہ کہ اسباب موجود ہوں تو ان امراض کا انسان میں پیدا ہو جانا کچھ عجب نہیں۔ عالم کے اندر علم موجود ہو اور اسکی وجہ سے دوسروں پر تفوق کا اگر کچھ خیال اسکو ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔ ہاں تعجب وہاں ضرور ہوتا ہے کہ انسان کے اندر کوئی کمال بھی موجود نہ ہو پھر بھی کبر اسکے اندر ہو۔ کیونکہ ایسے شخص کی تو مٹی ہی پلید ہے۔ اسلئے کہ تکبر موجود ہے اور بنائے کبر اور سبب مرض کچھ بھی نہیں۔ پس یہ شخص تو بالکل ہی احمق ہے اسلئے اسکے متعلق تو کلام کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ باقی پہلا شخص جو واقعی کسی درجہ میں کمال رکھتا ہے کبھی اسکی نظر اپنے کمال پر ہو جاتی ہے اور اسکی وجہ سے نفس میں کبر و غرور پیدا ہو جاتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حقیقۃً ایسے شخص کے قلب میں ابھی کبر وغیرہ کی برائی ہوتی ہی نہیں اور قرآن و حدیث کے مطالعہ سے اور اللہ و رسول کے نکیر فرمانے سے کسی رذیلہ کی برائی کا تھوڑا بہت جو خطور قلب میں ہو جاتا ہے وہ محض سرسری ہوتا ہے۔ اسلئے اس میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ اسکو اس رذیلہ سے باز رکھ سکے کیونکہ اس گناہ کی لذت اور اسکی جانب رغبت تو نہ دل میں ہوتی ہے اور اسکے ساتھ انسان کا اتصاف قدیمی ہوتا ہے۔ تو جب کوئی مرض اس درجہ راسخ ہوتا ہے تو علاج بھی اسکا اسی طرح کا ہو گا تب نفع ہو گا ورنہ نفع نہیں ہو گا

اب مرض تو دل کی تہ تک گھر کر گیا ہے اور نفس نے اسکو اپنی غذا بنا لیا ہے اور
آپ چاہتے ہیں کہ محض سرسری مطالعہ سے اسکو زائل کر دیں یہ کیسے ممکن ہے اسکے لئے تو
مجاہدہ بھی اسی درجہ کا کرنا ہوگا اور بڑی طاقت کا انجکشن استعمال کرنا ہوگا۔

میں آپ کے سامنے مصلحین امت کے کلام سے اس امر کی تصریح پیش کرتا ہوں کہ
بعض مرتبہ مرض کی لذت صلب نفس میں راسخ ہو جاتی ہے اور کسی چیز کا رسوخ کبھی سویدائے
قلب میں ہو جاتا ہے تو اسکو یہ لوگ سم قاتل فرماتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:۔

"باید دانست کہ استماع غنا بے مزامیر واختلاط امارد بدون شہوت اگرچہ از
ممنوعات شرعیہ نیست لیکن امثال ایں امور را در حق سالکین راہ حق خصوصاً
در حق طالبین راہ نبوت خالی از خلل ہم نباید فہمید بیانش آنکہ امثال ایں امور
ہم در حق مبتدیاں مضر است وہم در حق منتہیاں — اما در حق مبتدیاں
پس تفصیلش آنکہ جمیع ارباب طب روحانی اتفاق کردہ اند برآنکہ سالکین
راہ حق را ایفاء حقوق نفس ضرور است واتباع حظوظ آں مضر لاسیما
حظوظیکہ لذات آں در صلب نفس راسخ گردد وحلاوت آں در سویدائے دل
مستحکم نشیند ونفس در طلب آں ہیماں وسرگرداں گردد"

فرماتے ہیں کہ:۔ جاننا چاہیئے کہ گانا سننا بدون باجہ وغیرہ کے اسی طرح سے امارد (لڑکوں) سے ملنا جلنا
بلا شہوت کے اگرچہ شرعاً حرام اور ممنوع نہیں ہے لیکن پھر بھی اس قسم کی چیز کو راہ حق کے چلنے والوں
خصوصاً راہ نبوت کے طالبین کے حق میں نقصان سے خالی نہ سمجھنا چاہئے تفصیل اس
اجمال کی یہ ہے کہ یہ چیزیں (گانا اور اختلاط) مضر ہونے کو تو مبتدی کے حق میں بھی مضر ہے
اور منتہیوں کے حق میں بھی مضر ہے۔ چنانچہ مبتدیوں کے حق میں تو اسطرح پر کہ طب روحانی
کے جملہ اطباء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سالکین راہ حق کے لئے اپنے نفس کے حقوق
کی ادائیگی تو ضروری ہے باقی اسکے حظوظ کا پابند ہونا مضر ہے خاصکر ایسا حظ جو کہ اس کے
صلب نفس (اصل اور جڑ) میں راسخ ہو جائے۔ اور اسکی حلاوت کا سویدائے قلب پر قبضہ ہو جائے اور نفس
اسکی طلب اور چاہ میں دیوانہ اور سرپھرا سا معلوم ہونے لگے۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ بعضے حظوظ ایسے ہوتے ہیں کہ انکی لذت صلب نفس میں راسخ ہوجاتی ہے اور اسکی حلاوت سویدائے قلب میں مستحکم ہوکر تہ نشین ہوجاتی ہے اور نفس اسکی طلب میں حیران و سرگرداں ہوجاتا ہے۔ بس مجھے یہی بات بیان کرنی تھی لیکن افادہ کیلئے بقیہ مضمون کو بھی نقل کرتا ہوں۔ آگے فرماتے ہیں کہ:۔

"ظاہر است کہ امثال ایں امور از قبیل حقوق نفس نیست چہ گاہی بسبب ترک آں انتشار حواس و پراگندگی عقل و کرب طبیعت حادث نمی شود۔ چنانکہ بسبب ترک نوم و استراحت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس امثال ایں امور نیست مگر از حظوظ نفس بلکہ از ہماں قسم حظوظ کہ طالب را اجتناب ازاں اوکد است چہ صوت خوش و صورت دلکش از ہماں قبیل است کہ لذت آں در تہ قلب فرو میرود۔ واثر آں علی مرالدھور والاعصار بذیل نفس متشبث می نماید و نفس را در طلب آں ہیجانی و سرگردانی فرامیگردد۔

علاوہ بریں آنکہ امثال ایں امور از جنس مباحاتی است کہ من وجہ اتصالے باموری محرمہ میدارد۔ و در بعضے اوقات بعضے اشخاص را بسوئے معاصی کشاں کشاں می برد، مثلاً شدت تعلق باستماع غنا منجر بارتکاب استماع مزامیر می شود و کثرت اختلاط امارد در خلوت بحدوث شہوت می کشد چنانکہ بر اہل فطانت و تجربہ کاراں پوشیدہ نیست و اجتناب امثال ایں امور مباحہ شعار اہل تقویٰ و صلاح است چنانکہ در احادیث کثیرہ مصرح است و کسے بر ملکہ تقوی و صلاح خود معتمد شدہ اقدام بر امثال ایں امور نباید کرد کہ کلام ہدایت التیام ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم در ازالہ امثال ایں ظنون شافی و کافی است"۔

(ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں حقوق نفس کی قبیل کی نہیں ہیں (کہ انسان کے ذمہ انکی ادائیگی واجب ہو) اور یہ اسلئے کہ بسا اوقات ان امور کے ترک کرنے کی وجہ سے حواس میں انتشار عقل میں پراگندگی اور طبیعت میں بالکل بھی بے چینی پیدا نہیں ہوتی ایسی بےچینی اور پراگندگی جیسی کہ سونا ترک کر دینے سے ہوتی۔ پس یہی علامت اور فارق ہے کہ یہ حقوق نفس نہیں بلکہ (نیند ۱۲)

حظوظ نفس کے قبیل کی چیزیں ہیں اور حظوظ بھی ایسے کہ ایک طالب کیلئے ان سے اجتناب لابدی ہے چنانچہ صوت خوش (عمدہ آواز) اور حسین و دلکش صورت بھی اسی نوع کی چیزیں ہیں کہ انکی لذت قلب کی تہ میں بیٹھ جاتی ہے اور اندر تک سرایت کر جاتی ہے اور اسکا اثر زمانۂ دراز تک نفس کے دامن کے ساتھ لپٹا رہتا ہے اور نفس کو اسکے حصول کی فکر میں پریشان کئے رہتا ہے۔

علاوہ اسکے سالک کیلئے یہ چیزیں اسلئے بھی نامناسب ہیں کہ یہ امور (جبکہ حدود و شرائط کے اندر ہوں) مباح ضرور ہیں لیکن اس نوع کی مباح ہیں جنکی سرحد محرمات سے ملی ہوئی ہے۔ چنانچہ بعض دفعہ بعض لوگوں کو آہستہ آہستہ معصیت کیطرف بھی لیجاتی ہیں۔ مثلاً کسی کو گانا سننے ہی کا اگر بہت شوق ہوگیا تو وہ ترک مزامیر پر قناعت تھوڑا ہی کریگا بلکہ آج نہیں تو کل ستار و سارنگی اور طبلہ و ہارمونیم کو بھی ضرور شریک محفل کرلے گا۔ اسی طرح سے اگر امارد سے اختلاط کی عادت رہی تو خلوت و تنہائی میں ان سے ہنسی مذاق کر لینا یا کسی وقت اپنی شہوت رانی کا محل انکو بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ اہل فہم و تجربہ پر مخفی نہیں ہے۔ باقی ان جیسے امور مباحہ میں حد پر قائم رہنا اور نامشروع درجہ سے خود کو محفوظ رکھنا یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ صرف اہل تقوی و صلاح ہی کا کام ہے، جیسا کہ احادیث کثیرہ میں بھی آیا ہے۔ اور کسی شخص کو اپنے تقوی پر اعتماد کر کے ان جیسے امور پر اقدام بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدایت سے لبریز یہ کلام کہ "شیطان انسان کے اندر اسکی خون کی رگوں میں چلتا پھرتا ہے"۔ اس قسم کی خوش فہمیوں کے ازالہ کیلئے کافی و شافی ہے (یہ گفتگو تو مبتدی کے متعلق ہوئی)

"واما در حق منتہیاں پس اعتیاد باستماع غنا مضرتی دیگر می رساند و تعلق قلب بامارد مضرتی دیگر۔ اما مضرت اعتیاد غنا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس در اصل مقصود کمال تعمق باید نمود و نظر غایر را کار باید فرمود کہ ہیجانی و غلیانی کہ بسبب استماع صوت خوش در باطن انسان پدید می آید اگرچہ فی نفسہ از امور قدسیہ الٰہیہ نیست چہ مثل ہمیں حال بر نفس فساق و فجار بلکہ مبتدعین و کفار بلکہ بر نفوس حیوانات

وارد میشود لیکن بسبب اختلاط انوار عبادات وطاعات وآمیزش محبت خالق الارض والسموات یک گونہ تائید سالک راہِ حق را در بادی النظر می نماید واز حالات محمودہ بالفرض معدود می گردد۔ واما در جنب مقامات وآثار حب ایمانی بشابہ ہماں کیفیت غضبیہ است در جنب شجاعت۔

وچنانکہ وقتے کہ از زیر پارہ از زر یا سیم می افروزند و بسبب تیزی آتش دراں پارہ تغلغلے حادث میشود حتی کہ مثل آب شدہ کفہائے او ہویدا می گردد و خلاصۂ او در تہ نشیند۔ پس امر مرغوب فی الحقیقت ہماں است کہ در تہ نشستہ است واین کفت کہ بروے کار آمدہ ہیچ کار آمدنی نیست۔ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔

(اوران امور کی مضرت منتہیوں کے حق میں یوں ہے کہ گانا سننے کی عادت ڈال لینے سے تو اور طرح کا نقصان ہوتا ہے اور امارد کے ساتھ تعلق قلبی ہوجانا اور طرح کا نقصان پہونچاتا ہے چنانچہ گانے کے التزام کا نقصان آگے بیان کرکے فرماتے ہیں کہ

پس اپنے اصل مقصود میں بہت زیادہ انہماک کے ساتھ لگا رہنا چاہیئے اور اس جانب بھی توجہ خاص رکھنی چاہیئے کہ اچھی آواز کے سننے سے انسان کے باطن میں ایک ہیجان سا جو پیدا ہوتا معلوم ہوتا ہے (جسکو جہل اور جاہل قسم کے لوگ قلبی زندگی سمجھتے ہیں) اگرچہ یہ کوئی امر قدسی الٰہی نہیں ہے (یعنی کوئی کیفیت رحمانی وروحانی نہیں ہے) اسلئے کہ اچھے گانے سننے کی وجہ سے یہی کیفیت تو فساق و فجار اور مبتدعین بلکہ کفار بلکہ جانوروں تک میں پیدا ہوجاتی ہے (چنانچہ مداری جب بین بجاتا ہے تو سانپ کیسا مست ہوجاتا ہے اسی سے معلوم ہوا کہ یہ قلبی گدگدی کوئی حالت کمال نہیں ہے) لیکن انسان کے اندر اگر عبادت اور طاعت کا نور موجود ہے اور حق تعالیٰ کی محبت سے بھی کچھ حصہ پائے ہوئے ہے تو ایسے سالک کو بظاہر تھوڑی سی کمک اس قلبی نشاط کیوجہ سے پہونچتی ہے اور اس طور سے یہ بھی بالعرض حالات محمودہ میں سے شمار کرلیجاتی ہے۔ لیکن آثار ومقامات ایمانی کے مقابلہ میں اسکی وہی حیثیت رہ جاتی ہے جیسی کہ کیفیت غضبیہ کی شجاعت کے مقابلہ میں۔

یا جسطرح سے کہ پارہ کے ذریعہ جب سونا یا چاندی کو ملاوٹ سے صاف کرنا چاہتے ہیں تو گرمی کی تیزی کیوجہ سے اس پارہ میں ایک زور کا ابال پیدا ہوجاتا ہے یہاں تک کہ وہ پانی میں ہوکر اپنی جھاگ کو اوپر تک پھینک دیتا ہے اور سونے چاندی کے میل کو جھاگ کے ساتھ اوپر تک لے آتا ہے اور اصل چاندی یا سونا نیچے تہ نشین ہوجاتے ہیں۔ پس جو شے مطلوب ہے وہ تو وہی ہے جو تہ نشین ہوگئی ہے اور یہ سب جوش والا جھاگ جو اوپر اوپر نظر آرہا ہے کسی کام کا نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ بہرحال جھاگ تو وہ سب میل کچیل کو لے جاتا ہے اور جس سے لوگوں کو نفع پہونچتا ہے اور جو انکے کام کی چیز ہوتی ہے وہ نیچے بیٹھ جاتی ہے)۔

"ہمچنیں بسبب استماع غنا ہیجانی کہ بر روئے کار می آید تمام باطن مستمع را فرامی گردد و امر یست از مرغوبات نفسانیہ و احکام بہیمیہ کہ بانوار قدسیہ ممتزج گشتہ سر بفلک کشیدہ است و احکام و حب ایمانی در تہ او مختفی گشتہ و ایں ہیجان اصلاً در امور معتد بہا کار آمدنی نیست آری مثل طلسمی ہست کہ برائے نظارۂ تماشائیان ملکوت برزوی کار آمدہ۔ پس اتباع امثال ایں امور و اعتیاد باسباب تحصیل آں رونق مقامات حب ایمانی می شکند چہ کار صاحب ایمانی سراسر اطمینان است و تسکین و وقار است و تمکین۔ وکار اہل وجد سراسر اضطراب و پیچ و تاب۔

داما مضرت تعلق قلب با مارد پس بیانش آنکہ اگرچہ نیل بحظوظ نفسانیہ در حق ایشاں مضرتی کمی رساند لیکن رسوخ چیزے در سویدائے قلب بنسبت ایشاں سم قاتل است و تعلق قلب با مارد از ہمیں قبیل میشود یا آخر منجر باین امر میگردد۔ چنانچہ بر صاحب وجدانِ سلیم پوشیدہ نیست"۔

(صراط مستقیم ص ۹۹)

(اسیطرح سے گانا سننے کیوجہ سے جو ہیجان نفس میں اٹھتا ہے وہ سننے والے کے تمام باطن میں سرایت کرجاتا ہے اور اسکو پستی کیجانب لے آتا ہے۔ باقی جو نفس کی مرغوبات ہیں یا امور بہیمیہ حیوانیہ

ہی سہی جب وہ انوار قدسیہ کے ساتھ ممزوج ہو جائیں تو وہ اسکو آسمان پر لے جائیں گی اور حب ایمانی کے آثار اور احکام کی تہ میں چھپ جاتی ہیں۔ رہے نفسانی ہیجانات تو یہ کچھ زیادہ کارآمد چیز بھی نہیں ہے بس ایک طلسم ہے جو کہ ملکوت کے اہل تماشا کے نظارہ کے لئے البتہ کچھ کام آجاتا ہے۔

پس ان چیزوں کے پیچھے لگنا اور انکی تحصیل کے اسباب کا عادی ہونا مقامات حب ایمانی کی رونق کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ اسلئے کہ صاحب ایمان کا کام تو سراسر سکون اور اطمینان ہے اور تسکین و تمکین اور وقار ہے۔ رہا اضطراب و پیچ و تاب کھانا یہ سب اہل وجد کا شیوہ ہے۔

اور نقصان تعلق قلبی کا جو امارد کے ساتھ ہوتا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ اگرچہ حظوظ نفسانیہ کا محض نفس میں حاصل ہو جانا ان حضرات کیلئے مضر نہیں ہے لیکن کسی چیز کا سویدائے قلب میں راسخ ہو جانا ان لوگوں کے لئے بھی سم قاتل ہے۔ اور یہ سن لو کہ امارد سے تعلق بھی اسی قبیل سے ہوتا ہے یا بالآخر ہو جاتا ہے جیسا کہ صاحب ذوق سلیم پر پوشیدہ نہیں) انتہی

دیکھئے! اس کلام کے سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص واقف راہ ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہے بصیرت کے ساتھ کہہ رہا ہے۔ مرض کن کن راستوں سے آتا ہے کس درجہ اسکی واقفیت ہے اور مرض کی کیفیت نیز اسوقت مریض پر جو جو احوال گذر جاتے ہیں کسقدر اسکا صحیح نقشہ پیش فرمایا ہے۔ ایسا ہی شخص ماہر سمجھا جاتا ہے اور اصلاح کیلئے مصلح کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ دیکھئے مرض کے رسوخ اور اسکی شدت کیلئے کیسا فرماتے ہیں

" لاسیما حظوظیکہ لذات آں در صلب راسخ گردد ــ و حلاوت آں در سویدائے دل مستحکم نشیند۔ و نفس در طلب آں ہیماں و سرگرداں گردد" ـــ اور آخر میں ایک جگہ فرمایا کہ ـــ رسوخ چیزے در سویدائے قلب ـ سم قاتل است۔

مجھے یہی بیان کرنا تھا کہ بعض دفعہ کوئی مرض ایسا ہوتا ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں میں سما جاتا ہے اسوقت کسی سرسری علاج سے مریض کو نفع نہیں ہوتا بلکہ ضرورت ہوتی ہے کہ جس

درجہ کا مرض ہو اسی درجہ کا علاج و مجاہدہ کیا جائے تب کام چلتا ہے اور جہاں مرض ہو علاج وہیں پہونچے اور جہاں مرض کا رسوخ ہو اسی جگہ علاج کا رسوخ ہو۔ اور جس طرح مرض قلب کے اندر ہے اسی طرح علاج بھی اسی کے اندر ہونا چاہیئے۔ یہی حال تمام امراض کا ہے۔

اب یہاں ان بزرگ کے کلام سے مرض کی شدت کی کیفیت تو سمجھ میں آگئی لیکن اسکا علاج مولانا نے نہیں لکھا کہ اسکا علاج کیا ہے؟ صرف یہ فرمادیا کہ اسکی جانب التفات نکرے۔

اسی امر کی تائید میں کہ کبھی رغبت قدیم ہوتی ہے اور تہ دل میں جمی ہوتی ہے اسکے لئے سخت علاج کی ضرورت ہوتی ہے ایک اور بزرگ مصلح کا کلام پیش کرتا ہوں جس سے آپکو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ مرض اگر معمولی ہوتا ہے تو بسا اوقات ادنیٰ التفات بلکہ لطافت نفس اور فطرت سلیمہ ہی اسکو پسند نہیں کرتی اور اسکو دفع کر دیتی ہے۔ کسی شخص نے اپنا حال لکھا جو غالباً کسی سے تعلق حُبی کے متعلق تھا۔ اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

"تم نے جو حال لکھا۔ برادرِ عزیز۔ خدام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا اور آخرت کی مثال ایسی فرمائی ہے جیسے اونٹ اور اسکی مینگنی جسکے پاس اونٹ ہو اسکو مینگنی کی کچھ کمی نہیں بلکہ خواہش بھی نہیں ہوتی۔ اور مینگنی چننے والے کو اونٹ نصیب ہونا معلوم! اور یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورت سے بسبب نکاح کبھی مال سے رغبت ہوتی ہے اور کبھی خواہش جمال اور کبھی دین۔ تو اے طالب حق دین والے کو کالی اور گوری سے کیا سروکار خوبصورتی کی تاہیت اور حقیقت میرے نزدیک کیا بلکہ سب عقلاء اسکو جانتے ہیں کہ موافق آنا ہے اپنے جی کے اور طبیعت ہر آدمی کی جدی ہوتی ہے جیسے کسی کو کھانے میں میٹھا زیادہ مرغوب ہے اور کسی کو نمکین اسی طرح آنکھ کسی کی سرخ وسفید کی طالب ہے اور کسی کی حسن نمکین پر گرتی ہے۔ اور کسی کی نظر رنگ کی فریفتہ ہے اور کسی کی خواہش ناز و انداز سے وابستہ ہے۔ اور جب لطافت طبع زیادہ ہوتی

ہے تو جمال ظاہری کے ساتھ خوبی باطنی مطلوب ہوتی ہے حتی کہ اگر کوئی خرابی نظر آتی ہے تو طبیعت کو نفرت ہو جاتی ہے۔ اگر کھانا خوش رنگ خوشبو دار بغایت لذیذ و خوشگوار ہیں عین کھانے کے وقت یہ یقین ہو جاوے کہ اسمیں کوئی ناپاکی ملی ہوئی ہے تو عجیب نہیں کہ اس سے قے ہو جاوے اور سب کھایا پیا اس کے ساتھ نکل جاوے اور اسکا رنگ و روپ اور خوشبو اور لذت طبیعت کو روک نہ سکے۔ ہاں حریص کثیف الطبع کو اگر وجہ رغبت کی ملجاوے تو کتنا ہی کوئی امر خلاف طبع اسکے پیش آوے اسکی طلب میں فرق نہیں آتا۔ یہ بات جو میں نے لکھی انشاء اللہ اس مادۂ فاسد کو تمھارے خیال میں سے نکال دیگی۔ اور مجھے اللہ جل شانہٗ کی قدرت کاملہ سے یہ امید ہے کہ جو شخص بوجہ حلال تمھاری قسمت میں ہوا ہے وہ بوجہ حسن باطنی تمھارے حق میں ایسا مطلوب اور دل قریب واقع ہو کہ حسن ظاہری کی اسکے سامنے بات پھیکی ہو جاوے۔

اور اگر میرے یہ خیالات کام نہ دیں اور رغبت قدیم جمی ہوئی نہ دل کی نہ نکلے علی الخصوص جب ادہر سے بھی سلسلہ جنبانی ہوتی ہو تو حقیقت میں ظاہر میں دشوار ہے تو تم اس عمل کی جو میں لکھتا ہوں چند روز مشق کیجو امید فضل الٰہی سے یہ ہے کہ تمھارا قلب اس کدورت سے صاف ہو جاوے۔

(مکتوبات یعقوبیہ ص۴۲)

دیکھئے میں یہی کہہ رہا تھا کہ نہ سب مریض یکساں ہوتے ہیں اور نہ ان سب کا علاج واحد ہوتا ہے بلکہ اس وقت جبکہ مرض ابتدائی منزل میں ہو اسکا علاج دوسرا ہوتا ہے جیسا کہ ابھی آپ نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے جواب میں ملاحظہ فرمایا کہ محض خیالات اور وساوس اور خطرات کے درجہ میں کوئی مرض ہو تو خیال کی اصلاح خیال سے کرلی جائے، بات آسان ہے لیکن ایک درجہ مرض کا وہ بھی ہوتا ہے کہ مرض مثلاً قدیم ہوتا ہے بچپنے کا ساتھی ہوتا ہے اور سویدائے قلب تک اسکا اثر ہو چکا ہوتا ہے تو اسکا علاج مشکل ہو جاتا ہے بالخصوص

ایسے امراض جنکا ذکر مولاناؒ نے فرمایا ہے کیونکہ اور امراض سے تو انسان صبر بھی کر لے مگر جس سے تعلق ہو جاتا ہے جب وہ سامنے آجاتا ہے تو سارا صبر و ضبط ختم ہو جاتا ہے اور اسکا مصداق ہو جاتا ہے کہ

سامنے نظروں کے جب وہ دلربا آجائے ہے   تھامتا ہوں دل کو اپنے پردہ نکلا جائے ہے

اسی کو فرمایا کہ "اگر رغبت قدیم جمی ہوئی تہ دل کی نہ نکلے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی رغبت اور لذت اس معصیت کی دل کی تہ میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو اب اسوقت دوا اور علاج کو بھی وہیں پہونچانے کی ضرورت ہوتی ہے جہاں مرض ہو ورنہ اگر مرض پیٹ کے اندر... معدہ میں ہو تو اوپر لیپ لگانے سے کام نہیں چلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان عشاق مجازی کو ملامت گروں کی ملامت کی کچھ پروا نہیں ہوتی اور نہ انکے حُب پر اسکا کچھ اثر ہوتا ہے اسی کو شاعر کہتا ہے ؎

عذل العواذل حول قلبی التائه   وھوی الاحبة منه فی سودائه

(ملامت گروں کی ملامت تو عاشق کے قلب کے آس پاس گرد ہی رہجاتی ہے اور محبوبوں کی محبت تو اسکے سویدا قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ لہٰذا اُسکا اسپر کیا اثر؟)

اب اپنے ان دونوں اکابر کی برکت سے میں اسکا علاج بتاتا ہوں جسکو میں نے ان ہی حضرات کے مجموعہ کلام سے سمجھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب مرض اس قسم کا ہو جائے تو جہاں مرض کی ظلمت ہے وہیں نور پہنچایا جائے۔ اس منزل پر پہونچکر سرسری مطالعہ قرآن وحدیث کا نافع نہیں ہوگا بلکہ جسطرح سے کہ وہ مرض سویدائے قلب اور دل کی تہ میں راسخ اور تہ نشیں ہے اسی طرح جس تدبیر سے بن پڑے نور کو وہیں داخل کرنا ہوگا۔ اور جہاں کثافت پائی جارہی ہے وہیں طہارت کو بھی پہنچانا چاہئے اور یہ نور پہونچے گا کثرت ذکر سے، التزام طہارت سے اور اتباع سنت سے۔ اب اسکے لئے خواہ تم خود توجہ اور مجاہدہ کرو یا شیخ کامل اپنی شفقت سے توجہ کر کے تمکو اس وادی سے نکال لے طریق میں اسکو عقبات کہتے ہیں اور سالک کے لئے مشکل مقامات میں سے انکو شمار کیا گیا ہے۔ اسلئے یہ ظاہری مجاہدہ سے جائے گا نہیں اسکے لئے وہاں نور کی ضرورت ہے جہاں مرض شدت اور گہرائی کے ساتھ موجود ہے اور وہ تقویٰ۔ ذکر اللہ۔ اتباع سنت کا نور ہے

میں نے ابھی یہ بیان کیا ہے کہ اب اسکے لئے خواہ انسان خود مجاہدہ کرے یا شیخ کی توجہ سے اسکا کام بن جائے دونوں طریقے ہیں تو توجہ شیخ کے ذریعہ مرض کا جو ازالہ ہوتا ہے اس پر ایک واقعہ سنئے:-

ایک مولوی صاحب مرادآبادی حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ میں سے تھے طبیعت کے بہت پختہ تھے اسلئے بدنظر طبیعت مائل ہوتی تھی پختگی اور انہاک کیا تھا ادھر جھکتے تھے انھوں نے اپنا واقعہ خود نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہوگیا اور اس قدر محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اسی کے تصور میں گذرنے لگے میری عجیب حالت ہوگئی تمام کاموں میں اختلال ہونے لگا۔ حضرت کی فراست نے بھانپ لیا لیکن سبحان اللہ تربیت ونگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اسقدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا، فرمایا کہ ہاں بھائی! وہ کبھی تمھارے پاس آتے بھی ہیں یا نہیں؟ میں شرم وحجاب سے چپ رہ گیا تو فرمایا نہیں بھائی یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں اس میں چھپانے کی کیا بات ہے؟ غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اسکی محبت کا اقرار کرالیا۔ اور کوئی خفگی وناراضگی نہیں ظاہر کی بلکہ دلجوئی فرمائی۔ اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ میں ایک دن تنگ آگیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ وپے میں سرایت کر گئی ہے جسنے مجھے ہر امور سے بیکار کردیا ہے کیا کروں اور کہاں جاؤں؟ آخر عاجز ہوکر دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہونچا اور مؤدب عرض کیا کہ حضرت میری اعانت فرمائیے میں تنگ آگیا اور عاجز ہوچکا ہوں ایسی دعاء فرمائیے کہ اسکا خیال تک میرے قلب سے محو ہوجائے تو ہنس کے فرمایا کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے؟ بس جوش ختم ہوگیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہوگیا نکما ہوگیا، اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوسکتا خدا کے لئے میری اعانت فرمائیے۔ فرمایا بہت اچھا بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔ میں نماز مغرب پڑھکر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ حضرت جب صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی

مولوی صاحب ہیں نے عرض کیا کہ حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لاؤ میں نے ہاتھ بڑھایا میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھکر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اسطرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے بالکل عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کرلیا ہے گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں۔ میں اسوقت لرزاں و ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کپکپی اور خوف طاری نہوا تھا۔ میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور بالکل خودی سے گذر گیا اور حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے ہیں۔ جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو یہ حالت بھی فرو ہوگئی۔ فرمایا جاؤ میں اٹھکر چلا آیا اور ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا مولوی صاحب کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت اسکا تصور یا عشق تو کجا دل میں اسکی گنجائش تک باقی نہیں۔ فرمایا اللہ کا شکر کرو والحمد للہ علی ذلک۔ (ارواح ثلثہ ۳۰۳)

دیکھا آپ نے یہ کیا تھا محض شیخ کی توجہ اور انکا تصرف تھا جسکی وجہ سے ان مولوی صاحب نے اتنے بڑے عقبہ سے نجات پائی۔ ان مولوی صاحب کو یہی نفع نہیں ہوا کہ مرض سے چھوٹ گئے بلکہ ایک ایسا حال اور تعلق اللہ تعالیٰ سے پیدا ہوگیا کہ ساری عمر باقی رہا ہوگا جب مرض یہاں تک پہونچ جائے تو پھر سالک کے اپنے بس سے باہر اسکا معالجہ ہوجاتا ہے ایسے وقت میں تو شیخ کامل ہی کی دستگیری سے کام چلتا ہے۔

یہ حضرات ذکر بھی بتاتے ہیں لیکن کسی وقت جب یہ سمجھتے ہیں کہ اسکے لئے دوسری چیز کی ضرورت ہے تو وہی طریقہ استعمال فرماتے ہیں اور بات بھی یہی ہے کہ پہلے مرض کی اہمیت کو سمجھنا چاہیئے جب تک اسکو نہ سمجھا جائے گا اور اسکے مطابق علاج نہ کیا جائے گا نفع نہ ہوگا۔ ظاہری مرض میں تو یہ بھی ہوسکتا ہے بلکہ ہوتا ہے کہ علاج ہوا اور نفع نہ ہو مگر باطنی مرض میں آدمی جب خلوص سے علاج کرتا ہے اور دوا بھی موافق ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نفع دے ہی دیتے ہیں۔

کبر کا علاج

(گذشتہ سے پیوستہ)

پس اس زمانہ میں تعلیم و تربیت کی کمی کی وجہ سے کیا بعید ہے جو قلوب میں امراض پیدا ہو جائیں اور نفس ابتدا سے انکا خوگر ہو جائے اور انکے اندر اپنی غذا اور اپنے سلئے ایک لذت وحلاوت محسوس کرنے لگے۔

اور میں ایک بات اور کہتا ہوں کہ یہ حلاوت جو معاصی میں پیدا ہو جاتی ہے یہ شیطان کے تصرف سے ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہو سکتا ہے کہ یہ شخص اس سے نکل ہی جائے اور پھر ہمارا سارا بنا بنایا کھیل ہی بگڑ جائے۔ اسلئے اب اسکے تصرف کے مقابلہ میں یا تو اللہ تعالےٰ ہی کا فضل ہو جائے اور اسکی وجہ سے آدمی اس سے نکل جائے یا پھر شیخ کامل کا تصرف ہو کہ اس سے بھی نجات پا سکتا ہے۔

اکابرین کا کلام جو پیش کیا گیا ہے اس میں تو غذا اور اختلاط کا بیان اور اس کا علاج مذکور تھا لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ نفس کی یہ حالت صرف انھیں رذائل میں ہوتی ہوگی ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک جزئی مثال تھی کہ جو رذیلہ بھی قدیمی ہو اسکی جڑ قلب میں راسخ ہو جائے اور اسکی لذت دل کی تہ میں جم جائے ان سب کا یہی حال ہوتا ہے اور یہی اسکا بھی علاج ہے جو بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ اسی قبیل سے غفلت بھی ہے کہ آج لوگ جسکے عام طور سے شکار ہیں یہ بھی امراض قلبیہ میں سے ہے اور شیطان اسکو خوب مستحکم جمائے ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے لکھا ہے کہ اور دوسرے امراض تو ذکر سے دور بھی ہو جاتے ہیں مگر غفلت ایسا ایسا مرض ہے کہ نئے نئے ذکر کے باوجود انسان اس سے نکلتا نہیں وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ (شعراء رکوع ۱)

ذکر جو غفلت کی عین ضد ہے وہ بھی موجود ہوتا ہے اور پھر بھی غفلت باقی رہتی ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ نماز بھی ہے تلاوت بھی ہے اور غفلت بھی ہے

پس غفلت ایسی چیز ہے کہ ذکر میں بھی ہو جاتی ہے اسلئے کہ یہ ان امراض میں سے ہے جو کہ قلب کی تہ میں اور صلب نفس میں راسخ ہوتے ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اور سارے امراض رغبت غنا اور تعلق اارادہ وغیرہ یہ سب بھی غفلت ہی کا نتیجہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم سالہا سال تک ذکر کرتے ہیں مگر جہاں کے تہاں رہتے ہیں۔ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ ہم حضرت مولاناؒ کی کتابیں عرصے سے دیکھتے ہیں اور سچے طالب بھی نہیں (یہ حضرتؒ کا طنزیہ جملہ تھا یہی انداز تکلم ہوتا تھا) پھر بھی ہمارے اندر وہ احوال وغیرہ کیوں پیدا نہیں ہوتے اسکی کیا وجہ ہے؟ میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ میں کیا جانوں کیا وجہ ہے اسکی وجہ معلوم کرنے کیلئے ایک جلسہ کرلو۔ اور آپ سے کہتا ہوں کہ وجہ ظاہر ہے کہ مرض غفلت راسخ ہے۔ اور یہ سب چیزیں سرسری ہیں اسلئے نفع نہیں ہوتا۔ اور ذکر اس زمانہ میں کرتا کون ہے اور ذکر اب باقی کہاں؟ غفلت تو سویدائے قلب میں ہوا ور ذکر صرف زبان پر ہو تو اس سے کیا کام چل سکتا ہے جب تک ذکر قلبی نہ ہوگا مرض کے ازالہ کیلئے کافی نہیں یوں ثواب اس سے بھی ملجائے اور خالی از اجر یہ بھی نہ ہو یہ دوسری بات ہے۔ اب کسقدر افسوس کی بات ہے کہ زبان ذاکر ہو اور قلب غافل رہ جائے حالانکہ دل کا ذاکر کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ آخر جب پہلے زبان سے بھی ذکر نہیں ہوتا تھا بعد میں کرنے لگے اور اسکو ذاکر کرلیا اسیطرح سے آج قلب میں اگر ذکر نہیں تو اسکے لئے بھی کوشش کیجئے کل کو وہ بھی ذاکر ہو جائے گا اس میں اشکال کیا ہے؟ مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

ذکر حق پاک است وچوں پاکی رسید　　　رخت می بندد ونا پاکی رمید

(ذکر حق پاک شئے ہے لہذا جب پاکی پہونچ جاتی ہے تو پھر ناپاکی اپنا اسباب باندھکر رفوچکر ہو جاتی ہے)

چوں برآید نام پاک اندر دہاں　　　نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

(جب وہ پاک نام زبان و دہاں پر آتا ہے تو نہ پلیدی باقی رہ جاتی ہے نہ وہ پہلا سامنہ رہ جاتا ہے)

پس اسکی کوشش کیوں نہیں کرتے کہ ذکر جیسا کہ ہونا چاہیئے ویسا ذکر کرے۔ یہ باعث تعجب ہے۔ اور اس سے بڑھکر تعجب کی بات یہ ہے کہ کوئی ذاکر موجود ہو اور آدمی

ایسے کو پاکر بھی اپنے کو ذاکر نہ بنا سکے بلکہ غافل ہی رہ جائے یہ زیادہ تعجب کی بات ہے اور اسکا مصداق ہے کہ ؎

کعبے بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

نفس کی تو غذا ہی ہے غفلت۔ اسلئے زیادہ تر توجہ آدمی کو نفس ہی کی جانب کرنے کی ضرورت ہے لیکن اگر اسکی طرف تفصیلی توجہ کرنے لگ جاؤگے تو راستہ طویل ہوجائیگا اور اسکے لئے عمر نوح بھی شاید کفایت نکرسکے اسلئے ضرورت ہے کہ قلب کیجانب بھی توجہ کیجائے یعنی اسمیں ذکر کا اتنا نور پیدا کیا جائے کہ وہ غفلت کی ظلمت کا قلع قمع کردے اور بیخ وبن سے اسکو اکھاڑ پھینکے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ آدمی کی عمر ختم ہوجائے اور غفلت کے شعبوں سے اسکو نجات نہ ملے۔

یہی مضمون جو بیان کر رہا ہوں صاحب روح المعانی نے بھی اسکو بہت اچھا بیان کیا ہے۔ انکا قاعدہ ہے کہ کہیں آیات کی تفسیر سے فارغ ہوکر و من باب الاشارۃ فی الایات کے عنوان سے ان آیات کی تفسیر صوفیانہ انداز سے کرتے ہیں اور اس سے تصوف کے مسائل نکالتے ہیں چنانچہ آیۃ وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا کے تحت لکھتے ہیں:۔

وهم الذين لم ترسخ فيهم ملكة الذنب و بقي فيهم نور الاستعداد ولهذا الانت شكيمتهم واعترفوا بذنوبهم ورأوا قبحها — و اما من رسخت فيه ملكة الذنب واستولت عليه الظلمة فلا يرى ما يفعل من القبائح الا حسناً	اور یہ وہ لوگ ہیں جن میں گناہ کا ملکہ ابھی راسخ نہیں ہوا بلکہ استعداد کا نور ان میں باقی ہے اسلئے ان کی طبیعت بھی نرم ہے اور انھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف بھی کر رکھا ہے اور اسکا قبح انکی نظر میں آگیا ہے لیکن جن لوگوں میں گناہ کا ملکہ راسخ ہوگیا ہے اور ظلمت معاصی چھاگئی ہے تو وہ لوگ ان برائیوں کو اچھا ہی سمجھتے ہیں۔
خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا حيث كانوا في رتبة النفس اللوامة	ملا رکھا ہے عمل سئی کے ساتھ عمل صالح کو بھی اسلئے کہ یہ لوگ نفس لوامہ کے مرتبہ میں ہیں جس میں نفس کا

التی لم یصر اتصالها بالقلب وتنورها بنوره ملکة لها ولهذا تنقاد له تارة وتعمل اعمالاً صالحة وذلک اذا استولی القلب علیها وتنفرعنه اخری وتفعل افعالاً سئیة اذا احتجبت عنه بظلمتها وهی دائماً بین هذا وذاک حتی یقوی اتصالها بالقلب ویصیر ذلک ملکة لها۔
وحینئذ یصلح امرها وتنجو من المخالفات۔
(ص۲۳ روح ۱۱)

اتصال قلب کے ساتھ نہیں ہوا ہوتا اور اسکے نور سے منور ہونا اسکے لئے ملکہ نہیں بنا ہوتا اس لئے کبھی تو نفس قلب کی بات مان لیتا ہے اور اعمال صالحہ کرتا ہے اور یہ جب ہوتا ہے کہ قلب کا اس پر غلبہ ہو جائے اور کبھی اسکا مخالف ہو جاتا ہے اور اعمال سیئہ کرنے لگ جاتا ہے یہ جب ہوتا ہے کہ نفس کا قلب سے حجاب ہو جائے اپنی ظلمت کیوجہ سے چنانچہ وہ ہمیشہ انھیں دونوں حالات کے مابین ہوتا ہے یہانتک کہ اسکا اتصال قلب کے ساتھ قوی ہو جائے اور اس سے روشنی لینا اسکے لئے ملکہ بنجائے۔ اسوقت اسکا معاملہ درست ہو جائیگا اور اب وہ مخالفات سے نجات پا جائے گا۔

حاصل اسکا یہ ہے کہ جب تک انسان کے اندر معاصی کا رسوخ نہیں ہوتا اور استعداد کا نور باقی رہتا ہے تو کبھی نہ کبھی اسکی طبیعت نرم پڑتی ہے اور اعتراف ذنب کی اسکو توفیق حاصل ہو جاتی ہے جسکا دوسرا نام توبہ ہے۔

اور جس شخص میں اسکے رذائل ملکہ بنکر راسخ ہو جاتے ہیں اس پر ظلمت حاوی اور مستولی ہو جاتی ہے اسکو تو اپنے قبائح محاسن نظر آتے ہیں یہ حالت خطرناک ہے۔

اور نیک لوگوں سے جو کبھی معصیت ہو جاتی ہے اور ان پر بھی نفس کا داؤں چل جاتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انکا نفس جو امارہ بالسوء ہے ابھی لوامہ ہی کے درجہ تک پہونچا ہوتا ہے یعنی اسکا اتصال قلب کے ساتھ نہیں ہوا ہوتا اور قلب سے نور حاصل کرتے رہنا ابھی اسکا ملکہ نہیں بنا ہوتا اسلئے وہ کبھی تو قلب کی اطاعت کرتا ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کرتا رہتا ہے اور یہ اسوقت ہوتا ہے جبکہ قلب اسپر مستولی ہوتا ہے۔ اور کبھی قلب کا مخالف ہو جاتا ہے اور افعال سیئہ کرنے لگ جاتا ہے اور یہ اسوقت ہوتا ہے جبکہ یہی نفس خود اپنی ہی ظلمت میں پھنسکر قلب سے حجاب میں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس لوامہ کی یہی کیفیت

ایسی اور کبھی ویسی برابر رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اسکا اتصال اور تعلق قلب کے ساتھ قوی ہو جاتا ہے اور اس سے اخذ نور اسکے لئے ملکہ بن جاتا ہے تو اسوقت اسکا معاملہ درست ہو جاتا ہے اور اب قلب کی مخالفت سے نجات پا جاتا ہے

اب ظاہر ہے کہ نفس امارہ کو لوامہ ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے اور پھر لوامہ کیلئے مطمئنہ ہونے تک کچھ زمانہ درکار ہے اسلئے آدمی کو چاہئے کہ کام میں لگا رہے۔ ذکر و فکر بھی کرے۔ مجاہدہ و اصلاح رذائل بھی کرتا رہے اور اللہ تعالےٰ سے فضل ہو جانے کی دعا بھی مانگتا رہے لیکن اس میں جلدی نہ کرے۔

یہی جواب آپکو اسکا لکھنا چاہتا تھا جو آپ نے لکھا ہے کہ ذکر اسم ذات بطور خود کرتا ہوں لیکن وہ قلب میں راسخ نہیں ہوتا۔ نیز حضرتؒ نے تعلیم الدین میں جو اسکے متعلق فرمایا ہے بہت عمدہ ہے اسلئے بعینہٖ اسکو نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ :۔

"ایک مانع یہ ہے کہ حصول ثمرات مجاہدہ میں تقاضا و عجلت کرتا ہے کہ اتنے دن مجاہدہ کرتے ہو گئے ابتک کچھ نتیجہ نہیں ملا اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ یا تو شیخ سے بداعتقاد ہو جاتا ہے یا مجاہدہ ترک کر دیتا ہے۔

طالب کو سمجھنا چاہئے کہ کوئی چیز بھی ایسی وقفہ سے حاصل ہوتی ہے دیکھو یہی شخص کسی وقت بچہ تھا کتنے دن میں جوان ہوا پہلے جاہل تھا کتنے دنوں میں عالم ہوا۔ غرض عجلت و تقاضا گویا اپنے ہادی پر فرمائش ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستجاب لاحدکم مالم یعجل (تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے جبتک وہ جلدی نہ کرے) اگر کسی وقت دل بہت گھبرایا کرے تو ان اشعار سے تسلی کر لیا کرے۔

قرنہا باید کہ تا یک کودکے از لطف طبع ... عاقلے کامل شود یا فاضلے صاحب سخن

(زمانہ طویل درکار ہے اس امر کیلئے کہ ایک بچہ اپنی لطافت طبع کے ذریعہ ایک عاقل کامل ہو جائے یا زبان آور فاضل بن جائے)

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب ... لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

(سالہا سال چاہیئے تاکہ ایک عمدہ ذات کا پتھر بدخشاں میں لعل بنجائے یا یمن میں عقیق ہو جائے)

ماہہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش   صوفیے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

(مہینوں کے بعد جاکر کہیں بھیڑ کی پشت کا ایک مٹھی اون کسی صوفی کی گدڑی بنتا ہے یا کسی گدھے کی رسی بن پاتا ہے)

ہفتہا باید کہ تا یک پنبہٗ از آب و گل   شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن

(ہفتوں انتظار کرنے کے بعد روئی کے ایک دو دن محنت سے کسی معشوق کا جوڑا تیار کیا جاتا ہے یا کسی شہید کا کفن بنتا ہے)

روز ہا باید کشیدن انتظار بے شمار   تاکہ در جوف صدف باراں شود در عدن

(بہت بہت دنوں تک بےشمار انتظار کی ضرورت پڑتی ہے اسباب کیلئے کہ کسی سیپ کے منہ میں بارش کا قطرہ درعدن بنجائے)

(عہدہا باید کہ تا یک مرد کامل می شود   بایزیدؒ اندر خراساں یا اویسؓ اندر قرن)

(مدت دراز کے بعد کہیں جاکر کوئی ایسا مرد کامل پیدا ہوا کرتا ہے جیسے کہ خراساں میں حضرت بایزیدؒ اور قرن میں حضرت اویس قرنیؓ)

ان اشعار کو کبھی کبھی پڑھا کیجئے نہایت تسکین بخش اور کیف آور ہیں۔ والسلام۔ کمسک الختام۔

فرمایا کہ کبر کے معالجہ اور اسکے ازالہ کے سلسلہ میں امام غزالیؒ وغیرہ نے بہت طول طویل بحث کی ہے چنانچہ احیاء العلوم دیکھ جائیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ شاخ در شاخ کتنا لمبا بیان ہوگیا ہے کہ آدمی اسکو پڑھکر گھبرا جائے کہ مجھ سے اتنا سب نہیں ہوسکے گا۔ اور اسکا ایک علاج میں بتاتا ہوں نہایت آسان اور بہت ہی سہل وہ یہ کہ قرآن شریف سے مناسبت پیدا کیجئے۔ اور اخلاص کے ساتھ اسکی تلاوت کیجئے اور جن آیات میں حق تعالےٰ نے کبر کا اور متکبرین کے اعمال و اقوال اور احوال کا ذکر کیا ہے ان پر سے ذرا دھیان اور تدبر کے ساتھ گذرئیے۔ پھر دیکھئے کہ اگر آپ ایمان کے ساتھ انکی تلاوت کرتے ہیں تو اسکے بعد کبر کس طرح باقی رہ جاتا ہے۔

قرآن شریف کی اسطرح سے حقیقی تلاوت فرمائیے گا تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے جملہ رذائل نفس پر کیسا کیسا کلام فرمایا ہے۔ ہر ایک کو نہایت شدومد اور انتہائی مؤثر انداز سے بیان فرمایا ہے ایسا کہ ان پر گذرنے کے بعد مجال نہیں کہ مسلمان ان سے متصف باقی رہ سکے مگر اسکے لئے شرط وہی ہے کہ تلاوت دلی ہو۔ ظاہری، رسمی، سرسری اور صرف زبانی نہ ہو۔

اتنا تو سب کو معلوم ہے کہ قرآن مخلوق کی ہدایت ہی کے لئے نازل ہوا ہے

پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جن رذائل میں لوگ ملوث ہوں انکیں سے نکلنے کا بیان قرآن شریف میں نہ ہو۔ اصلاح تو عین مقصد قرآن کا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے خوب ہی خوب انوکھے اور مؤثر عنوان سے سارے رذائل کو بیان کیا ہے چنانچہ تلاوت کرنیوالے پر یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تمام رذائل صفاتِ کفار سے ہیں۔ اب جسکو ذرا سی بھی غیرت ہوگی وہ تو اسی سے بہت کچھ اصلاح پذیر ہو جائے گا کہ جو صفات عدو اللہ کی ہوں انکا اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں میں ہونا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ پھر قرآن شریف کی بلاغت اور اسکا عنوان بیان کچھ ایسا ہے کہ رذائل سے آدمی کو نفرت اور انکے ساتھ متصف رہنے سے آدمی کو ایک ڈر پیدا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ دیکھئے کبر جو کہ ام الرذائل ہے جیسا کہ علماء باطن نے اسکی تصریح فرمائی ہے کہ اعلم ان الاخلاق المحمودة اصلها التواضع والبواقی تدور علیه کما ان الاصل فی الاخلاق المذمومة الکبر والبواقی تدور علیه (جانو کہ اخلاق محمودہ کی اصل تواضع ہے اور بقیہ سب صفات اسی پر دائر ہوتی ہیں جس طرح سے کہ اخلاق مذمومہ میں اصل کبر ہے اور دیگر رذائل اسی پر دائر ہیں) اسی کو قرآن شریف میں کتنی مرتبہ فرمایا ہے اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ اِلَّا کِبۡرٌ ۔ فَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ (ان کے سینوں میں کبر بھرا ہے اور متکبرون کا ٹھکانا برا ہوگا) اب جو کوئی ان آیات پر سے گذرے گا اور دل سے یہ سمجھے گا کہ فَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ یعنی متکبرین کا ٹھکانا بہت ہی برا ہوگا تو اسکو سننے اور جاننے کے بعد بھی کسی میں کبر رہ سکتا ہے۔ اسیطرح سے کہتا ہوں کہ سب سے پہلا قصہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے وہ آدم علیہ السلام اور شیطان کا واقعہ ہے اس میں آدم کی تواضع اور شیطان کے کبر کا حال اور پھر اسکا انجام پڑھنے کے بعد بھی کچھ خیال نہیں ہوگا اور کبر سے نفرت نہیں پیدا ہوگی؟ ضرور پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اور انکی طبائع کو پیدا فرمایا ہے وہی ان سے خوب واقف ہیں اسلئے ان کے بیان سے بہتر اور دوسرا کیا بیان کر سکتا ہے اسی لئے کہتا ہوں کہ راستہ مختصر اصلاح نفس کا یہی قرآن شریف ہے اسی کو کیوں نہیں لیتے اور اسکے ہوتے ہوئے دوسرا نہ دوسرا راستہ اصلاح کے لئے اختیار کروگے تو طریق طویل ہو جائے گا اور مشقت

زیادہ ہو جائے گی۔

فرمایا کہ اسی سلسلہ میں ایک بات اور کہتا ہوں، سنیئے! اور وہ دراصل حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایک بات قلب میں ڈالدی اور ایک حقیقت سمجھا دی اسکی وجہ سے مجھے جسقدر خوشی ہوئی آپ سے کہہ نہیں سکتا۔ وہ یہ کہ کتابوں میں لکھا ہے اور حضرت مولاناؒ سے بھی سنا ہے کہ اگلے مشائخ نے کبر وغیرہ کا علاج اسطرح بھی کیا ہے کہ سالک سے کہا کہ داڑھی منڈا کر ایک تھیلا گلے میں لٹکا ئے اور اس میں اخروٹ بھرے اور ایسے لوگوں کے پاس سے گذرے جو اسکو جانتے پہچانتے ہوں اور بچوں سے کہے جو مجھے ایک دھپ مارے گا اسکو ایک اخروٹ دونگا اسطرح سے اپنے نفس کو خوب ذلیل کرے تو اس سے اسکا کبر ختم ہو جائے گا اور مشائخ نے لکھا ہے کہ جسطرح سے تداوی بالمحرم جائز ہے اسی طرح سے یہ علاج ہے اسلئے قوم پر کوئی اعتراض نہیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ حضرات بڑے درجے کے لوگ تھے اسلئے انکی بزرگی تسلیم کرنے کے باوجود انکے اس فعل کو جائز نہیں کہا جائے گا کیونکہ خود یہی حضرات فرماتے ہیں کہ ہماری جو بات شریعت کے خلاف ہو تو وہ مردود ہے۔ نیز یہ فرماتے ہیں کہ ہم جو کچھ کہیں جبتک اسکی تصدیق کتاب وسنت (دو گواہ ہو کر) نہ کردیں تو اسکو قبول نہ کرو۔

پس ہم جب انکے اس علاج کو شریعت پر منطبق کرتے ہیں تو خلاف شرع ثابت ہوتا ہے کیونکہ حلق لحیہ شرعًا حرام ہے (یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے۔

اور سالک کی اہانت اور ذلت اگر اس ضرورت سے جائز بھی مان لی جائے تو شریعت کا احترام بھی تو واجب ہے اسکی اہانت کب جائز ہے باقی تداوی بالمحرم سے جو اسکو تشبیہ دی ہے یہ بھی مسلّم نہیں ہے کیونکہ تداوی بالمحرم وہاں جائز ہے جہاں علاج کے لئے وہی دوا متعین ہو اور ازالۂ کبر کے لئے یہی طریقہ متعین نہیں۔ شیخ کامل کے پاس اسکے لئے بہت سے علاج ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اسکا علاج قرآن شریف سے کیا جائے گا اور اس سے کہا جائیگا

کہ متکبرین کے حالات اور انکی سزا وغیرہ کو خوب غور سے پڑھے اور دل پران سے اثر لے۔ ورنہ توان سب باتوں سے مرض جہاں کا تہاں رہے گا اور خلاف شرع امور کا ارتکاب الگ ہو جائے گا۔

ایک اشکال اور اسکا حل

فرمایا کہ ——— ایک زبردست اشکال تھا الحمدللہ کہ اسکا حل بھی سمجھ میں آگیا۔ اخلاق کا مسئلہ ہے اسکے حدود کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ انھیں سب باتوں کے تو نہ سمجھنے اور انپر عمل نہ کرنے کیوجہ سے آج ہر جگہ فساد موجود ہے۔

اشکال یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ایک باب ہے علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی اسکو اپنی کتاب الاذکار میں لیا ہے کہ

باب من اخبر صاحبہ بما یقال فیہ یعنی باب اسکا کہ کوئی شخص اپنے رفیق کو اسکے متعلق کہی ہوئی کسی بات کی اطلاع کردے اور اسکے تحت یہ حدیث ذکر فرمائی ہے کہ:۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کوئی چیز تقسیم فرمائی اسپر ایک انصاری نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو اس تقسیم سے اللہ تعالے کی رضا کا ارادہ نہیں کیا (یعنی تقسیم صحیح نہیں فرمائی) میں یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپکو اسکی یہ بات پہونچادی۔ آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور آپ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے انکو اس سے بھی بڑھکر ایذا پہونچائی گئی اور انھوں نے صبر کیا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دیکھکر حضرت ابن مسعودؓ نے (اپنے دل میں کہا کہ اب میں کبھی آپکو (اس قسم کی) کوئی بات نہ پہونچاؤں گا۔

اسپر اشکال یہ ہوتا ہے کہ تو نمیمہ ہے جو شرعاً مذموم ہے اور حرام ہے

اسیطرح سے حضرت زید بن ارقمؓ کا بھی ایک واقعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے جسمیں لوگوں کو کچھ سختی پہونچی، عبداللہ بن ابی نے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ کے لوگوں پر کچھ خرچ نکرو یہاں تک کہ یہ لوگ انکے پاس سے کھسک جائیں اور یہ بھی کہا کہ جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو ہم میں سے جو عزیز ہے وہ ذلیل کو نکال دیگا۔ یہ سنکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپکو اس واقعہ کی اطلاع دیدی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کو بلوایا۔ اس نے صاف انکار کردیا اور قسم کھائی کہ میں نے نہیں کہا۔ (اذکار ص ۴۳۹)

روح المعانی میں یہ واقعہ اسطرح روایت کیا ہے ـــــــ حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ دو شخص باہم لڑپڑے، ایک قبیلۂ جُہنیہ کا تھا دوسرا غِفار کا جہنیہ انصار کے حلیف تھے، غِفاری غالب آگیا تو عبداللہ بن ابی نے اوس سے کہا کہ اپنے بھائی کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ خدا کی قسم ہماری مثال اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال (العیاذ باللہ) تو بالکل ایسی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ اپنے کتے کو کھلا کھلا کر خوب موٹا کرو تاکہ تمھیں کو ایکدن کھا جائے

بخدا اگر ہم مدینہ لوٹے تو ہم میں سے عزیز ذلیل کو وہاں سے نکالدیگا۔ اسکی اس بات کو ایک مخلص مسلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بلا بھیجا وہ آیا اور قسم کھانے لگا کہ واللہ میں نے ایسا نہیں کہا۔

(روح ص ۱۲۳ ج ۱۰)

تو دیکھئے اس میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی نے جو کہا تھا ان صحابی نے حضورؐ تک اسکو پہونچا دیا۔ یہ تو نمیمہ ہے کیونکہ نمیمہ کی تعریف یہی ہے کہ کسی شخص کے متعلق جو بات کہی جاسے اسکو وہ بات پہونچا دی جائے۔ اور نمیمہ کی مذمت وحرمت کتاب وسنت سے نیز علماء وعقلاء کے کلام سے ثابت ہے۔ جواب اشکال کا بعد میں دونگا پہلے اسکی مذمت سن لیجئے۔ اللہ تعالے ارشاد فرماتے ہیں ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ (یعنی سب وقت ہو طعنہ دینے والا ہو) نیز صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا یدخل الجنۃ نمام۔ (چغلخور جنت میں نہ جائے گا)

احیاء العلوم میں ہے کہ ایک حکیم سے اسکے ایک دوست نے ملاقات کی اور اسکے دوسرے کسی دوست کی کوئی بات نقل کردی۔ حکیم نے اس ناقل سے کہا کہ اول تو تم نے آنے میں دیر کی اور بہت دنوں کے بعد ملے، دوسرے اسوقت تین جرم کے مرتکب ہوئے۔ ایک یہ کہ تم نے میرے بھائی کو میرے نزدیک مبغوض کردیا۔ دوسرے یہ کہ میرے فارغ قلب کو مشغول کردیا۔ تیسرے یہ کہ اپنے اپنی نفس کو متہم کرلیا۔

اور سنئے!: سلیمان بن عبدالملک بیٹھے تھے ان کے پاس حضرت زُہری رحؒ بھی موجود تھے۔ ایک شخص آیا اس سے سلیمان نے پوچھا کہ کیوں جی مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم نے میرے متعلق ایسا ایسا کہا ہے۔ اس شخص نے کہا نہیں تو۔ سلیمان نے کہا جس شخص نے یہ خبر مجھے پہونچائی ہے وہ سچا آدمی ہے۔ اسپر حضرت زہری بول اٹھے کہ کیا خوب! آپ نے بھی عجیب بات کہی ارے نمام بھی کہیں سچا ہوتا ہے۔ سلیمان نے یہ سنکر کہا آپ سچ فرماتے ہیں اور اس شخص سے کہا کہ سلامتی کے ساتھ چلے جاؤ۔

حضرت حسن رضؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم سے دوسروں کی چغلی کرے تو سمجھ لو کہ وہ تمھاری

چغلی بھی دوسروں سے ضرور کرے گا۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ نمام لائق بغض ہے، نہ اسکی بات کا اعتبار نہ اسکی دوستی پر بھروسہ۔ اور کیوں نہ بغض کے قابل ہو ایک نمیمہ کیوجہ سے آدمی نمعلوم کتنے رذائل کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ چنانچہ، جھوٹ، غیبۃ، غدر، خیانۃ، غِل، حسد، نفاق، افساد، خدیعہ وغیرہ یہ سب اسی کی نوع ہے۔ نیز یہ شخص سعی کرتا ہے ان چیزوں کے قطع کرنے میں جن کے وصل کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور ان چیزوں کے فصل کا اللہ تعالےٰ نے جن کے قطع کا حکم دیا ہے۔

دیکھئے! قرآن وحدیث نیز علماء کے اقوال سے نمیمہ کی کسقدر مذمت معلوم ہوئی۔ پس شبہ ہوتا ہے کہ حضرات صحابہؓ سے ایسی بات کا صدور کیونکر ہوا؟

اسکا جواب یہ ہے کہ صحابہؓ نے جو لوگوں کی باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچائیں تو اسکا منشا محض ایمان واخلاص تھا کیونکہ معاملہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے متعلق اس منافق نے یہ کہا تھا جسکو صحابہؓ اپنے غایۃ اخلاص اور کمال ایمان ومحبت کی بنا پر برداشت نکرسکے۔ انھیں خیال ہوا کہ اس بات کو اپنے کان سے سنکر اگر ہم پی بھی جائیں تو کہیں ہمارا شمار بھی منافقین میں سے نہ ہو جائے اسلئے انھوں نے پہنچا دینے کو اپنے ایمان اور اسلام کی سلامتی کے لیے ضروری جانا کیونکہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور مسئلہ ایمان ونفاق کا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انپر نکیر نہیں فرمائی اور زجر وتنبیہ نہیں کی کہ تم نے کیوں یہ بات پہونچائی بلکہ اسکے مقتضیٰ پر عمل درآمد شروع فرمادیا یعنی تحقیق واقعہ فرمانے لگے بالآخر اللہ تعالےٰ نے آیت بھی نازل فرمائی تو اسمیں بھی ان صحابی ہی کی تصدیق نازل فرمائی اس میں بھی نکیر نہیں فرمائی گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نمیمہ کا حرام اور مذموم ہونا اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے لیکن جہاں ایسا موقع پڑ جائے وہ مقام مستثنیٰ ہے۔ یہاں یہ نمیمہ مذمومہ کا فرد ہی نہیں رہ جاتا کیونکہ نمیمۂ مذمومہ وہ ہے کہ کسی سے کسی کی بات بہ نیت افساد نقل کیجائے اور یہاں نقل کرنے میں فساد کا احتمال بھی نہیں تھا۔ بلکہ نہ نقل کرنے میں البتہ فساد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے ظاہری حال

سے اور جھوٹی قسم کھا لینے کی وجہ سے اور واللہ باللہ تاللہ کہنے سے اسکو سچا سمجھ لیتے اور وہ تھا پکا منافق اسلئے صحابہؓ کیلئے ضروری تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے نفاق سے مطلع کریں تاکہ وہ اپنے دھوکے سے کچھ نقصان نہ پہونچا سکے۔

یہاں سے یہ مسئلہ نکلا کہ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی شیخ کے متعلق ایسی کوئی بات غیبوبت میں زبان پر لاوے جس سے اسکی بداعتقادی ظاہر ہوتی ہو اور ظاہر میں شیخ کا بڑا مقرب اور مخصوص بنا ہو تو اس حدیث کی رو سے اس سننے والے کے لئے اجازت ہے کہ وہ شیخ سے اسکی بات پہونچا دے تاکہ وہ اسکی جانب سے مغالطہ میں نہ رہے اور کسی ضرر کا شکار نہو جائے باقی اسکے علاوہ اگر دوسرے قسم کی باتیں ہوں تو کسی کے لئے بھی پہونچانا جائز نہیں ہے۔ نمیمہ محرم ہے اور بڑے مفاسد کا ذریعہ ہے اگر کوئی مرید شیخ تک پہونچا دے تو اسکو شدت کے ساتھ روک دینا چاہیئے اور اسپر اسکو تنبیہ کرنی چاہیئے۔

یہ حل ہے اس اشکال کا اس تفصیل کے بعد مسئلہ نہایت واضح اور صاف ہو جاتا ہے اور عمل کی راہ کھل جاتی ہے۔ فللہ الحمد۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃ کی یہ تحقیق انیق کیسے دقیق اشکال کو حل فرمایا ہے۔ اور اسی نمیمہ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہی اس زمانہ میں فسادات اور نزاعات کا سرچشمہ ہے۔ لیکن دیکھتا تھا کہ لوگ بہت زیادہ اسکا شکار ہیں۔ یہ فرماتے تھے کہ یہ چھوٹے مریدین ہم لوگوں کو بھی اسی جال میں پھانسنا چاہتے ہیں یعنی دوسروں کی باتیں ہم سے نقل کرکے ہمارے اوپر اپنا اخلاص اور اپنی خیر خواہی اور ہم سے اپنی عقیدت ظاہر کرتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم جیسے لوگ ان جیسوں کو مخلص اور معتقد سمجھکر انکا اعتبار کرلیں اور انکو مقرب بنالیں اور پھر یہ اس تقرب کو اپنے مقاصد کے لئے آلۂ کار بنائیں اور ان ہوشیار لوگوں نے اس کام کیلئے خاص وقت بھی تجویز کر رکھا ہے اور وہ ہوتا ہے کھانا کھا کر لیٹنے کا وقت (خواہ دوپہر کا ہو یا بعد عشا رہو) اسوقت ہم لوگوں کا پیر اور بدن دباتے دباتے یا سر میں تیل لگاتے لگاتے جو باتیں کرتے جاتے ہیں بس اسی وقت کسی دوسرے کی بات بھی پہونچا دیتے ہیں۔ یہ خیال کرتے ہیں کہ اسوقت تو ہم لوگ انکے محسن ہیں اور انکو آرام پہونچا رہے ہیں اگر بالفرض کچھ نشیب و فراز بھی ہوگیا تو معاف

کر دیں گے تسامح فرما جائیں گے۔ اور اگر ہماری بات سن لی تو بس پھر کیا تیر نشانہ پر لگ گیا۔ لیکن میں ایسے لوگوں کو خوب پہچانتا ہوں اسی وجہ سے کسی کو مقرب وغیرہ تو بنانا الگ رہا پاس تک پھٹکنے نہیں دیتا۔ سمجھتا ہوں کہ آیا تو ہے دین حاصل کرنے کیلئے اور الٹے ہمارے ہی دین کو خراب کر دیگا، آخر ہم بھی انسان ہیں نفس رکھتے ہیں کسی وقت کسی کے کہنے میں آ ہی جائیں اور حد سے تجاوز ہو جاوے۔ اسلئے ان آنے جانے والوں سے بہت محتاط رہتا ہوں اور ان کی باتوں اور اسکے مناشی پر غور کر کے تب کوئی معاملہ کرتا ہوں۔

اب آپ خود دیکھ لیجئے کہ حضرتؒ کی ایک یہی بات سنکر کیسی طبیعت خوش ہو گئی اور معلوم ہوا کہ سبحان اللہ اسی ایک ملفوظ کے ذریعہ کتنا زبردست علم اور کیسی تجربہ کی بات حاصل ہوئی۔ یہ ہے بزرگوں کا فیض اور مشائخ کا عمل اسقدر خود کو پابند اور محتاط رکھتے تھے تب جا کر خلق خدا میں مقبول ہوئے۔ افسوس کہ اب اس قسم کی باتوں کے سننے کو جی ترس گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرما دیں۔ جامی)۔

اکتساب کمال کا بڑا مانع عار و استکبار ہے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سورہ حشر میں فرماتے ہیں کہ :۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(سورۂ حشر)

ان حاجتمند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں اور (نیز) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام میں اور ایمان میں ان کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کچھ رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (بیان القرآن)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فئی[عـہ] کے مصارف بیان فرمائے ہیں کہ فئی فقراء و مہاجرین کے لئے ہے اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو مدینۂ طیبہ میں ان مہاجرین کے آنے سے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں یعنی انصار کے لئے بھی ہے۔ مہاجرین کو تو اسلئے حصہ ملے گا کہ وہ لوگ اپنے گھر بار مال و دولت سے نکالے گئے ہیں لیکن والذین تبوّ والدار یعنی وہ لوگ جو دارالاسلام یعنی مدینۂ طیبہ میں مقیم رہے ہیں انکی فضیلت کی وجہ کیا ہے؟ حضرت مولانا نے بیان القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ تبوّء الدار کی صفت کو فضل میں دخل یہ ہے کہ اپنے باطن میں اکتساب کمال کا کرنا خصوص انقیاد و فرمانبرداری کرنا کمال کی بات ہے کیونکہ وطن میں ان امور سے بہت سے موانع پیش آتے ہیں نیز اپنی ریاست و وجاہت کی وجہ سے عار بھی آتی ہے"۔ انتہیٰ۔

عـہ۔ اہل حرب سے بلا قتال حاصل شدہ مال فئی کہلاتا ہے ۱۲۔

خوب بات بیان فرمائی ——— بڑے بڑے فاضل اور صاحب کمال ہوئے ہیں مگر وطن کے لوگوں نے فائدہ نہیں اٹھایا اور موانع کی وجہ سے کچھ نہ حاصل کیا اور دوسری جگہ کے لوگوں نے آکر کمال حاصل کیا اور خوب فائدہ اٹھایا

اسوقت میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں یہ معمولی بات نہیں ہے بہت بڑا مسئلہ ہے، اکتساب کمال کا سب سے بڑا مانع یہی عار و استکبار ہے اسی کی وجہ سے لوگوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک کا انکار کیا ہے۔ کوئی رئیس صاحب جاہ ہو اور اپنے ہی یہاں کے کسی عالم کے سامنے جھک جاوے یہ بڑے کمال کی بات ہے۔

ایک بزرگ اور زبردست عالم نے ایک جگہ وعظ کہا وعظ کے بعد حسب معمول لوگوں نے مصافحہ شروع کیا وہیں کے ایک بڑے امیر تھے انھوں نے بھی مصافحہ کیا ان بزرگ عالم نے اسی بھرے مجمع میں جہاں عوام و خواص کے ساتھ ان رئیس کے خدام بھی موجود تھے انکی ناک پکڑ کر اینٹھ دیا ان رئیس نے کہا کہ مولانا آپ مجھکو آزماتے ہیں اگر آپ میرے کپڑے اترواکر سر بازار جوتے لگوائیں جب بھی آپ کا وہ سودا جو سر میں سمایا ہوا ہے نہ نکلے گا۔ دیکھا آپ نے سچا معتقد ایسا ہوتا ہے۔ اتنا بڑا امیر کبیر آدمی مگر کیسی بات کہی، سچا معتقد تھا۔

آجکل بگاڑ یہاں سے ہوا ہے کہ لوگ اپنے وطن کے آدمی کی طرف جھکتے نہیں اسکا انقیاد نہیں کرتے اسلئے محروم رہتے ہیں، باہر کے لوگ باہر سے آآکر فائدہ اٹھاتے ہیں مگر عار و استکبار نے مقامی لوگوں کی راہ ماری ہے ؎

حسنؒ ز بصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ از روم　　ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

(شہر بصرہ سے حسنؒ اور ملک حبش سے بلالؓ اور روم سے صہیبؓ آکر ہدایت حاصل کریں اور خود سرزمین مکہ کا رہنے والا ابوجہل گمراہ رہ جائے کتنی عجیب بات ہے)

ایک بات اور کہتا ہوں اور سچی بات ہے اسلئے کہتا ہوں خواہ آپ خفا ہی کیوں نہوں وہ بات یہ ہے کہ مقامی آدمی کی طرف عار کی وجہ سے جھکتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ عار و استکبار کے ساتھ اور اپنی ریاست و جاہ کے ساتھ کچھ دین کا بھی نام لگالیں اسلئے ایسے لوگ بہت بہت روپیہ خرچ کرکے باہر سے لوگوں کو بلاکر دین کی سند حاصل

کر لیتے ہیں، دو تین روز باہر والوں کے سامنے دین اور دینداری ظاہر کر دینا کیا مشکل ہے؟ دو چار روز اپنے کو سادھ لیا اور کامل ہو گئے اسطرح اپنی جاہ و ریاست کی بھی حفاظت رہی اور کامل بھی ہو گئے۔

بھلا کوئی اسطرح سے کامل ہوا ہے کمال تو ملا کرتا ہے انقیاد و طاعت سے جاہ و ریاست کے ترک سے، اب چاہتے ہیں کہ کہیں کسی کے سامنے جھکنا نہ پڑے اور کامل ہو جائیں۔ ع۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

اب لوگ اپنے گھر پر رہ کر کسی مقامی عالم سے عار کی وجہ سے اکتساب کمال نہیں کرتے حالانکہ وطن میں رہکر کسب کمال آسان ہے کیونکہ آدمی بیوی بچوں کی دیکھ بھال بھی کر سکتا ہے اور اپنی تعلیم و تربیت میں بھی لگ سکتا ہے مگر اب اس آسان کو لوگوں نے مشکل بنا لیا ہے۔ جہاں کے لوگ اچھے ہوئے ہیں کسی مقامی آدمی ہی سے اچھے ہوئے ہیں اسکے خلاف کہیں نہ پاؤ گے۔ میں نے اپنے وطن اور اسکے اطراف میں دیکھا ہے کہ عرصہ سے وہاں لوگ باہر سے آتے جاتے رہے بڑی بڑی دعوتیں ہوتی رہیں وعظ و نصیحت کی مجلسیں بھی گرم ہوتی رہیں مگر دین کا پتہ نہیں اور اب دیکھتا ہوں کہ مقامی لوگوں نے کچھ کام کیا تو کچھ دیندار لوگ نظر آنے لگے۔

وطن کے لوگوں کی مخالفت سے انبیاء علیہم السلام کو بھی گذرنا پڑا اسی طرح اولیاء کو بھی گذرنا پڑتا ہے، یہ مجاہدہ مصلح کے لئے ضروری ہے ایسے موقع پر مصلح کے لئے دو باتیں نہایت ضروری ہیں ایک حسن خلق دوسرے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خوب پکا رہنا۔ اصلاح کا کام بڑا مشکل ہے مصلح کے لئے ضروری ہے کہ اسکو لوگوں پر شفقت ہو اور اس میں اپنا کافی وقت صرف کرے اور لوگوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہو اور اس پر پورا عبور ہو۔ باہر سے دو ایک روز کے لئے آنیوالے کو نہ تو مقامی آدمی جیسی شفقت ہوگی اور نہ وقت ہی زیادہ دے سکیگا دو چار روز رہکر چلا جائیگا اور لوگوں کے حالات سے بے خبر ہوگا اسلئے اس سے اصلاح نہ ہو سکے گی۔

ایک عالم مولانا عبدالرؤف صاحب داناپوری گذرے ہیں جو صوفی بھی تھے

انھوں نے سیرت میں کتاب بھی لکھی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں دین وعظ سے نہیں پھیلا بلکہ بزرگوں سے پھیلا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک بزرگ کہیں جاکر بیٹھ گئے آدمی چھپا نہیں رہتا رفتہ رفتہ لوگ انکی طرف رجوع ہوئے اور لوگوں کو نفع پہونچنے لگا انھوں نے ان لوگوں میں کسی کو ہونہار دیکھا اسکو دوسری جگہ بیٹھا دیا اور اسیطرح کام کرنے کو کہا کہ فلاں جگہ جاکر بیٹھ جاؤ چپکے رہو کسی سے کچھ کہنے سننے کے پیچھے نہ پڑو۔ بڑی عمدہ بات لکھی ہے کام تو ہمیشہ کام کے طریقے ہی سے ہوا ہے۔

میں نے اپنے اطراف کے اہل علم سے بہت کہا کہ آپ لوگ خود کام کیوں نہیں کرتے ہمیشہ باہر ہی سے علماء کو کیوں بلاتے ہیں اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ لوگ اپنے کو نااہل ثابت کر رہے ہیں کہ ہم سے کام نہیں ہوسکتا اسلئے ہم مجبور ہوکر دوسری جگہ سے لوگوں کو بلاتے ہیں گویا مرکز والوں نے آپ کو اپنا نائب نہیں بنایا ہے بلکہ آپ کو صرف اسلئے بنایا ہے کہ چلو تم لوگ قوم سے خوب چندہ کر کے ہمکو بلاؤ ــــ ذرا غور کیجئے کہ جب نائبین کام نہ کرینگے تو بیچارہ ایک آدمی کہاں کہاں دوڑتا پھرے گا اور اکیلا کہاں تک کام کرے گا۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اکتساب کمال وطن میں آسان ہوتا ہے مگر عار کی وجہ سے جھکتے نہیں اسلئے محروم رہتے ہیں اور باہر کے آدمی سے دو ایک روز کا معاملہ ہوتا ہے اسلئے عار بھی نہیں ہوتی لہذا اسی کو بلاتے ہیں۔ دیکھئے مکہ کے لوگوں نے محض عار و استکبار ہی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہونچائیں حتیٰ کہ قتل کی سازش کی اور اللہ تعالےٰ کے حکم سے آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی ایک آدمی کہتا تھا کہ ایک انگریز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت پر اعتراض کرتا تھا کہ آپ ؐ بھاگ گئے کیوں؟ میں نے جواب دیا سوپ بولا تو بولا چھلنی بھی بولی جس کے اندر بہتر چھید یہی اگر بھاگنا ہے تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کہوگے کہ وہ معاذ اللہ آسمان پر بھاگ گئے؟ اور میں کہتا ہوں کہ یہ انگریز ہندوستان چھوڑ کر کیوں بھاگ گئے؟ بات عقل سے کہنی چاہیئے نفسانیت کے ساتھ جو بات کہی جائیگی وہ الٹی اپنے پر آپڑے گی۔

سنو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھاگے نہیں تھے بلکہ آپؐ نے پینترا بدلا تھا تھوڑے دنوں کے بعد پھر مکہ تشریف لائے اور مکہ کو بھی دارالاسلام بنا لیا۔ جس طرح بادشاہ لوگ اپنی حفاظت کرتے ہیں کہیں جانا ہوتا ہے تو اکیلے نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کے ساتھ جاتے ہیں سب کا لباس سب کی سواریاں ایک طرح کی ہوتی ہیں تاکہ بادشاہ پہچانا نہ جاوے یہ حفاظتی تدابیر ہیں، جب اہل مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حفاظتی تدبیر کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آپ نے ترک وطن فرمایا اور مدینہ طیبہ پہونچکر اسلام کی دعوت کو ایسا عام و تام فرمایا کہ تھوڑے ہی دنوں میں مکہ اور سارا عرب اسلام کا حلقہ بگوش ہوگیا اس کے بعد ساری دنیا میں اسلام پہونچا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عموم بعثت کا تقاضا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عموم بعثت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی ملک کے سب لوگ ترک اسلام پر اتفاق کریں تو اللہ تعالیٰ اسی قوم میں سے کچھ لوگوں کو توفیق دینگے کہ وہ مسلمان ہوجائیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حجت تام ہوتی ہے استطاعت ممکنہ واستطاعت میسرہ دونوں سے استطاعت میسرہ جس طرح اشغال واعمال ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بڑھکر دوام صحبت بھی ہے جو قریب والے ہی سے ہوسکتا ہے دور والے نہیں نفس کے بڑے بڑے مکائد ہوتے ہیں اسکی چالوں کو شیخ مبصر ہی سمجھ سکتا ہے اور وہی اصلاح کرسکتا ہے بغیر قرب اور صحبت کے یہ کیسے ہوگا؟

ایک آدمی ایک بزرگ کے پاس رہ کر وطن واپس ہونے لگے تو دریافت کیا کہ اب وطن جاکر کس کے پاس آمد و رفت رکھیں گے اور کس سے ملتے رہیں گے؟ ان بزرگ نے ایک صاحب کا پتہ بتایا جب یہ وطن آئے اور ان سے ملنے گئے تو ان کو کچھ شبہ ہوا کہ شاید یہ کچھ پیتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ متشرع نہیں ہیں اور وہ تھے کامل سمجھ گئے کہ ان کو اعتراض ہے ایسا بزرگانہ جواب دیا کہ انھوں نے بھی یاد کیا ہوگا، ہوا یہ کہ جب سونے لگے تو

انکو غسل کی حاجت ہو گئی، اٹھے اور غسل کے لئے حوض کی طرف بڑھے دیکھتے ہیں کہ اسمیں بجائے پانی کے وہی چیز ہے جسکے پینے کی بدگمانی ان بزرگ کے ساتھ کرتے تھے دوڑکر دریا پر پہونچے وہاں بھی یہی دیکھا اور ادھر نماز قضا ہوا چاہتی تھی اب سمجھے کہ اسی بدگمانی کی یہ سزا ہے، بھاگ کر ان بزرگ کے پاس پہونچے اور ان سے معافی چاہی پھر جاکر پانی نصیب ہوا۔ ایک اور بزرگ کا واقعہ سنئے :-

جونپور میں ایک بزرگ رہتے تھے کوئی آدمی انکے پاس پانی لایا کہ پھونک دیجئے دور ہی سے انھوں نے پھونک دیا اس نے کہا کہ اتنی دور سے کیا اثر ہوگا فرمایا کہ اچھا برتن رکھو پھر دور ہی سے دوبارہ اسپر پھونک ماری جسکی وجہ سے برتن ہی ٹوٹ گیا (اب سمجھ میں آگیا کہ اثر ہوتا ہے یا نہیں)

الغرض قرب اور دوام صحبت اخذ فیوض کے لئے ضروری ہے جو مقامی ہی آدمی سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو شفقت اور محبت اسکو ہوگی وہ اُسکو کہاں ہو سکتی ہے جو دو ایک روز کے لئے کہیں پہونچ گیا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے خوب کہا ہے[۵]

وفاداری مدار از بلبلاں چشم　　　که هر دم بر گلِ دیگر سرایند

(جو لوگ بلبل جیسی صفت رکھتے ہوں ان سے وفاداری کی امید نہ رکھو کہ وہ ہر وقت ایک نئی شاخ گل پر جا کر چہچہاتا ہے)

کام کی ترتیب بھی یہی ہے کہ پہلے اپنوں سے کام شروع کیا جاتا ہے مثل مشہور ہے کہ "اول خویش بعدہٗ درویش"۔ انبیاء علیہم السلام نے اسی طریق سے کام کیا ہے۔ اسی واسطے اپنوں کو فیض دوسروں سے زیادہ پہونچتا ہے۔ اگرچہ انصار کے فضائل بے حد و شمار ہیں پھر بھی مہاجرین سے بڑھ نہ سکے چنانچہ مسئلہ خلافت در پیش ہوا تو انصار کہتے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مضمون اپنے ذہن میں مرتب کر رکھا تھا مگر بروقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر فرمائی جو حضرت عمر فاروق کے مضمون سے بڑھکر تھی جسمیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بھی پڑھی تھی الائمۃ من قریش چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہا کہ آپ ہاتھ بڑھائیے آپ سے بڑھکر اسوقت روئے زمین

پر کوئی نہیں ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں اسکے بعد تمام صحابہ مہاجرین و انصار سب ہی بیعت ہوگئے۔

علماء محققین نے لکھا ہے کہ دین کی جو عظمت و محبت قریش کو ہوگی وہ اہل مدینہ کو نہیں ہوسکتی چنانچہ دین کا نمایاں کام جو قریش نے کیا ہے وہ اہل مدینہ سے نہ ہوسکا حضرت خالد وغیرہ رضی اللہ عنہم کے کارنامے مشہور و معروف ہیں۔ باقی یہ جو بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ تین شخص کو فائدہ نہیں ہوتا اولاد، خادم، بیوی، یہ عام نہیں ہے بلکہ زیادہ تر تو یہی دیکھا گیا ہے کہ انھیں لوگوں کو زیادہ فائدہ پہونچا ہے

ایک لڑکی نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ میری ایک بات مان لیجئے تو عرض کروں جب وعدہ کرالیا تو کہا کہ میرا نکاح فلاں بزرگ سے کر دیجئے اور وہ بزرگ جذامی تھے اور اس لڑکی کے والد انکے معتقد بھی تھے لڑکی کی درخواست پر ان سے نکاح ہوگیا وہ بزرگ ایسے باکرامت تھے کہ جب اس لڑکی کے پاس آئے تو لباس عمدہ، جسم بھی بالکل عمدہ اور خوبصورت تھا جذام کا کوئی اثر نہ تھا وہ لڑکی انکو دیکھکر بھاگی اور کہا کہ آپ میرے شوہر نہیں ہیں انھوں نے کہا کہ میں ہی تمھارا شوہر ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ قوت بخشی ہے کہ جب تمھارے پاس آؤنگا تو تندرست ہوکر آؤنگا اور لوگوں کے سامنے اپنی اصلی حالت میں ہونگا، اس لڑکی نے عرض کیا کہ میں نے آپ سے نکاح حظ نفس کے لئے نہیں کیا ہے بلکہ آپکی خدمت کے لئے کیا ہے لہذا آپ اپنی اسی حالت میں میرے پاس تشریف لائیے چنانچہ ایسا ہی کیا اور ان بیوی کو ان بزرگ سے بڑا فیض پہونچا اور ایسی ولیہ ہوئیں کہ بڑے بڑے مشائخ ان سے اپنے اشکالات حل کرتے تھے۔

بات یہ ہے کہ کمالات کا انجذاب فطری طور پر ہوتا ہے گرمی کا قصد کریں یا نہ کریں مگر آفتاب کی گرمی ضرور پہونچتی ہے صحبت کا فیض بھی اضطراری ہوتا ہے اور اگر اس میں اختیار کو بھی شامل کر دیوے تو کیا پوچھنا سبحان اللہ۔ تو بیوی اور خادم اور اولاد جب ہمہ وقت پاس رہیں گے تو انکو فیض زیادہ ہوگا۔

یہ مضمون بہت ہی عمدہ تھا اسلئے میں نے اسکو بیان کیا ہے۔ تھوڑی سی عار

وغیرہ کو ترک کر دے اور اپنی ہستی وغیرہ کو مٹا دے اسکے بعد پھر راحت ہی راحت ہے سہ

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد   آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

(انکا معاملہ تو یہ ہے کہ) اگر آدمی جان لیتے ہیں تو سو جان مرحمت فرماتے ہیں اور اتنا عطا فرماتے ہیں کہ جو تمہارے وہم وگمان میں بھی نہ آتا ہوگا)

کسی کامل کے سامنے اپنے کو ڈال دینا اپنی ہستی کو مٹا دینا ہی ایک بڑی راحت و اطمینان کی بات ہے حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھکو دو چیزیں بہت پسند ہیں ایک تو مقتدی بنکر نماز پڑھنا دوسرے دعوت کا کھانا کھانا۔ تابع ہونے میں بڑا فائدہ ہے اور آسانی ہے اور متبوع ہونے میں بڑی ذمہ داری ہے۔

اسوقت میں نے آپ حضرات کے سامنے اس چیز کو بیان کیا ہے جو بالعموم انسان کو کمال سے محروم رکھتی ہے اور وہ عار ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ جونپور میں وعظ میں فرمایا کہ میں علماء سے پوچھتا ہوں کہ انکو حضرات مشائخ کے یہاں جانے میں عار ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو کوئی مضائقہ نہیں انکی اصلاح ہو چکی ہے وہ نہ جاویں، اور اگر موجود ہے تو میں کہتا ہوں کہ جب عار جیسا رذیلہ موجود ہے تو پھر اصلاح کہاں ہوئی؟ اس پر مولانا ابوبکر صاحبؒ نے فرمایا کہ واہ مولانا واہ آپ نے تو خوب رگ پکڑی۔

(۲)

فرمایا کہ ـــــ میں نے کل سورۂ حشر کی اس آیت والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم۔ الآیۃ۔ کے متعلق کچھ بیان کیا تھا آج پھر اسی مضمون کی مزید وضاحت کرنا چاہتا ہوں اسلئے کہ ان آیات میں فیٔ کی بحث ہے یعنی اس میں مال کی تقسیم کا مسئلہ ہے جو کہ ہر زمانہ میں اہم مسئلہ رہا ہے صحابہؓ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا معمول تھا کہ آپ اموال کو لوگوں میں علی السویہ تقسیم فرماتے تھے اور حضرت عمرؓ ایمان اسلام، ہجرت اور نصرت کے تفاوت کے اعتبار سے حسب مراتب سب کو دیا کرتے تھے چنانچہ حضرت صدیقؓ سے جب لوگوں نے کہا یا خلیفۃ رسول اللہ انك قسمت ھذا فسویت بین الناس ومن الناس اناس لھم فضل سوابق وقدم فلو فضلت

اھل السوابق والفضل بفضلھم ـ قال اما ما ذکرتم من السوابق والقدم فما اعرفنی بذالک وانما ذالک شی ثوابہ علی اللہ ھذا معاش فالاسوۃ فیہ خیر من اثرہ ـ یعنی جب لوگوں نے عرض کیا کہ آپ باوجود تفاوت فضل کے سب کو برابر ہی برابر عطا فرماتے ہیں کاش آپ حسب مراتب دیا کرتے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی کوئی شخص فضیلت اور مراتب میں اگر بڑھا ہوا ہے تو اسکا اجر اس کو اللہ تعالیٰ مرحمت فرمائیں گے باقی یہ تو معاش کا معاملہ ہے اسلئے اس میں بمقابلہ ترجیح کے تسویہ ہی بہتر ہے ـ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے لیکن اسکے برخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ لا اجعل من قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمن قاتل معہ ـ یعنی میں تقسیم مال کے باب میں ان لوگوں کے برابر جنھوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوکر کفار سے قتال کیا ہے ان لوگوں کو نہیں کرونگا جنھوں نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے قتال کیا ـ چنانچہ آپ کی اس تقسیم پر بھی سب صحابہ خوش تھے اور سب حضرات نے اسکو بنظر استحسان دیکھا ـ اسطرح گویا آپ کے اس فعل پر گویا حضرات صحابہ کا اجماع ہی ہو گیا تھا باقی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جو مال کی تقسیم میں ذاتی فضل کی رعایت نہ فرماتے تھے تو انکا تمسک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کی تقسیم تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے فضل کو تسلیم فرمانے کے باوجود اس کو حصہ نہ دیا اور دوسرے غیر مخلص کو مرحمت فرمایا جیسا کہ شریف جعیل کا واقعہ آتا ہے ـ

ان آیات میں مال فیئ کے مستحقین کی فہرست بیان کرتے ہوئے اسمیں والذین تبوؤا الدار والایمان کو بھی شمار فرمایا گیا ہے یعنی یہ فرمایا کہ اس میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو دار الاسلام یعنی مدینہ میں جو کہ ان کا وطن ہے اور دار ایمان میں ان مہاجرین کے آنے کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں ـ

اسکی توضیح کرتے ہوئے تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ تبوء الدار کی صفت کو فضل میں دخل یہ ہے کہ اپنے وطن میں اکتساب کمال کا کرنا خصوص انقیاد و فرمانبرداری کرنا کمال کی بات ہے کیونکہ وطن میں ان امور سے بہت سے موانع پیش

آتے ہیں نیز اپنی ریاست و وجاہت کی وجہ سے عار بھی آتی ہے ۔ انتہی

دیکھئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خوب ہی بات فرمائی، اس مقام پر یہ نکتہ اور دوسرے مفسرین نہیں بیان فرماتے لیکن بات چونکہ نہایت ہی عمدہ ہے اسلئے اس مقام کو ذرا اور زیادہ واضح کرتا ہوں ۔ حضرت کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ فئی کے مستحقین میں سے یہ اہل مدینہ بھی جو شمار کئے گئے تو وہ اس لئے کہ وطن میں رہنے کے باوجود یہ لوگ ایک بڑے کمال کے ساتھ متصف تھے اور وہ انکا انقیاد اور امتثال تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، رہا یہ کہ انقیاد تو مہاجرین نے بھی کیا تھا پھر اس میں اہل مدینہ کی کیا تخصیص ہوئی؟ اسکے متعلق حضرت فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے ان امور کے اختیار کرنے سے بہت موانع (رکاوٹیں اور مشکلات) پیش آتی ہیں۔ ثانیاً یہ کہ اپنی ریاست سرداری جاہ و دبدبہ جو وہاں حاصل ہوتا ہے اسکی وجہ سے دوسرے کے اتباع میں عار بھی آتی ہے ۔ پس ان موانع میں گھر کر بھی جب کوئی انقیاد اور فرماں برداری اختیار کرے تو بلاشبہ یہ بھی انکا ایک اعلیٰ درجہ کا کمال ہے یعنی اور دیگر کمالات تو خیر کمال ہیں ہی ۔ وطن میں ہوتے ہوئے خود کو ختم اور فنا کر کے دوسرے کو اپنا پیشوا بنا لیا اپنی جگہ پر یہ بھی ایک مستقل کمال ہے اور سب کمالوں سے بڑھکر بلکہ انکی اصل ہے اور ایسا کرنا غایت درجہ اخلاص اور ایمان کا ثبوت ہے ۔ پس جیسا کہ مشہور ہے کہ بقدر الکد تکتسب المعالی جس کام میں کسیکو جسقدر تعب اور مشقت برداشت کرنا پڑتا ہے اسی قدر اسکو اجر اور فضل حاصل ہوتا ہے اور موانع کے ہوتے ہوئے پھر کوئی کام کرنا ظاہر ہے کہ ایک دشوار گذار گھاٹی ہے ۔

اب میں مانع کی تفصیل بیان کرتا ہوں کہ وطن میں انسان کے لئے کسی کی اتباع اور انقیاد سے کیا کیا مانع پیش آتے ہیں اسلئے کہ یہ جہل کا زمانہ ہے، دین سے بے مناسبتی عام ہے ۔ فہم رخصت ہو چکی ہے اسلئے جب تک کسی بات کو اچھی طرح سے واضح نہ کیا جائے لوگ اسکو سمجھیں گے ہی نہیں ۔ مثلاً اتنا آپ حضرات نے سنا کہ ــــ وطن میں ان امور سے بہت سے موانع پیش آتے ہیں ــــ بہت سے لوگ ہوں گے جو مانع کے معنی

ہی نہ جانتے ہوں گے۔ میرے ایک عزیز تھے انھوں نے حضرت کی خدمت میں کچھ ہدیہ بھیجا حضرت نے یہ لکھکر واپس فرما دیا کہ پہلے مانع مرتفع کرد وہ صاحب حالانکہ انگریزی داں تھے کئی سو تنخواہ پاتے تھے مگر اسکا مطلب نہیں سمجھ سکے، نہ مانع کو سمجھے اور نہ مرتفع کرنے کو سمجھے بلکہ حضرت کے منشار کے بالکل خلاف کچھ اور سمجھے پھر مجھ سے پوچھنے لگے کہ حضرت نے یہ لکھا ہے اسکا کیا مطلب ہے؟ پھر میں نے انکو سمجھایا تو سمجھے۔ بات یہ تھی حضرت سے اصلاحی تعلق قائم کیا تھا مگر حالات کی اطلاع حضرت کو نہیں کرتے تھے مشائخ حقہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ بدون کچھ خدمت کئے کسی سے کچھ ہدیہ وغیرہ لیتے طبعاً حیا فرماتے ہیں اور یہی چیز ان کے لئے قبول ہدیہ سے مانع بن جاتی ہے۔ پس حضرت کا بھی یہی مطلب تھا کہ آپ مجھے اصلاحی خط وغیرہ تو کبھی لکھتے نہیں اسلئے مجھے آپ کی خدمت کا کچھ موقع ہی نہیں ملتا اور آپ ہدیہ دیکر میری خدمت کرنے کیلئے تیار، یہ چیز پسند نہ تھی، ہاں آدمی تعلق رکھے، خط وکتابت کرے کچھ کام لے اسوقت ہدیہ کا بھی مضائقہ نہیں۔ اسی کو حضرت نے ان لفظوں میں فرما دیا کہ "پہلے مانع مرتفع کرو" جو ان کے لئے چیستاں بن گئی۔ یہ حال ہے اس زمانہ میں پڑھے لکھوں کے علم و فہم کا اسلئے جب تک بات کھول کھولکر نہ کہی جائیگی ان کے پلے کچھ پڑیگا نہیں کیونکہ اس قسم کے یہی تھوڑے ہی ہونگے بہت سے لوگ ایسے ہونگے چنانچہ علمار کو چاہیئے کہ جو بات کریں نہایت واضح طور سے بیان کریں۔

اسلئے قرآن شریف ہی کے دوسرے مقام سے ان موانع کی تفصیل بیان کرتا ہوں سنئے موانع دو قسم کے ہوتے ہیں ایک خارجی، دوسرے داخلی۔ چنانچہ وطن میں رہ کر کسب کمال سے بالخصوص کسی کے اتباع و انقیاد سے جو چیزیں مانع بنتی ہیں وہ یہی ہیں جنکا بیان اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ یعنی اے ایمان والو تمھاری بعض بیبیاں اور اولاد تمھاری دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو۔ اسکے ذرا آگے فرماتے ہیں اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمھارے اموال اور اولاد تمھارے لئے بس ایک فتنہ کی چیز ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے لئے اسکی بیوی، اسکی اولاد اور اسکا مال ہی فتنے کی چیزیں

مانع ہوا کرتی ہیں یعنی آدمی انھیں میں پھنس کر دوسرے کمالات کے اکتساب سے محروم رہتا ہے گویا کسب کمال کے لئے یہی امور مانع ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ازواج کی دشمنی یہ ہے کہ بعض مرتبہ وہ اپنے شوہر کی جانی دشمن ہی ہو جاتی ہیں اور کبھی اسکو قتل تک کر دیتی ہیں اور کبھی کھانے پینے میں زہر ملا دیتی ہیں کبھی اسکی بے عزتی پر کمربستہ ہو جاتی ہیں اور کبھی اسکا تمام مال خرچ کر کے اس کو فقیر و محتاج بنا دیتی ہیں۔ اسی طرح سے اولاد بھی جب دشمن ہو جاتی ہے تو باپ کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتی، نافرمان ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اپنی بدخلقی کی وجہ سے ایسے امور کا ارتکاب کر لیتی ہے جسکی وجہ سے والدین کو تلخ گھونٹ پینا پڑتا ہے اب ظاہر ہے کہ جب کسی کے گھر میں اس طرح سے اعدا رگھسے ہوں گے تو اس کی زندگی کس قدر فکر و رنج میں گذرتی ہوگی دن کا کھانا اور رات کا سونا اسکے حق میں حرام ہوگا قلب و دماغ پر افکار و ہموم کا ہجوم ہوگا پس ان حالات میں وہ کسب کمال کیا خاک کر سکے گا۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ تمھارے دشمن ہیں لہذا انکی جانب سے ہوشیار رہنا مطمئن اور بے خوف مت ہو جانا یہ لوگ غرض کے دوست اور مطلب کے ساتھی ہیں اگر تمھاری جانب سے مطلب برآری میں ذرا کمی دیکھیں گے تو تو تمھارے مخالف ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس زمانہ میں تو مشاہدہ ہے کہ آدمی اپنے بچوں کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا مگر انکا یہ حال ہے کہ ؎

سارے دنیا کے ہوئے میرے سوا میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے

اسی طرح بیوی کا بھی حال ہے کہ اسکی خاطر آپ اپنی جان تک کیوں نہ کھپا دیں مگر جب وہ خفا ہوگی تو یہی کہیگی کہ تمھارے یہاں ہم نے کبھی آرام نہیں پایا۔

پس ان لوگوں کا یہ مزاج اور طبیعت ہو سکتا تھا کہ ہم سے مخفی رہتی اور ہم اسکی وجہ سے کسی تکلیف میں پڑ جاتے اسلئے اللہ تعالےٰ نے خود ہی آگاہ فرما دیا کہ فاحذروھم یعنی ان سے احتیاط رکھنا اور ان کے غوائل اور شر سے مامون نہ ہونا خبر نہیں کب یہ ڈس لیں، یہ تمھارے دشمن ہیں۔ برائی ۱۲

علماء نے لکھا ہے کہ انکی عداوت یہ ہے کہ یہ لوگ، لوگوں کے حق میں طاعات اور دوسرے امور نافعہ فی الدین سے مانع بن جاتے ہیں چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حرام کمائی پر اسکو ابھارتے ہیں اور کبھی محض اپنی غرض کے حصول کے لیئے اس سے معاصی تک کا صدور کرا دیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ انسان کی ہلاکت اسکے بیوی بچوں کے سبب سے ہوگی یعنی یہ لوگ اسکو فقر پر عار دلائیں گے طنز کریں گے اور طعنہ دیں گے جسکی وجہ سے آدمی بری سواری پر سوار ہوگا اور ہلاک ہو جائے گا یعنی ناجائز امور کا مرتکب ہوگا جو کہ دینی موت کے مرادف ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوگا کہ وہ لوگ اسکو مجبور نکریں گے مگر انکی محبت اور شفقت خود اس شخص کو آمادہ کرے گی کہ ان کے لیئے راحت و آرام کا سامان کرے تاکہ وہ اسکی زندگی میں بھی اور اسکے مرنے کے بعد بھی تکلیف نہ اٹھائیں آرام سے رہیں اس خیال کے پیش نظر محظورات (ممنوعات ۱۲) کا ارتکاب خود بخود کرے گا اگرچہ انکی جانب سے کوئی مطالبہ نہو، اور ہلاکت میں پڑے گا۔ مفسرین نے آیت کے سبب نزول کے موافق اسی ثانی قول کو فرمایا ہے۔

اب یہ سمجھیئے کہ اللہ تعالےٰ نے انکی عداوت پر ہمکو مطلع تو فرمادیا اسلئے تاکہ ہم ضرر سے محفوظ رہ سکیں لیکن اعتدال سے تجاوز کر کے ہماری جانب سے اسکے رد عمل میں یہ بھی ممکن تھا کہ ہم انکو ایسی سزا دیتے جو ان کے جرم سے زائد ہوتی یا عداوت کا جواب عداوت سے دیتے جس کا انجام یہ ہوتا کہ ہمارا ہر گھر میدان کارزار ہو جاتا تو ظاہر ہے مفاد زندگی کا ایک سخت خاتمہ ہو جاتا اور زندگی تلخ ہو جاتی اس لیئے اس میں اعتدال قائم فرمانے کے لیئے آگے ارشاد فرمایا کہ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی تم اگر ان کے ان گناہوں کو جو قابل عفو ہوں یعنی جو امور دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت ہی سے متعلق ہوں مگر مقارن بالتوبہ ہوں انکو معاف کر دو یعنی انھیں اس پر کوئی سزا نہ دو اور صفح کرو یعنی درگذر کر دو اور انھیں عار بھی نہ دلاؤ۔ اور مغفرت کر دو یعنی انھیں چھپالو اور کسی سے اسکا ذکر تک نکرو تو جان لو کہ اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہے یعنی

تمھارے ساتھ آخرت میں وہ بھی ایسا ہی معاملہ فرمائے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ:۔

اہل مکہ کی ایک قوم مسلمان ہوئی اور انکا ارادہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اس پر انکی بیویوں بچوں نے انکو روکا کہ ہم کو یہاں چھوڑ کر کیسے جاؤ گے اسوقت تو یہ لوگ رک گئے لیکن بعد میں جب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ اور دوسرے لوگ جو پہلے سے آئے تھے وہ فقیہ ہو گئے ہیں یعنی انکو دینی معلومات کہیں زیادہ حاصل ہو گئی ہیں تب انھیں تاخیر پر افسوس ہوا اور اپنے بال بچوں پر غصہ آیا اور یہ طے کر لیا کہ گھر پہونچکر انکو خوب سزا دیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تم انکو معاف کردو اور درگذر کر جاؤ اور بخشدو یعنی انکو سزا مت دو اور زیادہ ملامت بھی نکرو اور دل و زبان سے اسکو بھلا دو تو اللہ تعالیٰ تمھارے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور تمھارے حال پر رحم کرنے والا ہے۔ اس میں ترغیب ہے عفو کی اور یہ بعض اوقات واجب ہے جبکہ عقوبت سے احتمال غالب بیباکی کا ہو اور بعض اوقات مندوب ہے (بیان القرآن ص۱۲ جلد۱۲)

سبحان اللہ کیا کلام ہے اور سب پہلو کی کیسی رعایت فرمائی ہے کہ پہلے تو انکو دشمن بتلایا تاکہ لوگ ہوشیار رہیں اور بعد میں عفو و مغفرت کی بھی ترغیب دی تاکہ آپس کے تعلقات میں بھی فرق نہ پڑے اور گھر خراب نہو جائے اور اہل و اولاد خانماں برباد نہ ہو جائیں کیونکہ اسکے بعد پھر انکو کون پوچھے گا۔

نیز یہ کہ ازواج کی بداخلاقی سے شوہر کو اجر بھی تو ملتا ہے، اسی پر صبر کرنے کیوجہ سے کتنے لوگ اللہ تعالےٰ کے ولی ہو گئے ہیں کیونکہ یہ بڑا زبردست مجاہدہ ہے بلکہ جہاد اکبر ہے۔ بدون ایمان کامل اور توفیق خداوندی کے کوئی شخص اس پر آسانی سے قادر نہیں ہو سکتا۔ ایک بزرگ کی اہلیہ بدخُلق تھیں مگر وہ اس پر صبر کرتے تھے اور جب کوئی ان سے اسکی شکایت کرتا تو اسکو سختی کے ساتھ روکدیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ میں اپنے کانوں سے اپنے ہی اہل کی شکایت سنوں یہ نہیں کرونگا اور جب ان سے تعلق ختم ہو گیا اسوقت کوئی کرتا تو فرماتے کہ اب جس سے کچھ لینا دینا نہیں اسکی برائی میرے سامنے

خواہمخواہ کے لئے بیان کرتے ہو۔

بہر حال ہے یہ سخت دشوار گذار گھاٹی کہ ایک شخص دشمن بھی ہے اور اس سے چولی دامن کا ساتھ بھی ہے اب اسوقت نباہ کرنا اسطرح سے کہ اسکی دشمنی کے ضرر سے خود کو بچائے رکھے اور اپنے دین میں بھی فرق نہ پڑنے دے بڑا مشکل مسئلہ ہے اسی کو حضرتؒ (تھانوی) نے فرمایا کہ ـــــ اپنے وطن میں اکتساب کمال کرنا خصوص انقیاد وفرمانبرداری کرنا کمال کی بات ہے۔ کیونکہ وطن میں ان امور سے بہت موانع پیش آتے ہیں نیز اپنی ریاست و وجاہت کی وجہ سے عار بھی آتی ہے۔

اب تو وطن میں پیش آنے والے خارجی موانع آپ کی بھی سمجھ میں آگئے ہونگے دیکھئے آپ کسب کمال کیلئے دہلی چلے جائیے تو آپ کے بال بچے مانع نہیں آدیں گے یہ خیال کریں گے کہ جاتے ہیں تو جانے دو جب وہاں سے آئیں گے تو عمدہ عمدہ سوغات لاویں گے لیکن آپ وطن میں کسی جگہ اگر علم وعمل اور اخلاص سیکھنے کے لئے جائیں تو چند ہی دنوں میں آپ کے گھر ہی کے لوگ آپ کی مخالفت کرنے لگ جائیں گے اسلئے کہ اس میں انکا تو کچھ نفع نہیں اور آپ کو کیا نفع ہوتا ہے اول تو یہ ان کے مشاہدہ میں نہیں ثانیاً انکو اسکی پروا بھی نہیں کہ آپ کو نفع ہو رہا ہے یا نہیں انکو تو اپنے نفع سے کام ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو پیش کر کے کہا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جسکے عیال نے اسکی حسنات کو کھا لیا ہے چنانچہ بعض سلف سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ عیال طاعات کے لئے بمنزلہ سوس اور گھن کے ہیں یعنی ان کے ہوتے ہوئے انسان کی طاعات کمال کو نہیں پہونچ سکتی اس لئے کہ یہ لوگ ضرور کچھ نہ کچھ حصہ لے لیتے ہیں۔ غرضکہ وطن میں کسب کمال کے یہ سب تو خارجی موانع ہوئے جو انسان کو باہر سے پیش آتے ہیں۔

اسی طرح اب سنیئے کہ اکتساب کمال اور کسب فیض سے اکثر انسان کو اس کے داخلی موانع بھی روکدیتے ہیں جسکو حضرتؒ نے ان لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے کہ "نیز اپنی ریاست و وجاہت کی وجہ سے عار بھی آتی ہے" ـــــ مطلب یہ ہے کہ وطن میں آدمی کو

ریاست ۔ سرداری اور جاہ حاصل ہوتی ہے اسلئے وہ دوسرے کے آگے جھکنے میں عار محسوس کرتا ہے۔ اب کوئی شخص اس پہاڑ کو پاش پاش کرکے اپنے نفس کو کسی مقامی بزرگ کے آگے لاگرا وے تو بلا شبہ یہ اسکا کمال ہے بلکہ دیگر سارے کمالات کی اصل یہی ہے کیونکہ جب اپنے کو اس پر آمادہ کردیا تو عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ اسکے فیض سے فیضیاب ہوگا اور پھر مدارج کمالات میں یوماً فیوماً بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ عار تو وہ مانع اکبر ہے جو انسان کو تحصیل کمالات سے روکدیتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسی عار کی وجہ سے ہر زمانہ میں لوگوں نے انبیاءؑ کا انکار کیا، اولیا کا انکار کیا، خاصکر وطن والے تو جلدی کسی کو مانتے ہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا میں رؤسا قریش نے جو نہیں مانا تو اسی عار کی وجہ سے گو بعد میں چلکر ایک ایک کو جھکنا پڑا اور آپؐ کی ریاست کے آگے کسی کی ریاست باقی رہ نہیں گئی۔ اسیطرح سے مدینہ کے سب لوگوں نے اپنی عار اپنی نخوت اور اپنی جاہ سب کو شیطان کے حوالہ کرکے آپ کے آگے جھک گئے سوا دو ایک کے کہ ان کو اسی عار اور جاہ نے چلنے نہیں دیا۔ ان میں سے ایک شخص عبداللہ ابن ابی بھی تھا جس کے متعلق خود ان کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے وہ فرماتے ہیں کہ :-

"یا رسول اللہ! اس جھیل کے پاس بسنے والوں نے اتفاق کیا تھا کہ میرے باپ کو تاج پہنائیں گے کہ اسی اثنار میں اللہ تعالےٰ نے آپ کو بھیجدیا، آپ کو عظمت و رفعت عطا فرمائی اور اسکو پست کردیا" ــــــ ایک اور صحابی بیان فرماتے ہیں :-

جس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں لایا اسوقت اسکی قوم اسکے لئے جوہرات پرو رہی تھی تاکہ اسکا تاج بنا کر اسکے سر پر رکھے ابھی تیاری میں ایک جوہر کی کسر تھی ہنوز تاج نامکمل تھا کہ آپ تشریف لے آئے اور اسکی سرداری ختم ہوگئی) پس اس نے خیال کیا کہ جیسے آپ نے اسکا ملک ہی چھین لیا ہو۔ اسلئے مخالف ہوگیا اور اتباع سے عار کیا۔

غرضکہ جاہ و ریاست کا سودا بھی ایسا ہوتا ہے کہ جب یہ سر پر سوار ہوتا ہے تو آدمی سے عقل و فہم بھی رخصت ہو جاتی ہے اور بالکل دیوانہ اور غرض کا مجنون ہی ہو جاتا ہے

یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے ہر زمانہ میں باہر کے لوگوں کو مانا ہے خواہ وہ کچھ زیادہ اہلیت بھی نہ رکھتے ہوں اور مقامی شخص کی تو مخالفت ہی کیجاتی رہی ہے خواہ اس میں کام کرنے اور نفع پہونچانے کی صلاحیت تامہ ہی کیوں نہو۔

اسی قبیل سے میں اسکو بھی سمجھتا ہوں کہ لوگ دین کا کام کرنے کیلئے باہر سے لوگوں کو بلاتے ہیں اس میں بہت بہت روپیہ صرف کرتے ہیں اور اتنا نفع نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ باہر کا شخص کے دن آپ کے یہاں دین سکھانے کے لئے رہ سکتا ہے تین چار دن میں وہ کیا دین سکھلادے گا؟ اسکے لئے تو ضرورت ہے کہ روزانہ کسی سے ملا جائے اور ایک ایک بات اس سے سیکھی جائے کچھ دنوں میں آدمی بہت کچھ سیکھ لے گا۔ کام تو کام ہی کے طریقہ سے ہوگا چاہو کہ طریقہ کو ترک کردو اور کام ہو جائے ناممکن ہے۔ اس سلسلہ میں عوام تو عوام دیکھتا ہوں کہ پڑھے لکھے لوگ بھی ان کے دوش بدوش نظر آتے ہیں یعنی جن لوگوں میں کام سیکھ کر کام کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے وہ بھی خود کام نہیں سیکھتے اور خود نہیں کرتے بلکہ دوسروں ہی کو دعوت دیتے ہیں۔ جانتے ہو کیا بات ہے اسکے یہاں کوئی اہل ہوتا ہی تو اس سے کچھ حاصل کرنے میں ہم وطن ہونے کی وجہ سے عار محسوس کرتے ہیں اور باہر کے لوگوں کے متعلق اسکا خیال نہ ہوتا ہوگا حالانکہ جس عیب سے بچنے کے لئے وہ مقامی شخص کے پاس نہیں جاتے وہ عیب اب بھی ان کے سر رہتا ہے کیونکہ عوام جب دیکھتے ہیں کہ انکو نفع پہونچانے کے لئے باہر سے لوگ آتے ہیں اور یہ لوگ نہیں پہونچا سکتے تو ان کو نظر اعتبار سے ساقط کر دیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ لوگ کچھ ہیں نہیں اور ان کو اس رائے کے قائم کرنے کا موقع یہی لوگ دیتے ہیں۔ اسلئے یہی اس کے ذمہ دار ہیں انکے لئے یہ کچھ کم ذلت کی بات ہے مگر فہم کی کمی کی وجہ سے اسکو محسوس نہیں کرتے

حاصل اس تمام تر گفتگو کا یہ نکلا کہ بلاشبہ وطن میں کسب کمالات کے لئے بہت سے موانع ہوتے ہیں لہٰذا فضیلت اس شخص کے لئے ہے جو ان موانع سے نکلکر کسب فیض کرے اور کسی مقامی شخص سے جو اہل ہو اس سے نفع حاصل کرے۔ ختم شد

مضمونِ اخوّت

(حصہ دوم)

(حضرت مُصلح الامّۃ کی ایک مجلس ۲۰ صفر ۸۰ھ مطابق ۵ ستمبر ۱۹۵۸ء یوم جمعہ)

فرمایا ــــــ "مضمون اخوت" کے متعلق اخبار "الجمعیۃ" دہلی مجریہ ۲۹ اگست ۱۹۵۸ء میں یہ مضمون شایع ہوا:ــ

"اخوت" یہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم کی ایک تقریر ہے جو مصنف کی جانب سے قلمبند کر لی گئی تھی اور انجمن اصلاح المسلمین الہ آباد کے انتیسویں سالانہ جلسہ کے تیسرے اجلاس میں پڑھکر سنائی گئی اسمیں آیۃ کریمہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کی تفسیر عالمانہ انداز میں کی گئی ہے اور نہایت خوبی سے اخوت کے معنی اور مطلب اخوت کی اہمیت اور اسکے مؤیدات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اخوت کے زبانی دعوے اور عمل میں تضاد اور اس سلسلہ میں اہل ملت کی افسوسناک کمزوریوں پر تنبیہ کی گئی ہے۔ انجمن اصلاح المسلمین نے اسکو شایع کرکے ایک قابل قدر اصلاحی اور تبلیغی خدمت انجام دی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کو مطالعہ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین"۔

اسکو سناکر فرمایا کہ ــــــ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" اس آیہ کو قرآن شریف میں اقتتال کے ذکر کے بعد فرمایا ہے کیونکہ اسکی پہلی آیت میں ہے کہ وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا الآیہ اس سے معلوم ہوا کہ اقتتال اخوت کے منافی ہے اور باہم اقتتال چونکہ منع ہے اسی کو اس طرح سے سمجھایا کہ انما المؤمنون اخوۃ یعنی مومن سب بھائی بھائی ہیں اور ان میں قتال بہت برا ہے۔ لہٰذا اگر دو مسلمان آپس میں لڑ رہے ہوں تو ان میں صلح کرا دینے کا حکم ہے جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ فاصلحوا بین اخویکم یہاں 'اخوین' جو فرمایا تو یہ دو افراد پر بھی صادق ہے اور دو جماعت پر بھی صادق ہے یعنی جس طرح سے کہ دو اشخاص انفرادی طور سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں

اسی طرح سے اجتماعی طور پر دو جماعتیں بھی ایک دوسرے کی بھائی ہیں اور ان دونوں ہی میں نزاع و قتال ہوتا ہے اور دونوں ہی میں صلح کرانے کا حکم ہے اور خطاب فاصلحوا میں سلطان یا امیر کو ہے یا ہر اس شخص کو ہے جو ان میں صلح کرا سکتا ہو مثلاً قوم کا چودھری اور عالم یا شیخ وغیرہ۔

میں بہت دنوں سے اس بات کو بیان کر رہا ہوں مگر لوگ سمجھنا تو درکنار سمجھنے کا ارادہ تک نہیں کرتے اور جب پوچھتا ہوں کہ سمجھے تو زور زور سے گردن جھٹکا رستے ہیں کہ ہاں سمجھ گئے اور انکا حال بس ایسا ہی ہے جیسا بُزِ اخفش کا کہ اخفش نحوی کی باتوں کو وہ کچھ بھی نہیں سمجھتی تھی۔ بُزِ اخفش کا قصہ آپکو معلوم ہے؟ اخفش نامی ایک نحوی گذرا ہے مشہور ہے کہ اس نے ایک بکری پال رکھی تھی بُز کہتے ہیں بکری کو، اور نحو کا کوئی مسئلہ لیکر بکری کا کان پکڑ کر اسکے سامنے اسکی تقریر کرتا اور اسکے کان چھوڑ کر اس سے پوچھتا کہ سمجھی؟ بکری کا قاعدہ ہوتا ہے کہ اسکے کان پکڑنے کے بعد جب چھوڑ دیئے تو وہ سر ہلا کر کان کو پھٹپھٹاتی ہے لہٰذا اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس نے سمجھا کہ یہ نہیں سمجھی لہٰذا پھر اس مسئلہ کی اور واضح تقریر کی اور پھر کان چھوڑ کر اس سے کہا کہ سمجھی؟ اس نے پھر سر ہلا دیا یہ سمجھا کہ پھر نہیں سمجھی پھر تقریر کرتا۔ اسی طرح کرتے کرتے وہ تو نہایت محقق نحوی ہو گیا اور وہ بکری بکری ہی رہ گئی۔ بُرا نہ مانیئے گا اسی طرح سے آپ لوگوں کا حال ہے کہ آپ لوگوں کی وجہ سے معلوم کتنے لوگ مقرر ہو گئے اور انکی تقریریں صاف ہو گئیں کیونکہ انھوں نے آپ کے سامنے تقریر کی آپ نے واہ واہ کیا آپ کی تعریف کرنے کی وجہ سے انھوں نے دوسری مرتبہ اور اچھی تقریر کی اس پر اور زیادہ تعریف ہوئی تو انھوں نے اور زیادہ اچھی کی۔ اسی طرح کرتے کرتے وہ تو ہو گئے مقرر اور آپ جہاں تھے وہیں رہے۔ اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے ہم لوگ تو مقرر ہو جائیں اور آپ لوگ جیسے تھے ویسے ہی رہیں یہ کیسا ہے؟

اسی طرح سے کوئی شخص کوئی مضمون وغیرہ لکھدیتا ہے تو دیکھتا ہوں کہ دور دور کے لوگ تو اسکا کچھ اثر بھی لیتے ہیں لیکن وہاں کے لوگوں پر اسکا کوئی اثر نہیں ہوتا اس کے متعلق بھی ذرا فرما دیجئے کہ یہ کیسا ہے؟ کچھ غیرت اور افسوس کی بات ہے یا نہیں؟ اجازت دیجئے تو میں اسکی وجہ بیان کروں۔ بات یہ ہے کہ دوسرے لوگ مضمون پڑھکر صاحب مضمون

کا تصور کرتے ہونگے کہ یہ شخص کوئی خوب موٹا تازہ عالم ہوگا نہایت نفیس عبا چغا زیب تن کئے ہوگا اور ایسا ایسا شخص ہوگا، اس تصور سے کچھ وقعت اور عظمت صاحب مضمون کی ان کے قلب میں ہوجاتی ہوگی ـــ لیکن آپ لوگ تو مجھے ہر وقت ہی دیکھتے ہیں میرے تن و توش اور لباس کو بھی دیکھتے ہیں کہ نحیف سا انسان ہے اسلئے میری طرح میرے مضمون کی بھی وقعت نہ ہوتی ہوگی اور اپنے متعلق تو میں یہ شعر اکثر پڑھ دیتا ہوں کہ ؎

ایک مشت استخواں ہوں بلکہ کچھ اس سے بھی کم جو کمیں میں اپنی ہے سچ تو یہ ہے اسکا کرم

یعنی جس طرح سے کوئی چھوٹی سی چڑیا اور صیاد اسکو شکار کرنے کے لئے کمیں گاہ میں گھات لگا کر بیٹھے گویا اسکا طالب ہو تو وہ یہ کہے کہ ؎

جو کمیں میں اپنی ہے سچ تو یہ ہے اسکا کرم ایک مشت استخواں ہوں بلکہ کچھ اس سے بھی کم

اسی طرح میں اپنے بارے میں بھی کہتا ہوں ع ایک مشت استخواں ہوں بلکہ کچھ اس سے بھی کم اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی انسان کی عظمت قلب میں ہوتی ہے تو اس کے کلام کی عظمت بھی دل میں ہونا ناگزیر ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے قتال سے منع فرمایا اور باہم اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کا کیسا عمدہ اور مؤثر عنوان اختیار فرمایا کہ فرمایا کہ انما المؤمنون اخوۃ اس میں سب مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی فرمادیا گویا سب ایک ہی ہیں، اور جنگ کے لئے ضروری ہے کہ وہاں تعدد ہو۔ آدمی کسی سے اسی وقت لڑتا ہے جب یہ سمجھتا ہے کہ میں اور ــــ اور ــــ وہ اور ــــ ورنہ اگر تعدد نہ ہو تو جنگ کا تصور ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ اپنے سے کوئی شخص جنگ نہیں کرتا۔ ہاں یہ صوفی لوگ بیشک اپنے ہی نفس سے جنگ کرتے ہیں مگر اس کو عرف عام میں جنگ نہیں کہا جاتا بلکہ اسکا نام تو مجاہدہ ہے۔

اب آپ لوگ صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ انما المؤمنون اخوۃ مگر اسکا مطلب نہیں سمجھتے غور کیجئے گا تو اتفاق و اتحاد کے استحسان کی اس آیت میں دلیل نقلی کے ساتھ ساتھ دلیل عقلی بھی پائیے گا اور وہ یہی ہے جیساکہ ابھی میں نے بیان کیا کہ جنگ ہمیشہ غیر سے ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے سب

مسلمانوں کو بھائی بھائی کہدیا تو گویا سب کو باہم ملا دیا غیریت اور تعدد کو ختم کردیا پھر باہم اختلاف کے کیا معنی؟

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جس عنوان کو اللہ تعالیٰ نے اتحاد کے لئے ایسے موثر طریقہ سے بیان کیا تھا آج اسکا کچھ اثر ہم نہیں لیتے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ انما المومنون اخوۃ مسلمان سب آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) بھائی ہیں یعنی جس طرح نسب اور رشتہ دو شخصوں کو باہم ایک کردیتا ہے اور اسکی وجہ سے ان میں اخوت قائم ہوکر اتحاد ہوجاتا ہے پھر اختلاف اور لڑائی نزاع اور جنگ ان میں متصور ہی نہیں ہوتی کیونکہ ان چیزوں کا منشار اور سبب تو تعدد ہوتا ہے جس کو یہاں رشتے نے ختم ہی کردیا ہے۔ اسی طرح سب مسلمان گو ان میں نسبی اخوت نہ ہوتا ہم ایک دین میں منسلک ہونے کے سبب وہ بھی بمنزلہ بھائی ہی کے ہیں اور اس دینی رشتہ نے بھی جب ان میں اخوت دینی پیدا کردیا تو اسکا بھی تقاضا ہے کہ اب ان میں نزاع وخلاف جنگ وجدال اور سباب وقتال نہ ہو کیونکہ یہ سب چیزیں تعدد کے ثمرات ہیں اور یہاں دین نے انہیں اتحاد اور وحدت قائم کردیا ہے چنانچہ آیہ انما المؤمنون اخوۃ میں اسی مضمون کی جانب متوجہ فرمایا گیا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا مقصود ہے۔

مگر دیکھا جاتا ہے کہ آج اس عنوان سے بھی اس مضمون پر مسلمانوں کو لایا جاتا ہے تو انکو کچھ نفع نہیں ہوتا، اس آیۃ کا وعظ بیان کیا جاتا ہے مگر بے سود۔ جانتے ہیں آپ اسکی کیا وجہ ہے؟ کہ اللہ تعالےٰ نے جس مضمون کو موثر بنانے کیلئے یہ عنوان اختیار فرمایا تھا آج ہم پر اسکا کوئی بھی اثر کیوں نہیں ہوتا؟ وجہ اسکی یہ ہے کہ اسکی بنار اس پر تھی کہ نسبی بھائی بھائی میں تو اتحاد واتفاق اور ان میں باہم اخوت ومحبت تو مسلم تھی اسلئے فرمایا تھا کہ ایمانی اور دینی رشتہ کو بھی ایسا ہی سمجھو کہ اسکی وجہ سے بھی دو شخصوں میں گویا ایک قسم کی اخوت ہی قائم ہوجاتی ہے اب اس عنوان کی اہمیت اور اس ارشاد کی عظمت تو اسوقت ذہن نشین ہوتی اور اس کا اثر قلب جب لیتا کہ دینی اخوت کو جس اخوت پر محول فرمایا تھا یعنی نسبی اخوت پہلے سے اسکی اہمیت اور اسکے اثرات اور ثمرات مسلم ہوتے

مگر ہمارا حال آج یہ ہے کہ ہمارے آپس کے تعلقات اور ہمارے اندر روزمرہ کے پیش آنے والے واقعات بتاتے ہیں کہ یہ نسبی اخوت اور اسکا ثمرہ اتفاق و اتحاد اور باہمی محبت و مؤدت کا ہونا ہی ہم کو تسلیم نہیں رہ گیا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر اختلافات و نزاعات آج ایک خاندان اور ایک برادری میں ہیں اور جیسا کچھ جنگ و جدال، سباب و قتال آج خود بھائی بھائی میں ہے شاید ہی کسی دوسرے میں ہو پس جب اس نسبی اخوت کا ہی اتحاد و اتفاق مسلم نہیں ہے تو اخوت ایمانی بھی گویا تسلیم نہیں ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہمارا تعلق آج خود اسلام سے اسدرجہ ضعیف اور فاسد ہو گیا ہے کہ خود مسلمان کو اسلام اور ایمان کی ہی اہمیت اور وقعت جیسی کہ ہونی چاہیئے نہیں ہے۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ یوں تو اخوت ایمانی، اخوت نسبی سے بڑھی ہوئی ہے کیونکہ دو شخص جو نسبی بھائی ہوں مگر ایک ان میں سے مسلم ہو غیر مسلم ہو تو آپس میں میراث نہیں جاری ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ دینی اخوت، نسبی اخوت سے اہم ہے۔ لیکن چونکہ نسبی رشتہ اور اسکی وجہ سے آپس کا اتحاد امر ظاہر تھا اسلئے ایمانی اخوت جو کہ باطنی چیز تھی اسکو اسکے ذریعہ سے سمجھایا گیا مگر نسبی اخوت جو کہ ظاہر شئے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ وہ ختم ہو چکی ہے اور تعلقات بھی سب ختم بلکہ قطع ہو چکے ہیں اسلئے اب اسکی اہمیت بھی سمجھ میں نہیں آتی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب اس اخوت کے عنوان سے دینی اتحاد کو بیان کیا جاتا ہے اور آیت انما المؤمنون اخوۃ کا وعظ کہا جاتا ہے تو اسکا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا اور سب کوششیں بے سود ثابت ہوتی ہیں کیونکہ اثر تو اسوقت ہوتا کہ خارجی اور ظاہری اخوت یعنی اخوت نسبی کا مفہوم اور اسکی اہمیت ذہن نشین ہوتی اور جب وہی نہیں رہی تو اخوت دینی اور ایمانی کو تو لوگ کیا سمجھیں گے اور اسکے متعلق کسی وعظ یا مضمون سے کیا متاثر ہونگے

اسی آیۃ کی تفسیر کے سلسلہ میں اسوقت کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہوں ذرا غور سے سنیئے

یہ آیات سورہ حجرات کی آیات ہیں اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ ادب سکھایا گیا ہے چنانچہ ابتدا ہی اس سے فرمائی ہے کہ :-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اللہ و رسول

لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (سورۂ حجرات)	اللہ اور اس کے رسول کی اجازت سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ تمھارے اقوال کو سننے والا اور سب افعال کو جاننے والا ہے۔

دیکھئے اس میں حضرات صحابہ کو ایک ادب آپ کا یہ سکھلایا گیا کہ کسی قول یا فعل میں آپ سے سبقت اور تقدم نہیں کرنا چاہیئے اس آیت کے شان نزول کے متعلق احادیث میں یہ واقعہ آتا ہے کہ ایک بار بنی تمیم کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ میں باہم آپ کی مجلس ہی میں اس امر پر گفتگو ہوئی کہ ان لوگوں پر حاکم کس کو بنایا جائے حضرت ابو بکرؓ نے قعقاع بن سعید کی نسبت رائے دی اور حضرت عمرؓ نے اقرع بن حابس کی نسبت رائے دی اور گفتگو بڑھکر دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ پھر اسکے آگے فرماتے ہیں کہ :-

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝	اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ اُن سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم باہم ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمکو اسکی خبر بھی نہ ہو۔

اس میں بوقت گفتگو ایک ادب یہ تعلیم فرمایا کہ اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر نہ بلند کریں اور نہ ہی آپ کو اسطرح سے نام لیکر پکاریں جیسے بعض بعض کو پکارتا ہے کہ بوجہ قلت تہذیب کے یہ بھی منع ہے اور پھر اس پر دھمکی بھی دی کہ اگر ایسا کروگے تو تمھارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ اس دھمکی کو سنکر حضرات صحابہؓ کے تو ہوش ہی اڑ گئے جن صحابہ کی آواز بلند تھی تو جو لوگ قادر ہو سکے انھوں نے اپنی آواز کو آہستہ کیا اور جو لوگ اس پر قادر نہ ہو سکے وہ گھر بیٹھ رہے۔ چنانچہ بیہقی میں ہے کہ اسکے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قسم ہے اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح

بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو۔ اور حضرت عمرؓ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا۔ اور حضرت ثابت بن قیس کی باوجودیکہ خلقۃً آواز بلند تھی مگر یہ سنکر وہ بہت ڈرے اور روئے اور نہایت تکلف کرکے اپنی آواز کو گھٹایا۔

علماء نے تصریح کی ہے کہ جو حضرات دین کی بزرگی رکھتے ہوں ان کے ساتھ بھی یہی آداب برتنا چاہئے گو سوء ادب کا وبال اس درجہ کا نہوگا لیکن تاذی بلا ضرورت میں حرمت ضرور ہے۔" (بیان القرآن)

اس آیۃ کے نازل ہونے سے صحابہ کو اتنا رنج ہوا کہ مارے غم کے گھٹ گئے اور عجب نہ تھا کہ مارے غم کے ان میں سے بعض ختم ہی ہو جاتے اس پر اللہ تعالیٰ نے انکی یہ مدح نازل فرمائی کہ

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنکے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقوی کے لئے خاص کر دیا ہے ان لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اور یہ تو حضرات صحابہ کرام ہی کا حق تھا کہ جب اپنے سے اللہ تعالیٰ کو ذرا بھی ناراض پاتے تھے تو اپنے کئے ہوئے فعل پر اتنا نادم ہوتے اور اس فعل کی ایسی تلافی کرتے اور اتنی تلافی کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سے خوش ہی کر کے مانتے تھے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ دوسری آیت نازل فرما کر انکی پوری تسلی فرما دیتے تھے جب جا کر انھیں سکون ہوتا تھا چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔

پھر آگے انھیں بنی تمیم کا ایک واقعہ اور بیان کر کے انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور ادب کی جانب متوجہ فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ:۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

جو لوگ حجروں سے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثروں کو عقل نہیں ہے اگر

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	یہ لوگ ذرا صبر اور انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو ان کے لئے بہتر تھا (کیونکہ ادب کی بات تھی) اور اللہ غفور رحیم ہے۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ کچھ دیہاتی لوگ بنی تمیم کے آپ کے حضور میں آنے کے لئے آئے اسوقت آپ دولت خانہ میں تشریف رکھتے تھے ان لوگوں نے بوجہ قلت سلیقہ وتہذیب کے آپ کو نام لیکر باہر ہی سے پکارنا شروع کیا یا محمد اخرج الینا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور انکو یہ ادب سکھلایا کہ اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا بے ادبی ہے جو آپ کی ایذار کا سبب ہے لہٰذا تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا بلکہ باہر ہی صبر اور انتظار کرتے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب خود ہی تمہارے پاس تشریف لاتے تو پھر ملتے یہ تمہارے لئے کہیں بہتر تھا۔

علماء نے یہاں تخرج الیھم میں یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کی طرف تشریف لاتے تب ہی انکو ملنا چاہیئے تھا یعنی بالفرض آپ باہر تشریف بھی لاتے مگر ان سے ملنے کیلئے نہیں بلکہ قرائن سے یہ معلوم ہوتا کہ کسی اور کام سے تشریف لائے ہیں تب بھی انکو ملاقات کا تقاضا مناسب نہیں تھا بلکہ مزید صبر کرنا چاہیئے تا آنکہ آپ انکی جانب متوجہ ہوتے۔ سبحان اللہ کس قدر آداب کی رعایت کی تعلیم فرمائی گئی ہے

چونکہ پہلے ایک ادب یہ بیان فرما چکے ہیں کہ تقدیم بین یدی اللہ ورسولہ نہیں کرنی چاہیئے اس لئے اب اسکے آگے ایک واقعہ کے سلسلہ میں حکم شرعی سے سبقت کرنے کو منع فرماتے ہوئے اسکے خلاف کرنے کو بھی تقدیم بین یدی اللہ ورسولہ کا ایک فرد قرار دیتے ہیں :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝	اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو اسکی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہو کہ کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہونچا دو پھر تمکو اپنے کئے پر پچھتانا پڑے

اس شان نزول کا قصہ اس طرح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ ولید میں اور ان میں زمانۂ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی ولید کو وہاں جاتے ہوئے اندیشہ ہوا ان لوگوں نے سنکا استقبال کیا ولید کو گمان ہوا کہ یہ لوگ بارادۂ قتل آرہے ہیں واپس جاکر اپنے خیال کے موافق کہہ دیا کہ وہ تو مخالف اسلام ہوگئے۔ آپ نے حضرت خالد کو تحقیق حال کے لئے بھیجا اور ان سے فرمادیا کہ خوب اچھی طرح تحقیق کرنا اور جلدی مت کرنا چنانچہ انھوں نے وہاں بجز اطاعت اور خیر کے کچھ نہ دیکھا آکر آپ کو مطمئن کردیا اسپر یہ حکم نازل ہوا۔

اس میں کسی کی بیان کی ہوئی خبر پر بلا تحقیق عمل کر لینے کو منع فرمایا گیا ہے کیونکہ بلاتحقیق ان پر مثلاً جہاد کردیا جاتا تو ان کے کتنے حقوق فوت ہوتے اسلئے اسکا حکم ہوا کہ کوئی خبر سنو تو پہلے اسکی تحقیق کرنا چاہیئے ورنہ اگر بلا تحقیق کے محض کسی کے کہنے سے عمل کر لوگے تو عجب نہیں کہ دوسرے پر ظلم ہو جائے اور اگر کچھ بھی نہ ہوگا تو کم ازکم اسکی جانب سے تم کو سوء ظنی تو ہو ہی جائے گی جو کہ حرام ہے کیونکہ حسن ظن واجب ہے، ان حقوق کے فوت ہونے میں تو کلام ہی نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ سنو! یہ تقدیم بین یدی اللہ ورسولہ کیونکہ ہوئی :-

واعلموا ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم — یعنی جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں جو خدا کی بڑی نعمت ہیں پس اس نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ کسی بات میں تم آپ کی مخالفت نہ کرو گو وہ دنیوی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں اگر آپ ان میں تمھارا کہا مانا کریں تو تمکو بڑی مضرت پہونچے۔

پس یہ معاملہ تقدیم بین یدی اللہ ورسولہ اس طرح سے ہوا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے درمیان میں موجود اور پھر انکی موجودگی میں بھی تم کوئی کام بدون اذن اور بلا آپ کے مشورہ سے کرو یہی تقدیم علی الرسول ہے کہ آپ کی رائے حاصل کر سکنے کے باوجود آپ سے استشارہ نہ کیا جائے اور کوئی کام کرلیا جائے۔ تقدم صرف اسی کو نہیں کہا جاتا کہ آدمی کسی واجب التعظیم ذات کے آگے آگے چلے۔ جس طرح بدون حاجت کے کسی واجب الاحترام

ذات کے آگے چلنا تقدم اور بے ادبی ہے اسی طرح سے انکی رائے لینے سے پہلے کوئی کام کرگذرنا یہ بھی تقدم ہی ہے اور منع ہے۔

اس مقام پر ایک مولوی صاحب نے ایک اشکال کیا وہ یہ کہ آیۃ میں ہے اذاجاءکم فاسق بنبأ فتبینوا یعنی جب کوئی فاسق شخص کوئی خبر لایا کرے تو پہلے اسکی تحقیق کرلیا کرو۔ اور جن کے متعلق یہ آیۃ نازل ہوئی ہے وہ ایک صحابی ہیں چنانچہ انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکواۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ تو اس سے تو یہ نکلا کہ آیۃ میں صحابہ کو فاسق کہا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ انھوں نے اس حکم کو سننے کے بعد کہاں اسکے خلاف کام کیا؟ فسق تو جب ہوتا کہ آیۃ کے نزول کے بعد بھی بلاتحقیق بات کہدیتے یہ تو اس سے نہیں معلوم ہوا بھی اسی واقعہ سے تو یہ شریعت بن رہی ہے اس سے پہلے اسکے متعلق تو کوئی حکم شرعی موجود نہیں تھا۔ پس یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں مخاطب عام مومنین ہیں اور فاسق سے مراد عام فاسقین ہیں اور فاسق کا ذکر مبالغۃً فی الحکم کے لئے ہے یعنی یہ کہ جو کوئی شخص بھی خبر لائے وہ قابل تحقیق ہے ورنہ ضرر کا اندیشہ ہے جیسا کہ یہاں ہوا۔ بالخصوص اگر کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو اسکا قابل تحقیق ہونا اولی وآکد ہے۔ باقی یہاں ان صحابی سے جو کچھ ہوا وہ خطاء اجتہادی تھی یہ حضرات معصوم نہیں تھے اسلئے غلطی ہوتی تھی لیکن چونکہ مخلص بھی تھے اور متقی بھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے جہاں انکی غلطی پر تنبیہ فرمائی وہیں انکی مدح بھی فرمادی ہے۔

یہاں تک تو ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب اور آپ کے حقوق کا بیان تھا اور آپکی عظمت اور احترام کے طریقوں کی تعلیم تھی اب اسکے بعد وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا (اور جب مومنین کے دو گروہ میں اختلاف ہوجایا کرے تو ان باہم صلح کرادیا کرو) ــــــ میں مسلمانوں کو قتال کی ممانعت فرمائی ہے اور اگر باہم ان میں اختلاف ہوجائے تو صلح کرادینے کا امر فرمایا ہے تو جس کو فہم قرآن کا ذرا سا بھی ذوق ہوگا وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ مناسبت ان دونوں مضمون میں یہ ہے کہ جس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام واجب ہے اسی طرح سے مسلمانوں کا بھی جو کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں آپ ہی کے طفیل میں انکا بھی اکرام و احترام لازم ہے یعنی انکی ایذا رسانی حرام ہے اسی لئے اقتتال کی ممانعت فرمائی ہے اور صلح کا امر فرمایا ہے اب لوگ صرف یہ تو سمجھتے ہیں کہ قتال بری چیز ہے یہ نہ ہونا چاہیئے اور اگر ہو جائے تو فوراً صلح کرا دینی چاہیئے لیکن اس پر کبھی غور نہیں کرتے کہ آخر یہ قتال منع کیوں ہے؟ حضور والا یہ قتال منع اسی لئے ہے کہ اس سے احترام مسلم فوت ہوتا ہے جو کہ واجب ہے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے سِباب المسلم فُسُوق وقتالُہ کفروا کلُ لحمہٖ مِن معصیۃِ اللہ وحرمۃُ مالہٖ لحرمۃ دمہ۔ المؤمن من امنہ الناس علی دمائھم (مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتل وقتال کرنا کفر ہے۔ اسکی غیبت کرنا خدا کی معصیت۔ اسکے مال کی حرمت مانند اس کے جان کی طرح ہے مومن وہ ہے کہ لوگ جس کی جانب سے اپنی جانوں پر مامون رہیں)۔

یہ میں اپنے باپ کا کلام نہیں سنا رہا ہوں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جو اس زمانہ میں صرف جمعہ کے خطبہ میں پڑھنے کیلئے رہ گئی ہے دیکھتا ہوں کہ خطیب صاحب بڑی زور زور سے اسکو پڑھتے ہیں، میں سنکر اسکو کہتا ہوں کہ ارے کیا اسکو پڑھ رہے ہو کوئی سمجھتا بھی ہے؟ اسی احترام کی وجہ سے مسلمان کو چھری دکھلانے کی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بزرگان دین جو کہ متبع سنت ہوتے ہیں وہ اگر کسی کو چاقو وغیرہ دیتے ہیں تو بند کرکے دیتے ہیں یا اگر اسکا موقع نہ ہوا تو زمین ہی پر رکھدیتے ہیں تاکہ دوسرا شخص اسکو اٹھالے کیونکہ کھلا ہوا دینے میں اندیشہ ہے کہ مبادا اس کو لگ جائے یا کم از کم چھری دکھانے کے مشابہ تو ہے۔ یہ حضرات اتنا اہتمام اتباع سنت کا فرماتے ہیں اسکی وجہ یہی ہے کہ ان حضرات کے قلوب میں ایمان ہوتا ہے جسکی وجہ سے اللہ اور اسکے رسول کا احترام ان کے دلوں میں ہوتا ہے اور اسکی وجہ سے قرآن کا اور سنت کا احترام اور اسکی بھی عظمت سے قلوب بھرے ہوتے ہیں، لہذا قرآن شریف میں ذکر فرمائے ہوئے آداب اور اسی طرح سے احادیث میں آئے ہوئے مضامین جب سنتے ہیں تو اسکا بھی احترام فرماتے ہیں اور اسکا احترام یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے

آپ سے پوچھتا ہوں کہ اب ان پر عمل آپ کب کیجئے گا اب کون سا وقت عمل کا آئے گا۔ کیا مرنے کے بعد عمل کیجئے گا؟ جانتے ہیں آج انپر عمل نہونے کیوجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ انکی عظمت اور وقعت ہی قلوب میں باقی نہیں رہ گئی ہے اور جب کوئی چیز قدیم اور پرانی ہوجاتی ہے تو اسکی وقعت کم ہوجاتی ہے جس طرح سے کہ کہیں کوئی نیا شخص جب پہونچ جاتا ہے تو اسکی بہت قدر وعظمت ہوتی ہے اور جب وہ پرانا ہوجاتا ہے تو نظروں سے گر جاتا ہے خیر میں یہ بیان کر رہا تھا کہ بزرگان دین اس درجہ لحاظ اتباع سنت کا رکھتے ہیں کہ کھلا ہوا چاقو تک کسی کو دینا انھیں گوارا نہیں ہوتا مگر آجکل لوگوں کا مقصد چونکہ دین اور اتباع سنت رہ ہی نہیں گیا ہے اسلئے نہ خود دین ہی کا احترام رہ گیا ہے اور اہل دین کا۔

چنانچہ لوگوں کا تو حال یہ ہے کہ مشائخ سے بھی تعلق رکھتے ہیں تو دنیا کے لئے۔ آج کتنے لوگ آپ کو ایسے ملیں گے کہ آخرت اور دین کے لئے پیر کے پاس جاتے ہوں الا ماشاء اللہ ورنہ عام حالات تو یہی ہیں کہ لوگ ان کے پاس بھی جاتے ہیں تو دنیا ہی کیلئے اور آسیب اتروانے ہی کے لئے جاتے ہیں۔ بس یہی کام آج مشائخ کا رہ گیا ہے کہ وہ مقدمہ میں کامیابی کا تعویذ دیا کریں اور کسی پر آسیب ہوگیا ہو تو اسکا علاج کردیا کریں۔ کیا یہ میں غلط کہہ رہا ہوں؟ پھر آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہی ان حضرات کی وقعت و عظمت ہے؟ آپ لوگوں نے پیروں کو بھی کہاں سے کہاں لا اتارا۔ یہ بزرگوں کی جماعت ہی تو وہ جماعت تھی کہ دین کے باب میں انھیں کا احترام قلوب میں تھا جب اس طبقہ کا یہ حال ہے کہ ان سے اب تعلق صرف دنیا کے لئے رکھا جاتا ہے اسقدر ناقدری ہوگئی ہے تو پھر بھلا علماء کا لوگ کیا احترام کریں گے اور کسی مسلمان کا بھی محض اسکے مسلمان ہونے کیوجہ سے کیا اکرام کریں گے؟

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ جو لوگ دین کے لئے تھے ان سے دنیا کے لئے تعلق رکھنا اور صرف ان سے آسیب ہی اتروانا سچ بتلائیے کہ کہاں تک یہ مرضی الٰہی کے مطابق ہے؟ اور جب نہیں ہے تو اگر کوئی پیر ایسے مرید کے لئے اسکی خاطر سے دنیا کے

حصول کی دعا بھی کر دے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوگی یا نہیں؟ یوں اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اسکی دعا کو قبول بھی فرمالیں تو فرمالیں اسکو نہیں کہتا لیکن قانون عدل کا تقاضا کیا ہے؟ اسپر بھی کبھی آپ نے غور فرمایا۔

بہرحال میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ان آیات کا ماقبل سے کیا ربط ہے؟ چنانچہ یہ بیان کیا کہ ربط یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام واجب ہے آپ پر تقدم منع ہے آپ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنا بے ادبی ہے اور موجب حبط عمل ہے۔ آپکو ایسی طرح پکارنا جیسے بعض بعض کو پکارتا ہے حرام ہے ان سب سے معلوم ہوا کہ ہر ایسی چیز جس سے آپ کا ادب۔ احترام تعظیم اور عظمت فوت ہوتی ہو حرام ہے اور اسکے بعد ہی وان طائفتان الخ فرمایا جس سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان کی بھی عظمت اور اسکا بھی اکرام ضروری ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے بعد آپ کے طفیل میں مؤمن کے بھی اکرام کا حکم فرمایا" یہ جو میں بیان کر رہا ہوں اسکو تفسیر کی کتابوں میں نہ پائیے گا اور نہ اس مضمون پر تقریر ہی کسی جلسہ میں سنئے گا کیونکہ ان باتوں کو تو جلسہ میں بیان ہی نہیں کیا جاتا آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان باتوں کو جلسہ میں نہیں بیان کرنا چاہیئے؟

قرآن شریف میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب اور آپؐ کی تعظیم کا حکم ہے اسی طرح سے عام مؤمنین کی تعظیم کا بھی حکم ہے لیکن ہم قرآن بھی پڑھتے ہیں سنتے بھی کرتے ہیں مگر اسپر نہیں آتے۔ اگر باہم اختلاف ہوگیا تو وہی سلسلہ چلا جا رہا ہے نہ لوگوں ہی میں یہ ہمت کہ نفس کو ترک کر دیں اور نہ عالم کی یہ ہمت کہ ان مضامین پر اس ماحول میں وعظ کہہ سکے۔ ان نیک لوگوں سے میں نے بہت چاہا کہ اخلاق پر آجائیں مگر انکی بدخلقی اور انکا نفس بھی ان سے کہتا ہے کہ ہم تمہارے اتنے دنوں کے ساتھی ہم کو چھوڑ دو گے تو ہم پھر کہاں کے رہیں گے' اسلئے اخلاق پر نہیں آتے اور کسی طرح نہیں آتے۔ میں جانتا ہوں بہت سے نیک لوگ ہیں کہ رات کو تہجد پڑھتے ہیں مگر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی سنت پر عمل کرنے کیلئے تیار نہیں' نماز پڑھ لینا ان کے لئے بہت آسان مگر اخلاق اختیار کرنا اور مسلمانوں کا اکرام کرنا انکو ایذا رسے بچانا انکے لئے موت ہے۔

میرا تو خیال ہے کہ اب انکے ذہن ہی سے یہ بات نکل گئی ہے کہ مسلمان بھی واجب القدر واجب الاحترام اور واجب التعظیم ہے۔ جب کسی کی قدر عظمت اور احترام ذہن میں ہوتا ہے تب ہی آدمی اسکی ضد کو حرام سمجھتا ہے اور اس سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے ورنہ تو جب تک کسی چیز کی اہمیت ہی نہ ہوگی اس سے آدمی کیا بچے گا۔ چنانچہ دیکھئے بہت سے نیک لوگ ہیں جو شراب نہیں پیتے مگر غیبت سے نہیں بچتے حالانکہ جس طرح سے یہ حرام ہے اسی طرح سے غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ پھر عمل میں یہ فرق کیوں ہے؟ بات یہ ہے کہ شراب کی حرمت چونکہ عام لوگوں میں بھی مسلم ہے اسلئے اسکی اہمیت ذہن میں ہے اور غیبت کو چونکہ عام لوگوں نے نقل مجلس بنا رکھا ہے اسلئے خواص کے ذہن سے بھی اسکی اہمیت نکل گئی ہے اور ایسا ہو سکتا ہے کہ امتداد زمانہ کیوجہ سے کسی چیز کی اصلی اور حقیقی حیثیت باقی نہ رہ جائے، ایک وجہ تو یہی ہے اس تفریق کی اور ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ میرا تو خیال ہے کہ جس طرح سے اہل کتاب نے احکام کی تجزی اور تقسیم کر رکھی تھی کہ خدا کے بعض احکام کو (جو نفس کے موافق ہوتے) لے لیتے تھے اور بعض کو ترک کر دیتے تھے اسی طرح سے آج مسلمانوں نے بھی دین کی اور احکام کی تجزی اور تقسیم کر لی ہے۔ یعنی جن احکام کے کرنے میں سمجھتے ہیں کہ عزت قائم ہوتی ہے مثلاً عبادات میں نماز تہجد سے کہ اس سے لوگ تہجد گذار سمجھتے ہیں یا ممنوعات میں سے جن چیزوں میں عوام کے نزدیک کوئی بزرگی نہیں ہے اور ان کے کرنے سے نہ بزرگی ہی میں کچھ ضرر ہوتا ہے اور نہ لوگوں کے ہی اعتقاد میں کچھ فرق پڑتا ہے مثلاً کسی سے حسد کر لیا یا کسی کے ساتھ بغض رکھ لیا (اگرچہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ سب بھی مضر ہوں) تو اسکو بھی کرتے ہیں اور جس کا ضرر عوام کو بھی مسلم ہوتا ہے اور لوگ اسکو برا سمجھتے ہیں مثلاً چوری، شراب نوشی وغیرہ اسکو نہیں کرتا میں کہتا ہوں یہ دین میں انتخاب کیسا؟ اور احکام خداوندی میں یہ تفریق و تقسیم کیسی؟ کہ جو چیز نفس کے مطابق ہوگی انکو تو لوگے اور جو نہ ہونگی وہ نہ لوگے یہ جائز کب ہے؟ قرآن شریف کا پڑھنا ضروری اور اسپر عمل کرنا کیا ناجائز ہے؟ یہ کہاں کا دین ہے؟ بات یہ ہے کہ اب دینداری ہی کہاں رہ گئی ہے۔ دین وغیرہ سب ختم ہے۔

مسلماناں درگور و مسلمانی در کتاب کا وقت ہے۔ بس مسلمانوں میں جو چیز ترقی پر ہے وہ انکا آپس کا شقاق و خلاف ہے کہ اس میں یہ خوب ترقی پر ہیں۔ غریب و مفلس ہو گئے زمینداری ختم ہو گئی مگر مقدمہ بازی کے لئے دیکھتا ہوں کہ انکے پاس روپیہ موجود ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ یا اللہ یہ کہاں سے آجاتا ہے اپنے کو متقی بھی سمجھتے ہیں اور مقدمہ میں جھوٹ بولنا ان کے نزدیک واجب۔ معاف کیجئے گا یہ سب باتیں آپ لوگوں سے ڈر نکالکر کہہ رہا ہوں اب کب تک آپ لوگوں سے ڈرتے رہیں، ڈرتے ڈرتے زمانہ ہو گیا ایک دن مرنا ہے خدا کے یہاں جانا ہے، عالم لوگوں سے خدا کے یہاں باز پرس ہو گی کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے چنانچہ ہر شخص سے اسکی رعیت کے متعلق باز پرس ہو گی) الغرض آپ لوگوں نے جو یہ دین میں بھی انتخاب کر رکھا ہے یہ طریقہ آپ کا صحیح نہیں ہے اور اسکا نام خدا پرستی نہیں ہے بلکہ یہ تو نفس پرستی اور ہوا پرستی ہے۔ دین میں جس طرح سے اللہ تعالیٰ کا احترام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام ہے، قرآن شریف کا احترام ہے اسی طرح سے مؤمن کا بھی احترام ہے اور اسکا ایک فرد یہ بھی ہے کہ اس سے مقاتلہ حرام ہے اسکو ایذا پہونچانا حرام ہے۔ اسکی غیبت کرنا، اس سے حسد کرنا، اس سے بغض رکھنا یہ سب حرام ہے اور یہ سب چیزیں حرام اسلئے ہیں کہ انما المومنون اخوۃ مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذریعہ ان میں اخوت قائم فرمائی ہے اور یہ سب چیزیں اخوت کے منافی ہیں۔

اسی مضمون کو میں نے ابھی کچھ دن ہوئے ذرا تفصیل سے بیان کیا تھا جو کہ "مضمون اخوت" کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے، اسی رسالہ پر تبصرہ اخبار "الجمعیۃ" دہلی میں شایع ہوا جسکو میں نے ابتدا میں آپ کو سنایا ہے اور سنایا آپکو اس لئے ہے تاکہ آپکو بھی معلوم ہو جائے کہ واقعی وہ مضمون نہایت ہی اہم اور مفید ہے۔ اسلئے کہ اس تبصرہ میں ہے کہ یہ تقریر انجمن اصلاح المسلمین کے جلسہ میں پڑھکر سنائی گئی لہٰذا سب سے بڑی دلیل تو اس مضمون کے صحیح ہونے کی یہی ہے کہ وہ الہ آباد کے جلسہ میں سنائی گئی اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اسکی تائید اخباروں میں بھی آگئی ہے کیونکہ اس تبصرہ میں یہ بھی ہے کہ " اس

میں آیۂ کریمہ انما المؤمنون اخوۃ کی تفسیر عالمانہ انداز میں کی گئی ہے" اور سنیئے آگے لکھتے ہیں کہ "اور نہایت خوبی سے اخوت کے معنی اور مطلب، اخوت کی اہمیت اسکے مؤیدات پر روشنی ڈالی گئی ہے" اور سنیئے آگے کیا لکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ "اخوت کے زبانی دعوی اور عمل میں تضاد اور اس سلسلہ میں اہل ملت کی افسوسناک کمزوریوں پر تنبیہ کی گئی ہے"۔ آگے سنیئے خانصاحب آپ کی بھی تعریف ہے کہ " انجمن اصلاح المسلمین نے اسکو شائع کرکے ایک قابل قدر اصلاحی اور تبلیغی خدمت انجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کو مطالعہ کرنے اور اسپر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

میں نے الہ آباد کے جلسہ میں سنائے جانے کو اسکے معتبر ہونے کی دلیل اس لئے کہا کہ حضرت مولانا (تھانوی) نے ایک دفعہ جلسہ میں یہیں وعظ میں بیان فرمایا کہ "مولویوں کے لباس اور وضع کا یہ نئی روشنی والے مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ اسکے متعلق میں یہیں الہ آباد کا ایک فتویٰ سناتا ہوں لوگ متوجہ ہوئے کہ کس کا فتویٰ ہے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب اسی طرح کا لباس پہنکر وائسرائے سے ملنے گئے، ملاقات ہوئی اس نے مولوی صاحب کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ مولانا آپ تو اس لباس میں بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ اب تو مانیئے گا کہ مولویوں کا لباس اچھا ہوتا ہے وائسرائے کا فتویٰ اسکی تحسین پر ہوگیا ہے اور یہیں آپ کے الہ آباد کا واقعہ ہے لہٰذا اب تو آپ کو اس میں کلام نہ ہوگا کیونکہ آپ لوگوں کے نزدیک وائسرائے کے استحسان کا بڑا درجہ ہے"

اسی طرح اخبار میں شایع ہو جانے کو بھی میں نے دوسری دلیل قرار دیا ہے یہ اسلئے کہ دیکھتا ہوں آج اخبار کی بھی آپ لوگوں کے قلوب میں بڑی عظمت ہے اور اسکو بڑی چیز سمجھا جاتا ہے۔ صبح اٹھکر تلاوت قرآن شریف کا تو کیا ذکر ناشتہ تک بھی نہیں کرتے مگر اخبار دیکھنے کی فکر سب سے پہلے ہوتی ہے آپ لوگ تو دیکھتے ہی ہونگے ہم جیسے لوگ بھی کچھ دیکھ ہی لیتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی اہمیت اور عظمت قلب میں ہے، لہٰذا جو مضمون کسی اخبار میں شایع ہو جائے یا کسی کتاب کی تائید میں کچھ تبصرہ اس میں

کر دیا جائے تو اسکے بھی مقبول ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

تبصرہ کرنے والے نے اسکی تحسین کی ہے کہ نہایت خوبی سے اخوت کے معنی اور مطلب، اخوت کی اہمیت اور اسکے مؤیدات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یا اللہ اس زمانہ میں اخوت کا مصداق تو ختم ہی ہے یہ لفظ بھی گویا مشکل ترین الفاظ میں شمار ہونے لگا ہے کہ محتاج تشریح ہے اور جو اسکے معنی بیان کردے لائق تحسین۔ ارے اخوت بھی کوئی نظری چیز ہے کہ اسکو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے لغت کی ورق گردانی کرنی پڑے اور کسی سے اسکا مفہوم سمجھنا پڑے، مگر بات یہ ہے کہ اسکی جیسی کچھ عظمت اور اہمیت شریعت نے بیان کی ہے آج مسلمانوں کے قلوب میں اخوت کی وہ حیثیت باقی نہیں رکھی اس لئے اسکا بدیہی مفہوم بھی انکے نزدیک نظری ہو گیا۔ اسی لئے میں اسکو بار بار بیان کرتا ہوں اور اتنی بار بیان کرتا ہوں کہ آپ لوگ سنتے سنتے تھک گئے ہوں گے اور دل میں کہتے ہونگے کہ بس یہی ایک مضمون بیان کرنے کو رہ گیا ہے اور کوئی دوسرا مضمون بیان کرو۔ کیونکہ اس میں مزا نہیں آتا ہے۔ میں کہتا ہوں آپ کو مزا نہ آتا ہوگا مجھکو تو مزا آتا ہے بات یہ ہے کہ چونکہ اس پر عمل نہیں کرنا چاہتے اس لئے سننا بھی اس مضمون کا ناپسند ہے اور قاعدہ بھی ہے کہ جس گاؤں جانا نہیں اسکا راستہ کیوں پوچھا جائے۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انما المؤمنون اخوۃ فرما کر سب مسلمانوں میں جو باہم اخوت قائم فرما دیا اس کا تحفظ ضروری ہے اور اسی لئے ان امور کو کہ سبب تھے قطع اخوت و محبت و مودت کے انکو حرام فرمایا ہے۔

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا۔ یعنی اگر مسلمانوں میں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو انکے درمیان اصلاح کردو

دیکھئے اقتتال جو کہ منافی اخوت ہے اور اس سے اخوت قطع ہوتی تھی اس حال میں صلح کرا دینے کو واجب فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اقتتال حرام ہے اسلئے کہ اس میں مؤمن کی ہتک حرمت ہے جو کہ صلح کی ضد ہے اور اسمیں مسلم کے لئے ایذا اور آزار بھی ہے۔ چنانچہ حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن   کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

یعنی کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ اور جو جی چاہے کرو کیونکہ ہماری شریعت میں بجز اسکے کوئی گناہ نہیں ہے اور یہ مضمون صحیح ہے اور ساری شریعت کو حاوی ہے۔ کیونکہ دوسرے کو ایذا سے بچانے کا اگر آپ اہتمام فرمائیں گے تو شریعت کا کوئی شعبہ اس سے باہر نہ پائیے گا کیونکہ شریعت میں دو ہی قسم کے احکام ہیں یا حقوق اللہ ہیں یا حقوق العباد ہیں۔ اگر آپ نے حقوق العباد میں کوتاہی کی تو صاحب حق کو ایذا ہوگی جو کہ ظاہر ہے اسی طرح اگر حقوق اللہ میں بھی کچھ بھی قصور کریں گے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا ہوگی کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ سب امت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبر میں پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے جن کے اعمال اچھے ہوتے ہیں آپ کو ان سے خوشی ہوتی ہے اور برے اعمال سے ایذا ہوتی ہے لہٰذا یہ بات صحیح ہے کہ اگر آدمی دوسرے کو ایذا سے بچالے تو کامیاب ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایذا ہوتی ہے اس پر ایک واقعہ یاد آیا۔

یہیں ہندوستان میں ایک صاحب نے کسی صاحب کی کتاب دیکھی اس کے مضامین بہت پسند ہوئے اور کلام سے متکلم کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں قائم کرکے ان سے ملاقات کے لئے چلے دور دراز کا سفر طے کرکے جب اس مقام پر پہونچے جہاں وہ بزرگ تھے مکان کا پتہ دریافت کیا بالآخر انکے پاس پہونچے تو دیکھا کہ وہ چہرہ کے بال داڑھی وغیرہ استرے سے منڈوا رہے ہیں انھوں نے دل میں کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ کیا سوچ کر آئے تھے اور کیا پایا یہ خیال دل میں قائم کرکے ان سے کہا کہ "آغا ریش می تراشی"؟ وہ شاعر مزاج تھے برجستہ جواب دیا کہ "بلے ریش می تراشم ولے دلِ کسے نمی خراشم" یعنی ہاں داڑھی تو ضرور چھلوا رہا ہوں مگر کسی کا دل نہیں چھیلتا۔ یہ سنکر انھوں نے بھی برجستہ کہا کہ "آرے دلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم می خراشی" یعنی خبر بھی ہے تم سنت کے خلاف عمل کرکے صاحب سنت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو ایذا پہنچا رہے ہو اس سے بڑھکر اور کیا دلخراشی ہوگی اور سمجھ یہ رہے ہو کہ دلِ کسے نمی خراشم، یہ سنکر انھوں نے کہا کہ ؎

بجزاک کرچشم ناز کر دی مرا با جان جاں ہمراز کردی

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری آنکھیں کھولدیں اور مجھکو میرے جانجاں سے ہمراز کردیا۔

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح جب آپ کھلی سنتوں کو پامال کر رہے ہیں تو کیا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رنہ ہوتی ہوگی؟ اور آپ کی سنتوں کا پامال کرنا کس طرح ہو رہا ہے سنیئے:۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ:۔

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک مسلم الذی له ذمة اللہ وذمة رسوله فلاتخفروا اللہ فی ذمته (بخاری شریف)	حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص ہماری جیسی نماز پڑھے ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہمارے ذبیحہ کو کھائے بس وہ مسلمان ہے اسکے لئے اللہ کا اور اسکے رسول کا ذمہ ہے لہٰذا اللہ اور اسکے رسول سے ان کے لئے ہوئے ذمہ میں مزاحمت مت کرو۔

چنانچہ اسکے تحت فتح الباری میں ہے کہ:۔

وفیه ان امور الناس محمولة علی الظاهر فمن اظهر شعار الدین اجریت علیه احکام اهله ما لم یظهر منه خلاف ذلک	اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا معاملہ (دربارۂ ایمان وکفر) ظاہر پر محمول ہے پس جو شخص شعار دین پر عمل کرتا ہوا اسپر اہل شعار کا حکم لگایا جائے گا جب تک کہ اس سے اسکے خلاف کا ظہور نہ ہو۔

(فتح الباری ص۳۳۶ ج ۲)

دیکھئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہم کسی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں صرف اسکے ظاہر حال کے مکلف ہیں مگر ہمارا آج اس پر کہاں تک عمل ہے؟ لوگوں کے عیوب کا تجسس پھر ان سے بدظنی و بدگمانی مسلمانوں کی شان میں بدگوئی و بدزبانی اور انکی غیبت و شکایت اور پھر اسکے نتیجہ میں فتنہ وفساد اور جدال وقتال آج کیا کچھ ہم نہیں کرتے کیا یہی اتباع ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اس اخلاق سے خوشی ہوتی ہوگی؟

اور سنیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ مالا بدمنہ میں ہے

دشنام دادن دیگرے بزبان یا باشارۂ سر یا چشم یا دست یا مانند آں یا خندیدن بروے بر نہجی کہ موجب ہتک حرمت او باشد حرام است۔

کسی کو گالی دینا زبان سے یا سر کے اشارے سے یا آنکھ ہاتھ سے یا کسی اور طرح سے یا اس پر اس طرح سے ہنسنا جس سے اسکی حرمت فوت ہوتی ہو یہ سب حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ حرمت مال وآبروئے مسلماں مثل حرمت خون اوست وکعبہ را فرمود کہ حق تعالےٰ ترا چہ قدر حرمت دادہ لیکن حرمت مسلماں وحرمت خون او ومال او وآبروے او از تو زیادہ است

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے مال وآبرو کی حرمت بھی مانند اسکے خون کے ہے اور کعبہ سے فرمایا کہ اے کعبہ اللہ تعالیٰ نے تجھے کیسی عظمت بخشی ہے لیکن مسلمان کی حرمت اور اسکے خون ومال وآبرو کی حرمت تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔

(مالا بدمنہ ص۶)

اور سنیئے" کذب ویسے تو حرام ہے لیکن دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے جائز ہے۔

دروغ حرام است مگر برائے صلح میان دو کس یا برائے راضی کردن اہل خود یا برائے دفع ظلم ظالم و اینچنیں مقام تعریض بکذب بہتر است و بیحاجت تعریض بکذب ہم مکروہ است

جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن دو آدمیوں میں صلح کی نیت سے جائز ہے اسی طرح سے اہل خانہ کو خوش اور راضی کرنے کیلئے بھی جائز ہے اور اپنے سے رفع ظلم کیلئے بھی جائز ہے لیکن ان مقامات پر جھوٹ کو تعریضاً بیان کرنا مناسب ہے اور بلا ضرورت تعریض کے ساتھ بھی غلط بیانی جائز نہیں۔

(مالا بدمنہ)

اور سنیئے حقوق مسلم، اسی مالا بدمنہ میں ہے کہ:۔

تجسس حال مسلماناں برائے عیب جوئی آنہا حرام است۔ بدترین دروغ

مسلمانوں کے حال کا تجسس کرنا عیب جوئی کے خیال سے حرام اور بدترین جھوٹ جھوٹی گواہی دینا ہے

شہادت دروغ است۔ وقسم دروغ کہ بداں مال مسلمانی را بنا حق تلف کنند حق تعالیٰ دروغ را برابر بہ شرک شمردہ و فرمودہ کہ پرہیز کنید از بت پرستی و پرہیز کنید از سخن دروغ در حال کہ مسلماں راہ راست روندہ باشید۔	اور وہ جھوٹی قسم کھانا جس سے کسی مسلمان کا مال ناحق فوت ہوتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے کذب کو شرک کے ساتھ ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا ہے کہ بت پرستی سے اور کذب سے اجتناب کرو۔ مسلمان سیدھی راہ چلنے والا ہوتا ہے۔

(مالا بد منہ ص۱۶۰)

دیکھا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کیسے اخلاق کی تعلیم فرمائی اور مسلمانوں کے کتنے حقوق بیان فرمائے اور انکی عظمت کو خانہ کعبہ سے بھی بڑھکر فرمایا مگر ہمارا آج کے ان تعلیمات کے ساتھ کیا برتاؤ ہے؟ کیا ہم ان سب امور میں متبع سنت ہیں، پھر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حالات سے ایذا نہوتی ہوگی؟

اور سنیئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو فساد ذات البین سے بچاؤ کیونکہ یہ مونڈ دینے والی چیز ہے۔ اور پھر یہ فرمایا کہ میں یہ کہتا کہ یہ بال کو مونڈ دیتی ہے بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ کیا میں تمکو ایسی چیز کی خبر نہ دوں جو درجہ میں نماز و روزہ اور صدقہ وغیرہ سے بھی بڑھکر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا وہ شے اصلاح ذات البین ہے"

دیکھا آپ نے آپس کے فساد کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی مذمت بیان فرمائی اور اسکے بالمقابل اصلاح کرنے کی کتنی مدح فرمائی مگر ہمارا آج حال یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اصلاح سے مناسبت ہی باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ہاں فساد سے البتہ ایک نسبت سی حاصل ہو چکی ہے اور اس سے لوگ اسطرح سے خوش ہوتے ہیں جیسے شیطان خوش ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد رہے اور لوگ چین آرام سے رہیں بہت طبائع پر یہ شاق ہے، چاہتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ ہنگامہ آرائی جاری رہے۔

جانتے ہیں اسکی وجہ کیا ہے ؟ بات یہ ہے کہ لوگوں نے اپنا رشتہ اللہ تعالیٰ سے ختم کر لیا ہے اسلئے دینی باتوں سے بھی کوئی علاقہ نہیں رہ گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ پھر منتظر ہیں کہ یہ ہو جائے اور وہ ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کیا ان سب خام خیالیوں میں پڑے ہو اگر واقعی کچھ چاہتے ہو تو کام کرو اور وہ کام کیا ہے جس کو کرنے کیلئے کہہ رہا ہوں وہ ہے اتباع سنت۔ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اس زمانہ میں اتباع سنت کریگا اس کو بہت زیادہ اجر ملے گا کیونکہ اس زمانہ میں یہ سب سنتیں مردہ ہو گئی ہیں اور انپر عمل کرنا انکا احیاء یعنی زندہ کرنا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ من احیاء سنتی عند فساد امتی فلہ اجر مأتہ شھید (جس شخص نے میری سنت کو زندہ کیا میری امت کے فساد کے زمانہ میں اسکے لئے سو شہیدوں کے برابر ثواب ہوگا) یہی وقت فساد کا ہے۔

پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قتال سے منع فرمایا اور صلح کا حکم فرمایا اسی لئے کہ اس میں مسلمان کا احترام ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ:۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا — یعنی آپس میں ایک دوسرے کو مت قتل کرو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحیم ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ چونکہ رحیم ہیں اسی لئے تمکو بھی حکم فرماتے ہیں کہ تم بھی باہم قتل نکرو۔ مگر اب حال یہ ہے کہ اگر باہم کبھی لڑتے ہیں تو ایک دو تھپڑ پر بس نہیں کرتے بلکہ اسوقت تک ہوش نہیں آتا جب تک اسکو قتل نہیں کر لیتے اور جب قتل کر لیتے ہیں تو بس ہوش آجاتا ہے اور پھر فوراً وکیل کے پاس پہونچ جاتے ہیں اور پھر اسکے بعد جو ہوتا ہے وہ آپ بھی جانتے ہیں یہاں کوئی وکیل صاحب بیٹھے ہوں تو خفا نہ ہوں گے اور مجھے معاف فرمائیں گے میں کسی کی توہین نہیں کر رہا ہوں بلکہ لوگوں کے حالات جو بھی میرے سامنے ہیں انکو بیان کر رہا ہوں کہ ہم کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں اور افسوس کہ کوئی انکو ان کی حالت پر تنبیہ کرنے والا بھی نہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی ایک سنت یہ بھی تھی کہ آپ تدبیر منزل کی اصلاح پر ملازم تھے یعنی گھریلو زندگی اور خانگی حالات کی برابر نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں سے فساد راہ نہ پکڑنے پاوے اسلئے خامیوں کی برابر اصلاح

فرماتے رہتے تھے جنکی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں اور کسی کی حق تلفی نہ ہو، کیونکہ آج جو خانگی حالات خراب ہیں ان سب کا منشا رعدم ادائیگی حقوق ہے آپؐ اسی کی نگرانی فرماتے تھے اسلئے ہر ایک دوسرے سے خوش تھا

اسی طرح دوسری چیز جسکا آپ لحاظ زیادہ فرماتے تھے وہ رعایتِ اصحاب تھی اور تیسری چیز سیاست مدینہ تھی جسکا لحاظ بھی آپ بہت زیادہ فرماتے تھے۔ اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ بھی ان امور کی فکر رکھتے ہیں؟ کیوں نہیں رکھتے کیا یہ اتباع سنت نہیں ہے؟ میں تو دیکھتا ہوں کہ آپ نہ تو تدبیر منزل کرتے ہیں اور نہ رعایت اصحاب کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلئے اسکا اہتمام زیادہ فرمایا تاکہ سنت ہو جائے اور لوگ زیادہ سے زیادہ اس پر عمل کریں۔

اب آپ لوگ یہ سب باتیں کیا سن رہے ہیں تو یہ سمجھ لیجئے کہ محض سن لینے سے کام نہیں چلے گا جب تک کہ عمل نہ کیجئے، سننا کچھ مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ سننے سے علم ہو جائے گا جس کے بارے میں حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ ؎

علم چندانکہ بیشتر خوانی ۔۔۔ چوں عمل در تو نیست نادانی

(علم چاہے جتنا حاصل کرو جب تم میں عمل نہیں ہے تو نادان ہی ہو۔)

نہ محقق بود نہ دانشمند ۔۔۔ چارپایہ برو کتابے چند

(بے عمل نہ تو محقق ہوگے اور نہ عقلمند ہی کہے جاؤگے بس ایک جانور کی طرح ہوگے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو)

جس علم پر عمل نہ ہو وہ حق تعالیٰ کی طرف سے حجت ہے اور اسکے لئے وبال جان۔

اب آخر میں ایک بات اور سن لیجئے وہ یہ کہ جب مومن کے احترام کے لئے اتنی تاکید ہے جیسا کہ آپ نے ابھی سنا تو اسی اندازہ کر لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قعت ادب، احترام کس درجہ ہم پر لازم ہے اور اسی طرح سے آپکی سنت کا کیسا احترام ہم پر ضروری ہے۔ پھر اسی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور انکی تعظیم کو قیاس کیجئے کہ ہم پر کیسی کچھ واجب ہے۔ اسی طرح سے سمجھئے کہ اللہ تعالےٰ کے کلام یعنی قرآن شریف کی کتنی عظمت اور قدر ہمکو کرنا چاہیے کیونکہ جب خدا تعالیٰ کا احترام ضروری ہے تو اسکے کلام کا احترام بھی ضروری ہے اور اسکی بےحرمتی سے بڑھکر کوئی جرم نہیں

اور قرآن شریف کا ادب اور اسکا احترام یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے اور اسکی بیحرمتی یہی ہے کہ اس پر عمل نہ ہو۔

یہاں پر ایک بات اور سن لیجئے ایک بادشاہ اپنے محل پر بیٹھا ہوا تھا لوگ نیچے سے آجا رہے تھے ایک بزرگ بھی ادہر سے گذرے بادشاہ نے اوپر سے کمند لٹکا دی کہ اسکے ذریعہ سے میرے پاس آجائیے۔ وہ بزرگ اوپر پہونچ گئے بادشاہ نے ان سے سوال کیا کہ یہ بتلائیے کہ آپ خدا تعالیٰ تک کیسے پہونچے ان بزرگ نے فوراً جواب دیا کہ جس طرح سے آپ کے پاس پہنچا اللہ والوں کو وقت پر کیسا جواب اللہ تعالیٰ القا فرمادیتے ہیں جواب کی خوبی یہ ہے کہ سائل کے سوال کے لفظوں ہی سے جواب نکالا جائے چنانچہ اسنے پوچھا تھا کہ خدا تعالیٰ تک کیسے پہونچے انھوں نے فرمایا کہ جیسے آپ تک پہونچے بادشاہ جواب کو سمجھا نہیں پوچھا کیا مطلب انھوں نے فرمایا کہ دیکھئے اگر میں از خود آپ سے ملاقات کرنے کا ارادہ کرتا تو درخواست دیتا یہاں وہاں دوڑتا پھاٹک پر دربان سے الجھتا سارے قلعے کا چکر لگاتا تب کہیں جاکر پہونچ سکتا مگر جب آپ ہی نے چاہا تو فوراً کمند پھینک کر بلا لیا اسی طرح سے بندہ کی بھلا خدا تعالیٰ تک کیا رسائی ہوتی اور نہ معلوم کتنی منزلیں طے کرنی پڑتیں لیکن جب خدا تعالیٰ ہی چاہتے ہیں تو ایک آن میں بلا لیتے ہیں اور بندہ واصل ہو جاتا ہے۔ بادشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا

میں کہتا ہوں وہ کمند کون سی ہے جو اللہ تعالےٰ نے بندوں کے لئے لٹکائی ہے وہ کمند یہی قرآن شریف ہے اس پر عمل کیجئے اور خدا تعالیٰ تک رسائی ہو جائے تو کہئے۔ مگر اس پر عمل کرنا آسان نہیں ہے اسلئے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ انما المومنون اخوۃ جسکا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو اپنا بھائی سمجھا جائے اور اسکے ساتھ الفت، مؤدت اور محبت کا معاملہ کیا جائے۔ اسکا اکرام اور احترام کیا جائے۔ اسکے حقوق ادا کئے جائیں اور ان تمام امور سے اجتناب کیا جائے جن سے یہ رشتۂ اخوت ٹوٹتا ہو یا کمزور ہو جاتا ہو یہاں ہر شخص کے اندر نفس موجود اسلئے ان امور پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں حالانکہ اسی پر عمل کرنے میں آج ہمارے دین کی فلاح کے علاوہ دنیا کی بھی فلاح مضمر ہے اسی لئے کچھ اسکی جانب آپ لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا تھا اور ایک دن کچھ تفصیل کے ساتھ کہدیا تھا۔

احباب نے اسکو اصلاح المسلمین کے جلسہ میں پہنچا دیا ارباب جلسہ نے اسکو شایع کر دیا اخبار میں بھی اسکا ذکر آگیا۔ آپ کے سامنے اسلئے اسکا ذکر اہتمام کے ساتھ کیا کہ اب تو مانئے گا کیونکہ اب وہ اخبار میں بھی آگیا ہے۔ باقی میرا کہنا کیا میں تو اسی قسم کے مضامین بیان ہی کرتا ہوں اور مکرر سہ کرر بیان کرتا رہتا ہوں، اور یہ تکرار گو آپکو ناپسند ہو مگر مجھے ناگوار نہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے متعلق فرمایا ہے کہ ولقد صرفنا للذکر لیذکروا یعنی ہم نے اس قرآن کے مضامین کو پھیر پھیر کر اسلئے بیان کیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت قبول کریں اور قاعدہ بھی ہے کہ الکلام اذا کرر قرر یعنی کوئی بات جب بار بار بیان کیجاتی ہے تو ذہن نشین اور قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

ظاہری وباطنی اصلاح کا بہترین ذریعہ
مجموعہ
تالیفاتِ مصلح الامۃ
مکتبہ اشرفیہ
معرفتِ الٰہیہ
تعلیم الدین
مکتبہ اشرفیہ، ۳۶ محمد علی روڈ ممبئی ۳
محمد علی روڈ، ممبئی ۳ فون: ۲۳۴۷۳۱۰۹